ماہنامہ

کرن

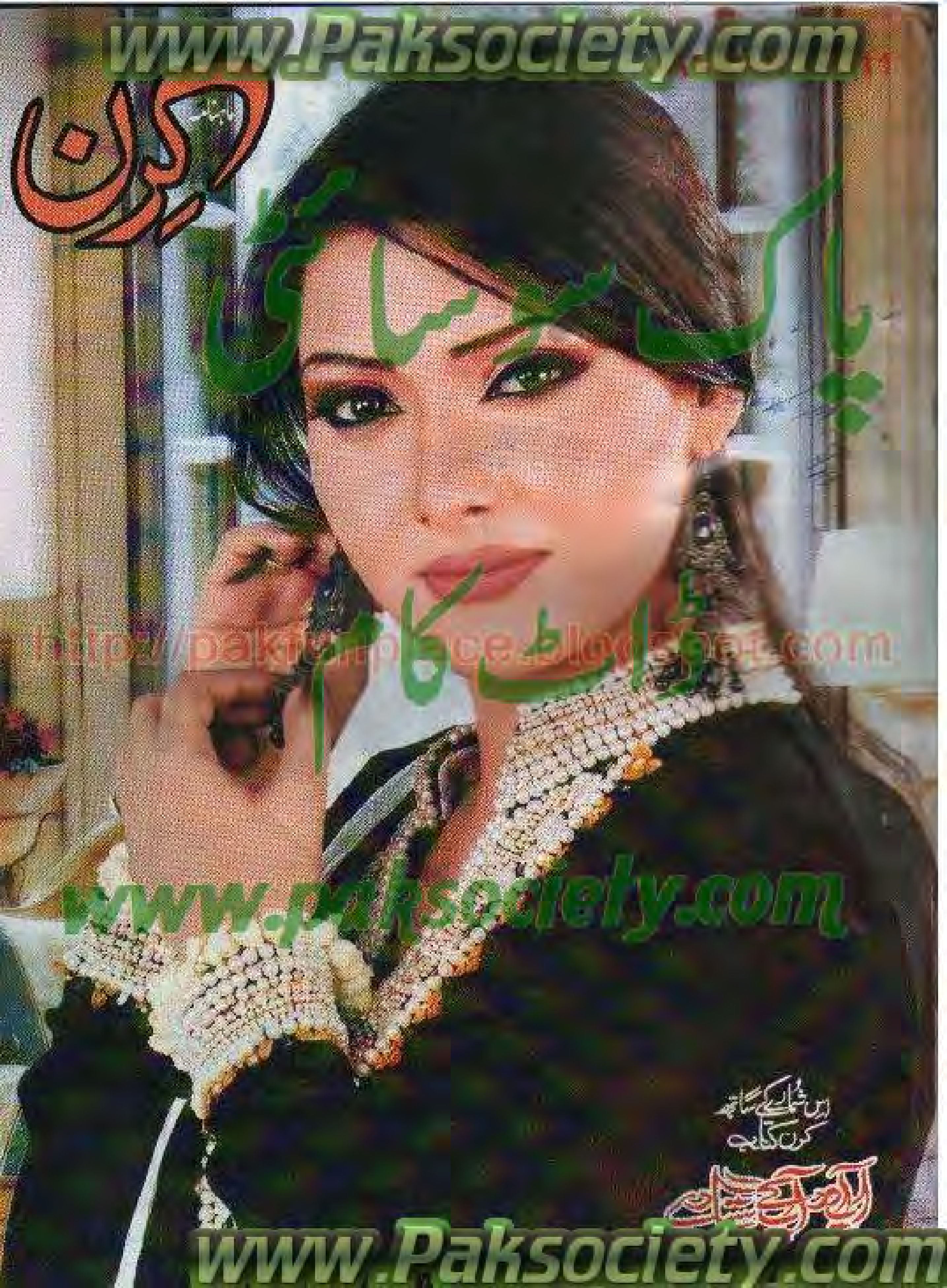

اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ

آرائش حسن کے ستارے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

چاند گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

بانی ——— محمود بابر فیصل
ایڈیٹر ——— محمود ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
مدیر اعلیٰ ——— عامر محمود
نائب مدیرہ ——— شعاع عمیر
ریحانہ امجد بخاری
مدیرِ خصوصی ——— امۃ الصبور
اشتہارات ——— خالد جیلانی

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

9 مختلف قسم کے شیمپو
MEDICAM SHAMPOO
MEDICAM

http://pakfunplace.blogspot.com
www.paksociety.com

حمد	امجد بخاری	11
نعت	امجد بخاری	11

بیادِ ابنِ انشاء

بنجارن کا بوجھ	انشاجی	12

انٹرویو

سالِ نو مبارک	شاہین رشید	13
وسیم بادامی	شاہین رشید	29
اک نیا سفر	فوزیہ یاسمین	262
فاروق حسن	نازیہ کنول نازی	19
دو کا پہاڑہ	فضیلہ قیصر	24

ناول

دستِ کوزہ گر	فوزیہ یاسمین	34
دردِ دل	نبیلہ عزیز	200

مکمل ناول

عشق آتش	سعدیہ راجپوت	218
یادیں	نبیلہ عزیز	62
اک ستارہ	فرحین اظفر	130

ناولٹ

گوشۂ عافیت	شگفتہ بھٹی	116
ادھورے خواب	رمشی بخاری	184

افسانے

عنوان کی تفسیر	غزالہ جلیل	54
کیکٹس	سنبل	105
کتھارسس	ام ثمامہ	181
دستور نرالا	علیزے حیدر	248
ایک جوڑا	نازیہ جمال	256

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو	شعاع عمیر	265
یادوں کے دریچے سے	بشریٰ محمود	269
مجھے یہ شعر پسند ہے	شگفتہ سلمان	272
مسکراتی کرنیں	ریحانہ امجد بخاری	274
کرن کا دسترخوان	خالدہ جیلانی	278
حسن و صحت	ادارہ	281
بول کہ لب	ریحانہ امجد بخاری	264
نامے میرے نام	مدیرہ کرن	283

جنوری 2011
جلد 33 شمارہ 10
قیمت 40 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ----- 500 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 4000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 5000 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37 - اردو بازار، کراچی۔
پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام اشاعت: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: khawateendigest@hotmail.com . info@khawateendigest.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

مدیرہ

اداریہ

جنوری 2011ء کا کرن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

بہت سے ناخوشگوار واقعات کے ساتھ 2010ء اختتام کو پہنچا۔ دن، مہینے، سال نہ جانے کتنی صدیوں سے وقت کا سفر اسی طرح جاری ہے۔ وقت کیا ہے۔ ایک احساس، تغیر و تبدل کو ناپنے کا پیمانہ۔ ازل سے قائم یہ آسمان اور زمین اور اسی کا ایک حصہ یہ وقت جس کا کام ہمیشہ سے گزرنا ہی ہے۔ وقت جو انسان کی شکست ہے۔ انسان جو ایک مشتِ خاک ہے۔ حاصل کی تمنا میں لاحاصل کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ سفر کرتے کرتے عمر گزار دیتا ہے۔ صدیاں گزر جاتی ہیں۔ موسم بیت جاتے ہیں اور ایسے میں اسے محسوس ہوتا ہے کہ چلتے چلتے عمر کٹ جانے کے بعد بھی سفر نہیں کٹا۔ وقت کٹ گیا اور فاصلہ نہیں کٹا۔ ایسی کیفیت ہو تو کچھ دیر رک کر ذرا سوچیے کہ انسان کی تخلیق مالک نے عبث نہیں فرمائی۔ اپنی تخلیق کے مقصد پر غور کریں اور اس دائمی حق کے پیغام کو یاد کریں تو سب کچھ واضح ہوتا جائے گا۔

سال نو پر اپنا محاسبہ کریں اور ایمان داری سے صرف اور صرف اپنے اندر جھانک کر تلاش کریں کیا آپ نے اپنے ہونے کا حق ادا کیا ہے۔

قارئین کو سالِ نو مبارک۔

اس شمارے میں،

- [illegible] انتظار،
- سال نو پر مختلف اداکاروں سے دلچسپ سروے،
- اینکر پرسن "وسیم بادامی" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "اک نیا سفر" فوزیہ یاسمین کی شادی کا احوال،
- اداکار، کمپیئر "فاروق حسن" سے نازیہ کنول نازی کی باتیں،
- اداکارہ "فضیلہ قیصر" دعا کے بہانے کے ساتھ،
- "دستِ کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- "دردِ دل" نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول،
- "عشقِ آتش" سعدیہ راجپوت کا طویل مکمل ناول اپنے اختتام کی طرف،
- "یادیں" نبیلہ عزیز کا مکمل ناول،
- "اک ستارہ" فرحین اظفر کا مکمل ناول،
- "گوشۂ عافیت" شگفتہ بھٹی کا ناولٹ دلچسپ موڑ پر،
- "ادھورے خواب" روشنی بخاری کا ناولٹ،
- غزالہ جلیل، سنبل، اُمِ ثمامہ، علیزے حیدر اور نازیہ جمال کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "آپ اور آپ کے ستارے" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ مفت پیش خدمت ہے۔ استفادہ کریں۔

حمد باری تعالیٰ

حسین خواب کو تعبیر دینے والا ہے
وہ میرے نام کو توقیر دینے والا ہے

یہ کائنات، یہ ذرّے، ہوا، یہ ماہ و نجوم
وہ پتھروں کو بھی تقدیر دینے والا ہے

نہیں نہیں، مجھے انصاف کی طلب ہی نہیں
کہ وہ تو رحم کی تاثیر دینے والا ہے

مجھے خبر ہے کہ مجھ سے اسے محبت ہے
مجھے وہ حرف کی جاگیر دینے والا ہے

کبھی کبھی مجھے محسوس ہونے لگتا ہے
مری سحر کو وہ تنویر دینے والا ہے

عجب دلیل ہے بس اعتراف مانگا ہے
اسی لیے تو وہ تدبیر دینے والا ہے

اُس ایک پل کا مجھے انتظار ہے امجد
وہ لازوال سی تحریر دینے والا ہے

امجد بخاری

نعت رسول مقبول

گھٹائیں نور برسائیں تو لکھوں
ستارے لفظ بن جائیں تو لکھوں

سمندر روشنائی بن کے آئے
گہر پانی پہ لہرائیں تو لکھوں

مدینے پاک کی گلیوں کے منظر
شہِ بطحا جو بلوائیں تو لکھوں

اکٹھے ہو کے سب ارمان میرے
نبیؐ کی یاد بن جائیں تو لکھوں

تمنا ہے کہ میرے زخم سارے
زیارت آپؐ کی پائیں تو لکھوں

میں ان کا نام لکھنا چاہتا ہوں
ہوائیں پھول برسائیں تو لکھوں

دلِ امجد پر جب یادِ نبیؐ سے
ہزاروں نقش بن جائیں تو لکھوں

امجد بخاری

بنجارن کا بوجھ

انشا جی

فقیر بن کر تم ان کے در پر ہزار دھونی رما کے بیٹھو
جبیں کے لکھے کو کیا کرو گے، جبیں کا لکھا مٹا کے بیٹھو

اے اُن کی محفل میں آنے والو، اے سُود و سودا بتانے والو
جو اُن کی محفل میں آ کے بیٹھو تو ساری دُنیا بُھلا کے بیٹھو

بہت جتاتے ہو چاہ ہم سے، مگر کرو گے نباہ ہم سے؟
ذرا ملاؤ نگاہ ہم سے، ہمارے پہلو میں آ کے بیٹھو

جنوں پرانا ہے عاشقوں کا، جو یہ بہانا ہے عاشقوں کا
وہ اک ٹھکانا ہے عاشقوں کا، حضور جنگل میں جا کے بیٹھو

ہمیں دکھاؤ نہ زرد چہرا، لیے یہ وحشت کی گرد چہرا
رہے گا تصویرِ درد چہرا، جو روگ ایسے لگا کے بیٹھو

جنابِ انشا یہ عاشقی ہے جنابِ انشا یہ زندگی ہے
جنابِ انشا جو ہے یہی ہے نہ اس سے دامن چھڑا کے بیٹھو

انشا جی

سالِ نو مبارک

شاہین رشید

اس ٹینشن زدہ دور میں چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی بہت سکون دیتی ہیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ کوئی ہنس کر بھی بلائے تو بہت اچھا لگ رہا ہوتا ہے۔ ورنہ تو جس سے بات کرو وہ کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ ظاہر ہے اور کچھ کھانے کو ہوتا ہو نہیں ہے۔

خیر نئے سال کی آمد آمد ہے۔ کچھ فنکاروں سے نئے سال کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ دیکھیں تو سہی کہ انہوں نے نئے سال کے لیے کیا سوچا ہے۔ کیا کرنا ہے۔ کس طرح سال کا استقبال کرتے ہیں۔

"نئے سال کے لیے کیا سوچتے ہیں؟"
"مبارک باد دیتے ہیں یا عام دن کی طرح گزار دیتے ہیں؟"
"اگر آپ با اختیار ہوتے تو میڈیا کے لیے کیا کرتے؟"

مصباح خالد

آج کل آپ ان کا ڈائریکٹ کیا ہوا سیریل "ڈیڈی" دیکھ رہے ہوں گے۔ مصباح کہتی ہیں۔

1 نئے سال کے لیے کیا سوچنا۔ جس طرح وقت تیزی سے گزر رہا ہے اس کے آنے جانے کا تو پتا ہی نہیں چلتا۔ یوں لگتا ہے ابھی شروع ہوا تھا، ابھی ختم بھی ہو گیا ہے۔ ہاں میں اپنے بارے میں ضرور سوچتی ہوں کہ مجھے اپنا وزن کس طرح کم کرنا ہے (قہقہہ) بہت کوشش کرلی کم کرنے کی مگر کچھ کامیابی حاصل نہیں کر پائی۔ بس اللہ میرے حال پر رحم کرے۔

2 بچے شور مچاتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ نیا سال شروع ہونے والا ہے یا شروع ہو گیا ہے اور اگر بچے احساس نہ بھی دلائیں تو یقین جانو کہ اتنے فون آتے ہیں نئے سال کی مبارک باد کے کہ مجھے خود سے تو فون کرنے اور مبارک باد دینے کی نوبت ہی نہیں آتی میں اگر عام دن کی طرح گزارنا بھی چاہوں تو نہیں گزار سکتی۔ کچھ بھی ہو نئے سال کی اہمیت تو ہے نا۔

3 میں تو خود ڈرامہ ڈائریکٹر ہوں۔ اس لیے ڈرامہ ڈائریکٹ کرتے وقت تمام جزئیات کا خیال رکھتی ہوں۔ نہ میک اپ اوور ہوتا ہے نہ ڈریسز اور نہ ہی کچھ اور۔ عام زندگی کو لے کر چلتی ہوں۔ آپ میرا ڈرامہ "ڈیڈی" تو دیکھ ہی رہی ہوں گی۔ میں اگر میڈیا ڈائریکٹر ہوتی تو سب کو یہی ہدایت کرتی کہ حقیقت کو پیش کریں۔ چونکہ میرا تعلق ڈرامے سے ہے تو میں ڈرامے کی ہی بات کروں گی۔

تنویر جمال (اداکار و ڈائریکٹر)

1 بس کہ اب نئے سال کے بارہ بج گئے اور ہماری نوجوان نسل بائیک کے سائلنسر نکال کر سڑکوں پر نکل آئے گی۔ انہیں قطعی یہ احساس نہیں ہو گا کہ کوئی بیمار ہے۔ کس گھر میں خوشی ہے۔ کس گھر میں پریشانی ہے۔ وہ اپنی مستی میں مست ہو کر شور مچاتے ہوئے اور راہ گیروں کو تنگ کرتے ہوئے یہ جا وہ جا ہوں گے اور پھر یہی ہو جا کر غیر شریفانہ حرکات کریں گے۔ یہ خوشی منانے کا کون سا انداز ہے۔

2 میں تو عام دن کی طرح ہی اسے گزارنا پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ ہمارا تہوار تو ہے نہیں نہ ہی ہمارا سال۔ ہمارا سال تو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے اور ہمیں وہی منانا چاہیے۔ جب محرم الحرام کا چاند نکلتا ہے تو میں سب کو نئے سال کی مبارک باد دیتا ہوں۔

3 ہاں یہ بہت اچھا سوال ہے اگر میں بااختیار ہو تو تمام انڈین چینلز پر پابندی لگا دیتا۔ اب دیکھیں نا۔ ہمارے چینلز انڈیا میں نہیں دکھائے جاتے تو ہم کیوں دکھائیں۔ ہمارے یہاں سے بھی چینلز بند ہوں گے تو انڈیا کا خمار لوگوں پر سے کم ہو گا اور بااختیار ہو جاؤں تو فنکاروں کے فیوچر کے لیے بہت کچھ کروں گا۔ کیونکہ سینئر فنکاروں کے لیے کوئی کچھ نہیں سوچتا۔

فرحان علی آغا

1 کیا سوچنا ہے جی آج کل جو ملک کے حالات ہو رہے ہیں اس میں انسان اپنے لیے کم اور اپنے ملک کے لیے زیادہ سوچتا ہے کہ سال پہ سال گزرتے جا رہے ہیں اور ملک کے حالات اچھے ہونے کی بجائے بگڑتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ہر سال نئی امیدیں باندھتے ہیں مگر سب مایوس کرتے ہیں۔

2 ہم اگر عام دن کی طرح گزارنا بھی چاہیں تو نہیں گزار سکتے۔ کیونکہ جونہی بارہ پر سوئی آتی ہے فائرنگ اور پٹاخوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ایک شور ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے اس نوجوان نسل کو ذرا بھی یہ خیال نہیں آتا کہ کوئی بیمار ہو گا۔ گھر میں بزرگ ہوں گے کوئی شور کو پسند کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ مگر یہ سب اپنی دھن میں مگن اپنی خوشیاں منانے اور دوسروں کو ڈسٹرب کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

3 میڈیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہی ہو رہا ہے۔ ملک میں جو ہو رہا ہے وہ خراب ہو رہا ہے۔ اگر میں بااختیار ہو جاؤں تو ملک کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں تاکہ ملک کے حالات اچھے ہو جائیں اور ملک ترقی کرے۔

فرحان علی آغا

سیما غزل

1 کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی اہم تہوار ہو اگر اس وقت کوئی دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرتا

ہے۔ تو میں ایسے اہم موقعوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی اور ضرور دعا مانگتی ہوں۔ اب قبول کرنا نہ کرنا اوپر والے کا کام ہے تو نئے سال پہ اپنے ملک کی سلامتی اور امن و امان کی دعائیں مانگتی ہوں۔ اپنے گھر والوں کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہوں۔

2 نئے سال کے پہلے دن کو عام دنوں کی طرح ہرگز نہیں گزارتی بلکہ سب کو مبارک باد دیتی ہوں۔ لوگوں کے بہت فون آتے ہیں لیکن اس کے باوجود میں بھی سب کو فون کرتی ہوں اور میری کوشش ہوتی ہے کہ رات کو ہی سب کو فون کروں اور نا صرف فون بلکہ ایس ایم ایس کے ذریعے بھی سب سے رابطہ رکھتی ہوں۔

3 اگر میں بااختیار ہو جاؤں تو سنسر پالیسی کو تھوڑا نرم کروں گی اور نہ صرف خود بلکہ دیگر رائٹرز کو بھی بولڈ موضوعات پہ لکھنے کی اجازت دے دوں گی۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ معاشرہ جس بے راہ روی کا شکار ہے اور ہمارے معاشرے میں جو کام ہو رہے ہیں اس سے لوگوں کو آگاہ کرنا بہت ضروری ہے اور جب تک ہم بولڈ ہو کر لکھیں گے نہیں۔ لوگوں تک اپنی بات پہنچا نہیں سکیں گے۔

سکینہ سموں

1 نئے سال کے لیے یہ سوچتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آنے والا نیا سال ہم سب کے لیے مبارک ثابت کرے اور ہمارے ملک کے لیے بھی۔ ملک میں امن و امان کا بول بالا ہو، مہنگائی کم ہو، لوگوں کو اچھا روزگار ملے۔ اب تو زیادہ سوچ ملک کے لیے ہی آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے۔

2 میری نظر میں تو ہر دن ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ ہم نے اسے نام دے دیا ہے۔ اسی لیے کوئی خاص اہمیت نہیں ہے میرے لیے۔ مبارک باد دے دیتی ہوں کچھ کو جلدی کچھ کو دیر میں۔ البتہ مجھے بہت فون آتے ہیں۔ تب پھر میں بھی کر لیتی ہوں۔ بس اس دن کی اہمیت اتنی ہے کہ بندہ ایک دوسرے کو یاد کر لیتا ہے۔

3 بااختیار! اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ میں بااختیار ہو گئی تو سب سے پہلے انڈین چینلز پہ پابندی لگاؤں گی۔ سوپ ڈراموں پر پابندی لگاؤں گی جو کئی کئی سال چلائے جاتے ہیں پتا نہیں یہ بات میڈیا والوں کو کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک حد تک تو ان ڈراموں کو دیکھا جاتا ہے لیکن کئی سالوں تک ناظرین کی توجہ حاصل نہیں کی جا سکتی۔ ایک وقت آتا ہے کہ لوگ پھر ان سے بور ہو جاتے ہیں۔ اپنے فنکاروں کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ بس اختیار ملنے کی دیر ہے۔

معین اختر

1 آپ کو تو میرے بارے میں پتا ہی ہے کہ نیا سال

نہیں مناتا کیونکہ میں انگریزی سال کو اپنا سال نہیں مانتا بلکہ ہمارا نیا سال تو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے اس لیے کیا سوچنا اور ویسے تو ہمیشہ دعا مانگتا ہی رہتا ہے کہ ملک میں سکون ہو جائے۔

2 میں تو نئے سال کو مانتا ہی نہیں تو مبارک باد کا کیا سوال اور میرے لیے تو ہر دن ایک جیسا ہی ہوتا ہے دیکھا جائے تو جب نیا سال شروع ہوتا ہے تو اس کا ہر دن آخری دن ہوتا ہے تو پھر صرف دسمبر کو آخری مہینہ کیوں مانا جاتا ہے۔ ہر دن آخری ہوتا ہے۔ بس یہ دعا کرنی چاہیے کہ ہر دن ہمارے لیے خیر و برکت کا دن ثابت ہو۔

3 اگر بااختیار ہو جاؤں گا تو پھر صرف میڈیا کے لیے کچھ نہیں کروں گا بلکہ پورے ملک کے لیے کچھ کرنا چاہوں گا۔ ملک کو بحران سے نکالنے کی بہت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے حالات بہتر کر دے۔
(آمین)

فیصل قاضی (اداکار، ہوسٹ)

1 یہی سوچتا ہوں کہ سال کتنی تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ابھی شروع ہوا تھا اور ابھی ختم بھی ہو گیا ہے اور پھر یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ پتا نہیں یہ نیا سال کیسا ہو گا۔ ہمارے ساتھ کیا ہو گا، پاکستان کے لیے کیسا ہو گا۔ اب زیادہ فکر تو پاکستان کے لیے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو سلامت رکھے اور اس میں بسنے والے لوگوں کے مسائل کو حل کرے۔

2 نہیں عام دن کی طرح نہیں مناتا اور پھر جب پٹاخوں اور فائرنگ کی آوازیں آتی ہیں من چلے نوجوانوں کا ہلا گلا سنائی دیتا ہے تو پھر خود بہ خود ایک نئی چیز کا احساس ہو جاتا ہے کہ کچھ نیا ہو رہا ہے اور پھر لوگوں کے فون بھی آنے شروع ہو جاتے ہیں تو پھر احساس ہو جاتا ہے کہ نیا سال شروع ہو گیا ہے۔

3 اگر بااختیار ہو بھی جاؤں تو کچھ نہیں کروں گا کیونکہ اب میڈیا ہر لحاظ سے آزاد ہے اب اس کے لیے کسی بھی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے اب میڈیا نے ماشاء اللہ بہت ترقی کر لی ہے۔ اگر بااختیار ہو جاؤں تو پھر ملک میں کچھ انقلاب لانے کی کوشش کروں گا کیونکہ ملک کو بہت ضرورت ہے انقلاب کی۔

اختر حسنین (فنکار، پروڈیوسر)

1 کچھ بھی نہیں سوچتا سوائے اس کے کہ نیا سال شروع ہو چکا ہے اور دیکھیں کہ یہ سال ہمارے لیے کیسا ثابت ہوتا ہے۔

2 رات کے بارہ بجے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے اور دسمبر سردیوں کا مہینہ ہر کوئی جلدی سونے کو ترجیح دیتا ہے اس لیے اس دن کو عام دن کی طرح سمجھ کر ہم رات کو تو مبارک باد نہیں دیتا البتہ صبح کے وقت اگر یاد رہ جائے تو ضرور مبارک باد دے دیتا ہوں۔ پھر لوگ بھی فون کرتے ہیں۔ تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اوہ اچھا آج نئے سال کا پہلا دن ہے۔

3 میں اگر بااختیار ہو جاؤں تو پھر ان لوگوں کو اس فیلڈ میں ہرگز نہیں آنے دوں گا جس کے پاس ڈائریکشن کی کوئی ڈگری نہیں ہے یا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ کیونکہ ناتجربہ کار لوگوں کی وجہ سے ڈرامے کا معیار خراب ہوتا ہے اور ہمارا ڈرامہ جو برصغیر میں اتنا پاپولر ہے ناتجربہ کار لوگوں کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنتا ہے۔ پھر میری خواہش ہے کہ میں فنکاروں کی فلاح و بہبود کے لیے اور ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچنے والے فنکاروں کے لیے ایک کالونی بناؤں تاکہ وہ بڑھاپے میں کسی کے محتاج نہ ہوں اور سر چھپانے کے لیے ان کے پاس اپنا گھر ہو۔

فضیلہ قیصر

1 یہی سوچتی ہوں کہ نیا سال خیریت کے ساتھ آئے اور خیریت کے ساتھ جائے اور یہ سال ہمارے وطن کے لیے بھی اچھا ثابت ہو۔ ملک میں امن و امان ہو اور سب کو تحفظ حاصل ہو۔ سب خیر خیریت سے رہیں۔

2 بالکل عام دن کی طرح نہیں گزارتی بہت ایکسائٹمنٹ ہوتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ مبارک باد دینے والوں میں سب سے پہلا فون میرا ہی جائے۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے سب کو مبارک باد دینے اور لینے میں خوشی کے لمحات ویسے ہی زندگی میں بہت کم آتے ہیں۔ جب سے ملک کے حالات خراب ہوئے ہیں عجیب سی ٹینشن رہتی ہے۔ اس لیے بندہ انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی تہوار آئے تو سب کے ساتھ خوشیاں شیئر کریں۔

3 ہاں، واقعی اگر میں بااختیار ہو جاؤں تو ڈراموں میں جو آزادیاں ہم نے لڑکیوں کو دے دی ہیں لباس کے معاملے میں ان کو کم کروں۔ اب تو جہاں ضرورت ہے اور جہاں نہیں ہے لباس ماڈرن ہی ہوتا ہے۔ ہم اپنی اقدار اپنی ثقافت کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ ڈراموں میں گلیمر بہت آگیا ہے۔ بڑے بڑے عالیشان گھروں کو دکھایا جاتا ہے ایک تو پہلے ہی ملک میں بہت غربت ہے اس پر ڈراموں میں یہ سب کچھ دیکھ کر غریب لوگ احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر فرحت علی گوہر (آر جے - ایف ایم 101)

1 نئے سال کے لیے نہیں بلکہ ہر نئے دن کے لیے اچھا سوچنا چاہیے۔ اللہ سے اچھی امیدیں وابستہ رکھنی چاہئیں میں ہر آنے والے دن کے لیے بہت پُرامید رہتی ہوں اور نئے سال کے لیے بھی کہ اللہ کامیابیاں دے گا اور خوشیاں بھی دے۔ انسان کو ہمیشہ اچھی سوچ اور اچھی امید رکھنی چاہیے۔

2 نہیں عام دن کی طرح تو نہیں گزارتی اور جب سے ایس ایم ایس کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو یہ سلسلہ رات سے ہی چلنا شروع ہو جاتا ہے لیکن الگ سے کوئی اہتمام یا ہلا گلا نہیں کرتی اور بعض اوقات تو دن گزر بھی جاتا ہے اور احساس نہیں ہوتا لیکن ایسا اس وقت ہوتا تھا جب ایس ایم ایس کا اور موبائل کا کوئی سلسلہ نہیں تھا اور اگر ہم نہ بھی یاد رکھیں تو دوسرے ہمیں یاد دلا دیتے ہیں۔

3 میں اگر بااختیار ہو گئی تو پھر میڈیا میں پڑھے لکھے اور ذہین لوگوں کو ملازمت دوں گی۔ کیونکہ اگر میڈیا میں اچھے پڑھے لکھے لوگ ہوں گے تو وہ نوجوان نسل کو ایک اچھی سوچ دے سکیں گے۔ کیونکہ نوجوان نسل ہر ایک بات کا بہت جلدی اثر لیتی ہے۔ لیکن اگر میڈیا پہ ایسے لوگ ہوں گے جن کو خود ہی پتا نہیں کہ کیا کرنا ہے تو وہ نئی نسل اور آنے والی نسل کو کوئی تعمیری سوچ نہیں دے سکیں گے۔

بدر خلیل

1 نئے سال پہ سوچتی ہوں کہ پرانا تو گزر گیا اب نئے

سال میں کیا ہو گا۔ کیا یہ نیا سال ہمارے ملک کے لیے اچھا ثابت ہو گا۔ میں سوچتی ہوں کہ پتا نہیں اللہ تعالیٰ کو اور کتنے امتحان ہم مسلمانوں سے لینے ہیں۔ اپنے ملک کی سلامتی کے لیے سوچتی ہوں اس کے لیے دعائیں مانگتی ہوں۔

2 نہیں عام دن کی طرح نہیں گزارتی' لوگ بڑی محبت اپنائیت کے ساتھ مجھے نئے سال کی مبارک باد دیتے ہیں نئے سال کا سلام نیا نیا لگتا ہے اور مبارک دینا اور لینا بہت اچھا لگتا ہے۔

3 نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے خیال میں میڈیا میں سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔

نسیم حمید "ایتھلیٹ"

1 یہ سوچتی ہوں کہ نئے سال میں اب مجھے کیا کرنا ہے اور پھر دعا بھی کرتی ہوں کہ پاکستان میں امن و امان ہو اور ہم کھیلوں میں بہت ترقی کریں۔

2 نہیں بالکل نہیں عام دن تو روز ہی ہوتا ہے۔ اتنے اچھے دن کو عام دن کی طرح بالکل نہیں گزارتی بلکہ مبارک باد لیتی بھی ہوں اور دیتی بھی ہوں۔ نئے سال کی بہت ایکسائٹمنٹ ہوتی ہے۔

3 بااختیار ہو کر تو کھیلوں کے دو چار چینلز کھولوں گی اور کھیلوں کی زیادہ سے زیادہ کوریج کرواؤں گی۔

صنم بلوچ

1 پہلے کیا سوچنا ہے۔ کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اتنی مصروفیات ہوتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ پھر بھی انسان سوچے گا تو اچھی بات ہی سوچے گا اور میں بھی نئے سال کے آغاز پر اپنے گھر والوں کی خیر و عافیت کی دعا مانگتی ہوں اور انہی کے بارے میں سوچتی ہوں۔

2 دسمبر کا مہینہ شروع ہوتا ہی ہے تو نئے سال کی مبارک باد ایڈوانس میں ایس ایم ایس کے ذریعے ملنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس دن کو عام دن کی طرح تو گزار ہی نہیں سکتے میں بھی سب کو مبارک باد دیتی ہوں اور وصولتی بھی ہوں۔

3 نہیں جی میں بااختیار ہونا ہی نہیں چاہتی۔ یہ بہت مشکل کام ہے اور بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ میں تو جس فیلڈ میں ہوں اسی میں کچھ اچھا کر کے دکھانا چاہتی ہوں۔

* * *

فاروق حسن کی باتیں

نازیہ کنول نازی

فاروق حسن نا صرف ٹی وی کے بہترین اداکار ہیں بلکہ بہت اچھے اینکر بھی ہیں' آج کل مختلف ٹی وی چینلز پر ان کے شو آپ دیکھ رہے ہوں گے "فاروق خود اداکاری اور کمپیئرنگ میں سے کسے زیادہ پسند کرتے ہیں اس سوال کا جواب جاننے کے لیے فاروق حسن سے بہت تفصیلی اور دل چسپ گفتگو ہوئی جو نذر قارئین ہے۔

★ "السلام علیکم فاروق' کیسے ہیں آپ؟ آج کل ٹی وی کے حوالے سے خاصی مصروفیات دیکھنے کو مل رہی ہیں؟"

✳ "الحمدللہ میں خیریت سے ہوں اور ٹی وی پر آپ کون سا پروگرام دیکھ رہی ہیں۔"

★ "دنیا ٹی وی پر آپ کا جو شو ہے "جاگو دنیا" بہت زبردست ہے اس کے علاوہ بھی کئی شو اچھے چل رہے ہیں؟"

✳ "جی بہت شکریہ۔ آج کل سیلاب وغیرہ کے لیے 'چیرٹی فنڈز' کے لیے کافی لائیو پروگرام ہو رہے ہیں' دنیا ٹی وی سے میں نے لائیو ٹرانسمیشن بھی کی تھی۔"

★ "آپ کیا سمجھتے ہیں اداکاری اور کمپیئرنگ میں کیا چیز زیادہ انٹرسٹنگ ہے؟"

✳ "یہ مجھ سے اگر آپ ذاتی طور پر پوچھیں تو میں اداکاری کو ترجیح دیتا ہوں' کیونکہ وہ زیادہ انٹرسٹنگ ہے' زیادہ چیلنجنگ ہے' بہت مزا آتا ہے' لیکن ٹائم اور پیسے کے لحاظ سے کمپیئرنگ زیادہ بیسٹ ہے اور یہ اس لیے کہ شو میں آپ جلد فارغ ہو جاتے ہیں زیادہ ٹائم نہیں دینا پڑتا' ہاں کانفیڈینس زیادہ دینا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ تجربہ بھی بڑھتا ہے کیونکہ مختلف اوقات میں مختلف لوگوں سے آپ کی ملاقات ہو رہی ہوتی ہے۔ اداکاری بالکل الگ چیز ہے اس میں سیکھنے کو کافی ہوتا ہے۔ میرا جو بنیادی پیار ہے جسے میں اپنا فرسٹ لو بھی کہوں گا وہ اداکاری ہی ہے۔"

★ "تو ٹی وی کی طرف کیسے آنا ہوا؟"

✳ "پی ٹی وی میں اعظم خورشید صاحب ہوتے تھے انہوں نے میرا پہلا آڈیشن لیا اور مجھے پاس بھی کیا پھر زندگی میں میرا پہلا ڈرامہ "دھوپ سراب" تھا ناصر خان صاحب اس کے ہدایت کار تھے۔ یہ ایک لانگ پلے تھا اس میں انیق ناجی اور ثمینہ خالد میرے ساتھ تھے اس پلے کے رائٹر جناب ناصر بلوچ صاحب تھے۔"

★ "ابتدا میں سنا ہے سلطانہ صدیقی صاحبہ نے بھی آپ کی کافی رہنمائی کی تھی؟"

✳ "جی میں نے سلطانہ صدیقی صاحبہ کے ساتھ کام کیا ہے۔ کوئی ٹی وی ڈرامہ تو نہیں کیا مگر دوسرے کافی

پروجیکٹس کیے ہیں۔ تقریباً ہر چینل کے لیے کام کیا ہے۔ میں نے کوئٹہ، پشاور، اسلام آباد اور لاہور، کراچی میں میں نے سلطانہ آپا کے ساتھ تو نہیں کیا، محمد خان جونیجو، قاسم جلالی، ہارون رند، محمد جالی پوتو، تسنیم اسلم اور شاہد اقبال پاشا ان سب کے ساتھ کام کیا ہے۔"

★ "پہلی بار جب ٹی وی اسکرین پر آئے تو کیا احساسات تھے؟"

✻ "فیلنگز بڑے مزے کی تھیں۔ کیونکہ اس وقت صرف پی ٹی وی ہوتا تھا۔ اب تو اتنے سارے چینلز ہو گئے ہیں کہ کسی کو کسی کا پتا ہی نہیں چلتا۔ اس وقت میں ہوسٹل میں تھا اور میرا بی کام کا فائنل چل رہا تھا اس وقت جناب میں نے جب پہلا ڈرامہ کیا "دھوپ سراب" جس میں، میں اور اینق ہماری دوست ہوتے ہیں، تہمینہ خالد ان دونوں بڑی ہٹ تھیں کیونکہ انہوں نے خواجہ اینڈ سن جو لوگی والا جو بڑا ہٹ ہوا تھا کیا تھا تو میں نے ہوسٹل میں اپنے سب دوستوں کو بتایا کہ آج پی ٹی وی پر میرا ڈرامہ چلے گا۔ اس وقت سب ٹی وی روم میں بیٹھے تھے میں نے کہا آج میں آپ کو سرپرائز دوں گا، تو وہ کوئی پانچ یا دس منٹ کی appearance تھی لیکن میں پوری یونیورسٹی میں مشہور ہو گیا کہ جناب فاروق حسن صاحب تو بڑے آرٹسٹ ہیں، بڑے آدمی ہیں۔ اس وقت ایکسائٹمنٹ عروج پر تھی۔"

★ "گھر والوں کا کیا ردعمل تھا آپ کی اس کامیابی پر؟"

✻ مسکراتے ہوئے "گھر والوں کی اصل میں ترجیح ہمیشہ یہی رہی کہ میں اپنی تعلیم پر توجہ دوں اسی لیے میں نے ایم بی اے بھی کیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو مگر پہلے پڑھائی پر توجہ دو۔"

★ "آج شوبز کی دنیا میں آپ کی ایک الگ پہچان ہے کبھی غرور کیا اس مقام پر؟"

✻ "نہیں جی استغفراللہ غرور کس پر کرنا غرور کرنے لائق کچھ ہے ہی نہیں اور یہ تو وہ ہے کہ اللہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے اور یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ مجھے موقع مل گیا ورنہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ سے ہزار درجے بہتر لوگ ہوں گے جو اس وقت سڑکوں یا گھروں میں رل رہے ہوں گے اور انہیں موقع ہی نہیں ملا ہو گا۔"

★ "ہمارے فنکار عموماً تھوڑے سے پاپولر ہوتے ہیں کہ ان کے نخرے آسمان سے باتیں کرنے لگتے ہیں، آپ میں ایسی کوئی بات نہیں، وجہ؟"

✻ "جی آپ دیکھیں یہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ میں تو 91ء میں شوبز میں گیا تو جیسا ہوں ویسے لوگوں کو ملنے کا اتفاق ہوا۔ میں سمجھتا ہوں یہ شہرت، یہ نام، یہ بڑی عارضی سی چیز ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس نہیں رہتی۔ میں تو اس بات پر بہت پختہ یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو جو چیز آج ہے وہ کل نہیں ہوگی اور جب نہیں ہوگی تو آپ کا کیا بنے گا۔"

★ "لوگ جب محبت دیتے ہیں تو کیسا لگتا ہے؟"

✻ "بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری زندگی کی کمائی ہی یہی ہے شوبز میں آپ کہیں بھی چلے جائیں بڑی عزت ملتی ہے۔ باہر کہیں بھی چلے جائیں آپ بجلی کا بل جمع کرانے جائیں کوئی آپ کو لائن میں کھڑا نہیں ہونے دے گا۔ اگر سڑک پر ٹریفک کا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے تو بے چارہ ٹریفک پولیس کا کانسٹیبل بھی آپ کو عزت سے روک کر سمجھا رہا ہوتا ہے تو میرے خیال میں شوبز کی جو کمائی ہے وہ یہی ہے لوگوں کا پیار اور ان کی محبت اور یہ سب صرف پاکستان کی وجہ سے ہے اگر یہ پاکستان نہ ہوتا تو شاید ہم لوگ اتنے پیار، اتنی اہمیت کے حق دار بھی نہ ہوتے۔"

★ "ملک سے باہر ہوں تو کس بات کو زیادہ محسوس کرتے ہیں؟"

✻ "میں قطر میں دو سال رہا پھر سری لنکا میں رہا اس کے علاوہ میں نے امریکہ میں، دبئی میں بہت سے شوز کیے تو ملک سے باہر جب جاتا ہوں اپنا وطن پاکستان مجھے بہت یاد آتا ہے۔ جو لوگ وہاں رہتے ہیں ان سے بھی جب یہ سوال پوچھیں تو ان کی آنکھ میں بھی آنسو آجاتے ہیں۔ وہاں رہتے ہوئے مہذب، سمجھدار لوگوں کو میں نے روتے ہوئے دیکھا ہے کہ جی ہمیں ہمارا ملک بڑا یاد آتا ہے۔ ہم ملک سے باہر اپنے تہوار، اپنی چیزوں کو بڑا مس کر رہے ہوتے ہیں خاص طور پر عید، بقر عید اور چودہ اگست وغیرہ کے موقع پر، جہاں آپ اپنے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں، جھنڈیاں وغیرہ لگاتے ہیں اور فیملی کے ساتھ گھومتے ہیں۔"

★ "دن کا آغاز کیسے کرتے ہیں؟"

✻ "کلی کر کے چھ گلاس پانی پیتا ہوں پھر نارمل روٹین ہوتی ہے ناشتا، باتھ، کبھی آفس وغیرہ وغیرہ۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ چلو ایک دن اور ہے زندگی کا میرے پاس۔"

★ "وہ دن جو بہت اچھے بسر ہوئے؟"

✻ "میرے خیال میں میرے یونیورسٹی کے آئی بی اے کے دن بہت اچھے، بہت مزے کے دن تھے۔"

★ "کوئی ایسی خواہش جس کے پورے ہونے تک زندہ رہنا چاہتے ہیں؟"

✻ مسکراتے ہوئے۔ "میں اللہ کا بڑا شکر گزار ہوں کہ اس نے میری ہر خواہش پوری کی ہے۔ میں اس کا بڑا گنہگار سا بندہ ہوں۔ مگر اس کے باوجود اس کا بڑا کرم ہے میری ذات پر، باقی زندگی میں اتار چڑھاؤ تو آتے رہتے ہیں۔ لیکن میری بہت سی دعائیں میرے اللہ نے بن مانگے پوری کی ہیں اب تو بس یہی دعا اور تمنا ہے کہ جو وقت بھی گزرے اچھا گزرے سلامتی کے ساتھ گزرے۔"

★ "مذہبی لحاظ سے اگر آپ کو تولا جائے تو کیسے سامنے آئیں گے؟"

✻ "مذہبی لحاظ سے بڑا ماڈریٹ قسم کا مذہبی انسان ہوں اور حقوق العباد کا بڑا خیال رکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ الحمدللہ میں نے چار عمرے کیے ہوئے ہیں اور بھی کرنے کی خواہش ہے، حج بھی کرنا ہے اور نمازوں کے لیے بھی کوشش کرتا ہوں کہ وقت پر پڑھوں، نہ بھی پڑھ سکوں تو قضا ضرور پڑھتا ہوں۔"

★ "کوئی اچھی اور بری عادت بتائیے؟"

✻ ہنستے ہوئے "یہ تو آپ نے بڑی مشکل میں ڈال دیا اگر میں کہوں کہ مجھ میں کوئی بری عادت نہیں ہے تو آپ کہیں گی کیوں آپ کوئی فرشتہ ہیں؟ خیر یہ تو مذاق کر رہا تھا میرے خیال میں میری کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو ہرٹ نہ کروں، جس حد تک کسی کی مدد کر سکتا ہوں کروں، اگر نہ بھی کر سکوں تو حوصلہ ضرور دیتا ہوں اور بری عادت یہ ہے کہ میری ٹائمنگ ٹھیک نہیں ہے۔ سیٹ پر اگر میں اتنا مصروف ہوتا ہوں کہ کھانا بھی یاد نہیں رہتا اور رات کے دو تین بج جاتے ہیں۔ کبھی دوپہر کا کھانا بھی شام چار پانچ بجے کھا رہا ہوتا ہوں۔ تو میرے خیال میں یہ بری عادت ہے، میں اسے ٹھیک بھی کر سکتا ہوں۔"

★ "کھانے میں بے پروائی کے باوجود آپ کی صحت قابل رشک ہے اس کا کیا راز ہے؟"

✻ "مجھے ورزش کا بہت شوق ہے اور خود کو فزیکلی فٹ رکھنے کے لیے ورزش ضرور کرتا ہوں۔"

★ "کھانے پینے کے کتنے شوقین ہیں؟"

✻ "کھانے پینے کا بہت شوقین ہوں۔ ہر قسم کا، ہر ملک کا کھانا پسند ہے۔ چائنیز فوڈ، چپل کباب، کڑاہی وغیرہ بہت پسند ہے۔"

★ "بہت عزیز دوست ناراض ہو جائے تو کیا کرتے ہیں؟"

✻ "وقتی طور پر شاید چھوڑ دیتا ہوں تاکہ اس کا غصہ

ذرا الجھنا ہو جائے، لیکن یہ بات ہے کہ اگر میری غلطی ہے تو پھر صلح میں پہل وہ نہیں کر سکتا، میں پہلے ایکسکیوز کروں گا، لیکن اگر غلطی میری نہیں ہے تو میں۔۔۔ آپ کہہ سکتی ہیں کہ اسے تھوڑا سا احساس ضرور دلانا چاہوں گا کہ اس کی غلطی ہے۔ ہاں یہ ہے کہ میں کسی سے ناراض نہیں رہ سکتا، میرے خیال میں شاید ہی میرا کوئی ایسا دوست ہو، جس کے ساتھ میں ناراض ہوا ہوں اور صلح میں پہل نہ کی ہو۔"

★ "اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیے، کتنے لوگ ہیں اور آپ گھر میں کس سے زیادہ اٹیچ ہیں؟"

✻ "میری فیملی میں دو بہنیں ہیں اس کے علاوہ امی ابو ہیں، میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں اور امی سے زیادہ اٹیچ ہوں۔"

★ "شوبز کی نگری ہو اور کسی کا افیئر نہ بنے ایسا کبھی ہوتا نہیں، مگر آپ کا واقعی کسی سے افیئر نہیں بنا، کیوں؟"

✻ کھلکھلاتے ہوئے "الحمدللہ واقعی میرا کسی کے ساتھ غلط طور سے نام منسوب نہیں ہوا اور ویسے بھی اسکینڈل وغیرہ 70، 80 پرسینٹ جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں، شاید وجہ یہ ہے کہ مسالے دار خبر کو لوگ زیادہ شوق سے پڑھنا چاہتے ہیں اور اس طرح اس اخبار یا میگزین کی سیل بھی زیادہ ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ٹھیک ہے جرنلزم ہے۔

ساری دنیا کے اندر یہ چل رہا ہے لیکن ایسا کچھ ہونا نہیں چاہیے کہ جس سے کسی کی ذاتی زندگی پر اثر پڑے۔ میں نے بہت سارے لوگوں کو اس سلسلے میں پریشان دیکھا ہے، شوبز میں ہم لوگوں کا تعلق ایک فیملی کی طرح ہوتا ہے، مطلب آنا جانا ہو سکتا ہے عام لوگوں سے تھوڑا ڈیفرنٹ ہو لیکن ہمارا آپس میں ملنا جلنا بہت اچھے طریقے سے ہوتا ہے اب میں اپنی بات کروں گا، میں اگر کسی آرٹسٹ کو بہت اچھے طریقے سے جانتا بھی نہیں ہوں خواہ وہ میل ہو یا فی میل۔۔۔ تب بھی میں اسے بہت اچھی طرح سے ملوں گا اب اس کا غلط مطلب نکالنا میں نہیں سمجھتا کہ یہ صحیح ہے۔"

★ "سنا ہے آپ صحافت سے بھی وابستہ رہ چکے ہیں، کتنی سچائی ہے اس بات میں؟"

✻ "اس بات میں سچائی ہے مگر میں بڑا حیران ہوں کہ آپ کہاں سے یہ ساری معلومات اکٹھا کرا رہی ہیں! مجھے لکھنے کا بالکل شوق ہے اور جرنلزم سے بھی میرا تعلق ہے، میں نے آرٹیکل بھی لکھے قومی اخبارات میں، یہ آج سے تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے اس وقت ایک میگزین تھا جو ماہیں کو ہر صاحب نکالتے تھے اس میں انٹرٹینمنٹ کا سیکشن میں کرتا تھا اور اس میں کافی ایکٹرز کے انٹرویو کرتا تھا اس طرح کافی لوگوں کو سامنے لایا۔ اس دور کو بہت انجوائے کیا اور اب بھی جب لائیو پروگرام کرتا ہوں تو میرے اندر کا صحافی بے دار ہو جاتا ہے اور میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مہمان کو گھیر کر کٹہرے میں لے آؤں اور جو کچھ اگلوانا چاہتا ہوں اگلوا لوں۔"

★ "مستقبل میں دیگر فنکاروں کی طرح پروڈکشن کی طرف آنے کا ارادہ ہے کہ نہیں؟"

✻ "نہیں مجھے قطعاً اس کا کوئی شوق نہیں ہے، کیونکہ جو کام مجھے نہیں آتا۔ میں قطعی اس میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا ہاں ڈائریکشن ایسی چیز ہے جسے created فیلڈ کہا جاتا ہے، اصل میں جب آپ ایک کام بار بار کر رہے ہوتے ہیں تو مہارت آجاتی ہے۔ میں نے خود تیس سے زائد ڈرامے کیے ہیں ان میں لانگ پلے بھی ہیں تو لازمی طور پر کام دیکھ دیکھ کر بہت سی چیزیں آپ کے علم میں آجاتی ہیں کہ اینگل کیسے بنانا ہے، ڈائریکشن کیسے دینی ہے اور آپ کو شوق بھی ہو جاتا ہے اور میں سمجھتا ہوں اس کام میں کوئی حرج بھی نہیں ہے لیکن وہ بھیڑ چال ہوتا کہ جی اس نے فلاں کام کیا ہے تو میں بھی کروں میں سمجھتا ہوں یہ غلط ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

★ "زندگی کا کوئی ایسا لمحہ یا واقعہ جو یادگار ہو؟"

✻ ہنستے ہوئے "یہ سوال کر کے تو آپ نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہے۔ ویسے ہر لمحہ ہی یادگار ہوتا ہے۔ لیکن جس پوائنٹ آف ویو سے آپ پوچھ رہی ہیں تو اس میں ایک تو جب میں نے ٹی وی شروع کیا اور دوسرا جب شہزاد رفیق صاحب نے مجھے کاسٹ کیا تھا فلم [illegible] میں۔

اس وقت میں ایم بی اے میں تھا اور میری جاب بھی اسلام آباد میں تو میں اسلام آباد سے کراچی آیا، وہاں سعید انور صاحب نے کہا کہ ٹائمنگ کا کچھ پتا نہیں کچھ ماہ بھی لگ سکتے ہیں، تب میں نے کہا کہ سوری میں چھٹی نہیں کر سکتا، میری جاب کا پہلا سال ہے سب نے اس پر مجھے بہت سمجھایا، لیکن میں نے ایکسکیوز کر لیا اور کہا کہ ایک مہینہ میں آپ کو دے سکتا ہوں اگر آپ شوٹنگ کر سکتے ہیں تو کر لیں، لیکن وہ نہیں ہو سکا تو اس کا بھی کبھی کبھار مجھے افسوس ہوتا ہے کہ یہ فلم میرے دل کے بڑی قریب ہے۔"

★ "ہمارا پاکستان اس وقت بہت مشکل حالات سے دوچار ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں اس وقت ہمیں کیا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے؟"

✻ "میرے خیال میں اس کا ایک ہی سلوشن تعلیم ہے، جب تک ہمارا غریب کوئی تعلیم یافتہ نہیں ہوگا، جب تک اسے شعور نہیں آئے گا کہ یہ پتا نہیں ہوگا کہ کون سا بندہ ملک کے لیے صحیح ہے کون سا نہیں، تب تک بہتری آنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ تعلیم ہی ہے جو آپ کو بہت کچھ سکھاتی ہے۔ آپ کو پتا چل جاتا ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، جب تک یہ سب نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری لیڈر شپ کیسے اچھی آئے گی؟ میں سمجھتا ہوں ہمارے لیے تعلیم اس وقت این جی اوز، یا دیگر بھلائی کے دوسرے تمام اقدامات سے زیادہ ضروری ہے اور ہمارا ملک اگر اس وقت مشکل میں ہے تو اسے مشکلات سے ہم نے ہی باہر نکالنا ہے کوئی باہر سے نہیں آئے گا، میں سمجھتا ہوں، ہمارے معاشرے میں انسانیت نہیں رہی ہے، کسی بھی ہمارے کسی بھی سانحے کو آپ دیکھ لیں میرا تو خیال ہے اب کوئی بڑی تحریک ہی۔۔۔ بڑی قربانی ہی ہمیں راہ راست پر لا سکتی ہے۔"

★ "لیکن قربانیاں تو ہم آل ریڈی دے رہے ہیں یہ روزانہ کے بم دھماکے، یہ خودکش حملے، یہ سب لوگ جو ان میں روزانہ لقمہ اجل بن رہے ہیں یہ سب قربانیاں ہی تو ہیں؟"

✻ "یہ سلو آؤٹ ہے، مطلب یہ اس لیول کی قربانیاں نہیں ہیں جسے ہم انقلابی کہہ سکیں۔ مثال کے طور پر 1947ء کی جو تحریک آزادی تھی اس کے تو ہم قریب بھی نہیں جا سکتے، میں مانتا ہوں کہ ملکی حالات بہت خراب ہیں کتنا بڑا ملک ہے، مگر یہ حالات کنٹرول بھی کیے جا سکتے ہیں، اس وقت کے حالات تو کنٹرول ایبل تھے ہی نہیں، اب ان قربانیوں کے بعد ملک کو مضبوط کرنا تھا، مگر ہم گنوا رہے ہیں، آئے روز جو واقعات ہو رہے ہیں، اس پر لوگوں میں جو مایوسی اور بے حسی بڑھتی جا رہی ہے یہ سب لمحہ فکریہ ہے۔"

★ "موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے کبھی دل میں خیال آیا کہ کاش میں پاکستان میں پیدا نہ ہوتا؟"

✻ "نہیں میرے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا! کیونکہ میں اپنے پورے دل و روح کے ساتھ اپنے پاکستان سے پیار کرتا ہوں اور آپ دیکھیں یہ جو حالات ہیں یہ ایک جیسے نہیں رہتے قوموں کی زندگی میں اونچ نیچ آتی رہتی ہے۔ یہی ڈیزاسٹر کرتی ہے کہ لوگوں کا خلوص کیا ہے۔ 2005ء میں ارتھ کوئیک کا سانحہ ہوا تھا۔ میں نے خود ان علاقوں کو وزٹ کیا، وہاں کے لوگوں کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا، ابھی سیلابی علاقوں میں جو صورت حال ہے وہ سب کے سامنے ہے اور ان مشکل حالات میں ساری قوم نے مل کر جو اتحاد کا مظاہرہ کیا ہمارے ملک کو اسی کی ضرورت ہے، ایک قوم کی حیثیت سے ہم میں بہت سی خرابیاں ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہمیں لیڈر شپ بھی کبھی اچھی نہیں ملی، اگر اس قوم کو اچھی لیڈر شپ مل جائے تو میں آپ کو لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ اس ملک کو ترقی یافتہ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

★ "بہت شکریہ فاروق کہ اتنی مصروفیات کے باوجود آپ نے اتنا ٹائم دیا، آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔"

✻ "بہت شکریہ، بہت ساری دعائیں آپ کے لیے۔"

فضیلہ قیصر

شاہین رشید

1 "کوئی وہ نام جن کے لیے آپ سوچتی ہیں کہ کاش یہ میرے ہوتے؟"

* "میں تو اپنے نام سے بہت خوش ہوں۔ میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں کہ فلاں نام میرا ہوتا ہاں البتہ پرانے زمانے کے نام مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ جیسے "حور" اور "زیب النساء" وغیرہ۔ لیکن ان کے لیے بھی میں نے یہ نہیں سوچا کہ میرے ہوتے۔"

2 "وہ دیرینہ خواہشات جو ابھی تک پوری نہ ہوئی ہوں؟"

* "میں ڈاکٹر بننا چاہتی تھی لیکن چونکہ بہت جلدی اس فیلڈ میں آگئی اس لیے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ بچوں کے بعد کوشش کی کہ چلو ایم بی اے ہی کر لوں مگر کر نہ سکی۔

دوسری خواہش سلمان خان کے ساتھ کام کرنے کی ہے چاہے میں اس کی بہن کا ہی رول کیوں نہ کروں خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ لیکن مجھے اس کی ہیروئن نہیں بننا کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا چھوٹا بھائی بالکل سلمان خان جیسا ہے۔ میرا بھائی دبئی میں ہوتا ہے تو جب میں سلمان خان کو دیکھتی ہوں تو مجھے اپنا بھائی یاد آجاتا ہے۔ بس اس لیے میرا دل چاہتا ہے اس کے ساتھ کام کرنے کو۔"

3 "آپ کے دو لکی نمبرز؟"

* "پانچ اور آٹھ۔"

4 "وہ دو بری عادتیں جن سے آپ چھٹکارا پانا چاہتی ہیں؟"

* "کاہلی اور کھانے پہ کنٹرول۔"

5 "وہ تاریخی دور جس میں آپ جانا چاہتی ہیں؟"

* "میرا دل چاہتا ہے کہ میں شہزادیوں کے دور میں چلی جاؤں اور کسی ایسے دور میں جو بہت ہی ماڈرن یعنی بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو۔"

6 "وہ جھوٹ جس کو بول کر اپنی جان بچائی ہو؟"

* "کبھی کبھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے مثلاً" ممی نے کوئی کام کہا اور میں بھول گئی اور کہہ دیا کہ ہاں کر دیا تھا اور پھر کرنے کے بعد بتاتی ہوں کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ ویسے ایسا کوئی خاص نہیں ہے۔ قیصر سے آج تک لڑائی اسی لیے نہیں ہوئی کہ کبھی ان کے آگے جھوٹ نہیں بولا۔ میں تو جھوٹ بولنے والوں کی دشمن ہوں اور ان کو گھر تک پہنچا کر آتی ہوں۔"

7 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر غصہ آجاتا ہے؟"

* "ایک تو یہ کہ "آپ پہلے تو بہت دبلی تھیں" حالانکہ مجھ سے زیادہ موٹی خواتین اس فیلڈ میں کام کر رہی ہیں۔ اب اگر لوگ کہیں کہ میں اٹھارہ سال کی لڑکی کی طرح دبلی پتلی ہو جاؤں تو ایسا ہو نہیں سکتا اور دوسری بات یہ کہ اچھا آپ گھر کے کام بھی کرتی ہیں۔"

8 "وہ دوست جن پر آپ بھروسہ کر سکتی ہیں؟"

* "ایک اپنی امی اور دوسرے اپنے شوہر۔"

9 "دنیا کی وہ ایسی شخصیات جن کی قسمت پر آپ کو رشک آتا ہے؟"

* "ایشوریا رائے اور لیڈی ڈیانا کی قسمت پر رشک آتا تھا۔ اس کی قسمت پر اس لیے کہ اس سے سب بہت پیار کرتے تھے اور ایشوریا رائے پہ اس لیے رشک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر چیز سے نوازا ہوا ہے۔"

10 "وہ تہوار جو آپ اہتمام سے مناتی ہیں؟"

* "عید اور عید میلادالنبی ﷺ۔"

11 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

* "علی الصبح فجر کا اور عشاء۔"

12 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتی ہیں؟"

* "السلام علیکم اور کیا حال ہیں۔"

13 "وہ کھانے جنہیں کھا کر کبھی بور نہیں ہوتیں"

* "اپنی اماں کے ہاتھ کا پلاؤ اور بکرے کے پائے۔"

14 "وہ افراد جن سے معافی مانگنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتیں؟"

* "اپنی اماں سے اور اپنے میاں سے۔"

15 "وہ پسندیدہ کھلاڑی جن کی وجہ سے آپ کرکٹ دیکھتی ہیں؟"

* "پہلے میں کرکٹ بہت شوق سے دیکھتی تھی۔ مگر اب ٹائم نہیں ملتا لیکن جب دیکھتی تھی تو مجھے وقار یونس اور جاوید میاں داد پسند تھے۔"

16 "زندگی کے وہ خوب صورت دن جو یادگار بن گئے ہیں؟"

* "میری شادی کا دن اور میرے دونوں بیٹوں کی پیدائش کے دن۔"

17 "وہ فلمیں جو بار بار دیکھی ہوں؟"

* "دل والے دلہنیا لے جائیں گے اور منا بھائی"

18 "وہ چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"

* "اپنا بیگ اور موبائل۔"

19 "وہ الفاظ جو بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں؟"

* قعقبہ "بچوں اٹھ جاؤ" "بچوں سو جاؤ۔"

20 "وہ پسندیدہ صحافی؟"

* "عمران اسلم اب صحافت نہیں کرتے لیکن جنگ گروپ میں ہیں اور دوسری تم تم سے میرا بہت پرانا تعلق ہے۔"

21 "سات دنوں میں سے کوئی سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

http://www.pakfunplace.blogspot.com

* "پیر کا دن اور جمعرات کا دن۔"

22 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

* "میرا بیڈ روم اور کچن۔"

23 "گھر کے دو کام جو آپ کو پسند نہیں؟"

* "برتن دھونا اور ڈسٹنگ کرنا۔"

24 "دو پسندیدہ پکنک پوائنٹس؟"

* "لندن! یہاں پاکستان میں تو بم دھماکوں کا ہی ڈر لگا رہتا ہے۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی سی ویو چلی جاتی ہوں۔"

25 "دو ایسے افراد جن پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکنے کو دل چاہتا ہے؟"

* "بہت سارے ہیں ایک لمبی فہرست ہے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی بھی رہتی ہے۔ منافقین اور جھوٹے لوگ مجھے بہت برے لگتے ہیں۔"

26 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

* "ملائشیا اور ترکی۔"

27 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

* "کالا اور سفید۔"

28 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

* "کراچی اور حیدر آباد۔"

29 "سال کے چار موسموں میں سے دو پسندیدہ موسم؟"

* "سردی اور بہار۔"

30 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ باتیں؟"

* "لاپروا بہت ہوتے ہیں اور ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے۔"

31 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام سب سے پہلے کرتی ہیں؟"

* "ایک گلاس پانی پیتی ہوں اور بچوں کو اسکول بھیجتی ہوں۔"

32 "دو مرد جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا؟"

* "میرے بابا اور میرا میاں۔"

33 "آپ کے نزدیک دنیا کے دو خوب صورت ترین مرد؟"

* "میرے بابا مجھے بہت خوب صورت لگتے تھے۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن وہ مجھے ہر لحاظ سے خوب صورت لگتے تھے اور اللہ زندگی رکھے میرے میاں صاحب کی جو بہت خوب صورت ہیں اور میرے بھائی بھی بہت خوب صورت ہیں۔"

34 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

* "شوبز اور میڈیکل ڈاکٹر بننا میرا خواب تھا۔"

35 "والدین کی دو نصیحتیں جو آپ نے گرہ میں باندھ لیں؟"

* "میری امی کہتی ہیں کہ جھوٹ نہیں بولو اور میرے بابا کہا کرتے تھے کہ "دل میں جو بات ہو منہ پہ بول دو اور دل صاف رکھو۔"

36 "دنیا کے دو بہترین سیاست دان آپ کی نظر میں؟"

* "بے نظیر بھٹو اور مہاتیر محمد ملائشیا کے۔"

37 "اپنے دو ڈرامے جن کو فراموش نہیں کر سکتیں؟"

* "اب میرا انتظار کر جو کہ ٹیلی فلم تھی اور دوسرا "آرزو" جو کہ ہماری پروڈکشن میں بننے والا پہلا ڈرامہ تھا۔"

38 "کوئی دو پیشن گوئیاں آپ کے بارے میں جو سچ ثابت ہوئی ہوں؟"

* "مجھے ان باتوں پہ نہ بھروسہ تھا اور نہ ہے لیکن یہ پیشن گوئی کسی زمانے میں کسی نے کی تھی کہ آپ بہت مشہور ہوں گی اور دوسری یہ کہ دو بچے ہوں گے تو دو ہی ہیں۔"

39 "کن دو باتوں سے پرہیز کرتی ہیں؟"

* "حتی الامکان کوشش کرتی ہوں کہ جھوٹ نہ بولوں اور زیادہ جاگنے سے پرہیز کرتی ہوں۔ میں زیادہ جاگ نہیں سکتی۔"

40 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے ہوں؟"

* "فیصلے ہم خود نہیں کرتے بلکہ وقت اور حالات کروا دیتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے جو فیصلے کیے وہ درست ثابت ہوئے۔ شوبز میں آنے کا فیصلہ بھی درست ثابت ہوا اور قیصر سے شادی کرنے کا فیصلہ بھی درست ثابت ہوا۔"

41 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سی دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"

* "عصر کی اکثر پڑھ لیتی ہوں اور عشا کی ضرور پڑھتی ہوں بڑا سکون ملتا ہے۔ سارا دن کے کام کاج کے بعد نماز پڑھنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔"

42 "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"

* "میک اپ اور کپڑے، بچوں کے اپنے لیے نہیں۔"

43 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

* "میری اماں اور میرا میاں۔"

44 "کن لوگوں کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتیں؟"

* "میں کسی کی بھی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتی جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور برائی میں بھی بخل سے کام نہیں لیتی جو برا ہے وہ برا ہے۔"

45 "دو مشروب جو آپ کو بے انتہا پسند ہیں؟"

* "کوک اور فریش اورنج جوس۔"

46 "آج کے دور کے دو گلوکار جنہیں سننا پسند کرتی ہیں؟"

* "راحت فتح علی خان اور امجد صابری۔"

47 "شادی کی دو رسمیں جو انجوائے کرتی ہیں؟"

* "نیگ لینے والی رسم اور دودھ پلائی کی رسم۔"

48 "خاندان کی دو شخصیات جن سے آپ اپنا ہر مسئلہ شیئر کرتی ہیں؟"

* "ہر مسئلہ اپنے شوہر سے اور اپنے بیٹوں سے شیئر کرتی ہوں۔"

49 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کر دیتی ہیں؟"

* "جب بچے جب آپس میں لڑتے ہیں اور جب یہ بلاوجہ اسکول کی چھٹی کرتے ہیں۔"

50 "کن دو باتوں سے ڈر لگتا ہے؟"

* "بڑھاپے کی بیماریوں سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سے یہی دعا کرتی ہوں کہ مجھے اس دنیا سے بغیر کسی بیماری کے اٹھا لینا اور قدرتی آفات سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

51 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

* "ڈیسنٹ ہو اور جسم نمایاں نہ ہو۔ یعنی غیر اخلاقی نہ ہو۔"

52 "معروف شخصیت بننے کے بعد کون سے دو مسائل درپیش ہوئے؟"

* "باہر جائیں تو بغیر کسی کے دخل اندازی کے کچھ کر نہیں سکتے اور کبھی کبھی لوگ آپ سے بہت ہی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہیں جو آپ کو Irritate کرتی ہیں مثلاً "دو سال کے بچے کو سامنے لا کر کہیں گے کہ

http://paktunplace.blogspot.com

یہ آپ کو بہت پسند کرتا ہے۔ دو سال کا بچہ ہمیں کیسے پسند کرسکتا ہے اور کہتا ہے آنٹی سے ہاتھ ملاؤ۔"

53 "معروف شخصیت بننے کے بعد کون سی دو تبدیلیاں آئیں؟"

* "اپنے غصے کو تھوڑا کنٹرول کرلیا ہے اور تھوڑا لائف اسٹائل بھی تبدیل ہوا ہے۔"

54 "گھر کے کسی ایک فرد کے ساتھ کوئی دو شکایتیں؟"

* "نہیں کسی سے کوئی شکایت نہیں۔"

55 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتی ہیں؟"

* "دو کے ساتھ نہیں تین کے ساتھ اپنے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے میاں کے ساتھ۔"

56 "مردوں کے دو نخرے جو برداشت نہیں ہوتے؟"

* "ایک تو کھانے پہ نخرے ہوتے ہیں اور تنقید کرنا خوامخواہ میں۔ اپنے گھر کی عورتیں خواہ وہ ماں، بہن ہو یا بیوی ان پر بہت تنقید کرتے ہیں اور باہر جاکر دوسری خواتین کی تعریف کرتے ہیں۔"

57 "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

* "پارلی کو ٹوبائیٹ اور بھوا ہٹ۔"

58 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرنا پسند کرتی ہیں؟"

* "فورم اور پارک ٹاور چونکہ کراچی میں رہتی ہوں تو وہاں سے ہی شاپنگ کرتی ہوں۔"

59 "دو میگزین جو شوق سے پڑھتی ہیں؟"

* "خواتین اور شعاع ڈائجسٹ۔"

60 "دو چینلز جو شوق سے دیکھتی ہیں؟"

* "ہم اور نیشنل جیوگرافک۔"

61 "دو تبدیلیاں جو اپنی شخصیت میں لانا چاہتی ہیں؟"

* "غصے کی بہت زیادہ ہوں اس پر کنٹرول کرنا چاہتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ تھوڑی سی سیاست مجھے بھی آجائے کہ کس طرح لوگوں کو خوش رکھا جاسکتا ہے۔"

62 "دو چیزیں جو آپ کے بیگ یا والٹ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

* "کریڈٹ کارڈز اور کچھ نہیں۔"

63 "کھانے کی ٹیبل پہ کون سی دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

* "کوک اور سلاد۔"

64 "دو شخصیات جن کو اغوا کرنا چاہیں گی اور ان سے تاوان میں کیا وصول کریں گی؟"

* "زرداری صاحب کو اغوا کروں گی تاکہ تاوان میں بہت سارے ڈالرز مل جائیں اور سلمان خان کو اغوا کروں گی اور کہوں گی کہ تمہارے ساتھ فلم میں کام کرنا ہے۔"

☆ ☆

وسیم بادامی سے ملاقات

شاہین رشید

وسیم بادامی جنہیں کچھ عرصے پہلے تک ہم اور آپ ایک نیوز کاسٹر کی حیثیت سے جانتے تھے اب بطور اینکر بھی جانتے ہیں۔ بہت تھوڑے عرصے میں وسیم بادامی نے بحیثیت اینکر کے اپنی جگہ بنائی ہے اور کامیابی کے ساتھ "11th hr" پروگرام کررہے ہیں۔ ابتدا میں انہیں اپنی جگہ بنانے میں مشکل ہوتی ہوگی کیونکہ ہماری معروف شخصیات کسی نئے اینکر سے بات کرنا زیادہ پسند نہیں کرتیں اور اگر کربھی لیں تو خاص طور پر نوجوان اینکر کو ناتجربہ کار کہہ دیتی ہیں۔ وسیم بادامی کے ساتھ بھی ایسا یقیناً ہوا ہوگا۔ لیکن اب وسیم بادامی خاصے منجھ گئے ہیں اور اپنے سوالوں سے سامنے والے کو لاجواب کردیتے ہیں۔

* "کیسے ہیں۔۔۔ بہت مصروف رہتے ہیں آپ؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے اور مصروف تو آج کل ہر کوئی ہے بس کبھی کبھی سیٹنگ تھوڑی ڈسٹرب ہوجاتی ہے۔"

* "آپ کا نام وسیم رضا بادامی ہے۔۔۔ بادامی سے کیا مراد ہے کیا بچپن میں بادام زیادہ کھایا کرتے تھے؟"

☆ "(ہنستے ہوئے) اس کا بادام کھانے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سرنیم ہے ہمارا ہمارے ننھیال کی سائیڈ پر امی کی طرف سے سرنیم "دودھ والا" ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ننھیال کی سائیڈ پر زیادہ تر لوگ دودھ کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ تو ہوسکتا ہے کہ ددھیال کی سائیڈ پر بھی کوئی ایسا سلسلہ ہو اب تو ایسا کوئی سلسلہ نہیں رہا کہ کوئی بادام کا کاروبار کرتا ہو۔ مگر یہی سرنیم مشہور ہوگیا۔"

* "لوگ کیا کہتے ہیں وسیم یا بادامی؟"

☆ "جن سے بے تکلفی ہو جاتی ہے وہ بادامی کہتے ہیں اور جن سے نہیں ہوتی وہ پھر وسیم کہہ کر بلاتے ہیں۔"

* "اس فیلڈ میں آمد کیسے ہوئی؟۔۔۔ کیسے شوق ہوا؟"

☆ "میں نے ایم بی اے کیا ہے مارکیٹنگ میں زیبسٹ یونیورسٹی سے۔ اس فیلڈ میں آمد کچھ اس طرح ہوئی کہ ہمارے والد ہمارے بچپن سے سوشل آرگنائزیشن سے وابستہ تھے اور انہیں کرنٹ افیئرز اور خبروں وغیرہ سے بہت دلچسپی تھی اور گھر میں ہوں یا دوستوں میں یا کسی بھی نجی محفل میں تو ان کا موضوع بحث کرنٹ افیئرز ہی ہوتا تھا تو یہ قدرتی بات ہے کہ اولاد اپنے والدین کو ہی فالو کرتی ہے۔ والد صاحب کی وجہ سے ہمیں بھی کرنٹ افیئرز سے دلچسپی ہوگئی اور ہم بھی ڈرامے اور کارٹون اور اس طرح کے دوسرے

http://paktunplace.blogspot.com

پروگرام دیکھنے کی بجائے حالات حاضرہ کے ہی پروگرام دیکھا کرتے تھے اور پھر اس شوق نے بھی جنم لینا شروع کر دیا کہ مجھے اس فیلڈ میں آنا ہے۔

اور اسی شوق کی وجہ سے میں اخبارات کا بھی گہرا مطالعہ کرتا تھا اور ریڈیو ٹی وی سے خبریں بھی بہت شوق سے اور غور سے سنا کرتا تھا اور بس یہی شوق مجھے اس فیلڈ میں لے آیا۔"

* "ابتدا کہاں سے کی ریڈیو یا ٹی وی سے؟"

☆ "ریڈیو سے ابتدا ہوئی جب میں بی بی اے میں تھا تو ایف ایم 107 میں پریزنٹر ہو گیا وہاں میں اسٹاک ایکسچینج کی اپ ڈیٹ دیا کرتا تھا اس دوران مختلف چینلز پر ٹرائی کرتا رہا۔ اسی دوران اخبار میں بزنس پلس کے لیے جابز کا اشتہار دیکھا تو اپنی سی وی بھیج دی۔ انہوں نے مجھے بلایا اور انٹرویو ہوا اور وہاں بطور ریسرچر ہائر کر لیا گیا اور اپنے پروگرام کے ہوسٹ کو ہم ریسرچ کر کے ساری معلومات دیتے تھے اور ہمارا سارا کام اسٹاک ایکسچینج سے متعلق ہی تھا۔

پھر ایک دن میں بزنس پلس کے آفس میں بیٹھا تھا ہفتے کا دن تھا اسٹاک ایکسچینج بند تھی اور میں بور ہو رہا تھا تو اپنے ایک ساتھی کو فون کیا کہ بھئی آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں تو اس نے کہا کہ "اے آر وائی" میں آڈیشن ہو رہے ہیں تو میں وہاں آیا ہوا ہوں۔۔۔ میں نے کہا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے میں بھی آ رہا ہوں اور میں اسے پک کرنے کے لیے چلا گیا اور وہاں تاخیر ہو گئی تو میں نے بھی انٹرویو دے ڈالا۔ بلکہ یہ کہوں تو زیادہ بہتر ہو گا کہ آڈیشن دے ڈالا۔

وہ میرا پہلا آڈیشن تھا اور اس میں تقریباً" ہزار سے زیادہ لوگوں نے آڈیشن دیا تھا۔ اس آڈیشن کے بعد ایک انٹرویو ہوا پھر سیکنڈ ہوا اور پھر تھرڈ انٹرویو ہوا اور ہزار لوگوں میں سے چھ سات لوگوں کو منتخب کیا اور پھر ان چھ سات میں سے دو لوگ منتخب ہوئے اور ان میں ایک میں بھی تھا اور اس طرح سے کئی مراحل کے بعد میں اے آر وائی میں آیا اور نیوز کے لیے منتخب ہوا۔"

* "کتنے سال پہلے کی بات ہے اور اتنے مراحل کے بعد منتخب ہونے پر خوشی تو بہت ہوئی ہو گی؟"

☆ "چار سال پہلے کی بات ہے اور خوشی کا تو مت پوچھیں کہ کتنی ہوئی تھی کہ مجھے تو امید ہی نہیں تھی کہ میرا انتخاب ہو گا۔"

* "مجھے یاد ہے کہ جب آپ بحیثیت نیوز کاسٹر کے نظر آنے لگے تو بہت دبلے پتلے کمزور اور کم عمر دکھائی دیتے تھے۔ مگر اب صورت حال مختلف ہے۔ یہ سب خوشی اور پیسے کا کمال ہے یا کچھ کھانا پینا شروع کر دیا ہے؟"

☆ "جب میں شروع شروع میں آیا تھا تو ہر طرف سے یہی آواز آئی تھی کہ 'یار یہ تو بچہ ہے' ایسا لگتا ہے کہ جیسے اسکول کا بچہ بھاگ کر آ گیا ہے اور اس نے خبریں پڑھنا شروع کر دی ہیں۔ میرے باس نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ یار کچھ اپنے آپ کو موٹا کرو تو میں نے بہت زیادہ تو نہیں لیکن تھوڑی بہت توجہ دینا شروع کر دی اپنے کھانے پینے پر۔۔۔ پھر ہم دبئی شفٹ ہو گئے تو وہاں کے پانی کا بھی کچھ اثر تھا۔ کچھ میں نے توجہ بھی دینا شروع کی اپنے اوپر۔ جس سے معاملہ کچھ بہتر ہو گیا۔"

* "اب تو آپ ماشاء اللہ صحت مند لگنے لگے ہیں۔ کتنے سال دبئی میں رہے؟"

☆ "اے آر وائی میں آئے ہوئے چار سال ہو گئے ہیں اور دبئی میں تقریباً" تین سال رہا اور اب پاکستان سے ہی خبریں اور سارے پروگرام آن ایئر ہوتے ہیں۔"

* "کچھ یاد ہے کہ پہلی خبر کیا پڑھی تھی؟"

☆ "یہ تو مجھے یاد نہیں ہے۔ بس دس منٹ کا شاید ایک بلیٹن تھا جو میں نے پڑھا تھا اور مجھے یاد ہے کہ منتخب ہونے کے بعد میں اے آر وائی کے آفس پہلی مرتبہ گیا تھا اور یہ سوچ کر گیا تھا کہ دو تین مہینے ٹریننگ ہو گی اور اس کے بعد خبریں پڑھنے کے لیے کہا جائے گا لیکن ہمارے کنٹرولر نیوز نے کہا کہ آپ اسٹوڈیو جائیں میں نے کہا سر کیا کرنا ہے وہاں تو کہنے لگے کہ خبریں پڑھنی ہیں اور لائیو پڑھنی ہیں۔۔۔ اور جب میں آفس گیا تو پھر چھ سات گھنٹے کے بعد ہم نے لائیو خبریں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔"

* "اور جب آپ لائیو گئے تو کوئی ڈر' خوف' گھبراہٹ تھی آپ کو یا کوئی غلطی سرزد ہوئی؟"

☆ "اب میں یہ کہوں کہ کوئی خوف کوئی ڈر نہیں تھا تو غلط ہو گا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ لائیو بلیٹن پڑھ رہا تھا لیکن چونکہ میں کافی زیادہ آڈینس فیس کرتا رہا ہوں جب میں نعت خوانی کرتا تھا تو یہ کام میرے لیے بہت زیادہ نیا نہیں تھا۔"

* "اچھا۔۔۔ نعت خوانی بھی کی ہے آپ نے گلوکاری بھی کی ہے؟"

☆ "نعت خوانی زیادہ کی ہے۔ گلوکاری کم کی ہے۔ صرف قومی نغمے ہی گائے ہیں مگر زیادہ نہیں۔"

* "جب آپ کماؤ پوت ہوئے پہلی تنخواہ لے کر آئے تو کیا کیا تھا اور تنخواہ کتنی تھی؟"

☆ "آپ نے یہ کہاوت تو سنی ہی ہو گی کہ مرد سے اس کی تنخواہ اور عورت سے اس کی عمر نہیں پوچھنی چاہیے۔۔۔ اس لیے آپ رہنے ہی دیں اس سوال کو ویسے بھی اب یہ کچھ پرانی بات ہو گئی ہے۔"

* "آپ [illegible] ٹینشن والے ہیں غصہ تو آتا ہو گا کیا کرتے ہیں اس وقت؟"

☆ "غصہ مجھے بہت آتا ہے اور اس وقت بہت آتا ہے جب سامنے والا جھوٹ بول کر اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور اس وقت تو اور بھی زیادہ غصہ آتا ہے جب سامنے والا آپ کو بے وقوف سمجھ رہا ہو۔ جھوٹ بولنے والے کا بھی پتا چل جاتا ہے اور بے وقوف سمجھنے والے کا بھی پتا چل جاتا ہے عموماً" اظہار نہیں کرتا لیکن جب کرتا ہوں تو بہت ہی برے انداز میں اور زور زور سے کرتا ہوں۔"

* "برے سے کیا مراد ہے؟"

☆ "برے سے مراد یہ ہے کہ غصے میں آواز اونچی ضرور ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا ذرا کم ہوتا ہے۔ میں عام طور پر اس فارمولے پر عمل کرتا ہوں کہ

ہم تو دشمن کو بھی پاکیزہ سزا دیتے ہیں
ہاتھ اٹھاتے نہیں نظروں سے گرا دیتے ہیں

تو مجھے جس بندے کا پتا چل جائے کہ یہ ڈنڈی مار رہا ہے جھوٹ بول رہا ہے یا منافقت کر رہا ہے تو پھر میں اس سے لڑتا نہیں ہوں لیکن اس سے فاصلہ بڑھا لیتا ہوں۔"

* "آپ کا پروگرام "11th hr" بہت اچھا ہوتا ہے اور بہت عمدگی سے کر رہے ہیں نیوز کو خدا حافظ کہہ دیا ہے آپ نے؟"

☆ "بہت شکریہ پروگرام پسند کرنے کا اور کچھ پتا نہیں کہ کب نیوز میں واپسی ہو جائے۔ لیکن فی الحال تو مستقل بنیادوں پر میں یہی پروگرام کر رہا ہوں۔"

* "اور ہمارا خیال ہے کہ آپ بہت اچھے انداز میں کر رہے ہیں آپ میں ایک اچھے اینکر کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔

آپ نے ہر اچھی' بری خبر پڑھی ہے۔ کبھی آنکھیں نم ہوئی آپ کی؟"

☆ "ہاں' بالکل' کبھی کبھی بلکہ ہم اکثر ٹیلی وژن اسکرین پہ ایسے پروگرام و واقعات دیکھتے ہیں جو دہشت گردی سے متعلق ہوتے ہیں کسی ماں سے بچہ بچھڑ گیا یا کسی نے اپنے بچے کو بیچ دیا یا کسی نے کسی کو قتل کر

دیا۔ ایک گھر کے چار بھائی مار دیے گئے۔ غربت، افلاس، بے روزگاری تو اس طرح کے واقعات دیکھ کر کبھی کبھی اپنے جذبات پہ قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔"

* "ایسے موقع پر کچھ اپنی بے بسی کا احساس ہوتا ہے؟"

☆ "بالکل ہوتا ہے۔ آج کل کے حالات دیکھ کر بہت بے بسی کا احساس ہوتا ہے ہم ٹی وی پہ بھی بہت سے واقعات دیکھتے ہیں اور لوگ اپنی بہت سی کہانیاں اور بہت سے مسائل لے کر ہمارے پاس آتے ہیں تو اس وقت میں دکھی ہو جاتا ہوں کہ ہزاروں لوگ ہیں اور ہم ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے اپنے تعلقات کا استعمال کرتے ہوئے ہم دو تین لوگوں کے مسائل تو حل کر سکتے ہیں لیکن زیادہ لوگوں کے نہیں۔"

* "غریب انسان تو ہر معاملے میں بے بس ہے؟"

☆ "ہاں۔۔۔ بالکل میں جب لوگوں کو شدید بیمار دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی بے بسی پر بہت تکلیف ہوتی ہے کہ ہم کتنے پلان بناتے ہیں اور کیا کیا کرنے کا سوچ رہے ہوتے ہیں لیکن ایک بیماری لگ جائے تو انسان کچھ نہیں کر سکتا۔"

* "دولت انسان کو پر سکون لائف دے سکتی ہے۔ آپ کی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟"

☆ "میرا نہیں خیال کہ دولت انسان کو سکون دے سکتی ہے دل کا اطمینان بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی خوشی بھی الحمدللہ میں ایک بہت ہی اچھی اور ایسی لائف گزار رہا ہوں لیکن زندگی میں انسان کے اوپر ہر دور آتا ہے۔ کبھی پریشانیاں، خوشیاں سب ساتھ ساتھ ہوتی ہیں اور اگر کوئی کہے کہ دولت سے سکون قلب خریدا جا سکتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اکثر دیکھا ہے کہ انسان بلندیوں پہ ہوتا ہے مگر دل مطمئن نہیں ہوتا۔ تو فائدہ نہیں ایسی شہرت اور دولت کا۔"

* "اپنے بارے میں سوچتے ہیں کہ چند سال کے بعد آپ کس مقام پر ہوں گے؟"

☆ "دیکھیں میں قسمت پر یقین رکھتا ہوں انسان اکثر پلاننگ کرتا ہے لیکن اکثر اوقات پلاننگ دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ بے شک میں سوچتا ضرور ہوں کہ یہ کروں گا وہ کروں گا مگر پھر پروا نہیں کرتا کہ جو قسمت میں ہو گا وہی ہو گا۔ میں سوچتا ضرور ہوں۔ پلاننگ بھی کرتا ہوں مگر اپنی پلاننگ کسی سے شیئر نہیں کرتا کہ پھر بعد میں کوئی شرمندگی نہ ہو۔"

* "آپ کو ستاروں پر یقین ہے؟"

☆ "میں ستاروں پر یقین نہیں رکھتا بس اس حد تک دلچسپی ہے کہ کبھی کہیں ستاروں کا حال لکھا ہوا ہو تو پڑھ ضرور لیتا ہوں۔ مگر یقین نہیں کرتا کہ ایسا لکھ دیا گیا ہے تو ضرور ہی ہو گا۔"

* "ڈرتے ہیں آنے والے وقت سے؟ کہ آج اتنی شہرت ہے اگر یہ سب کچھ کل نہ ہوا تو؟"

☆ "نہیں ڈرتا تو نہیں ہوں۔۔۔ آنے والے کل میں اگر یہ سب کچھ نہ ہوا تو مجھے افسوس ضرور ہو گا لیکن حیرت نہیں ہو گی کیونکہ میں ہر وقت برے وقت کے لیے تیار رہتا ہوں۔ میں ذہنی طور پر اس بات کے لیے تیار ہوں کہ اگر خدانخواستہ آج شام کو ایسا کچھ ہو جائے گا کہ کل میں وہ نہیں رہوں گا جیسا میں آج ہوں تو ایسا کچھ ہونا میرے لیے آسان تو نہیں ہو گا۔ مجھے افسوس بھی ہو گا اور مجھے دھچکا بھی لگے گا لیکن حیرت نہیں ہو گی کہ اونچ نیچ تو زندگی کے ساتھ ساتھ ہے۔"

* "اس فیلڈ میں آکر اپنی شخصیت سے لاپروا ہیں یا اپنا خاص خیال رکھتے ہیں اور کیا کمی محسوس کرتے ہیں اپنی شخصیت میں؟"

☆ "میں ایک لاپروا انسان ہوں۔ اپنا خیال بالکل نہیں رکھتا اور بہت ہی غیر منظم قسم کا انسان ہوں لوگ بہت حساب کتاب کے ساتھ چلتے ہیں کہ اس وقت یہ کرنا ہے اس وقت یوں کرنا ہے۔۔۔ مگر میں ایسا کچھ نہیں کرتا تو میں چاہتا ہوں کہ میں بھی ایک ایسا ہی انسان بن جاؤں۔۔۔ اور آپ اس کو میری خامی یا جو دل چاہے کہہ لیں کہ میں لوگوں کا دل رکھنے کے لیے ان کی ان باتوں کو جن سے میں اتفاق نہیں رکھتا صحیح کہہ دیتا ہوں۔۔۔ جبکہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

* "آپ دل آزاری کرنا پسند نہیں کرتے؟"

☆ "جی۔۔۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری وجہ سے یا میری کسی بات سے دوسروں کا دل ٹوٹے کسی کی دل شکنی ہو۔"

* "آپ کے خیال میں آپ آج جس مقام پر ہیں وہ بہت پہلے مل جانا چاہیے تھا یا اس کا صحیح وقت یہی ہے؟"

☆ "میرا تو خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا کرم جلدی کر دیا تھا اور آج جس مقام پر ہوں اس کے لیے سوچا کرتا تھا کہ شاید پانچ چھ سال بعد میں یہ مقام حاصل کر سکوں گا۔ لیکن اللہ نے مجھے بہت جلد یہ مقام عطا کر دیا ہے۔"

* "مزاج کب چڑچڑا ہو جاتا ہے آپ کا؟"

☆ "جب مجھے شدید بھوک لگی ہو اور کھانا نہ ملے تو بس پاگل ہو رہا ہوتا ہوں۔ دماغ خراب ہو رہا ہوتا ہے اور عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ بہت ہی بے صبرا ہو رہا ہوتا ہوں اور لگتا ہے کہ زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ کھانا ملے چاہے وہ گرم ہو یا ٹھنڈا اور یہی برائی میری کمزوری ہے۔"

* "اگر مذہب میں ایک قتل کی اجازت ہوتی تو؟ اور شہرت کیسی لگ رہی ہے آپ کو؟"

☆ "میں جس فیلڈ میں ہوں یہاں رہ کر میں کوئی جواب نہیں دے سکتا لیکن مجھے اجازت ہوتی تو ضرور کرتا قتل اور جہاں تک شہرت کی بات ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ زحمت ہے مگر مجھے شہرت پا کر بہت مزا بھی آ رہا ہے اور اپنے پر فخر بھی ہو رہا ہے۔"

* "لوگ آپ کی تعریف کرتے ہیں یا تنقید؟"

☆ "میرے سامنے تو لوگ میری تعریف ہی کرتے ہیں کہ جی آپ کا بات کرنے کا انداز بہت اچھا ہے۔ آپ مزاج کے بہت اچھے ہیں۔"

* "بچت کی عادت ہے یا فضول خرچ ہیں اور اس فیلڈ میں کیا برائی نظر آتی ہے؟"

☆ "بچت کی عادت ہے۔ جہاں خرچ کرنا ہوتا ہے

خرچ کرتا ہوں اور جہاں نہیں وہاں بچت کرتا ہوں اور اس فیلڈ میں کوئی برائی نہیں۔ بس ذرا گھر والوں کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

* "چھٹی کا دن کیسے گزارتے ہیں؟"

☆ "اخبار و رسائل پڑھ کر ٹاک شو دیکھ کر اور میں بنیادی طور پر آؤٹ گوئنگ قسم کا بندہ نہیں ہوں میں گھر میں رہ کر انجوائے کرنے والا بندہ ہوں۔ رشتے داروں کو گھر پر بلوا کر اور باہر سے کھانا منگوا کر تو اس طرح چھٹی کا دن گھر پر ہی گزرتا ہے۔"

* "کوئی نیوز کاسٹر جس کے ساتھ آپ کو خبریں پڑھنا اچھا لگتا تھا؟"

☆ "آپ لڑائی نہ کروائیں اب تو میں نیوز میں نہیں ہوں اور مجھے سب کے ساتھ نیوز پڑھنا اچھا لگتا تھا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے وسیم بادامی سے اجازت چاہی۔

* * *

http://paakrunplace.blogspot.com

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ جبکہ زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے ۔۔۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زوبیہ اسے رات کے وقت اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، اسٹیل اور عمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں عمل ان دونوں کو لنچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۰

دسویں قسط

"اس نے میری کمپلین اس لیے کی تھی کیونکہ وہ مجھے جانتی نہیں تھی اور اسی لیے میں نے اسے معاف بھی کردیا ورنہ اگر میں بدلہ لینا چاہتا تو دو منٹ میں اسے یونیورسٹی سے نکلوا سکتا تھا۔" خرم کچھ دیر سپاٹ نظروں سے وکی کو دیکھتا رہا پھر ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

اس کے لب و لہجے سے اس کے تپ جانے کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا اسی لیے وکی کا غصہ قدرے ٹھنڈا ہو گیا بلکہ وہ خرم کو مزید سلگانے کے لیے اٹھلاتے ہوئے بولا۔

"اب رہنے بھی دو اسے کہتے ہیں انگور کھٹے ہیں۔" اس سے پہلے کہ خرم کچھ کہتا حمید بول پڑا۔

"نہیں خیر یہ تو ہم بھی نہیں چاہیں گے کہ تم اسے یونیورسٹی سے نکلوا دو۔ اتنے خوبصورت چہرے تو نظروں کے سامنے ہی رہنے چاہئیں۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو حمید۔" خرم ایک دم جلال میں آگیا۔

"اوہو کیا بات ہے یار خون بڑا جوش مار رہا ہے۔" وکی بھلا کیسے چپ رہ سکتا تھا۔

خرم جانتا تھا وکی کو اسے تپانے میں مزہ آتا ہے۔ جب تک وہ پرسکون ہوتا ہے وکی اسے غصہ دلانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور جب اسے غصہ آجاتا ہے تب وہ اس کی حالت سے تفریح لیتا ہے۔

مگر اس وقت اسے حقیقتاً غصہ آگیا تھا وہ پرسکون ہونا تو درکنار پرسکون نظر آنے کی اداکاری بھی نہیں کر سکا۔

"ہاں تو اس نے بات ہی غلط کی ہے۔" خرم جرح کرنے والے انداز میں بولا تو ہارون اور نادر جو اب تک سنجیدگی سے بیٹھے تھے مسکرانے پر مجبور ہو گئے۔

وکی ان دونوں کو اپنا حمایتی دیکھ کر مزید پھیلتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"حالات دیکھ رہے ہو اس کی پھر جب میں یہ کہتا ہوں کہ دال میں کچھ کالا ہے تو یہ مانتا نہیں ہے۔" وکی کے آنکھیں نچانے پر خرم کا دل چاہا اٹھ کر چلا جائے مگر اس طرح میدان چھوڑ کر جانا اس کی فطرت میں نہیں تھا۔

وہ جیب سے موبائل نکال کر خوامخواہ مصروف نظر آنے کی کوشش کرنے لگا تو حمید وکی کی طرف جھکتے ہوئے بظاہر رازدارانہ انداز میں بولا جبکہ اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ سب سن سکتے تھے۔

"اصل میں دال میں کالا یہ اس لیے قبول نہیں کر رہا کہ یہاں اس کی دال گلنے والی نہیں ہے وہ جو کہتے ہیں نا یہ منہ اور مسور کی دال۔"

وکی کا بلند ہونے والا قہقہہ در و دیوار ہلا گیا تھا ہارون کی مسکراہٹ بھی کافی گہری ہو گئی تھی البتہ نادر نے اپنی ہنسی چھپانے کی کوشش میں کھانسنا شروع کر دیا تھا۔

خرم کے لیے مصروف نظر آنے کی اداکاری کرنا مشکل ہو گیا تو وہ زچ ہونے والے انداز میں ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

"تم دونوں کا پرابلم کیا ہے یار۔ اگر تمہارے اوپر کا خانہ خالی ہے تو اس میں دوسروں کی کیا غلطی ہے دوسروں سے اپنی محرومی کا انتقام لینا کہاں کا انصاف ہے۔" جملے کے آخر تک خرم نے اپنی جھنجلاہٹ پر کافی حد تک قابو پالیا تھا تبھی [illegible] بھرے طنز سے بولا۔

"ارے ہم کہاں انتقام لے رہے ہیں ہم تو چاہتے ہیں تم اپنے خول سے باہر نکلو اور اپنی محبت کا اعتراف کرلو۔" حمید نے پچکارتے ہوئے کہا تو وکی ہمدردانہ انداز میں بولا۔

"اصل میں اس کی بھی مجبوری ہے نا۔ ہمارے سامنے اعتراف کر بھی لے تو کیا فائدہ وہ عمل اسے گھاس تو ڈالتی نہیں ہے اسے تب بھی خواری ہونا ہے۔"

موبائل پر خرم کی گرفت تکلیف دہ حد تک سخت ہو گئی اس کا دل چاہ رہا تھا وہ وکی کا حشر نشر کر دے لیکن وہ اب

اس بحث کو سمیٹنا چاہتا تھا جبھی اپنے لہجے کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے بولا۔

"ایسے انفیریئر کمپلیکس (احساس کمتری) میں تم لوگ مبتلا ہو گے اسی لیے تم دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھتے ہو۔"

"مجھے اگر عمل میں انٹرسٹ ہوتا تو وہ خود بھی خود کو میری ہونے سے روک نہیں سکتی تھی۔" حسب توقع حمید اور وکی کا مشترکہ قہقہہ ابھرا۔ نادر اور ہارون البتہ کچھ بور نظر آنے لگے تھے۔ مذاق جب طول پکڑنے لگے تو وہ بے زار ہی کر دیتا ہے۔

لیکن وکی بحث سمیٹنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا تبھی خرم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے حسرت بھرے انداز میں بولا۔

"خوش فہمی ہے جناب کی بلکہ ہمیں غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے ایسا کہہ رہے ہو ورنہ یہ تم بھی جانتے ہو اگر تم نے اس کے سامنے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو بھرے مجمع میں ایک کرارا سا تھپڑ تمہارے چہرے کی زینت بن جائے گا۔"

"ممکن نہیں۔" خرم کی برداشت جواب دے گئی تو وہ ایک دم کرسی گھسیٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ یہاں سے چلے جانے کے ارادے کو عملی جامہ پہناتا وکی اپنے مخصوص تپانے والے انداز میں بولا۔

"چلو شرط لگالو۔ عمل کو پرپوز کر کے دیکھ لو۔" خرم آگے بڑھنے کا ارادہ ملتوی کر کے اپنی جگہ ٹھٹک گیا۔

وہ سپاٹ نظروں سے وکی کو دیکھتا چلا گیا جس کی آنکھوں میں ہی نہیں پورے چہرے پر ایسے شرارت ناچ رہی تھی جیسے خرم کو تذبذب کا شکار دیکھ کر بہت مزا لے رہا ہو۔

"کیوں منظور ہے۔" وکی نے بھنویں اچکائیں نادر، ہارون اور حمید کبھی خرم کو دیکھ رہے تھے تو کبھی وکی کو مگر منہ سے کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔

یہاں تک کہ خرم بھی کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا پھر اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

"شرط میں تھوڑی سی ترمیم کر لو میں پرپوز کروں وہ تھپڑ نہ مارے۔ خوامخواہ تمہارے ارمانوں پر پانی پھر جائے۔ اس کی بجائے تم صرف مجھے ٹائم دو وہ خود آکر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرے گی۔ کیوں منظور ہے۔" خرم نے ٹھیک اسی کے انداز میں کہا۔

وکی کے چہرے پر سو واٹ کا بلب روشن ہو گیا حمید بھی کافی جوشیلا نظر آنے لگا تھا۔

البتہ ہارون اور نادر ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے لگے تھے۔

"مجھے تو منظور ہے مگر ہارنے کی صورت میں تمہیں اپنی وہ گاڑی مجھے دینی پڑے گی جس میں ہم حیدر آباد گئے تھے ربڑی کھانے۔" خرم کا خون لاوے کی طرح گرم ہونے لگا تھا۔

وکی کی کمینگی پر اس کا دل چاہا وکی کو قتل کر دے۔

اسے غصہ پینے کی کوشش کرتا دیکھ کر وکی شرارت سے بولا۔

"کیوں ڈر لگ رہا ہے اپنی خوبصورت کار سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔"

"وہ تو تب ہو گا جب میں شرط ہاروں گا لیکن شرط لگانے سے پہلے تم سوچ لو اگر یونیورسٹی چھوڑنے کے لیے تیار ہو تو اس چیلنج کو قبول کرنا ورنہ نہیں۔" خرم نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہارنے کی صورت میں مجھے یونیورسٹی چھوڑنی ہو گی۔" وکی چونکا۔

"کیوں ڈر لگ رہا ہے ہارنے کا یقین ہے کیا۔" خرم برجستہ بولا۔

http://pakurdu...place.blogspot.com

وکی کچھ دیر اسے پرسوچ نظروں سے دیکھتا رہا پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"چلو۔ اتنی اچھی گاڑی کو لینے کے لیے ایک رسک تو لینا پڑے گا ڈن۔" وکی نے مصافحے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو خرم نے ایسے اس کا ہاتھ تھام لیا جیسے سوچنے کے لیے ایک پل بھی ضائع نہ کر سکتا ہو۔

"ڈن۔" خرم مضبوط لہجے میں بولا۔

* * *

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ بھئی تم کل صبح ہی صبح واپس جانے والے ہو۔" ماموں جان نے الیان پر نظر پڑتے ہی دور سے پکار کر کہا۔

الیان حامد کے ساتھ چلتا ان ہی کی طرف آرہا تھا ان کی بات سن کر کچھ اور تیزی سے ان کے نزدیک چلا آیا۔

ماموں جان اور شاہ جہان ماموں بیٹھک میں بیٹھے موم پھلیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"تم نے تو کہا تھا تین چار دن رہوں گا۔" شاہ جہاں ماموں نے اس کے بیٹھتے ہی گفتگو کا سلسلہ واپس ماموں جان کی بات سے جوڑنے والے انداز میں کہا۔

"جی ارادہ تو یہی تھا مگر ڈیڈی کا فون آیا تھا۔ وہاں کچھ کام آگیا ہے اس لیے جانا ضروری ہے۔" الیان نے اگرچہ سچ نہیں کہا تھا تو جھوٹ بھی نہیں بولا تھا۔

وہ پہلے ہی اپنا سارا کام کر آیا تھا مگر دوسرے کئی کام جو اس پروجیکٹ سے تعلق رکھتے تھے ابھی باقی تھے جنہیں وہ وقتی طور پر نظر انداز کر کے یہاں چلا آیا تھا۔

مگر حامد سے کل کی ملاقات کے بعد اسے مزید یہاں رکنا بے کار لگ رہا تھا۔

وہ فیصلہ تو تقریباً" کر ہی چکا تھا اور بہت کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ اس کے فیصلے بدل جائیں تو پھر وہ یہاں رہ کر وقت کیوں برباد کرتا۔

"ہاں خیر کام کے آگے تو کوئی بحث نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اچھا ہوتا اگر تم کچھ دن اور رکتے اتنے دنوں بعد تو آئے ہو۔" ماموں جان کی بات پر الیان صرف مسکرا کر رہ گیا اور کچھ رسمی سے انداز میں بولا۔

"آپ لوگ آئیے گا آرام سے لاہور رہنے کا پروگرام بنا کر۔" الیان کے کہنے پر حامد جو اس کے عین سامنے بیٹھا ہوا تھا ہنس کر بولا۔

"ارے یہاں بھی سب بہت مصروف ہیں' آرام سے لاہور رہنے آنے کا سوچیں گے تو زندگی بھر پروگرام ہی نہیں بنے گا۔"

"تو چلیں مختصر وقت کے لیے ہی آجائیں۔" الیان نے کہا تو اس سے پہلے کہ ماموں جان کچھ بولتے ان کا موبائل بجنا شروع ہو گیا۔

فون ان کے وکیل کا تھا جو ان کے کسی کھیت پر عدالت میں چلتا کیس ڈسکس کر رہا تھا۔

ماموں جان نے شاہ جہاں ماموں کو بھی تازہ ترین سے آگاہ کرنے کے لیے اسپیکر آن کر دیا تو وہ دونوں ایک ساتھ گفتگو میں شامل ہو گئے۔

الیان غیر ارادی طور پر ان کی گفتگو سننے لگا اور جو کچھ اس نے سنا اس پر اسے اتنی حیرانی ہوئی کہ وہ سوالیہ انداز میں حامد کو دیکھنے لگا۔

حامد اسے اشارہ کرتا اپنی جگہ سے اٹھا اور بڑی سی بیٹھک کے دوسرے سرے پر رکھے صوفہ سیٹ پر جا بیٹھا۔

الیان بھی اس کی پیروی میں فوراً ہی اٹھ گیا اور اس کے نزدیک آکر بولا۔

"یہ سب کیا ہے؟" الیان نے حیرانی سے پوچھا۔

"ارے کچھ نہیں ہے خواہ مخواہ الجھو نہ یہ تو روز کا معمول ہے۔" حامد نے لاپروائی سے کہا۔

الیان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"اگر میں ماموں جان کی جگہ ہوتا تو یہ سودا ہرگز قبول نہ کرتا۔" الیان ماموں جان اور وکیل کی گفتگو سے بہ خوبی سمجھ گیا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔

ان کی زمین کو سیراب کرنے والا پانی ایک دوسرے زمیندار نے محض اپنی داداگیری دکھانے کے لیے بند کروا دیا تھا۔ جس پر شاہ جہاں ماموں کے کہنے پر عدالت میں کیس کر دیا تھا۔

اب اس شخص کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا یا غالباً" کیس میں دم نہیں تھا اس لیے اس نے کیس واپس لینے کی گزارش کی تھی۔

اور اسی بات پر شاہ جہاں ماموں اور ماموں جان کے بیچ بحث ہو رہی تھی۔

وکیل صاحب کا مشورہ تھا خوامخواہ کی دشمنیاں مول لینے کی بجائے آپ خوش اسلوبی سے معاملہ رفع دفع کر دیں۔ ماموں اس رائے سے متفق تھے۔

جبکہ شاہ جہاں ماموں کا کہنا تھا اس خود سر اور گھمنڈی زمینداروں کو سیدھا رکھنے کے لیے کیس کو خوب کھینچا جائے اور ہرگز واپس نہ لیا جائے۔

یہی بحث ان کے بیچ چل رہی تھی جس میں ماموں جان اور وکیل صاحب کا پلڑا صاف بھاری نظر آرہا تھا۔

اور اسی بات پر حیران ہوتے ہوئے الیان گردن موڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا جہاں ماموں جان کی دلیلوں سے شاہ جہاں ماموں قائل نا سہی خاموش ضرور نظر آرہے تھے۔

پھر الیان برہم ہونے والے انداز میں بولا۔

"مجھے تو شاہ جہاں ماموں کا موقف بالکل ٹھیک لگ رہا ہے یار اس طرح تو وہ شخص اور شیر ہو جائے گا۔ ایسے لوگوں کو تو مزا ضرور چکھانا چاہیے۔" الیان کے برہمی سے کہنے پر حامد مسکرانے لگا۔

اس کی مسکراہٹ دیکھ کر الیان اسی لہجے میں بولا۔

"تم لوگ تو اس امیج سے بہت مختلف ہو جو جاگیرداروں کی میری نظر میں تھی۔" الیان کی بات پر حامد نے ایک زوردار قہقہہ مارا اور شوخی سے بولا۔

"ہاں؟ اصولی طور پر تو تمہیں اتنا کول مائنڈڈ ہونا چاہیے تھا جتنے بابا ہیں۔ مگر تم جاگیرداروں سے زیادہ ضدی ہو حالانکہ بزنس میں ضد نہیں صرف فائدہ اور نقصان دیکھا جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" الیان اس کی بات نہیں سمجھا۔

"مطلب یہ کہ سنا ہے تم نے کسی پرانی دشمنی کی وجہ سے پچھلے دنوں بزنس میں اپنا بہت بڑا لاسٹ کرلیا۔" حامد کے کہنے پر الیان کچھ حیران سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم خواجہ فہیم کے کانٹریکٹ کی بات کر رہے ہو۔" الیان کے پوچھنے پر حامد نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تم کیسے جانتے ہو؟" الیان کی حیرانی مزید دوچند ہو گئی۔

"کم آن یار بزنس کی دنیا میں تمہاری کمپنی کا جو نام اور امیج ہے ایسی خبریں تو فوراً" مل جاتی ہیں۔" حامد نے لاپروائی سے کہا۔

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا وہ شہر کے جانے مانے بزنس مین میں گردانے جاتے تھے ان کے کانٹریکٹ چھوڑ دینے کی خبر مارکیٹ میں کس تیزی سے گردش کر رہی تھی اس کا علم الیان کو بھی تھا۔

مگر اسے حیرانی اس لیے تھی حامد کا بزنس سرکل سے کوئی تعلق نہیں تھا اگر اس نے محض کزن ہونے کی وجہ سے اس خبر کو دلچسپی سے سنا بھی تھا تو بھی یہ بات کسی کے بھی علم میں نہیں تھی کہ الیان نے وہ کانٹریکٹ کس وجہ سے چھوڑا تھا۔

پھر حامد نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ یہ سب اس نے کسی دشمنی کی وجہ سے کیا ہے چنانچہ الیان نے فوراً ہی اپنے تجسس کو زبان دے دی۔

"لیکن تم یہ سب کیسے جانتے ہو کہ یہ سب میں نے کسی دشمنی کی وجہ سے کیا ہے؟"

"ویسے تو کامن سینس کی بات ہے کوئی بات ہوگی جبھی تو تم نے اتنی بڑی ڈیل کینسل کی۔ لیکن میں نے صرف اپنا کامن سینس یوز نہیں کیا بلکہ پھوپھی جان سے بات ہوئی تھی کافی دن پہلے انہوں نے ذکر کیا تھا آج کل تم بہت مصروف ہو اپنی ہی ضد کی وجہ سے۔" حامد نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو الیان گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"ممی نے یہ نہیں بتایا کہ ہمارے بیچ دشمنی کس وجہ سے ہے۔"

"ہاں بتایا تھا خواجہ فیبرکس کے مالک کے بیٹے سے کسی زمانے میں کوئی پنگا ہو گیا تھا ہاں البتہ یہ نہیں بتایا کہ تم دونوں کے بیچ ہوا کیا تھا۔" حامد کی بات پر الیان سر کو ہلکے سے نفی میں ہلاتے ہوئے بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

"وہ انہوں نے اس لیے نہیں بتایا کہ انہیں خود بھی صحیح طرح سے نہیں پتا ورنہ وہ یہ بھی بتا چکی ہوتیں۔" الیان شگفتہ غفار کی فطرت سے بخوبی واقف تھا جبھی یقین سے بولا۔

"وجہ چاہے جو بھی ہو اتنا بڑا کانٹریکٹ چھوڑنا وہ بھی ایک ایسی بات پر جسے ہوئے عرصہ ہو گیا ہو بے وقوفی ہے۔ پھوپھی جان کہہ رہی تھیں تم اور وہ لڑکا کالج میں پڑھتے تھے۔" حامد نے قدرے تعجب سے کہا الیان کچھ دیر تو [illegible] پھر بہت [illegible] بولا۔

"چاہے کتنا بھی عرصہ گزر جائے میرے لیے کبھی کوئی بات پرانی نہیں ہوتی خاص طور پر ایسی صورت میں جب کوئی شخص یہ سوچ کر میرے ساتھ زیادتی کرے کہ ارے کچھ دن ناراض رہے گا پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسی مینٹالیٹی پر تو میں ساری زندگی اپنی ناراضی دور نہیں کر سکتا چاہے اب اسے میری ناراضی سے کوئی فرق پڑتا ہو یا نہیں۔"

"ہوا کیا تھا؟" الیان کے سنجیدہ لہجے پر حامد نے بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ایسا کچھ خاص نہیں ہوا تھا۔ وہ لڑکا وجاہت میرا دوست تھا اور سچ پوچھو تو ایسا کوئی نقصان بھی نہیں پہنچایا تھا اس نے مجھے۔

بس میرا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور یہ سوچ کر کی تھی کہ میں تھوڑا سا ناراض ہو کر آخر مان ہی جاؤں گا۔

جبکہ میں ایسا نہیں ہوں۔ اول تو میں یہ ہی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میرا فائدہ اٹھائے اور یہ تو بالکل ہی ضد دلانے والی بات ہے کہ میرا فائدہ وہ اس بھروسے پر اٹھائے کہ میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔" الیان کا لہجہ ایک دم تلخ ہو گیا۔

مگر حامد کو بدستور اپنی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتا پا کر وہ لاپرواہی سے کہنے لگا۔

"ارے ایسا کچھ خاص نہیں ہوا تھا بلکہ ہو سکتا ہے تمہیں سن کر یہی لگے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مگر جو بات میرے دل کو لگ جائے وہ بھی نہیں نکلتی۔" الیان کہہ کر کچھ دیر کے لیے رک گیا۔

حامد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اسے معلوم تھا اب الیان خود ہی اسے سب بتانے والا ہے اسے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اور واقعی چند لمحوں میں ہی الیان بے تاثر لہجے میں بولنے لگا۔

"وجاہت میرا بہت اچھا دوست تھا پورے کالج میں ایک طرح سے میرا بس وہی دوست تھا تین سال تک ہماری دوستی بہت اچھی طرح چلتی رہی۔ لیکن آخری سال میں آکر اس نے سب ختم کر دیا۔

میرے کلاس فیلوز کا کہنا تھا کہ دوستی میں نے ختم کی ہے میں اوور ری ایکٹ کر رہا ہوں۔ شاید کسی حد تک ان کی بات صحیح بھی تھی اس نے جو کچھ کیا تھا میرے ساتھ نہیں کیا تھا مگر میرے ذریعے ضرور کیا تھا۔

ہمارے کالج میں ایک لڑکی پڑھتی تھی حرا۔ میں جانتا تھا وجاہت اسے پسند کرتا ہے حالانکہ اس نے اس بات کا کبھی اعتراف نہیں کیا تھا میں نے بھی کبھی زیادہ کریدا نہیں۔ لیکن مجھے پتا تھا وہ اس میں انٹرسٹڈ ہے۔

حرا اچھی لڑکی تھی میرے ساتھ اس کی کوئی بات چیت نہیں تھی لیکن اچانک اس کا رویہ میرے ساتھ بدل گیا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میری غلط فہمی ہے یا میں واقعی صحیح تجزیہ کر رہا ہوں وہ مجھ میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگی ہے۔

یہ ایسی بات تھی جو میں وجاہت سے نہیں کہہ سکتا تھا خود حرا نے بھی کچھ کھل کر نہیں کہا تھا جو میں اس کی کسی بات کو بنیاد بنا کر کسی رد عمل کا اظہار کر پاتا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کے ایکسپریشن بدل جاتے تھے۔ اور مجھے اس صورت حال سے شدید کوفت ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی مجھے حیرت بھی تھی کہ وجاہت اس بارے میں کوئی بات کیوں نہیں کر پا رہا اسے کچھ نظر نہیں آ رہا کیونکہ تب تک لوگ نوٹ کرنے لگے تھے۔

اگر وہ وجاہت کی پسند نہ ہوتی تو میں اسے سامنے بٹھا کر بات کر لیتا کہ آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ یہ سلسلہ چار پانچ مہینے تک رہا ۔۔۔ اور نہ جانے کب تک چلتا رہتا کہ ایک دن کالج کی بجائے پہلی بار ہماری کہیں باہر ملاقات ہوئی۔

میں بازار میں شاپنگ کر رہا تھا کہ حرا کی مجھ پر نظر پڑی اور وہ میرے پاس آ کر بڑی بے تکلفی سے مجھ سے باتیں کرنے لگی۔

میرا تو پہلے ہی اس کی حرکتوں کی وجہ سے دماغ گھوما ہوا تھا۔ اس کی اس درجہ بے تکلفی پر دل تو چاہا اسے کھری کھری سنا دوں اور میں ایسا کر بھی دیتا لیکن اس کی گفتگو نے میری زبان بند کر دی۔ وہ جس طرح بات کر رہی تھی اس سے لگا جیسے ہم دونوں کے بیچ بہت گہری دوستی ہو اور بہت ہی جلدی مجھ پر یہ انکشاف بھی ہو گیا کہ موبائل اور نیٹ پر ہماری دوستی ہے۔

وہ کسی ای میل کا ذکر کر رہی تھی جو میں نے اسے بھیجی تھی اور جس کا وہ جواب نہیں دے سکی تھی۔

پہلے تو مجھے یہی لگا کہ وہ مجھے بے وقوف بنا رہی ہے۔ مگر وہ جتنے اعتماد سے بات کر رہی تھی اس سے مجھے لگا بات کچھ اور ہے وہ مجھے بے وقوف نہیں بنا رہی بلکہ کسی اور کے ہاتھوں خود بے وقوف بن رہی ہے۔" الیان کہتے کہتے ایک دم چپ ہو گیا۔

حامد جس طرح منہ کھولے اس کی بات سن رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ آگے کی کہانی وہ بھی سمجھ گیا ہے اسے شاک میں گھرا دیکھ کر الیان تلخی سے مسکرا دیا۔

"حالانکہ بات بالکل سامنے کی تھی لیکن پھر بھی میرے ذہن میں وجاہت کا خیال نہیں آیا اگر آتا تو شاید میں حرا پر ایک دم اپنی لاعلمی ظاہر نہ کرتا۔

میں نے جب اس تعلق سے مکمل انکار کر دیا تو وہ شاکڈ رہ گئی یقیناً میرے رویے میں ۔۔۔ کوئی لچک نہیں تھی ورنہ وہ اسے میرا مذاق سمجھ کر خود کو تسلی دے دیتی۔

میں نے اس سے کہا وہ مجھے وہ نمبر دے، جس پر وہ مجھ سے بات کرتی تھی نمبر تو جانے کس ٹرانس میں اس نے مجھے دکھا دیا مگر اس کے بعد وہ وہاں رکی نہیں۔ میں اس سے ای میل آئی ڈی پوچھتا رہا مگر وہ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھی اور اس کا ری ایکشن بالکل ٹھیک تھا وہ بھلا وہ تمام میلز مجھے کیسے دکھا سکتی تھی۔

ای میل آئی ڈی بتانے پر میں ساری میلز کھول کر ضرور پڑھتا اور پھر وہ جس شاک سے گزر رہی تھی اس میں بھی وہ کچھ کہنے سننے کی متحمل نہیں تھی۔

اور شاک سے تو میں بھی گزر رہا تھا جہاں یہ بات بڑے افسوس کی تھی کہ کوئی میرے نام سے کسی لڑکی کو بے وقوف بنا رہا تھا وہاں یہ بات اس سے بھی زیادہ دکھ کی تھی کہ اس کام کے لیے وہ جو نمبر یوز کر رہا تھا وہ بھی میرا ہی تھا۔

وہ سم کوئی چھ ماہ پہلے میرے پاس سے کھو گئی تھی اور کیسے کھوئی تھی یہ مجھے پتا ہی نہیں چل سکا اور نہ ہی وہ کوئی اتنا بڑا ایشو تھا جس پر میں متجسس ہوتا اتنا مجھ سے زیادہ وجاہت کو فکر ہو رہی تھی اس نے کہا تھا۔

"یار میں تمہاری سم فوراً" کینسل کرا دیتا ہوں تم پریشان مت ہو بلکہ فون کرنے کی بھی ضرورت نہیں میں ابھی کر دیتا ہوں۔"

میں وہ سم اتنی باقاعدگی سے استعمال کرتا ہی نہیں تھا کہ اس کے کینسل ہونے یا نہ ہونے پر پریشان ہوتا وجاہت نے کہا وہ یہ کام کر دے گا اور میں مطمئن ہو گیا۔ اسی لیے اصولی طور پر مجھے سب سے پہلے وجاہت پر ہی شک کرنا چاہیے تھا مگر میں نے کہا نا، بات بالکل سامنے کی تھی پھر بھی میرا دل و دماغ یہ سوچنے کے لیے تیار نہیں تھا میری سم میرے گھر سے غائب ہوئی تھی کسی گن پوائنٹ پر نہیں چھینی گئی تھی یعنی یہ کام کسی ایسے شخص کا تھا جس کا میرے گھر آنا جانا تھا اور جو میرے اور حرا کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا کہ با آسانی اس سے الیان بن کر بات کر سکتا تھا۔

میں نے اس نمبر پر کال کی۔ مگر وہ بھلا میرا نمبر کیوں ریسیو کرتا بلکہ وہ تو شاید اس سم پر حرا کے علاوہ کوئی کال ریسیو ہی نہیں کرتا ہو گا۔

میں نے وجاہت کو دوست سمجھتے ہوئے سب کچھ بتا دیا وہ ششدر رہ گیا میں اس کی حرا کے لیے پسندیدگی سے واقف تھا چنانچہ میں اس کی کیفیت کو کوئی اور ہی نام دیتا رہا۔

حرا نے اس دن کے بعد سے کالج آنا چھوڑ دیا یقیناً" اس نے اس لڑکے سے بھی سارے رابطے منقطع کر دیے ہوں گے۔ لیکن میں اس سے ملنا چاہتا تھا تاکہ اس شخص کا پتا لگا سکوں مگر وجاہت نے ہی مجھے منع کر دیا کہ وہ پہلے ہی ڈپریس ہے میں اسے اور تنگ نہ کروں۔

بات اس کی ٹھیک تھی میں مان گیا مگر میں نے کال سینٹر فون کر کے پتا کیا تو وہ سم ابھی تک میرے نام پر تھی اور تب یہاں آ کر مجھے پہلی بار وجاہت پر حیرت ہوئی تھی اس مقام پر بھی میں نے اس پر شک نہیں کیا۔ البتہ یہ بات میں نے اس سے ڈسکس نہیں کی۔

میرا ارادہ اس سے چھپانے کا نہیں تھا بس ٹائم ہی نہیں ملا اسے بتانے کا میں نے کال سینٹر میں اس نمبر کو لوکیٹ کرنے کی ریکوسٹ کی تھی۔ تب پتا چلا کہ یہ سم وہ شخص ضائع کر چکا ہے اور اب کسی کے استعمال میں نہیں ہے۔ یہ سن کر مجھے لگا اب میں بھی اس شخص کو نہیں جان پاؤں گا اور یہی بات کرنے میں وجاہت کے گھر چلا گیا۔ کیونکہ اس کا گھر اس کال سینٹر کے قریب ہی تھا یا شاید اس دن اس کی اصلیت کھلنی تھی جو میں نے اسے فون کرنے کی بجائے اس کے گھر جانے کا ارادہ کر لیا اس کی والدہ مجھے جانتی تھیں انہوں نے کہا وہ اپنے کمرے میں ہے تم وہیں چلے جاؤ۔

میں جب اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ واش روم میں تھا اور اس کا کمپیوٹر آن تھا۔

میں اس کے انتظار میں محض وقت گزارنے کے لیے کمپیوٹر اسکرین کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

میں اس وقت زندگی میں پہلی بار دھوکا کھانے کے تجربے سے گزرا تھا اس پل مجھے ادراک ہوا تھا کہ جب بھروسہ ٹوٹتا ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

میرے سامنے حرا کی بھیجی ہوئی میلز موجود تھیں۔ جس میں اس نے اپنی بے تحاشا محبت کا اقرار کیا تھا۔

پتا نہیں وجاہت نے کتنی بار یہ میلز پڑھی ہوں گی لیکن اس وقت ان میلز کو پڑھنا اسے بہت مہنگا پڑا تھا اگر اسے ذرا بھی امید ہوتی میرے آنے کی تو وہ کمپیوٹر آن چھوڑ کر کبھی باتھ روم نہ جاتا۔

اسے باتھ روم میں ٹائم بھی کافی لگ گیا تھا تب تک میں حرا کی بھیجی میلز چیک کر کے وہ میلز دیکھنے لگا تھا جو اس نے میرے نام کی آئی ڈی بنا کر اسے بھیجی تھیں۔

اس نے فلنگ ایسی ہی لکھی تھیں

کب اس نے حرا کو پہلی بار دیکھا تھا

تب حرا نے کون سے کپڑے پہن رکھے تھے

کتنی بار اس نے بات کرنے کی کوشش کی مگر ہمت نہیں ہوئی وغیرہ وغیرہ۔

ہر میل میں اس نے اس دوستی کو راز رکھنے کی گزارش کی تھی کہ وہ ان میلز اور فون کالز کا ذکر کسی سے نہ کرے ورنہ خوامخواہ اسکینڈل بن جائے گا ہم دونوں کی بدنامی ہو گی وغیرہ وغیرہ۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو میں پڑھ رہا ہوں وہ وجاہت نے ہی لکھا ہے۔

وجاہت جب باتھ روم سے نکلا تو مجھے دیکھ کر چونک گیا کمپیوٹر کے سامنے میری موجودگی اور میرے چہرے پہ پھیلے تاثرات اسے ایک ہی پل میں سب کچھ سمجھا گئے تھے۔

سمجھ میں تو میرے بھی کافی کچھ آ گیا تھا اس کی انگاروں کی طرح لال ہوتی آنکھیں دیکھ کر مجھے پتا چل گیا تھا کہ واش روم میں اتنا ٹائم کیوں لگا تھا۔

لیکن اس پل مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہو رہی تھی مجھے اس پر اتنا شدید غصہ آ رہا تھا کہ مجھے اپنے آپ سے ڈر لگنے لگا کہ کہیں میں کچھ کر نہ ڈالوں اس لیے میں فوراً ہی اس کے کمرے سے نکل گیا۔

اس نے مجھے بہت آوازیں دیں بات کرنے کی کوشش کی مگر میں کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوا۔

اس کے پاس کہنے کے لیے تھا ہی کیا جو بھی وہ کہنا چاہتا تھا وہ میں جانتا تھا۔

اس نے یہ سب حرا کی محبت میں کیا تھا۔ جب وہ مجھ سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے حرا کو سب بتا دیا پھر تو سمجھو پوری کلاس کو ہی سب پتا چل گیا حرا کی دوستوں نے وجاہت پر بہت لعن طعن کیں کچھ لڑکیوں نے حرا کو سمجھایا کچھ لڑکے میرے پاس بھی آئے وجاہت کا پیغام لے کر مجھے کسی تیسرے شخص کے ذریعے بات کرنا قطعاً" پسند نہیں بات سلجھنے کی بجائے مزید الجھ جاتی ہے مجھے بات سلجھانی تو تھی نہیں مگر میں نے ایک بار وجاہت سے روبرو بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے میری توقع کے مطابق بہت معافیاں مانگیں بہت شرمندگی کا اظہار کیا۔

اس کا کہنا تھا اسے خود بھی حرا کو دھوکا دینا اور میرا نام استعمال کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر اسے لگتا تھا اس کی شکل و صورت کچھ خاص نہیں ہے۔ اور پھر پتا نہیں ساری کلاس کے ذہن میں کیا فتور بھرا ہوا تھا کہ میری موجودگی میں کوئی بھی لڑکی کسی اور کو پسند نہیں کر سکتی۔

بس اسی خطرے کے تحت" الیان بولتے بولتے تھک گیا تھا ایک مدت بعد اس نے کسی کے سامنے یہ سب کہا تھا اس لیے وہ بغیر رکے کہتا ہی چلا گیا اور پھر اس کا سامع اتنا محو تھا کہ اسے ٹوکے بغیر سنتا چلا گیا یہاں تک کہ

الیان کے خاموش ہو جانے کے باوجود وہ ایسے ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا تھا۔ آخر الیان کو خود کو نارمل کر کے اس کے سامنے چٹکی بجانی پڑی تھی۔

"کیا ہو گیا بھئی اب اتنی بھی حیران کن کہانی نہیں ہے کہ تم Pause ہو جاؤ۔" حامد نے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے گہری سانس خارج کی۔

"حیران کن؟ میرے لیے تو ناقابل یقین ہے۔"

"پتا نہیں یار لوگ کہتے ہیں محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔" الیان نے بظاہر وجاہت کی سائیڈ لیتے ہوئے کہا۔

"محبت!" حامد نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا پھر بحث کرنے والے انداز میں بولا۔

"تمہاری نظر میں جو کچھ تمہارے دوست نے کیا وہ محبت تھی۔ ارے جس سے تم محبت کرتے ہو اسے تم بے وقوف کیسے بنا سکتے ہو۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب ایک شخص کو معلوم ہے کہ جو لڑکی اس سے محبت کر رہی ہے وہ ایکچوئلی اس سے محبت کر ہی نہیں رہی بلکہ کسی اور کے دھوکے میں اس سے وہ سب کہہ رہی ہے جو وہ اس کے لیے فیل ہی نہیں کر رہی تو پھر محبت رہی کہاں؟" حامد اچھے خاصے جوش کے ساتھ بولا۔

الیان کچھ دیر تو خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم بالکل میری طرح سوچتے ہو۔ لیکن لوگ ایسے نہیں سوچتے۔"

"ارے کیوں نہیں سوچتے جو اس وجاہت نے حرا کے ساتھ کیا ہے اگر کسی نے وجاہت کے ساتھ کیا ہوتا تو۔"

"تو؟" الیان نے اس کے پوچھنے پر خود بھی ٹھیک اسی طرح پوچھا تو حامد اسے ایسے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔

"مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو تم خود نہیں سمجھ سکتے۔" الیان اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس دیا پھر بڑے تجسس پھیلانے والے انداز میں بولا۔

"اگر کسی نے وجاہت کے ساتھ ایسا کیا ہوتا تو وجاہت اس لڑکی سے شادی کر لیتا۔"

"کیا مطلب" حامد چونکا۔

"حرا نے بھی تو کیا اسے معاف کر دیا اور اس سے شادی کر لی۔" حامد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

الیان کے لیے کیونکہ اب یہ بات پرانی ہو چکی تھی اس لیے اسے حامد کے حیران رہ جانے پر ہنسی آرہی تھی جبھی وضاحت دیتے ہوئے بولا۔

"فوراً شادی نہیں کی تھی کچھ ٹائم لگا تھا اسے ماننے میں، لیکن وہی ہوا جو وجاہت نے کہا تھا کچھ دن لگیں گے اسے ماننے میں پھر ٹھیک ہو جائے گی اور یہی ہوا کچھ دن بہت ناراض رہی پھر دل پسیج گیا۔

یہی وجاہت نے میرے متعلق بھی سوچا تھا لیکن میں ایسا نہیں ہوں جو وقت کے ساتھ سب بھول جائے گا یہ سوچ لے۔

چلو کوئی بات نہیں۔ اس نے یہ سب محبت میں کیا۔ میرے نزدیک چاہے محبت میں کیا ہو چاہے نفرت میں۔ جس کام کو کرنے کے لیے غلط طریقہ اپنایا جائے وہ کام کبھی کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کرنے والا یہ سوچ رہا ہو کہ کچھ دن موڈ خراب رہے گا پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" الیان خوش دلی سے کہتے کہتے ایک دم سنجیدہ ہو گیا تو حامد بھی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا پھر پرسوچ انداز میں بولا۔

"میرے خیال سے تم ٹھیک کہہ رہے ہو حالانکہ جب پھوپھو جان نے بتایا تھا تو مجھے تمہارا ڈیل کینسل کرنا غلط لگا تھا۔ لیکن اب مجھے لگتا ہے تم ٹھیک ہو۔" الیان نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو وہ بہلانے والے انداز میں کہنے لگا۔

"اور پھر تمہیں اس دوستی کو بحال کرنا بھی نہیں چاہیے اگر حرا اس کی زندگی سے نکل گئی ہوتی تو بات الگ تھی مگر اب۔" حامد کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر عجیب تذبذب کے عالم میں بولا۔

"یار ایک شخص ایسی لڑکی کے ساتھ کیسے رہ سکتا ہے جس کے لیے اسے یقین ہو وہ ایک عرصے تک کسی اور سے محبت کرتی رہی ہے۔"

"تو اس میں غلطی بھی اسی کی تھی۔" الیان فوراً بولا۔

"غلطی تو تھی لیکن اب اس کے دل میں یہ خیال نہیں آتا ہوگا کہ۔۔۔"

"اب تم ٹھیک ٹھاک جاگیردارانہ انداز میں بات کر رہے ہو۔" حامد کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی الیان نے جملہ اچک لیا تو حامد جرح کرتے ہوئے بولا۔

"جاگیردارانہ سے تمہارا کیا مطلب ہے کیا تم برداشت کر سکتے ہو۔"

"پتا نہیں یار لوگ کہتے ہیں محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے میں نے تو محبت کی نہیں اس لیے معلوم نہیں۔" الیان نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں میں نے تو محبت کی ہے اور مجھے پتا ہے بلکہ مجھے تو اس حرا پر حیرت ہو رہی ہے کہ وہ۔۔۔"

"ایک ایک منٹ! کیا کہا تم نے۔" الیان نے روانی سے بولتے حامد کو ہاتھ اٹھا کر ٹوکتے ہوئے پوچھا لیکن وہ اتنی روانی میں بولا تھا کہ اسے احساس ہی نہیں تھا وہ کیا کہہ گیا جبھی کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھنے لگا۔

"میں نے کیا کہا؟ میں تو یہ کہہ رہا ہوں حرا نے ایک ایسے شخص سے شادی کرنا کیسے منظور کر لیا۔"

"اس سے پہلے کیا کہا تھا۔" الیان نے پوچھا۔

"اس سے پہلے کیا کہا تھا۔" حامد کو بالکل یاد نہیں تھا جبھی بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھنے لگا تو الیان نے ٹھیک اسی کے لب و لہجے میں اس کا جملہ دہرا دیا۔

ایسے سٹپٹائے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا جیسے یقین نہ آرہا ہو کہ اس کے منہ سے یہ بات کیسے نکل گئی۔

* * *

زوبیہ خود کلامی کے انداز میں بول کر ایسے ہونٹ چبانے لگی جیسے اپنی بے بسی پر وہ ان سے شرمندہ ہو جبکہ عائشہ اختر کا پورا وجود سن ہو گیا تھا۔ بہت مشکل سے انہوں نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے ایسے پوچھا تھا جیسے وہ نتاشا کے پچھلے دو دنوں سے غائب ہونے کے متعلق کچھ نہ جانتی ہوں۔

"نتاشا مر گئی۔ کب؟" عائشہ اختر کے پوچھنے پر زوبیہ کچھ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا تھا نتاشا کو؟" عائشہ اختر اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ بولیں اپنے لہجے کی بے چینی کو انہوں نے بڑی مشکل سے چھپا رکھا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا ابھی اسے دونوں کندھوں سے تھام کر پوچھیں۔

جب پولیس اسے دو دن سے ڈھونڈ رہی ہے نتاشا کی ماں اس کے کالج کی لڑکیوں سے اس کے متعلق جانکاری حاصل کرنے آئی اور ناکام ہو واپس لوٹ گئی تو زوبیہ کیسے جانتی ہے کہ وہ مر گئی ہے۔

مگر وہ اس وقت بڑے سکون سے ان کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی وہ اس پر جھنجھلا کر اس کے اعتماد کو متزلزل نہیں کرنا چاہتی تھیں جبکہ زوبیہ کی بھنویں ایسے سکڑ گئی تھیں جیسے وہ ذہن پر زور دے رہی ہو۔

"نتاشا کے ساتھ کیا ہوا تھا۔" اس نے جیسے خود سے پوچھا تھا عائشہ اختر کے لیے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا بڑے ضبط سے انہوں نے بہت ٹھہر ٹھہر کر پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ نتاشا مر گئی ہے۔؟"

ان کے سوال پر زوبیہ کارپٹ کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"میں نے دیکھا تھا اسے گرتے ہوئے۔ اس کا جب پاؤں مڑا تھا تو وہ سر کے بل نیچے گری تھی اور موقع پر اس کی ڈیتھ ہو گئی تھی اتنا خون نکل رہا تھا اس کے سر سے۔"

عائشہ اختر کے پورے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگیں انہیں لگ رہا تھا کمرے کا درجہ حرارت ایک دم منفی میں چلا گیا ہو اور اسی لیے ان کے پورے وجود پر ایک کپکپی سی دوڑنے لگی ہو۔

"کب۔ کہاں۔ کہاں سے گری تھی وہ۔ اور اور تم نے کیسے دیکھ لیا؟" ان کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

دوسری طرف زوبیہ کے چہرے پر بھی ایسی الجھن موجود تھی جیسے خود اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو ان سوالوں کا کیا جواب دے۔

"وہ۔ نتاشا یہاں گئی تھی نا تو وہ وہاں گر گئی تھی۔"

"کہاں گئی تھی؟" عائشہ اختر نے دانت پر دانت جماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ۔ پتا نہیں کون سی جگہ تھی۔" زوبیہ کے چہرے سے صاف ظاہر تھا وہ اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کر رہی ہے مگر اسے یاد نہیں آ رہا۔

"کب گئی تھی۔؟"

"دو دن پہلے۔" زوبیہ فوراً بولی۔

عائشہ اختر کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

"تم اتنے دنوں سے کالج نہیں جا رہی ہو نا۔" عائشہ اختر اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو زوبیہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا تم واقعی پیچھے کوارٹر میں جا کر بیٹھ جاتی تھیں یا۔" عائشہ اختر نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا یا شاید جملہ پورا کرنے کی ان میں سکت نہیں تھی ورنہ ان کا ذہن سوچ کی پرواز پر سفر کرتے کرتے جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔

لیکن زوبیہ نہیں سمجھ سکی کہ ان کے ادھورے جملے کے پیچھے ان کا مطلب کیا ہے۔

"کوارٹر میں تھوڑی کوارٹر کے اوپر بنی چھت پر جاتی تھی کیونکہ مجھے پتا تھا کہ اگر میں نے آپ کو بتایا کہ میں کالج جانا نہیں چاہتی تب بھی آپ مجھے زبردستی بھیج دیں گی۔" زوبیہ کا لہجہ شکوہ کناں ہو گیا۔

اس کی ماں اتنا کچھ سننے کے باوجود اس پر بگڑنے کی بجائے اس کی بات سننے اور سمجھنے کی مشتاق تھیں یہ دیکھ کر زوبیہ کو بڑی تقویت ملی تھی تبھی اس کے انداز میں نروٹھا پن آ گیا تھا ورنہ اگر وہ یہ جان جاتی کہ اس کی ماں اس کے متعلق کیا سوچ رہی ہے تو اتنا اعتماد ہونا تو بعد کی بات تھی پہلے تو وہ صدمے سے ہی گنگ رہ جاتی۔

عائشہ اختر بھی دم بخود رہ گئی تھیں ایک طرف اگر وہ یہ سب سوچنا نہیں چاہ رہی تھیں تو دوسری طرف درخشاں کے ساتھ کیا زوبیہ کا وحشیانہ سلوک انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا کہ ایسا ممکن ہے۔

"کہیں زوبیہ نے ہی تو نتاشا کے ساتھ کچھ ایسا نہیں کر دیا کہ وہ دو دن سے غائب ہے۔"

لیکن کیا ان کی بیٹی کی ذہنی حالت اتنی خراب ہے کہ وہ کسی کا قتل کر دے اور کیا واقعی نتاشا کی موت واقع

ہو گئی ہے؟"

اس سوال کے ذہن میں ابھرتے ہی انہیں جھرجھری سی آ گئی وہ زوبیہ کا کندھا پکڑتے ہوئے بولیں۔

"زوبیہ تمہیں کیسے پتا کہ نتاشا مر گئی ہے کیا تمہاری شائستہ خالہ نے اسے مارا ہے۔" زوبیہ ان کے سوال پر بری طرح چونک اٹھی اور بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔

عائشہ اختر اس کی نظروں میں چھپے اندیشوں کو سمجھ گئی تھیں تبھی رسانیت سے بولیں۔

"دیکھو زوبیہ میں تمہاری ماں ہوں مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ تم اتنی دنوں سے کالج نہیں جا رہیں۔ کسی سے تمہاری بات چیت نہیں ہوتی۔ گھر سے تم نکلتی تک نہیں۔ نتاشا دو دن سے گھر سے غائب ہے اور ادھر تم کہہ رہی ہو کہ دو دن پہلے وہ مر گئی اس کا پاؤں مڑا اور وہ کہیں گر گئی۔ یہ سب تمہیں کیسے پتا کس نے بتایا؟" عائشہ اختر کا لہجہ اگر نرم نہیں تھا تو تیز بھی نہیں تھا۔

انہوں نے حتی الامکان کوشش کی تھی۔ زوبیہ سے محبت سے بات کرنے کی مگر وہ چاہے جتنا بھی دلار بھا دیتیں اپنے لہجے میں تیرتے شک ــــ کو نہیں چھپا سکتی تھیں۔

اور یہی چیز زوبیہ کو ٹھٹکنے پر مجبور کر گئی تھی وہ پریشانی سے انہیں دیکھنے لگی۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی تھیں۔ زوبیہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ ان کے سوالوں کا جواب نہیں دے پا رہی تھی۔ اسے حقیقتاً" نہیں پتا تھا کہ وہ کیسے جانتی ہے۔

"نتاشا مر گئی ہے؟"
"وہ کہاں گئی تھی؟"
"اس کا پاؤں کب مڑا تھا؟"
"وہ کہاں گری؟"
"اور کب اس کی موت ہو گئی؟"

ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

جتنی دیر وہ خاموش رہی اتنی دیر عائشہ اختر کی سوالیہ نظریں اس پر جمی رہیں وہ ان کے سوالوں کا جواب نہیں ڈھونڈ سکتی تھی فی الوقت وہ صرف ان کی یہ نظریں خود پر سے ہٹا سکتی تھی اور اس کے لیے اسے جو سمجھ میں آیا اس نے وہ کہہ دیا۔

"یہ سب شائستہ خالہ نے نہیں بتایا۔ اور نہ ہی انہوں نے کچھ کیا ہے وہ تو میں نے ۔۔۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا۔" زوبیہ کی بات پر عائشہ اختر جو بغور اسے سن رہی تھیں۔ بری طرح چونک گئیں۔

"خواب میں۔" انہوں نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ج ۔۔۔ جی۔" زوبیہ نے نظریں جھکا لیں۔

عائشہ اختر کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں آخر گہری سانس کھینچتی اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا انہیں اب کیا کرنا چاہیے ایک طرح سے زوبیہ سے کچھ بھی کہنا سننا بے کار تھا انہیں جو کچھ بھی کہنا تھا اب اس کی ڈاکٹر سے کہنا تھا۔

چنانچہ اپنے کمرے میں آتے ہی انہوں نے ڈاکٹر شکیلہ کا نمبر ملایا اور ان سے ملنے کی اپائنٹمنٹ لے لی زوبیہ کے کمرے سے نکلنے سے پہلے انہوں نے وہ سارے اسکیچز بھی اٹھا لیے تھے۔

زوبیہ انہیں وہ کاغذات لے جاتا دیکھ کر مضطرب تو ہوئی تھی مگر اس خیال سے کچھ نہیں بولی کہ وہ کچھ کہے گی تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

عائشہ اختر بحث کریں گی جبکہ وہ اس وقت ان سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا اس وقت وہ اس کے پاس سے چلی جائیں۔

ان سے بات کرکے وہ کافی الجھ گئی تھی لہٰذا وہ اس وقت بالکل تنہا رہنا چاہتی تھی۔

دوسری طرف عائشہ اختر کا بھی زوبیہ کی باتیں سن کر ذہن اس قدر منتشر ہو گیا تھا کہ وہ اس سے مزید اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں ان کا ارادہ تو بلال اختر کو بھی کچھ بتانے کا نہیں تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر شکیلہ کو بھی منع کر دیا تھا۔

البتہ ڈاکٹر شکیلہ نے وہ اسکیچز دیکھنے پر اصرار کیا تھا اور عائشہ اختر خود بھی وہ پلندہ ڈاکٹر شکیلہ کو دکھانے کے ارادے سے ہی کمرے سے لے کر نکلی تھیں۔ مگر ڈاکٹر شکیلہ نے ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ وہ کل زوبیہ کے ساتھ کلینک آئیں وہ زوبیہ سے مل کر بات کرنا چاہتی ہیں اور انہوں نے فی الحال زوبیہ کو کالج بھیجنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

* * *

عظمت خلیل کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر نمل فوراً ٹی وی آف کرکے اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"السلام علیکم۔" نمل کے سلام کرنے پر وہ رک کر اسے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں کیا بات ہے۔

انہوں نے اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا ان کے درمیان عموماً زیادہ بات چیت نہیں ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کو تبھی مخاطب کرتے تھے جب کوئی اہم موضوع پر گفتگو کرنی ہو۔

لہٰذا اس کے سلام کرتے ہی وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"وہ حشام بھائی کے لڑکے۔۔۔"

"ہاں میں نے پتا کر لیا ہے۔" نمل کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ عظمت خلیل کی تیوری پر بل پڑ گئے اسی لیے وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

"ویسا کوئی خاص مسئلہ تھا ہی نہیں میرے فون کرنے پر اسے فوراً چھوڑ دیا گیا وہ لڑکا گھر چلا گیا ہے بلکہ میں نے ان کے گھر کچھ پیسے بھجوا دیے ہیں تاکہ کچھ عرصے کے لیے وہ لوگ یہاں سے دور چلے جائیں۔ پولیس والوں سے دشمنی مول لینا ٹھیک نہیں ہے وہ اسے کسی اور کیس میں بھی پھنسا سکتے ہیں۔ وہ ماں بیٹی حشام کو لے کر آج ہی اس شہر سے دور چلے گئے ہیں جب بات پرانی ہو جائے گی تو وہ لوٹ آئیں گے۔" عظمت خلیل نپے تلے لہجے میں بولے۔

نمل کے اندر تک سکون اتر گیا ایک پل کے لیے بھی اسے خیال نہیں آیا کہ عظمت خلیل اس سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس کے والد کی اتنی جان پہچان تھی کہ ان کا ایک ہی دن میں اتنے سارے کام سرانجام دے دینا کوئی مشکل عمل نہیں تھا اس لیے شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی جبکہ دوسری طرف عظمت خلیل، نمل کو اس سارے معاملے سے بالکل الگ رکھنا چاہتے تھے۔

ان ماں بیٹی کے شہر سے چلے جانے کا تذکرہ بھی انہوں نے اسی لیے کیا تھا کہ کہیں نمل ان کے بیٹے کے واپس آجانے پر انہیں مبارک باد دینے ان کے گھر نہ پہنچ جائے۔

انہوں نے چوکیدار کو بھی سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ کسی کو بھی نمل سے نہ ملنے دیا جائے اور خاص طور پر ان ماں بیٹی کو تو بالکل نہیں۔

وہ اگر گھر آئیں تو کہہ دیا جائے نمل شہر سے باہر گئی ہوئی ہے وہ کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتے تھے۔ خوامخواہ نمل ان سے بحث کرے ایسی کسی دردسری میں پڑنے کا ان کا بالکل موڈ نہیں تھا۔

یہ ان کی خواہش اور یقین کے مطابق نمل فوراً مطمئن ہو گئی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جلد از جلد رومیلہ اور سنبل کو یہ خبر سنانا چاہتی تھی۔ چنانچہ پہلے اس نے سنبل کو فون کرکے حشام کے گھر لوٹ جانے کی اطلاع دی پھر رومیلہ کو فون کرکے بتایا تو وہ سنبل جیسی خوشی کا اظہار نہ کر سکی۔

"کیا ہوا رومیلہ تم ٹھیک تو ہو؟" نمل نے فوراً ہی محسوس کر لیا۔

"ہاں ٹھیک تو ہوں بس ایک الجھن سی ہے۔" رومیلہ کا انداز سوچتا ہوا سا تھا۔

"کیسی الجھن؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا بھابھی نے کسی گلفام کا ذکر کیا تھا۔"

"ہاں تو۔" نمل ایک دم چوکنی ہو گئی۔

"مجھے لگتا ہے ابا اور ابرار بھائی اس رشتے پر سیریسلی سوچ رہے ہیں۔" رومیلہ کے کہنے پر نمل بے اختیار بولی۔

"کیا انہوں نے تم سے کوئی بات کی۔"

"نہیں مجھے تو کوئی کچھ بتا ہی نہیں رہا۔ بس خود ہی میرے کان میں ایک دو الفاظ پڑ گئے ہیں ورنہ مجھ سے تو اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کر رہا۔" رومیلہ کے الجھے ہوئے انداز پر نمل بھی الجھتے ہوئے بولی۔

"تو اتنی پریشانی کی کیا بات ہے رشتہ کرنے سے پہلے وہ تم سے پوچھیں گے تو ضرور کوئی بغیر پوچھے تھوڑی کر دیں گے۔ تم تو اس طرح فکرمند ہو رہی ہو جیسے کہیں کمٹ منٹ ہو تمہاری۔"

"نمل میں نے ابا کو ابرار بھائی سے کہتے سنا ہے کہ کینیڈا دور ہے اس کی پڑھائی بھی ادھوری رہ جائے گی۔ اب ظاہری بات ہے یہ سب میرے بارے میں ہی کہا جا رہا ہوگا اور اگر میرا یہ اندازہ صحیح ہے تو میری تعلیم بھی چھوٹ گئی اور تم سب بھی چھوٹ جاؤ گے۔ امریکہ اور کینیڈا سے روز تو کوئی آتا نہیں ہم ایک بار جاؤ تو اگلے چار پانچ سال تک کے لیے سب کی شکلوں پر قفل پڑ جاتا۔" رومیلہ کی بات کو نمل فوری طور پر رد نہ کر سکی۔

وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ لیکن لڑکیاں شادی ہو کر دور دور جگہوں پر جاتی ہی ہیں اگر رومیلہ کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے تو یہ کچھ انوکھا تو نہیں۔

اسی لیے نمل تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

"اتنا پریشان مت ہو رومیلہ، جو ہوگا اچھا ہی ہوگا، پڑھائی تم وہاں جا کر کر لینا اور رہا سوال ہم سب سے دور جانے کا تو یہ حالات پر ڈیپینڈ کرتا ہے، اگر شوہر اچھا نہ ہو تو لڑکیاں ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے اپنے گھر والوں کی شکلوں کو ترس جاتی ہیں، اصل بات تو یہ ہے کہ وہ لڑکا کیسا ہے، کتنا پڑھا لکھا ہے اور کرتا کیا ہے۔ اگر یہ سب چیزیں ٹھیک ہیں تو بلاوجہ کی سوچوں کو ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔"

"ہوں بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔" نمل کے اتنے رسانیت سے کہنے پر رومیلہ جیسے زبردستی بولی جس کا اندازہ بھی نمل کو فوراً ہو گیا، تبھی مزید کہنے لگی۔

"اور پھر کوئی بھی فیصلہ ابا اور ابرار بھائی تمہاری مرضی کے بغیر تھوڑی کریں گے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" رومیلہ کا ذہن کسی حد تک ہلکا ہو گیا تو ان دونوں نے ادھر ادھر کی چند باتیں کرکے فون بند کر دیا۔

اور پھر کافی دن گزر گئے مگر ابرار بھائی یا بھابھی نے کسی قسم کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا، خود رومیلہ تک اپنی پڑھائی میں سب کچھ بھول بھال گئی اگر کبھی خیال آتا بھی تو بھی یہی لگتا کہ شاید ابا وغیرہ کی مرضی نہیں ہوگی جو بات آگے

نہیں بڑھی۔

جبکہ سنبل کا خیال تھا اچانک کوئی بم بھی پھٹ سکتا ہے۔ مگر رومیلہ کیونکہ کسی دھماکے کی خواہش مند نہیں تھی۔ لہٰذا وہ اسی میں خوش تھی کیونکہ آج کل یونیورسٹی کا ماحول بھی بہت خوشگوار تھا۔

خرم کی طرف سے جو انہیں خطرہ لاحق رہتا تھا کہ جانے کب کہاں اس کی کسی حرکت سے نمل کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور خرم بھی تمیز بالائے طاق رکھ دے تو پچھلے کافی دنوں سے ایسے خدشات بھی کافی کم ہو گئے تھے' کیونکہ خرم نے ان کی جانب سے مکمل بے نیازی اپنالی تھی' شروع میں تو اس کے اس اجنبی انداز پر ان تینوں کو حیرت ہوئی تھی۔ مگر جلد ہی وہ اس رویے کے عادی ہو گئے' بلکہ سنبل اور رومیلہ نے تو باقاعدہ شکر کا کلمہ پڑھا تھا' ورنہ انہیں تو ڈر تھا جانے یہ لڑائی کہاں تک جائے گی۔ نمل کو البتہ ایسا کوئی ڈر نہیں تھا۔ لیکن بہرحال خرم کے بالکل لاتعلق بن جانے سے اسے ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا۔

مگر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ سمندر میں پھیلا یہ سکوت کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ اس دن اتفاق سے نمل لائبریری میں اکیلی تھی۔ سنبل اور رومیلہ دونوں نے ہی چھٹی کرلی تھی۔

نمل کا ارادہ آج بہت سارا کام کرلینے کا تھا' وہ اپنی مطلوبہ کتابیں لے کر ٹیبل اور کرسی کے نزدیک آئی تو خرم کو اپنی ٹیبل کے قریب آتا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

پہلے تو اس نے سوچا بیٹھنے کی بجائے آگے بڑھ جائے۔ مگر محض خرم کو دیکھ کر راستہ بدل لینا اسے خوامخواہ کی اہمیت دینے کے مترادف لگا تھا' ویسے بھی پچھلے دنوں جو اس کا رویہ رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے نمل کو یقین تھا وہ کترا کر آگے بڑھ جائے گا۔ مگر نمل کے بیٹھتے ہی خرم اس کے عین سامنے والی کرسی گھسیٹ کر پوچھنے لگا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" نمل سر اٹھا کر اسے دیکھنے کی بجائے کتاب کھولتے ہوئے سرسری انداز میں کہنے لگی۔

"نہیں۔ اتنی ساری کرسیاں خالی پڑی ہیں' آپ کہیں بھی بیٹھ جائیں۔" نمل کے صاف انکار پر خرم بے اختیار مسکرایا۔

عام حالات میں تو وہ منع کرنے کے باوجود بھی بیٹھ جاتا۔ مگر اس وقت وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے ایک موٹا سا لفافہ نکالا اور نمل کی کتاب کے اوپر رکھ دیا۔ نمل غیر ارادی طور پر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تو خرم اپنی مسکراہٹ روکتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"اس لفافے میں اٹھارہ ہزار روپے ہیں۔ اتنی ہی رقم میں نے تمہارے پرس سے چرائی تھی نا۔" نمل بے یقینی سے خرم کو دیکھتی چلی گئی جو پہلی بار بڑے مہذب لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"میں تب سے یہ پیسے واپس کرنا چاہ رہا تھا' مگر ہر وقت تم بھی رومیلہ اور سنبل کے ساتھ ہوتی ہو اور میرے دوست بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اب کیا کروں' اتنی ہمت نہیں ہے کہ سب کے سامنے چوری کا اعتراف کروں۔" خرم دونوں ہتھیلیاں کرسی کی بیک پر ٹکاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں نے یہ چوری کوئی اپنی خوشی سے نہیں کی تھی۔ بس وہ ایک شرط لگی تھی۔ لہٰذا کرنی پڑی۔ But i realy feel sorry for that" خرم اتنی شرمندگی سے بول رہا تھا کہ نمل اسے دیکھتی رہ گئی' جو اب سر اٹھا کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں نے جب سے یہ پیسے چرائے ہیں مجھے ایک پل بھی سکون نہیں ملا ہے۔ میں بہت گلٹی فیل کرتا رہا ہوں' بلکہ اپنے فعل کے غلط ہونے کا احساس تو مجھے وہاں ہوٹل میں ہی ہو گیا تھا۔ جبھی تو میں تمہارا بل پے کرنے آیا تھا۔ اور تم نے میرے بارے میں اتنا صحیح اندازہ لگایا تھا کہ میں حیران رہ گیا تھا۔" خرم جتنی آہستگی سے بول رہا تھا'

آخری جملہ کہتے ہوئے اتنی ہی آہستگی سے مسکرا دیا۔

"تم نے اس معاملے میں تو کافی سمجھ داری کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن دوسری طرف تم نے بڑی بے وقوفی دکھائی' جب میں بل پے کر رہا تھا تو تمہیں انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی' اگر اس وقت رومیلہ اور سنبل نہ ہوتیں تو تمہیں گھر فون کرکے پیسے منگوانے پڑتے' جوش میں انسان کو کبھی ہوش نہیں کھونے چاہئیں۔" خرم کا لہجہ بہت دوستانہ تھا۔

نمل کچھ دیر تو سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتی رہی' اس کے ذہن کے پردے پر وہ منظر گھومنے لگا جب ہوٹل میں اس نے اپنا پرس کھولا تھا اور اس میں پیسے نہ موجود دیکھ کر اس کی جان نکل گئی تھی' اتنی بہادر اور حوصلہ مند ہونے کے باوجود اسے لگ رہا تھا وہ اسی پل رو پڑے گی۔

محض ایک شرط جیتنے کے لیے خرم نے اسے روہانسا کر دیا تھا۔ مگر اب وہ بات پرانی ہو چکی تھی' پھر خرم خود ہی اس وقت مدد کے لیے بھی آگیا تھا' اب اس بات پر جھگڑنے یا اسے شرمندہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ (ویسے بھی نمل کو معلوم تھا وہ شرمندہ ہو گا بھی نہیں۔)

"کہاں کھو گئیں؟" خرم نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے قدرے شوخی سے کہا تو نمل ایک دم چونک کر سنبھل گئی' ساتھ ہی اس کا شوخ انداز دیکھ کر نمل کو ایک دم ہی غصہ آگیا۔

بھلے ہی خرم نے کچھ جتایا نہیں تھا مگر اس کے تاثرات سے صاف پتا چل رہا تھا وہ یہ سوچ رہا ہے کہ خرم کے اتنی شائستگی سے بات کرنے پر وہ اپنے آپ پر سے اختیار کھو بیٹھی ہے۔ اسی لیے نمل نے سختی سے کہا۔

"اٹھارہ ہزار جیسی معمولی رقم کے لیے اتنا موٹا لفافہ لائے ہو' کیا وہ دو روپے کے کوائن ہیں۔" خرم کی مسکراہٹ لمحہ بھر کے لیے سمٹ گئی۔

وہ اتنی تمیز سے بات کر رہا تھا بلکہ معذرت کر رہا تھا اور یہ ہے کہ اس کے دل کی خبر ہی نہیں ملتے۔ بھلے ہی اس کی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 400 روپے
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 180 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 350 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 200 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 450 روپے
خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
شائع ہو گئے ہیں
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار کراچی۔ فون: 32216351

معذرت کے پیچھے شرمندگی کی بجائے اپنا مقصد متحرک تھا مگر بظاہر تو وہ پشیمان ہی نظر آرہا تھا اس لیے اب کی بار خرم بھی قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ اس میں اٹھارہ ہزار ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ پیسے ہیں۔"

"میں اتنا غریب نہیں ہوں کہ اتنی معمولی سی رقم نہ دے سکوں۔ تمہیں اگر نہیں چاہئیں تو غریبوں میں بانٹ دو۔ کیونکہ میں اگر ایک بار کوئی چیز دے دوں تو میں واپس نہیں لیتا۔" خرم اپنے ازلی خود سر لہجے میں بولا۔ حالانکہ وہ اسی ارادے سے آیا تھا کہ آج نمل سے اتنے مہذب انداز میں بات کرے گا کہ اس کے دل میں موجود ساری کدورتیں دھل جائیں۔

مگر نمل کا روکھا پھیکا انداز دیکھ کر خرم کے لیے اپنے فیصلے پر قائم رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

"میں بھلا ان پیسوں کو غریبوں میں کیوں بانٹوں گی۔ میرا حق ہے ان پر۔ لیکن تم ایک بار یہ لفافہ کھول کر دکھا دو پھر میں اسے لے لوں گی۔" نمل بھی اپنے ازلی خود اعتماد لہجے میں بولی تو خرم کے چہرے پر حیرانی پھیل گئی۔

اس نے پہلے سے ہی سوچ رکھا تھا کہ نمل جب یہ لفافہ کھولنے لگے گی تو وہ اسے روک دے گا کہ گھر جا کر کھولنا۔ مگر یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ نمل خود اسی سے کھلوانے کی بات کرے گی۔

"کیا ہوا اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟" نمل نے زیرلب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اس کی مسکراہٹ پر بلکہ طنزیہ مسکراہٹ پر خرم کا خون کھول اٹھا۔ اسے رہ رہ کر اپنے اوپر غصہ آرہا تھا کہ کیوں اس نے نمل کے ساتھ فلرٹ کرنے کی شرط لگائی۔ اس لڑکی سے تو وہ جھوٹ موٹ میں بھی اظہار محبت نہیں کر سکتا۔ وہ پہلے ہی اپنے آپ کو کوئی توپ چیز سمجھتی ہے۔ خرم کی نظر التفات پر تو اس کا دماغ ہی گھوم جائے گا۔

بے شک یہ خوش فہمی کچھ دنوں میں دور بھی ہو جائے گی مگر تب تک وہ ایسے ہی اتراتی رہے گی۔

"اس لفافے میں کوئی بم نہیں ہے جو تم اتنی خوف زدہ ہو رہی ہو۔" خرم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی بم نہیں ہے تو پھر کھول کر کیوں نہیں دکھا دیتے۔" نمل کا لہجہ ہنوز تھا۔ خرم لب بھینچے نمل کو دیکھتا رہا، جس کا بھرپور اعتماد ایک پل کے لیے بھی خرم کے سامنے ڈگمگایا نہیں تھا۔

حالانکہ اس کی شخصیت ایسی تھی کہ لڑکیاں تو کیا لڑکے بھی اس کے سامنے کھڑے ہو کر نروس ہو جاتے تھے اور یہ لڑکی پیسے لوٹانے پر بجائے اس کہ اس کی احسان مند ہوتی الٹے دھونس جما رہی تھی جیسے وہ خرم حسن نہیں کوئی ایکس وائی زیڈ ہو۔

خرم چپ چاپ اسے دیکھتا رہ گیا جو اسے منتظر نظروں سے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے وہ ابھی لفافہ اٹھا کر اسے کھولنا شروع کر دے گا۔

* * *

"کیا بات ہے آپ کا دھیان ناشتے میں نہیں ہے۔" بلال اختر کے ٹوکنے پر عائشہ اختر نے کب سے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ جلدی سے ہونٹوں سے لگا لیا۔

ان کا دھیان واقعی ناشتے میں نہیں تھا۔ مگر یہ بات وہ بلال اختر پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں اسی لیے ٹھنڈی ہو جانے والی بدمزہ چائے بھی انہوں نے ایسے حلق سے اتاری جیسے وہ چائے کے ٹھنڈے ہونے کا ہی انتظار کر رہی تھیں۔

"کوئی بات ہے تو بتا دیں۔ اتنی چپ چپ کیوں ہیں۔" بلال اختر نے پھر پوچھا۔

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

"نہیں تو۔ بات تو کوئی نہیں بس سر میں درد ہے۔" بلال اختر نے سرسری انداز میں کہا۔

عائشہ اختر اس سوال کے لیے پہلے سے تیار تھیں پھر بھی زوبیہ کا خیال آتے ہی ایک پل کے لیے ان کی زبان تالو سے چپک گئی۔

"ان کے کالج میں آج کوئی فنکشن وغیرہ ہے زوبیہ کا ہمیشہ کی طرح جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" عائشہ اختر کی بات پر بلال اختر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ تبھی ان کا ملازم کارڈلیس لیے چلا آیا۔

"میڈم آپ کا فون ہے۔"

"اتنی صبح صبح۔" بلال اختر نے تعجب سے انہیں دیکھا تو انہوں نے بغیر کچھ کہے کارڈلیس کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف ڈاکٹر شکیلہ موجود تھیں۔ عائشہ اختر کی آج شام کی اپائنٹمنٹ تھی پھر اس وقت ان کا فون آنا عائشہ اختر کے پریشان حال دل کو مزید ہولا گیا تھا۔

"کیا بات ہے سب خیریت تو ہے۔" وہ ان کے سلام کا جواب دینے کی بجائے چھوٹتے ہی بولیں۔

"خیریت کہاں ہے۔ آپ نے آج کا اخبار دیکھا۔" دوسری طرف سے ڈاکٹر شکیلہ کا جملہ عائشہ اختر کو حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

"نہیں۔ کیوں۔" اتنی گھبراہٹ میں بھی انہیں بلال اختر کی موجودگی کا بخوبی احساس تھا۔ چنانچہ وہ اپنی بکھری بات کو سمیٹے رکھنے پر مجبور تھیں۔

"اخبار میں خبر آئی ہے ماڈرن گرلز کالج میں پڑھنے والی انیس سالہ رتاشا کی لاش ایک گٹر میں سے برآمد ہوئی ہے۔ پولیس کا کہنا ہے گٹر کا ڈھکنا کھلا ہونے کے باعث وہ لڑکی غلطی سے اس میں جا گری تھی اور اسی پل سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اس کی لاش علاقے کے لوگوں کی شکایت پر تین دن بعد برآمد ہوئی ہے جس کے باعث چہرے کی شناخت نہ ہو سکی مگر اس کے پاس سے ملنے والا پرس اس کی شناخت کا سبب بنا ہے۔" ڈاکٹر شکیلہ کہتی چلی گئیں۔

عائشہ اختر سن ذہن کے ساتھ انہیں سنتی رہیں۔ جب زوبیہ نے انہیں رتاشا کے متعلق بتایا تھا انہیں تو تبھی یقین آگیا تھا کہ یہ سب سچ ہے پھر بھی اس خبر سے نئے سرے سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"ہیلو مسز بلال آپ سن رہی ہیں نا۔" ڈاکٹر شکیلہ کی گھبرائی ہوئی آواز ایئرپیس سے ابھر رہی تھی مگر عائشہ اختر کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔)

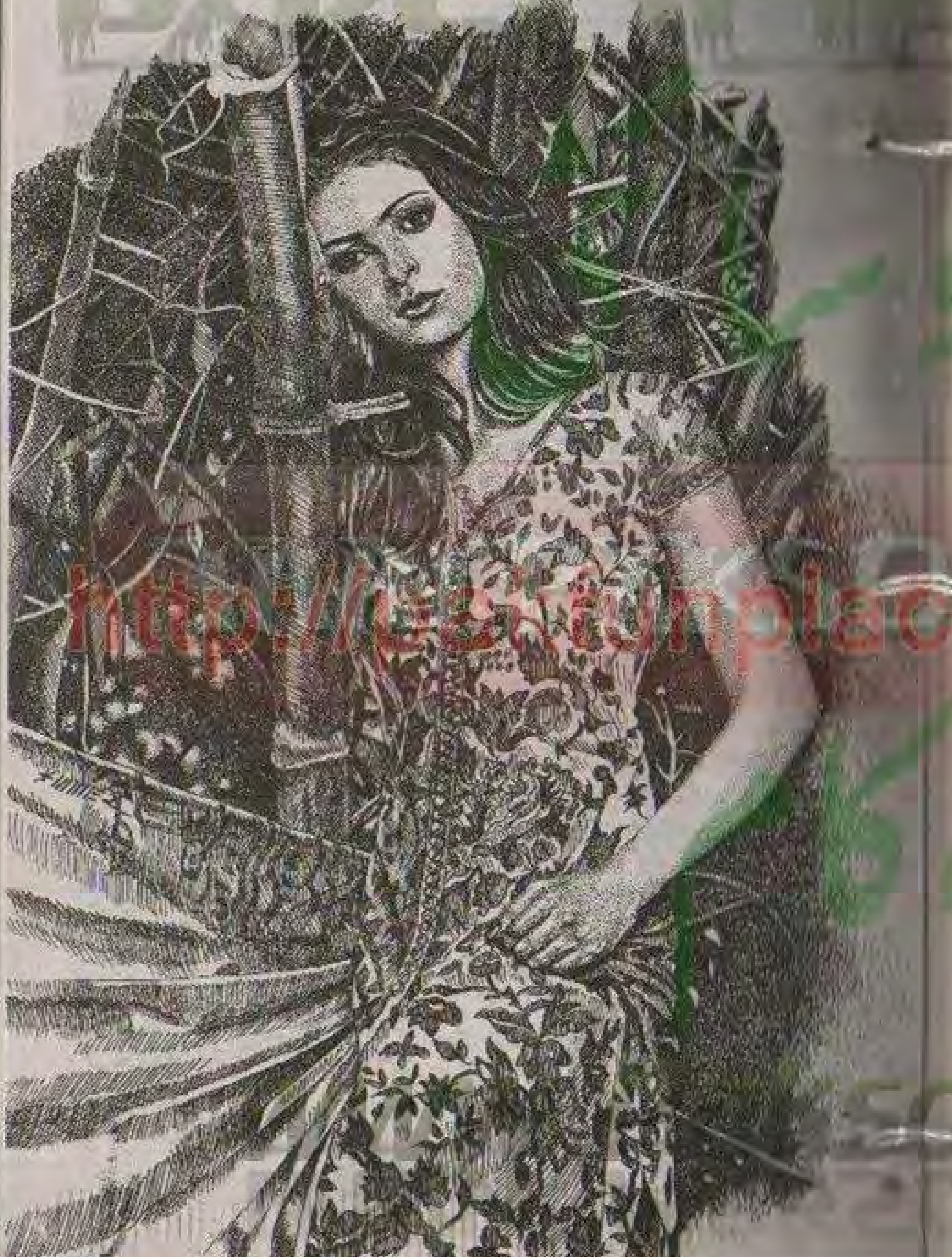

غزالہ جلیل راؤ

عنواں کی آخری سطر ہو

اس بارش نے جو سر شام ہی برسنا شروع ہو گئی تھی ایک دم ہی خنکی پیدا کر دی تھی لیکن وہ یہ اس خنکی سے بے نیاز برآمدے میں کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی پھر اس نے ایک دم ہی آنکھیں کھول کر دیکھا تھا اور اپنی نگاہیں صحن میں لگے جامن کے پیڑ پر بیٹھی چڑیوں پر جما دی تھیں۔

اس کا دل لمبی پرواز سے تھکی ہاری چڑیا کی مانند دھڑک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ آندھی کا غبار ٹھہر گیا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے شبنم نے پتھر سے کی مانگ لی ہو۔ زندگی کے دریا کا بند ٹوٹ گیا تھا اور محبت کی وادی کے تمام رنگ بہا لے گیا تھا۔ فلک کا غرور زمین بوس ہو گیا۔ پنچھی قفس میں پھڑپھڑا کر پر سکون ہو گیا۔ ایک کلی مسکرا کر ابدی جزا پا گئی۔ ایک زخم شفق پوروں کی نرمی سے شفایاب ہو گیا۔ شاید یہ عالم جنوں تھا یا لمحہ اور اک جو بھی تھا تنہا کر دینے والا تھا۔

ہر گزرتی یاد کا آنسو پلو پر گرتا ہے اور وہ بن کر بیتے دنوں کا ہر دروازہ وا کر جاتا ہے اور نئے سرے سے اذیت کا در کھلتا چلا جاتا ہے اور درد کی شدتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

"میں تم سے محبت نہیں کرتا لیکن تمہاری بہت عزت کرتا ہوں مگر عائشہ کو چھوڑ نہیں سکتا کیوں کہ میں اس سے شدید محبت کرتا ہوں اتنی کہ اسے دیکھے بغیر میری سانسیں رکنے لگتی ہیں۔ تمہیں مجھ سے کچھ نہیں ملے گا میری منزل تم نہیں عائشہ ہے۔ کبھی جانے یا انجانے میں مجھ سے کوئی توقع وابستہ مت کرنا میں یہ شادی کبھی نہ کرتا اگر اماں مجھے مجبور نہ کرتیں انہوں نے اپنا آنچل میرے قدموں میں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"اسفند میں اپنا آنچل تمہارے قدموں میں ڈالتی ہوں چاہو تو اس کی لاج رکھ لو اور چاہو تو ٹھکرا دو' میرے آنچل کی عزت تار تار کر دو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم دریہ سے شادی کر لو چاہے اسے گھر کے ایک کونے میں پڑا رہنے دینا میرے مرتے بھائی کی خواہش پوری کر دو۔" زندگی میں پہلی بار انہوں نے مجھ سے کچھ مانگا ہے۔ ان کی آنکھوں میں آس کے جلتے دیپ سے انکار کر کے بجھانے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی۔ اگر تم چاہو تو میں ابھی اسی وقت آزاد کر دوں تمہیں۔"

"نہیں... نہیں..." اس کے بے جان بدن میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔

"اگر اس بندھن کو توڑنا ہی تھا تو پھر باندھا کیوں تھا ہامی نہ بھری ہوتی نکاح کے لیے 'اسی وقت انکار کر دیتے' ماں کا آنچل ٹھکرا دیتے۔ اس وقت ان کی لاج رکھی تھی تو اب کیوں نہیں رکھ سکتے۔ ایک اذیت سے نکال کر دوسری اذیت میں مبتلا کرنا چاہتے ہو اور اب... اب میں کہاں جاؤں گی۔ تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے کوئی خواہش 'آرزو' کوئی طلب نہیں کروں گی۔ میں اپنے سارے حقوق آپ پر معاف کرتی ہوں بدلے میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ چاہے نام سا بندھن ہی سہی کم از کم اسے بندھا رہنے دیں۔ میرے نام کے ساتھ اپنا نام منسوب رہنے

دیں اس گھر کے ایک کونے میں پڑا رہنے دیں۔ اتنا احسان تو کر دیں کہ آپ میں بے نام مرنا نہیں چاہتی طلاق یافتہ کہلوانا نہیں چاہتی۔" تر و تازہ موتیوں کی طرح آنسو اس کے ہموار رخساروں پر ڈھلک گئے۔

"مر جاؤں تو پھر بھی لوگ مجھے آپ کے نام سے پکاریں گے کہ اسفندیار کی بیوی مر گئی ہے۔ اگر آپ نے یہ بے نام سا بندھن توڑ دیا تو لوگ یہی کہیں گے درِ یہ مر گئی ہے۔ بے چاری کو شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ اب جب میں آپ کی نکاح میں ہوں تو آپ کے نام کے ساتھ ہی منسوب رہنا چاہتی ہوں۔"

لمحہ لمحہ اس کی کیفیت ایسے بدل رہی تھی جیسے رات کے اندھیرے میں بادل کی اوٹ سے چاند نکل کر آنکھ مچولی کرتا ہے۔ شرمگیں آنکھوں سے علیحدگی کے الفاظ سن کر آنسوؤں کی بارش برسنے لگی وہ اس کی مزید کوئی بات سنے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔

* * *

اسفندیار اسلام آباد جانے سے پہلے ان دونوں کو گاؤں چھوڑ گیا تھا۔ جس وقت وہ اس کا ضروری سامان ٹیکسی میں رکھ رہا تھا تو مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔ جس وقت پچھلی سیٹ پر وہ پھپھو کے ساتھ بیٹھنے لگی تھی تو وہ اس کے قریب آ کر بڑبڑایا تھا۔

"نہ جانے کس گناہ کی سزا ہو تم۔"

وہ اس ہلکی سی بڑبڑاہٹ پر کانپ گئی تھی۔ ایک باپ سے جدائی کا صدمہ دوسرے اس گھر سے جدائی' پھر اس کی یہ قیمت' اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں اور نوک مژگاں چھلکنے کو بے تاب اس نے بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑی تھیں۔ شام کے قریب وہ گاؤں پہنچے تھے پھر پھپھو سفر کی تھکن سے چور ہو گئی تھیں اسے اسفندیار کے کمرے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے چلی گئی تھیں۔

اس گھر میں درِ یہ کی پہلی رات تھی اور اسی پہلی رات کو وہ اسے ظلمات سے نواز گیا تھا یوں جیسے بے عزت کر گیا تھا وہ رات اس نے رنگین مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کر گزاری تھی۔ سحری کے وقت اسفندیار اسلام آباد کوچ کر گیا تھا۔

اس پر دوہرا صدمہ گزرا تھا وہ سارا دن کسلمندی میں گزار دیتی یا پھر روتی رہتی۔ اسفندیار کے متعلق اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا تھا اگر اس کے بارے میں کوئی بات بھی کرتیں تو وہ ہوں ہاں کر کے ان سنی کر دیتی۔ پھپھو اس کی حالت دیکھ کر کڑھتی رہتیں ایک دن اس کو اپنے پاس بٹھا کر رسان سے سمجھایا۔

"درِ یہ بیٹی تم نماز پڑھا کرو نماز سے روح و قلب کو سکون ملتا ہے۔ اپنے رب سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب اس لیے کرو کہ اللہ تمہارے سجدوں سے بے نیاز ہے اسے تمہارے سجدوں کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری نیکیاں اس کے کسی کام کی نہیں بلکہ یہ سب کچھ تمہاری اپنی بہتری اور فلاح کے لیے ہے۔ اللہ بہت کریم ہے۔ ہم سمجھ نہیں سکتے اس کی مہربانیوں کا سمندر کتنا وسیع ہے۔

درِ یہ بیٹی اس کی ذات پر بھروسہ کرو جو تمہیں مایوس نہیں کرے گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اندھیروں کو اجالوں میں تبدیل کرنے والا وہی ہے اور وہی تو بگڑتے ٹوٹتے رشتوں کو پل بھر میں مضبوط زنجیروں میں قید کر ڈالتا ہے۔ بس اس کی رحمت سے ناامید مت ہو۔" وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اٹھ گئی تھیں۔

اسفندیار نے عائشہ کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ تھی کہ شراکت گوارا نہیں کر سکتی وہ اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ کسی ایک کا انتخاب کرے لیکن وہ اپنی مجبوری بیان کر رہا تھا۔ آخری نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ساری بحث لاحاصل گئی تھی۔ اختلافات کی خلیج گہری ہو گئی تھی جسے پاٹنا ناممکن ہو گیا تھا۔ دونوں ایک منزل کے مسافر ہوتے ہوئے وہ مختلف سمتوں میں سفر کرنے لگے تھے۔

اسفندیار کا دل عائشہ کے رویے نے بجھا کر رکھ دیا تھا۔ اس دن ویک اینڈ پر جب وہ گھر پہنچا تو وہ سیڑھیوں کی لپائی کر رہی تھی۔ پھر اس نے چولہے پر چکنی مٹی کا پانی پھیرا اور صابن میں بھیگے ہوئے کپڑے دھو کر تار پر پھیلائے مؤذن کی آواز پر اپنا بقیہ کام چھوڑ کر ظہر کی نماز ادا کرنے لگی۔

وہ صحن میں بیٹھا اس کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ بظاہر وہ اسی سے گفتگو میں مصروف تھا لیکن دیکھ اس کو ہی رہا تھا۔ بلقیس بھی نماز ادا کر کے گاؤں میں فوراً نکل گئی تھیں۔ در حقیقت وہ ان دونوں کو اکیلے میں وقت دینا چاہ رہی تھیں۔ اسفندیار بان کی چارپائی پر لیٹا بازوؤں کا تکیہ بنائے اسے دیکھ رہا تھا درِ یہ نے گنڈاسے سے بکریوں کا چارہ کاٹا اور ان کے سامنے چھوٹی سی کھرلی میں ڈال کر رسوئی میں آ گئی۔ صحن کے ایک کونے میں کچا چبوترا رسوئی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پہلے اس نے آٹا گوندھ کر رکھا اور پھر ہنڈیا چڑھائی اور پھونکنی سے اوپلے توڑ توڑ کر چولہے میں لگانے لگی۔ آگ دہکنے لگی کچھ دیر بعد آگ بجھ گئی۔ پھر پھونکنی کو چولہے کے قریب لے جا کر آگ جلانے کی کوشش کرنے لگی۔

آنکھیں دھوئیں سے سرخ ہو گئی تھیں ان سے آنسو نکلنے لگے۔ اس نے بائیں ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کیں پتہ نہیں وہ رو رہی تھی یا پھر واقعی دھواں آنکھوں میں گھس جانے سے آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ ایک پنتھ دو کاج ہو رہے تھے پھر وہ بکریوں کا دودھ دوہنے لگی اور دودھ لا کر چولہے کے قریب رکھ کر دیگچی میں چھان لیا مؤذن کی آواز پر عصر کی نماز ادا کی پھر سوکھے کپڑے اتار کر اندر لے گئی۔ کچھ دیر بعد وہ چپاتیاں ڈالنے لگی۔ اس نے گنتی کی چار چپاتیاں ڈالی تھیں۔ وہ ایک روٹی کو توے پر ڈالتی اور دوسری کو اپلوں کی آگ پر سینکتی۔ اور پھر رومال میں لپیٹ کر چنگیر میں رکھ دیتی۔

اسفندیار اس کے ہر ہر انداز کو نوٹ کر رہا تھا۔ وہ بالکل اسی ماحول کا ایک حصہ لگ رہی تھی جیسے وہ اسی ماحول میں پلی بڑھی ہو۔ اس نے بہت جلد خود کو گاؤں کے رنگ میں رنگ لیا تھا۔

زرد دھوپ منڈیروں پر اتر آئی تھی سرمئی شام تاریکی میں ڈھلنے لگی تھی پرندوں کی قطاریں اپنے گھروں کو لوٹ رہی تھیں پھپھو بھی لوٹ آئی تھیں درِ یہ ٹرے میں کھانا لگا کر کمرے میں لے گئی تو اسفندیار نل سے ہاتھ دھو کر اندر چلا گیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے چنگیر میں روٹیوں کی گنتی کی تھی۔ چاروں روٹیاں رومال میں موجود تھیں۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر اس نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا۔

وہ اسی کے برابر چارپائی پہ بچھے ہوئے بستر پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ درِ یہ دودھ کا گلاس میز پر رکھ کر باہر نکل رہی تھی اس نے بازو کے نیچے سے ادھ کھلی آنکھوں سے اسے باہر نکلتے دیکھا۔ بے چینی اور اضطراب سے اس کی آنکھ کھلی تو وہ چاند کی چودھویں رات کی سپید دودھیا روشنی دیکھ کر بے ساختہ بستر چھوڑ کر باہر آ گیا۔ وہ صحن میں بیٹھی چاندنی کی دل کشی دیکھنے کے ساتھ سوچوں کے حصار میں گم تھی۔

اسفندیار کو چودھویں رات سے جیسے عشق تھا۔ وہ چاند کی چودھویں کو گاؤں آتا تھا اور پھر تقریباً نصف رات تک چودھویں کے چاند کو تکتے ہوئے گزارتا تھا اب بھی اس رات کی چاندنی کی کشش اس کو باہر کھینچ لائی تھی۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر اس کی پشت پر کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ ملکوتی نور سے دمک رہا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور ریشمی ہونٹ ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ ماحول پر ایک مکمل سکوت طاری تھا۔ اس کی میٹھی گنگناتی آواز اس سکوت کا ایک حصہ معلوم ہو رہی تھی۔

تم جو پل بھر کو ٹھہر جاؤ تو یہ لمحے بھی
آنے والے کئی لمحوں کی امانت بن جائیں
تم جو ٹھہر جاؤ یہ رات' یہ مہتاب
یہ سبزہ' یہ گلاب اور ہم دونوں کے خواب
سب کے سب ایسے مبہم ہوں کہ حقیقت ہو
جائیں

http://pakfunplace2.blogspot.com

تم ٹھہر جاؤ کہ عنوان کی تفسیر ہو تم
تم سے تخی اوقات کا موسم مہکے

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ایسے کھیل رہی تھی جیسے صبح کی کرن چھوتی ہے۔ ہرن کی سی اس کی آنکھیں تھیں اور وہ ہرن ہی کی طرح گردن گھما کر دیکھتی تھی اس کا حسن قیامت خیز تھا۔ اس کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی تو پھسل کر چہرے پر جا پڑی چند لمحے وہ کھڑا اس کو دیکھتا رہا اور تب وہ واپس مڑا تھا جب دریہ کے ریشمی ہونٹ ہولے ہولے ہلنا بند ہو گئے تھے۔

جب افق پر ابھرنے والا چاند رخصت ہونے کے لیے واپس مڑا تو وہ اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ بہت دیر تک وہ سو نہ سکی تھی۔ ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے نیند کی مہربان پری بازو پھیلائے اس کو آغوش میں لینے کو بے تاب تھی جب کہ وہ اس کی آغوش میں جانے سے منکر۔ نہ جانے کب قفس میں قید پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ نیند کی مہربان پری کے بازوؤں میں سما گئی تھی۔ جب کہ اسفندیار کو پل بھر کو نیند نہ آئی تھی۔ وہ بے سکونی سے کروٹیں بدل رہا تھا اور پھر منہ اندھیرے ہی اسلام آباد کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ وہ اسلام آباد میں بینک میں ایک اعلا عہدے پر فائز تھا۔

* * *

اس نے بہت کوشش کی تھی کہ بلقیس بیگم اس کے ساتھ چل کر رہیں مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر شہر نہیں رہ سکتی تھیں۔ وہ اپنے گاؤں، اپنے ماحول میں بہت خوش تھیں۔ بے شک ان کا گاؤں تمام سہولتوں سے عاری تھا سوائے بجلی کے مگر وہ پھر بھی گاؤں میں رہ کر ہی خوش تھیں۔

اس بار اوکاڑہ سے لوٹنے کے بعد وہ مضطرب رہا تھا۔ اضطراب، بے چینی کا گھیرا اس کے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ چشم بصارت کی پتلی پر جیسے ایک ہی منظر ٹھہر گیا تھا۔ وہ اس کا معصوم حسین چہرہ وہ اس کے کپکپاتے ہوئے نرم و نازک ہونٹ اس کا وہ سوگوار حسین روپ، کچھ بھی تو اس کی نظروں سے پل بھر بھی اوجھل نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کی آواز کی بازگشت سماعت میں ہر لمحے گونجتی رہتی اس پل اسفندیار کو لگتا اس کی آواز صدائے بازگشت باغ کی کیاریاں ہیں، جو پھولوں سے لدی ہیں۔

"تو تم نے۔ دریہ شوکت احمد" آخر کار سر شام چودھویں کے چاند کی طرح میرا دل جیت ہی لیا۔ میں تم سے۔ ہاں دریہ اسفندیار تم سے اقرار کرتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔" کے دریہ اسفندیار کہہ کر پکارنے پر خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔ اور اسے نام لے کر پکارنا اسفندیار کو بہت اچھا لگا تھا۔ اسے دریہ کی محبت کا روگ لگ گیا تھا وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ عائشہ کی محبت پانی کا ایک بلبلہ ثابت ہوئی تھی جب دریہ اس کی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی نس نس میں سما چکی تھی۔

* * *

اسفندیار گھر پہنچا تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ سیاہ زمین پہ زرد پھولوں والا پرنٹڈ سوٹ اور سیاہ دوپٹے کے ہالے میں وہ سرسوں کا زرد پھول لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور ہونٹوں کی سپیدی اس کا ملکوتی حسن مرجھا گیا تھا۔ پل بھر میں اس نے دریہ کا جائزہ لے ڈالا تھا۔ اس کو ایک جھٹکا سا لگا تھا دعا مانگ کر اٹھی جائے نماز تہ کر کے چبوترے سے اتری اور اس کے قریب آ کر دھیرے سے سلام کیا اور اندر چلی گئی۔

سرد ہوائیں، دسمبر کے مہینے کو مزید سرد بنا رہی تھیں۔ وہ تینوں چولہے کے قریب بیٹھے تھے۔ وہ چپاتیاں ڈال رہی تھی اور وہ گرم گرم کھا رہے تھے۔ پہلی بار وہ اس کے اتنے قریب بیٹھا تھا۔ ورنہ تو ایک دوسرے سے بولنا بھی گوارا نہیں تھا۔

وہ ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ بلقیس کا بلاوا آ گیا جمیلہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ اس کو بلا رہی ہیں۔

MARHABA
JOSHANDA
HERBAL TEA
مرحبا جوشاندہ
نزلہ، زکام اور فلو کی چھٹی
مرحبا جوشاندہ اب سیرپ میں بھی دستیاب ہے۔
SINCE 1970

وہ جمیلہ کی خیریت معلوم کرنے اس کے گھر چلی گئیں اور رات بھر اس کے گھر ہی پر ٹھہریں۔

اچانک آسمان پر بادل چھا گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری وادی گہرے سیاہ بادلوں کی لپیٹ میں آ گئی اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش کے ساتھ ہی لائٹ چلی گئی۔ وہ بارش کی وجہ سے سامان جلدی جلدی اندر کمرے میں رکھ رہی تھی کہ اندھیرے میں اس سے ٹکرا گئی۔ اسے اپنے بدن پر ننھی ننھی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں۔ اس کے بدن کی نرم گرم حرارت سے دریہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اسفندیار کو لمحے بھر کو اس کی قربت خوش گوار احساس بخش گئی تھی۔ وہ بے خود سا ہو گیا تھا بامشکل تمام خود پر قابو پا کر اس سے کچھ غیر محسوس طریقے سے پیچھے کو ہٹا تھا۔ دریہ اس کے پہلو سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی کھڑکی سے اس نے اپنے دونوں ہاتھ باہر کی طرف پھیلا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بارش کی بوندیں اس کی ہتھیلی پر گر کر پھسل رہی تھیں۔ [illegible] اس کے ہونٹوں اور رخساروں [illegible] اور [illegible] باہر [illegible] اس کھیل سے جب دل بھر گیا تو وہ چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔ بارش بھی موسلا دھار برسنے لگتی اور کبھی ہلکی ہو جاتی شاید اب بارش کا زور ٹوٹ رہا تھا۔

اندھیرے سے اس کو خوف محسوس ہونے لگا تو اس نے موم بتی روشن کر لی۔ اندھیرے میں ٹمٹماتی اس موم بتی کو وہ بہت خاموشی سے پگھلتے ہوئے دیکھتی رہی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا وہ بھی ایسی ہی ایک موم بتی کی مانند ہے جو دھیرے دھیرے پگھلتے ہوئے ایک دن بنا کسی سے کچھ کہے ختم ہو جائے گی۔

تبھی اسفندیار آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کمرے کے اندر داخل ہوا اور اس کے قریب آ کر رک گیا۔ بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران ضرور ہوئی تھی مگر پریشان نہیں۔ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد وہ خود ہی بیٹھ گیا تب اچانک ہی لائٹ بھی آ گئی۔ چند لمحے کمرے میں سکوت چھایا اور پھر اس سکوت کو اسفندیار نے توڑا تھا۔ اتنے قریب اس کی موجودگی سے اس کا دل ڈوبنے لگا بامشکل تمام خود پر قابو پا کر اس نے کچھ غیر محسوس طریقے سے پہلے نظروں کا زاویہ بدلا اور پھر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی جب کہ وہ مسلسل اسے تکے جا رہا تھا۔

پھر وہ دھیرے دھیرے اپنی حالات زندگی بیان کرنے لگا اور دریہ اس کی شخصیت کا سحر ہی تھا کہ وہ بھی اپنی زندگی کے واقعات اس کے سامنے کھول گئی۔ اس وقت اسے واقعی کسی ایسے ہمدرد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جس سے وہ اپنا دکھ شیئر کر سکے۔ اسے بابا شدت سے یاد آ رہے تھے۔ اسفندیار کے ہمدردانہ رویے نے جیسے اس کے جلتے ہوئے احساسات پر پھایا رکھ دیا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کسی نے اچانک دیا جلا دیا ہو۔ وہ اسفندیار سے ڈھیر ساری باتیں کرتی ہی چلی گئی۔ اپنے اور گزرنے والے سارے دکھ اسے سنا ڈالے۔ آدھی رات تک دونوں دوستوں کی مانند ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ قدرت نے جس بندھن میں ان دونوں کو باندھ دیا تھا اس بندھن کو بالکل نظر انداز کر کے ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے صبح ہونے کے نزدیک وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور وہ بھی بہت مطمئن سی ہو کر وہیں چارپائی پر لیٹ گئی۔

دوسری صبح جب بلقیس واپس آئیں تو دونوں کو باورچی خانے میں چولہے کے نزدیک ناشتا کرتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے سرشار ہو گئیں۔ اسی شام وہ واپس چلا گیا۔ جانے سے قبل وہ اس کے قریب آیا تھا اور پوچھا تھا۔

”خفا تو نہیں ہو مجھ سے؟“

”ابھی ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ استوار نہیں ہوا جو خفگی کا احساس پیدا کرے۔“ وہ لمحے بھر کو ٹھٹک گیا تھا جو وہ سمجھ رہا تھا وہ مسئلہ حل نہیں ہوا تھا وہ تو جوں کا توں برقرار تھا اور وہ اتنی جلدی حل کیسے ہو سکتا

تھا۔ اسے پانے کے لیے آگ کا دریا عبور کرنا تھا۔ وہ سر کو ہلاتا ہوا اور وہ واقعی عبور کر گیا تھا۔

اس نے واپس جا کر خط لکھا جس میں اس نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ دریہ نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اسفندیار نے پھر خطوط کی لائن لگا دی۔ اس کے خطوں کی ایک ایک سطر سے اس کی محبت جھلکتی تھی۔ اپنے پچھلے رویے کی ندامت کا اظہار ہوتا تھا دریہ کا دل اس کے خطوں کو پڑھتے ہوئے دھڑک دھڑک جاتا دل میں گلاب سے کھلنے لگتے تب اس نے صرف ایک جملہ لکھ بھیجا۔

”میں نئے سال کا استقبال آپ کی رفاقت میں کرنا چاہتی ہوں۔“ اکتیس دسمبر کی شب جب وہ انتظار کے دیپ بجھا بیٹھی تھی وہ اچانک ہی آ گیا بلقیس اس کو دیکھ کر بے حد خوش ہو گئیں جب کہ وہ سرخ رخسار اور حیا سے جھکی پلکیں لیے چائے بنانے کے بہانے کچن میں جا گھسی۔

”سنو نیا سال شروع ہونے میں دس منٹ ہیں۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم نئے سال کا استقبال میرے ساتھ کرو گی پھر یہ کچن درمیان میں کہاں آ گیا۔“ اس نے بہت خاموشی سے کچن میں آ کر اس کے گرد بازو حمائل کر کے پوچھا تھا اور دریہ نے گھبرا کر باہر جھانکا۔

”ہونہوں امی بہت سمجھدار ہیں طبیعت کا بہانہ کر کے کمرے میں سونے چلی گئی ہیں۔“

وہ بہت شوخ ہو رہا تھا۔ دریہ کو ہنسی آ گئی۔ پھر وہ اسے بانہوں میں سمیٹے باہر صحن میں آ گیا۔ وہ اسفندیار کے بازوؤں میں کھڑی نئے سال کا استقبال کر رہی تھی۔ اسفندیار اس سے کہہ رہا تھا۔

”سب کچھ بھول جاؤ جو کچھ ہمارے درمیان میں ہوا ہر گزری بات سے اور کھو تو صرف یہ کہ ہماری زندگی کا آغاز آج اور ابھی ہوا ہے۔“

اس نے بولنے کو لب کھولے ہی تھے کہ اس نے دریہ کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

”آج صرف میں بولوں گا اور تم سنو گی ہاں صرف جذبات بیان کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں میں“ ورنہ اور کچھ نہیں۔“

وہ اس پر جھک آیا۔

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

”یہ تمہاری نمازوں کا اثر ہی تھا کہ مجھے بھٹکنے نہیں دیا بلکہ بھٹکے ہوئے مسافر کو منزل مل گئی مختلف سمت میں چلتا ہوا ابھی تم تک پہنچ گیا۔“

”لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ نہ جانے کس گناہ کی سزا ہو۔“

”ہاں کہا تھا مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سزا اتنی خوب صورت اور دلچسپ ہو گی۔ میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ یہ سزا ہی میری زندگی ہے۔“

اسفندیار نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ شرما گئی۔ اسفندیار کے لبوں پر دل فریب مسکراہٹ بکھر گئی۔

چودھویں رات کا چاند ان کے پیار پر شرما گیا تھا اور بادلوں میں چھپ گیا تھا۔

”اللہ بہت بڑے کرم کا مالک ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اس کی مہربانیوں کا سمندر بہت وسیع ہے۔“

آج بلقیس بہت خوش تھیں۔ نئے سال کا پہلا سورج ان کے گھر خوشیوں کی بے شمار کرنیں بکھیر رہا تھا کمرے سے باہر آتے ہوئے اپنے بیٹے اور بہو کے کھلے کھلے سے چہروں کو دیکھتے ہوئے انہوں نے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا اور آنسوؤں کے دو قطرے ٹوٹ کر ان کے آنچل میں جذب ہو گئے۔ ان کی دعائیں مستجاب ہو گئی تھیں۔

* *

نبیلہ عزیز

یادرہ

مکمل ناول

"یونیورسٹی آف گجرات۔" ہی گاڑی سے اترتے ہی اس کی پہلی نظر یونیورسٹی کے گیٹ کے اوپر تک گئی تھی اور چند سیکنڈ گیٹ کا جائزہ لینے کے بعد اس کی نظر کا پیمانہ یونیورسٹی کا طول و عرض ناپنے میں لگ گیا تھا۔ حالانکہ یونیورسٹی کا وسیع و عریض احاطہ اس کی ایک نظر کے حصار میں سمٹنے والا ہرگز نہیں تھا وہ ایک ناممکن سی کوشش میں تھا اور اس کی یہ کوشش گاڑی میں بیٹھے اس کے دوست کو گاڑی سے اترنے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ متوازن قدم اٹھاتا سیدھا اس کے برابر آکھڑا ہوا تھا۔

"جناب حسی صاحب! یہ گیٹ یو او جی کا گیٹ ہے جنت یا جہنم کا نہیں، جہاں سے گزرنے کے لیے آپ اتنی سوچ بچار سے کام لے رہے ہیں۔" خاور نے یونیورسٹی آف گجرات کا مخفف استعمال کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا تھا۔ لیکن اس کے متوجہ کرنے کے باوجود وہ چونکا یا پھر گڑبڑایا نہیں تھا بلکہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے دوبارہ یونیورسٹی کے تاحد نظر پھیلے احاطے پہ اک طائرانہ سی نگاہ ڈال کر اپنے برابر کھڑے خاور کی سمت دیکھا تھا۔

"میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہم لوگوں نے اس یونیورسٹی میں چار سال گزارنے ہیں گو کہ چار سال کا عرصہ کچھ کم عرصہ نہیں ہوتا ان چار سالوں میں کیا کچھ ہونے والا ہے؟ ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ نئی جگہ، نئی روٹین، نئے تجربات، نئے دوست، نئے دشمن سب کچھ نیا لیکن چار سال بعد ہی سب کچھ چار سال پرانا ہو چکا ہو گا، ہر نئی چیز پرانی میں بدل جائے گی۔" اس کی بات میں گہرائی تھی اور انداز حد سے زیادہ سنجیدہ تھا جس کو دیکھتے ہوئے خاور کو بھی سنجیدگی کے لبادے میں آتے ہوئے محض دو سیکنڈ لگے تھے۔

"ہاں یار یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو چار سالوں میں بہت کچھ بدل جاتا ہے، زندگی، ذہن، حالات، وقت اور انسان بھی۔" خاور اگر سنجیدگی کے لبادے میں ہو تو اس جیسا فلاسفر کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"لیکن یار میں سوچتا ہوں کہ سب کچھ بدل جائے بس انسان نہ بدلے۔" ان دونوں کی سنجیدگی عروج کی البتہ یہ اور بات تھی کہ ان کی سنجیدگی کا لبادہ اترنے میں بھی بس ایک لمحہ ہی لگتا تھا اور پھر اس سنجیدگی کا کہیں شائبہ تک نہیں ملتا تھا، دیکھنے اور سننے والے ان کے اچانک رنگ بدلنے پہ بھڑک کے رہ جاتے تھے۔

"لیکن یار انسان بدل جاتا ہے پر شیطان نہیں بدلتا۔ شیطان چار سال بعد بھی شیطان ہی رہے گا، مجھے پکی امید ہے بلکہ کامل یقین ہے۔" خاور نے جتنے سکون اور اطمینان سے کہا تھا اس نے اتنے ہی خونخوار اور کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی طرف رخ پھیرا تھا اور خاور اس کے لیے خطرناک تیور بھانپتے ہوئے ایک ہی جست میں اس سے پانچ فٹ کے فاصلے پہ پہنچ گیا تھا۔

"تم نے شیطان کس کو کہا؟" وہ ایک ایک قدم اٹھاتا خاور کی طرف بڑھا۔

http://paksociety.com

"شیطان کو اور کس کو؟" اس نے کندھے اچکائے اور پیچھے کی طرف قدم اٹھا' اس سے دور ہو گیا۔

"حالانکہ تمہاری اپنی حرکتیں شیطانوں جیسی ہیں۔" وہ چبا کے بولا۔

"ہر شیطان دوسرے کے بارے میں یہی سوچتا ہے۔" خاور نے اب بھی سکون سے جواب دیا تھا۔

"یعنی تم مان رہے ہو کہ تم اگر میرے بارے میں ایسا کہہ رہے ہو تو تم خود شیطان ہو اسی لیے ایسا سوچتے ہو۔" اس نے بدلا چکایا اور خاور اپنی ہی بات میں پھنس گیا لیکن ہمت نہیں ہاری تھی۔

"ہاں میں شیطانوں کی بات کر رہا تھا اپنی تو نہیں۔"

"اچھا؟ تو پھر کون ہو تم؟" حسی نے اسے دلچسپ اور شریر نظروں سے دیکھ کر معنی خیزی سے پوچھا۔

"انسان۔" خاور نے فخر سے کہا اور اس کی ہنسی چھوٹ گئی وہ قہقہے لگاتا ہنستا ہوا اپنے ہی ہاتھ پہ ہاتھ مارتا اس کا لفظ دہرا رہا تھا۔

"انسان... واہ کیا کہنے ہیں اس انسان کے؟ جاؤ شاباش ذرا کار کے مرر میں اپنی شکل تو دیکھ کر آؤ پھر آکر بتاؤ کہ تم انسان کہاں سے لگتے ہو۔" اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا خاور ایسی عزت افزائی پہ کھسیا گیا تھا اور نہ جانے اور بھی کتنی عزت افزائی ہونا باقی تھی کہ اچانک حسی کے عقب سے کوئی نسوانی آواز ابھری۔

"سر! کیا میں یہاں گاڑی پارک کر سکتی ہوں؟" وہ حسی سے پوچھ رہی تھی اور حسی نے پہلے اس لڑکی کو دیکھا پھر گیٹ کے باہر والے روڈ کو اور پھر ایک نظر خاور کو دیکھا۔

"سوری میم! یہ میرا بیڈروم ہے آپ یہاں گاڑی پارک نہیں کر سکتیں۔" اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی اور اس کی بات پہ جہاں وہ لڑکی سٹپٹائی وہیں خاور کا قہقہہ ابل پڑا وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ہنسی کنٹرول نہیں کر پایا تھا۔ کیونکہ وہ بات ہی اتنی سنجیدگی سے کر رہا تھا کہ ایک لمحے کے لیے واقعی ایسا لگا کہ وہ یونیورسٹی کا روڈ نہیں اس کا بیڈروم ہو۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ لڑکی تھوڑا غصے سے بولی تھی۔

"یہ بدتمیزی نہیں میڈم یہ سڑک ہے کیا آپ کو نظر نہیں آرہی؟" اس نے اپنے سابقہ انداز سے کہا خاور ہنسی چھپانے کے لیے رخ موڑ گیا تھا۔

"مجھے تو نظر آرہی ہے لیکن آپ کو نظر نہیں آرہا کہ آپ کسی لڑکی سے بات کر رہے ہیں اور لڑکیوں سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔" وہ لڑکی بھی غصے کی تیز لگتی تھی۔

"اوہ سوری مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ لڑکی ہیں میں تو کچھ اور ہی سمجھا تھا۔"

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ۔" وہ تیزی سے چبا کر بولی تھی۔

"دیکھیے مس آپ خواہ مخواہ اپنا ٹمپر لوز کر رہی ہیں ایک پبلک پلیس ہے یہاں کوئی بھی گاڑی پارک کر سکتا ہے' آپ جہاں چاہیں گاڑی پارک کریں' دوسروں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟" خاور نے تیزی سے درمیان میں آتے ہوئے بیچ بچاؤ کر دیا ورنہ آج پہلے ہی دن گیٹ پہ ہی جھگڑا شروع ہو جاتا اور باقی کا پورا دن غصے اور بے زاری میں گزرتا۔ خاور نے اس لڑکی کو سمجھا بجھا کے اس کے رستے بھیجا اور حسی صاحب کو ساتھ لے کر یونیورسٹی میں آگیا جہاں آج انتہا کا رش تھا کیونکہ آج ایڈمیشن کی لاسٹ ڈیٹ تھی اور ہر طرف اسٹوڈنٹس کی بھاگ دوڑ مچی ہوئی تھی البتہ وہ خود مطمئن تھے کیونکہ ایڈمیشن ہو چکے تھے۔

☆ ☆ ☆

"میرا نام رائمہ حیدر ہے' گجرات کی رہنے والی ہوں' میری فیملی پچھلے بیس سال سے انگلینڈ میں مقیم تھی لیکن بیس سال بعد میری مما کا دل اتنا اداس ہوا کہ پاپا سے کہہ کر وہ پاکستان شفٹ ہو گئیں' مما کے بغیر ہمیں بھی رہنا ہمارے لیے بھی ناممکن تھا سو مجبوراً ہمیں بھی انگلینڈ چھوڑنا پڑا۔ حال ہی میں پاکستان کو لوٹی ہیں اسی لیے اپنی اسٹڈی کا سلسلہ بحال رکھنے کے لیے بھاگ دوڑ جاری ہے اب دیکھیے کیا ہوتا ہے آگے؟" اس نے وہاں موجود لڑکیوں سے اپنا تعارف کروایا کیونکہ ایک دو نے اس سے نام بھی پوچھا تھا اور اس سے کئی اور بھی سوال کیے تھے اس نے سب کو تسلی بخش جواب سے نوازا تھا تاکہ وہ لوگ دوبارہ کچھ نہ پوچھیں۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ سوال بھی کبھی ختم ہوتے ہیں بھلا؟ وہ بھی لڑکیوں کے؟

"گجرات میں کہاں رہتی ہو؟" ایک اور سوال آیا۔

"ماڈل ٹاؤن۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"کتنے بہن بھائی ہو؟" دوسرا سوال۔

"دو بہنیں ایک بھائی۔"

"بہن بھائیوں میں بڑا کون ہے؟" تیسرے سوال میں بھی دیر نہ لگی۔

"بھائی بڑا ہے ہم دونوں چھوٹی ہیں۔"

"کیا تمہیں انگلینڈ [illegible]؟" چوتھا سوال کھوجتا ہوا تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی محبت وحبت کا چکر تو نہیں چل رہا؟" پانچویں سوال کی معنی خیزی اسے بری لگی۔

"مائنڈ یور لینگویج مس! میں کسی کا اتنا پرسنل ہونا پسند نہیں کرتی' میں اگر آپ کے سوالوں کے جواب دے رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی لمٹ کراس کر جائیں۔" اس نے بالآخر ان لوگوں کے سوالوں کا منہ بند کر دیا تھا اور وہ سب چپ ہو کے بیٹھ گئی تھیں وہ جب سے پاکستان آئی تھی اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہاں کے لوگ ذرا ذرا سی بات کو بہت زیادہ کریدتے ہیں۔ ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور اس کوشش میں اپنا ایمان بھی برباد کرتے ہیں اور وقت بھی۔ لیکن اپنی اس غلطی کو تسلیم کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

"تو اس میں غلط کیا کہہ دیا ہے ہم نے؟ آج کل تو ہر دوسرے لڑکے لڑکی کا چکر چل رہا ہے' یہاں اتنا پارسا اور باکردار کون ہے بھلا؟" وہ لڑکی جواباً طنزیہ نظروں سے دیکھ کر بولی تھی لیکن اس کی بات پہ رائمہ کا خون کھول اٹھا تھا۔

"مس آج کل میں تو پھر آپ بھی شامل ہوتی ہیں؟ کیا آپ کے پارسا اور باکردار ہونے میں بھی وہی شک ہے جو آپ کو دوسروں کے بارے میں ہے؟" رائمہ کا جواب کرارا تھا جس پہ وہ لڑکی بلبلا اٹھی تھی اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی دوسری دوست نے اسے روک دیا تھا' آج پہلا دن اور پہلی ملاقات تھی اس لیے سب ہی لڑائی جھگڑے سے پرہیز کر رہے تھے ایک دوسرے کے "ہتھے" نہیں لگنا چاہتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہاں موجود تمام لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں بس رائمہ اکیلی بیٹھی رہ گئی تھی۔

"ہائے! مجھ سے دوستی کریں گی؟" اسے وہاں اکیلے بیٹھے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک اس کے قریب سے ایک انتہائی فریش آواز ابھری تھی۔ وہ لڑکی اس کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی۔

"السلام علیکم! آپ کون ہیں؟" رائمہ نے اس لڑکی کو الجھن بھری نظروں سے دیکھا اور ——

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
یہ گلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/250 روپے

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے

[illegible] 32735021

"ہائے" کی بجائے سلام کیا تھا۔

"او وعلیکم السلام میرا نام جوہر آرا ہے' سب گھر والے اور فرینڈز 'جوجو' کہتے ہیں' آپ بھی مجھے جوجو کہہ سکتی ہیں کیونکہ آپ کی صورت میں مجھے اپنی مستقبل کی ایک بیسٹ فرینڈ نظر آرہی ہے۔" اس نے ابھی تک اپنا ہاتھ پیچھے نہیں کیا تھا اور رائنہ کو دلچسپ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" رائنہ کو حیرت ہوئی۔

"مطلب یہ کہ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں میں تھوڑی دیر پہلے ان لڑکیوں کے ساتھ آپ کی ساری باتیں اور تعارف سن چکی ہوں' آپ مجھے کافی سمجھ دار لگتی ہیں اسی لیے آپ سے فرینڈشپ کرنا چاہ رہی ہوں۔" اس لڑکی کی لاپروائی اور انداز ہنوز تھے رائنہ حیرانی سے دیکھے جارہی تھی اور جوجو ذہن میں آیا وہ کہہ بھی دیا تھا۔

"سوری! لیکن آپ مجھے کہیں سے بھی سمجھ دار نہیں لگ رہیں۔" رائنہ کا انداز بجھا تھا وہ لگ ہی ایسی رہی تھی۔

"یہی تو میری سمجھ داری کا ثبوت ہے کہ آپ پہلی نظر میں ہی میری خصوصیت پہچان گئی ہیں میں واقعی سمجھ دار نہیں ہوں' لیکن مجھے ایک سمجھ دار فرینڈ کی ضرورت ہے' جو مجھے سمجھا سکے اور میرا اچھا برا سمجھ سکے۔" اس نے مسکراتے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا اور رائنہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات پہ مسکرا اٹھی تھی اور پھر بے ساختہ اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"نائس ٹومیٹ یو۔" رائنہ کو واقعی جوجو سے مل کر اچھا لگا تھا وہ بھی گجرات کی رہنے والی تھی۔

* * *

"میرا نام حسن علی ہے' لاہور کا رہنے والا ہوں' میری فیملی ایک آزاد خیال فیملی ہے' جب چاہو جو چاہو کرسکتے ہو کوئی رکاوٹ نہیں۔ مام ڈیڈ دونوں بہت نائس ہیں' خود بھی فٹ رہتے ہیں اور ہمیں بھی فٹ رکھتے ہیں۔ ہم لوگ ایک بہن اور دو بھائی ہیں۔ بھائی مجھ سے بڑا ہے' لمز یونیورسٹی میں پڑھتا ہے آج کل فائنل سمسٹر کی تیاریوں میں ہے اور ہائر اسٹڈی کے لیے امریکا جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مام چاہتی تھیں کہ میں بھی لمز میں ہی ایڈمیشن لے لوں مگر میرے دو تین کلاس فیلوز نے یو ای ٹی میں ایڈمیشن لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو مجھے بھی انٹرسٹ ہونے لگا' سو میں بھی یہیں آگیا۔ اب دیکھو کہ آگے کیا ہوتا ہے؟" اس نے اپنے تازہ ترین دوستوں کو اپنے بارے میں ذرا تفصیل سے بتایا تھا۔

"یہاں آکر کیسا لگ رہا ہے؟" سب سے پہلا سوال توصیف نے کیا تھا۔

"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"کیوں؟" ضیغم نے بے ساختہ پوچھا۔

"یار ابھی مجھے آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟"

"لیکن پھر بھی؟" توصیف نے اصرار کیا تھا۔

"شاید اچھا ہی لگ رہا ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ہاں یار ابھی تو تم نے صرف یونیورسٹی دیکھی ہے یونیورسٹی کے رنگ نہیں دیکھے۔" عباس کی زبان میں بھی کھجلی ہوئی تھی۔ جس پہ حسن بے ساختہ معنی خیز قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟" ان لوگوں نے اسے گھور کے دیکھا تھا ان کے چہروں پہ خفگی تھی کہ وہ بلاوجہ کیوں ہنس رہا ہے۔

"میں اس لیے ہنس رہا ہوں کہ یونیورسٹی نے بھی ابھی صرف مجھے دیکھا ہے' میرے رنگ نہیں دیکھے۔" وہ ان لوگوں کی بات سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"اپنے رنگوں کی نوعیت بتا سکتے ہو؟" ضیغم نے اسے جانچتی ہوئی نظر سے دیکھا۔

"چار دن صبر کرو' سب کچھ سامنے آجائے گا' رنگ بھی اور رنگوں کی نوعیت بھی۔" حسن نے اس کا کندھا تھپک کر اسے تسلی دی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ چار دن صبر؟" ضیغم الجھ کے بولا۔

"ہاں چار دن صبر' پھر جیسے جیسے یونیورسٹی کے رنگ سامنے آئیں گے ویسے ویسے میرے بھی آجائیں گے۔"

"تو تم ان رنگوں کی بات کررہے ہو؟" توصیف کھل اٹھا۔

"ہاں ہاں میں انہی رنگوں کی بات کررہا ہوں جن کے وجود سے کائنات میں رنگ ہیں۔" حسن کا لہجہ ذومعنی تھا۔

"اچھا! اچھا' تو تم میں یہ کوالٹی بھی پائی جاتی ہے؟" عباس حیرت سے بولا۔

"جناب! ہم میں ہر کوالٹی پائی جاتی ہے' آپ آزما کے دیکھیے۔" وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے گردن جھکاتے ہوئے آداب بجالایا تھا۔

"ہوں' پھر تو خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" توصیف نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے کہا اور وہ سب یک وقت ہنس پڑے تھے ان کی شرارت اور کمینگی ان کی ہنسی سے ہی ظاہر ہو رہی تھی۔

"کیا پہلے بھی کسی کے ساتھ کوئی چکر چل رہا ہے؟" توصیف کو ایسی باتیں بہت اٹریکٹ کرتی تھیں۔

"یار چکر تو بہت چل رہے ہیں' لیکن میرا چکر ایسا ہوتا ہے کہ پتا بھی نہیں چلتا مگر "چکرا" کے رکھ دیتا ہے۔" اس نے آنکھ دبائی اور وہ سب حیران ہوئے۔

"یہ کیسا چکر ہے بھلا؟"

"بس یار کہا ناں' چار دن صبر کرو' سب سمجھ آجائے گا۔" وہ توصیف کا گال تھپک کے اٹھ گیا تھا اور پھر فوراً سب دوست ذہنی ہم آہنگی کی بدولت ایک گروپ کی شکل اختیار کرگئے تھے اور اک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے ان کا گروپ ڈپارٹمنٹ کا لاابالی گروپ تھا۔

* * *

"ماہ رخ! اٹھو' مما بلا رہی ہیں۔" ماہرہ دروازے پہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	600/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
پھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	500/-
بھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
گلیاں سو چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
من سے عورت	فرزانہ کھرل	200/-
[illegible]	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جانے خواب	آسیہ رزاقی	200/-
[illegible]	فوزیہ یاسمین	250/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	450/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج صحن میں چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	300/-
تیری راہ میں رل گئی	سمیرا خورشید علی	225/-
شام آرزو	ام سلطانہ فخر	400/-

[illegible] 30/- [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

دستک دے کر اندر چلی آئی تھی۔

"رائنہ۔۔۔ رائنہ اٹھ جاؤ پلیز صبح ہے میں تمہیں کتنی آوازیں دے چکی ہوں۔" مائرہ نے کمبل میں دبکی رائنہ کے اوپر سے کمبل کھینچ لیا تھا۔

"پلیز مائرہ صرف دس منٹ اور۔۔۔ پلیز بہت سخت نیند آرہی ہے۔" اس نے بند آنکھوں کے ساتھ کمبل واپس لینا چاہا۔

"محترمہ! دس منٹ اور سوئیں تو آج یونیورسٹی نہیں پہنچ سکو گی۔" مائرہ گھور کے بولی تھی اور رائنہ نے بیزاری سے آنکھیں کھولتے ہوئے وال کلاک کی سمت دیکھا آٹھ بجنے میں دس منٹ باقی تھے اور ساڑھے آٹھ بجے اس نے کلاس میں پہنچنا تھا' ابھی شاور لینا تھا' کپڑے چینج کرنے تھے' ناشتا کرنا تھا اور یونیورسٹی بھی پہنچنا تھا اس کی جاگی سوئی آنکھیں یکدم پھٹ سے کھل گئیں اور وہ لپک جھپک اٹھ کر واش روم میں گھس گئی تھی مائرہ خفگی سے سر جھٹکتی ہوئی باہر آگئی وہ آج کل ایگزام دے کر کچھ دنوں کے لیے فارغ اور ریلیکس تھی۔

"اٹھ گئی رائنہ؟" امی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جی اٹھ گئی ہے واش روم میں ہے۔" مائرہ کرسی گھسیٹ کر ناشتے کے لیے بیٹھ گئی۔

"چلو تم ناشتا شروع کرو' تب تک وہ بھی آجاتی ہے۔"

"میں ناشتا شروع کر کے ختم بھی کرلوں وہ پھر بھی نہیں آئے گی۔" مائرہ کو اس کے بارے میں سب پتا تھا وہ اس کے مزاج کو سمجھتی تھی۔ اور واقعی جب مائرہ ناشتا ختم کر کے اٹھی تب وہ تیار ہو کر بیڈ روم سے باہر نکلی تھی۔

"او کے ماما بائے۔" وہ قریب آتے ہوئے بولی۔

"لیکن بیٹا تمہارا بریک فاسٹ؟"

"اس او کے میں کینٹین سے کچھ کھالوں گی۔" وہ عجلت میں ہاتھ ہلاتی ماما کا گال چوم کے باہر نکل گئی اور ماما آوازیں دیتی رہ گئی تھیں۔

"میں نے کیا کہا تھا آپ سے؟" مائرہ مسکراتی ہوئی قریب آگئی۔

"اب تمہارے جیسا تو کوئی نہیں ہر بات ماننے والا ایک اچھا بچہ۔" ماما نے مائرہ کے بال سہلائے اور مائرہ ہنس پڑی۔

"آپ بھی تو بہت اچھی ماما ہیں۔" مائرہ نے ان کے گلے میں بازو ڈال دیے۔

"کیا ڈیڈ اچھے نہیں ہیں؟" ان کے عقب سے آواز ابھری اور مائرہ یکدم پیچھے پلٹتے ہوئے ہنسی اور ان کے کندھے سے لگ گئی۔

"ڈیڈ تو سب سے اچھے ہیں۔"

"بس۔۔۔ بس رہنے دو یہ منہ دیکھے کی محبت' اصل پیار تو تم لوگوں کو اپنی ماں سے ہے۔"

"ارے نہیں ڈیڈ آپ دونوں ہی ہمارے لیے ایک جیسے ہیں کسی ایک کو چننا بہت مشکل کام ہے۔" مائرہ ان دونوں کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"رائنہ کہاں ہے؟" انہوں نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یونیورسٹی۔"

"اتنی جلدی؟" انہوں نے کلاک دیکھا۔

"جلدی نہیں بلکہ لیٹ۔ آج وہ اپنے ٹائم سے کافی لیٹ ہو گئی تھی اسی لیے بغیر ناشتا کیے ہی چلی گئی ہے۔" مائرہ بھی ان کے برابر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور شائستہ بیگم اٹھ کر ملازمہ سے شوہر کے لیے ناشتا لگوانے لگیں۔ وہ دونوں باپ بیٹی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

* * *

وہ صبح کافی جلدی اٹھ جاتا تھا کسی کو بھی اسے جگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ گھر میں اور نہ گھر سے باہر' رات کو چاہے وہ کتنا لیٹ سوتا لیکن صبح جلدی اٹھ جاتا تھا اور ہاسٹل آکر بھی اس کی یہی روٹین تھی' اس کی نیند صبح سویرے ہی رات کی سیاہی کے ساتھ رخصت ہو جاتی تھی اس لیے کبھی کسی کو اٹھانے کی زحمت نہیں دی تھی یہی وجہ تھی کہ جب سے وہ سال

یا تھا' ہمیشہ دوسروں سے بھی پہلے یونیورسٹی پہنچ جاتا تھا۔

"ن۔۔۔ سی۔۔۔ ارے یار سنو تو۔" ضیغم اور ولید واپس اسے پکارتے ہوئے قریب آگئے تھے وہ لان میں ایک بینچ پر بیٹھا تھا شاید۔

"کچھ بتاؤ گے تو سنوں گا نا؟" اس نے کتاب بند کرتے ہوئے ضیغم کو گھورا۔

"یار میں نے آج اپنے ڈپارٹمنٹ میں ایک بہت ہی خوب صورت لڑکی دیکھی ہے' وہ کلاس روم کی طرف جارہی ہے' چلو میرے ساتھ ہم بھی چلتے ہیں۔" ضیغم نے بے قراری سے کہا تھا۔

"بس ایک خوبصورت لڑکی دیکھ لی اور لٹو ہو گئے؟" حسی نے مذاق اڑایا۔

"تو اور کیا کروں؟" ضیغم جھنجلایا۔

"پتا کرو پہلے کہ وہ کون ہے؟ نام کیا ہے؟ کس ڈپارٹمنٹ سے ہے؟ سنگل ہے یا ڈبل؟ نرم ہے یا گرم؟ نہ ہو کہ تم اس کا سینڈل کھا کے ماتھے پہ گومڑ بنا کے آجاؤ۔" حسی کی بات پر ولید بھی ہنس پڑا تھا اور ضیغم اپنے مذاق پر ان دونوں کو گھورنے لگا۔

"جب تک میں یہ ساری معلومات اکٹھی کروں گا' تب تک اس حسینہ کو کوئی اور لے اڑے گا۔"

"تو یار تم اپنی سروس تیز کرو نا۔"

"اسی لیے تو تمہارے پاس آیا تھا لیکن تم۔" ضیغم خفا ہونے لگا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" توصیف' عباس' ولید اور علی چاروں ہی وہیں چلے آئے تھے لان میں ان کا گروپ ایک ٹولے کی شکل میں بیٹھ چکا تھا۔

"محترم ضیغم صاحب کو ابھی کھڑے کھڑے ایک لڑکی پسند آگئی ہے۔" حسی نے چھیڑنے والے انداز سے کہا۔

"ہیں واقعی؟" توصیف کو اچنبھا ہوا۔

"کیوں تم اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو؟" ضیغم نے توصیف کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"کیا تم بھی لڑکیوں میں انٹرسٹ لیتے ہو؟" توصیف کا سوال تمسخر لیے ہوئے تھا ضیغم سلگ اٹھا۔

"کیوں کیا میں مرد نہیں ہوں؟"

"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔" توصیف بے نیازی سے بولا۔

"توصیف۔۔۔" ضیغم یکدم اس پہ چڑھ دوڑا تھا۔

"آج میں تجھے نہیں چھوڑوں گا تیری یہ پتلی دار کمر توڑ کے چھوڑوں گا۔" ضیغم نے توصیف کو دبوچ لیا تھا اور وہ اس کے گھونسے کھاتے ہوئے بھی ہنسے جا رہا تھا۔

"اوئے ولید روک اس چڑیل نما مرد کو۔" توصیف نے باقاعدہ دہائی دے ڈالی تھی۔

"تجھے اس چڑیل سے اب اللہ ہی بچائے۔" علی نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"تو نے میری مردانگی پہ شک کیا ہے میں تجھے نہیں چھوڑوں گا تو نے میری غیرت کو للکارا ہے۔" ضیغم ابھی تک توصیف کو دبوچے ہوئے تھا۔

"یار۔۔۔ شک کب کیا ہے؟ میں نے تو پورے یقین سے کہا ہے۔" توصیف ہنسنے سے باز نہ آیا اور باقی سب ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

"تیرے یقین کی ایسی کی تیسی۔" وہ دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔

"ایکسکیوز می! کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کینٹین کس طرف ہے؟" نسوانی آواز پہ وہ دونوں ریشم کی گتھی کی طرح الجھے ہوئے یکدم سیدھے ہو گئے تھے البتہ حالت دونوں کی خراب تھی کپڑے بگڑے ہوئے تھے۔ ضیغم آنکھیں پھیلائے پٹ پٹ اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا یہی تو تھی وہ حسینہ!

"جی آئیے میں بھی کینٹین کی طرف ہی جا رہا ہوں۔" حسی اپنی کتاب اور موبائل اٹھا کر بڑی سہولت سے اس لڑکی کے ساتھ چل دیا تھا۔

"حسی اتنا یاد رکھنا پہلے بات میں نے کی تھی۔" ضیغم پیچھے سے چلایا۔ اور اسے باز رہنے کا اشارہ دیا جس کو وہ سنی ان سنی کر گیا تھا۔

"آپ گجرات کے رہنے والے ہیں؟"

"نہیں میں لاہور سے آیا ہوں۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟"

"بس کچھ ہی عرصہ ہوا ہے۔"

"ہاسٹل میں رہتے ہیں؟"

"ہوں! وہی ایک ٹھکانہ ہے۔"

"آپ ہمارے گھر آئیے گا نا؟" اس لڑکی نے کھڑے کھڑے اسے دعوت دے ڈالی وہ اندر سے حیران ہوا تھا۔

"جی۔؟"

"جی ہاں آپ یہاں مہمان ہیں اور واپس لاہور جا کر کیا سوچیں گے کہ گجرات میں کسی نے مہمان نوازی بھی نہیں کی۔" وہ لڑکی کافی پراعتماد تھی وہ اس طرح بات کر رہی تھی جیسے پہلے سے آشنا ہو۔

"آپ کہاں رہتی ہیں؟" وہ پوچھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"یہیں گجرات میں' دراصل میں مرغزار کالج میں پڑھتی تھی ابھی حال ہی میں کالج سے فارغ ہوئی ہوں' میں ایک سال ریسٹ کرنا چاہ رہی تھی لیکن ابو جی نے میرے انکار کے باوجود۔ یو جی میں ایڈمیشن کروا دیا ہے' آج یونیورسٹی پہلی بار آئی ہوں۔" اس نے کافی تفصیل اور لاپروائی سے بتایا۔

"آپ کا نام؟" بالآخر اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"آمنہ۔" اس لڑکی کی لاپروائی ہنوز تھی۔

"اور آپ کا؟" جواباً وہ بھی پوچھ بیٹھی۔

"حسن علی۔" وہ کافی سنجیدگی سے بولا۔

"کس ڈپارٹمنٹ سے ہیں؟" وہ سوال کیے جا رہی تھی۔

"بی ایس۔ آنرز سی ایس آئی ٹی ڈپارٹمنٹ سے ہوں۔"

"ارے واہ! میں بھی اسی ڈپارٹمنٹ سے ہوں' آپ کا بھی یقیناً" فرسٹ سمسٹر ہے اور میرا بھی ہم لوگ تو پھر کلاس فیلو ہوئے نا؟" وہ بے انتہا خوش ہوئی تھی اور حسن اسے آنکھیں پھیلائے تکے جا رہا تھا۔

"کلاس فیلو؟" وہ سن کر خوش نہیں ہوا تھا بس نارمل ہی رہا البتہ وہ بہت خوش نظر آرہی تھی اس کی نیت اور سوچ صاف تھیں اسی لیے وہ اتنی مخلص اور لاپروا نظر آرہی تھی اور پہلے روز یونیورسٹی آنے پہ حسن کی صورت میں ایک مہذب سا دوست پا کر بہت خوش اور ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

"بیٹھیے نا حسن صاحب کیا لیں گے آپ؟" اس نے کینٹین آتے ہی کہا یوں جیسے وہ واقعی اس کا مہمان ہو۔

پھر وہ گھنٹہ بھر اس کے پاس بیٹھی رہی اور جاتے جاتے دوستی کا رشتہ پکا کر کے اٹھی تھی اور اس کے جانے کے بعد حسن دونوں ہاتھوں میں سر تھام کے بیٹھ گیا تھا۔

"حسن! حسن یار کوئی بات بنی؟" ضیغم بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا اور اس کے پیچھے باقی سب!

"بات نہیں بنی بلکہ باتیں بنی ہیں باتیں۔" وہ یکدم چلا کر بولا تھا۔

"ہیں کیا مطلب؟" ضیغم ناسمجھی سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ پورا ایک گھنٹہ میرا دماغ چاٹ کے گئی ہے لیکن پھر بھی کچھ حاصل نہیں ہوا۔" حسن سچ مچ جھنجلایا ہوا تھا۔

"لیکن کیوں؟" ضیغم کو صدمہ ہوا۔

"ارے یار وہ حسینہ جس کو تو لڑکی سمجھ رہا تھا وہ لڑکی نہیں ہے۔" حسن کوفت اور بیزاری سے بولا۔

"ہائے میں مر گیا کیا ہے وہ؟" ضیغم نے سینے پہ ہاتھ مارا۔

"وہ درویش ہے درویش۔ اس نے عام لڑکیوں کی طرح کچھ بھی نہیں چھپایا' سب کچھ بتا گئی ہے' اپنا نام' اپنا گھر' اپنا کالج' اپنے ماں باپ' بہن بھائی اور مجھ سے دوستی کر کے مجھے اپنے گھر انوائٹ بھی کر گئی ہے وہ بھی پہلی ہی ملاقات میں۔ کیا کبھی کسی لڑکی نے ایسا کیا ہے؟" حسن نے ضیغم سے پوچھا۔

"ہائے میں لٹ گیا' ہائے میں برباد ہو گیا' ہائے میں ایک درویش تے مر گیا؟" ضیغم کا ماتم جاری تھا۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ تو ڈوب کے مر جاتا۔" توصیف نے لقمہ دیا۔

"تو ڈوب کے مرا یا نہ مرا لیکن تجھے مار دوں گا آج تیری خیر نہیں ہے۔" ضیغم توصیف کے پیچھے لپکا اور دونوں کہیں دور نکل گئے۔

باقی کا پورا دن "درویشنی" کے ذکر میں گزرا تھا۔

"بس یار ضیغم حوصلہ کر تیری قسمت ہی ماڑی ہے۔" ولید نے اس کا کندھا تھپکا۔

"اللہ تجھے صبر جمیل عطا فرمائے۔" علی نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"شکر کرو اللہ اور دے گا یونیورسٹی بھری پڑی ہے بس اس ۔۔۔ کو اب اپنی بہن کا رتبہ دے دو۔" عباس بھی شامل ہوا انہوں نے ضیغم کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور وہ خون کے گھونٹ پیتا ان کے مذاق سنتا رہا۔ حسن تو اسے آنکھوں میں چھیڑ رہا تھا۔

* * *

آج سنڈے تھا۔ وہ لوگ یونیورسٹی سے آف ہونے کی وجہ سے بہت ریلیکس فیل کر رہے تھے اور آج موسم بھی کافی سہانا تھا ان سب لڑکوں نے مل کر کنارا ریسٹورنٹ اور جوائے لینڈ کا پروگرام بنایا تھا اور ان کے تیار ہوتے ہوتے موسم اچھا خاصا ابر آلود ہو چکا تھا جیسے ہی حسن تیار ہو کر ہاسٹل سے گاڑی لے کر نکلا اچانک دھواں دھار بارش شروع ہو گئی۔ دن میں بھی رات کا سماں بندھ گیا تھا سنسان روڈ اور بھی سنسان لگنے لگے تھے وہ جیسے ہی اس سنسان علاقے سے نکل کر آبادی میں داخل ہوا کسی نے اسے ہاتھ ہلا کر رکنے کا کہا تھا پہلے تو اس کا دل چاہا کہ نظر انداز کر کے گزر جائے لیکن نہ جانے کیوں اسے کسی کی مجبوری کا خیال کر کے کچھ رحم آ گیا تھا اور گاڑی روک دی۔

وہ لڑکی لپکتی ہوئی قریب آئی تھی اس نے گاڑی کا شیشہ فولڈ کر دیا تھا۔

"سر میری گاڑی خراب ہو گئی ہے کیا آپ مجھے ماڈل ٹاؤن تک ڈراپ کر سکتے ہیں؟" وہ لڑکی بارش میں کھڑی مکمل طور پہ بھیگ چکی تھی کچھ ہی دور سڑک کی سائیڈ پہ اس کی گاڑی بھی کھڑی تھی۔ حسن نے ایک نظر اس لڑکی کو سر تا پا دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر دوسری سائیڈ کا فرنٹ ڈور کھول دیا تھا وہ بھاگتی ہوئی دوسری سائیڈ پہ آئی اور اندر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی البتہ گاڑی کی اسپیڈ خاصی کم تھی شاید وہ اس لڑکی کو سنبھل کر بیٹھنے کا موقع فراہم کر رہا تھا۔

"تھینک یو سو مچ سر آپ نے مجھے لفٹ دے دی ورنہ مجھے تو دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔" وہ اپنے چہرے سے بارش کا پانی پونچھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں میڈم گاڑیاں تو کافی گزر رہی ہیں۔" اس نے اس لڑکی کی بات کو جھٹلایا۔

"جی ہاں گاڑیاں گزر رہی ہیں مگر حضرات اور مسز جبکہ میں اپنے ایسے حلیے میں کسی بس یا ویگن میں سوار ہو کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی تھی۔" وہ گلے میں جھولتا دوپٹہ اپنے اردگرد پھیلا چکی تھی۔

"وہ پھر آپ نے مجھے کیوں روکا؟ متوجہ تو میں بھی ہو سکتا ہوں۔" اس نے گردن موڑ کر بغور اس لڑکی کو دیکھا۔

"میں جانتی ہوں آپ ایسے نہیں ہیں۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔

"آپ مجھے کیسے جانتی ہیں کہ میں ایسا نہیں ہوں؟" حسن کو حیرانی ہوئی۔

"آپ یو او جی میں پڑھتے ہیں اور میں نے آپ کو کئی بار آئی ٹی ڈپارٹمنٹ میں دیکھا ہے ابھی میں نے آپ کی گاڑی دیکھ کر ہی آپ سے لفٹ مانگی ہے ورنہ کوئی اور ہوتا تو شاید میں ایسا نہ کرتی۔" وہ لڑکی یقیناً سچ بول رہی تھی اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"اوہ۔" اس نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے اوہ کو تھوڑا لمبا کھینچا تھا۔

"کافی سمجھدار لگتی ہیں۔" اس نے سراہا اور وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"تھینکس! میرے سارے قریبی جاننے والے مجھے

http://paksociety.blogspot.com

ساتھ شاید چھ ہی لڑکیاں بھی تھیں جن میں جوجو بھی شامل تھی۔

"رائنہ...!" جوجو اسے دیکھتے ہی یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں تمہاری طرف آئی ہوں۔" رائنہ نے سب کو متوجہ ہوتا دیکھ کر جوجو سے کہا۔

"ہاں یار! آؤ نا بیٹھو یہاں۔" جوجو نے اپنی جگہ پہ اسے بیٹھنے کا کہا۔

"بیٹھنے کے لیے نہیں آئی۔" رائنہ سب کو نظر انداز کرتی ہوئی صرف جوجو کی طرف متوجہ تھی۔

"وہ سوری یار! آج ہم سب فرینڈز کی ایک مشترکہ فرینڈ شپ پارٹی تھی اس لیے میں کلاس اٹینڈ نہیں کر سکی اور تمہیں بتانا بھی یاد نہیں رہا، آؤ نا ان سب سے ملو۔" جوجو نے سب کی طرف اشارہ کیا۔ ضیغم علی، توصیف عباس، ولید اور حسی بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے پاس ہی آمنہ، ام کلثوم، ذکیہ، پنکی وغیرہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں رائنہ نے ان سب پہ ایک سرسری اور طائرانہ سی نگاہ ڈالی تھی۔

"تمہاری فرینڈ شپ پارٹی سے کب فارغ ہو گی؟" وہ جوجو کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"بس تھوڑی دیر تک ہم لوگ اٹھ ہی رہے ہیں۔" جوجو نے ایک نظر حسی کو دیکھا وہ رائنہ کے تیکھے چہرے کو دیکھ رہا تھا یہ وہی لڑکی تھی جس کے ساتھ یونیورسٹی کے پہلے روز گیٹ پہ ٹاکرا ہوا تھا اور یہ ٹاکرا شاید اس لڑکی کو بھی یاد تھا جبھی اس نے حسی پہ ایک نظر ڈالی بھی تو ناگوار نظر ڈالی تھی۔

"حسی میں چلتی ہوں کل پھر ملاقات ہو گی۔" جوجو اپنا بیگ اٹھانے کی غرض سے جھکی۔

"بیٹھی رہو، ابھی ہماری پارٹی ختم نہیں ہوئی، تم فرینڈ شپ پارٹی ادھوری چھوڑ کر جاؤ گی تو فرینڈ شپ بھی ادھوری ہی رہ جائے گی۔" حسی نے تپے تلے لہجے میں کہہ کر جوجو کے قدم روک دیے تھے اس کے دوستوں نے بھی چونک کر دیکھا تھا۔

"لیکن حسی مجھے کافی دیر ہو چکی ہے، اب چلنا چاہیے۔" جوجو رائنہ اور حسی کے درمیان جزبز سی کھڑی تھی۔

"دوستی میں دیر بھی ہوتی ہے اور سویر بھی، دوستی کچھ بھی نہیں دیکھتی میڈم جوجو ہرآرا۔" حسی کا لہجہ سخت تھا وہ اس وقت جوجو کے جانے کے حق میں نہیں تھا۔

"لیکن حسی۔" جوجو نے کچھ کہنا چاہا۔

"میں تمہیں روک نہیں رہا بس بتا رہا ہوں کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔" حسی لاپروائی سے بولا۔ جوجو چپ ہو گئی اور پھر انکار کرنے کی غرض سے شرمندہ سی رائنہ کی طرف پلٹی لیکن جیسے ہی سر اٹھا کر دیکھا وہ حیران رہ گئی رائنہ وہاں نہیں تھی جوجو نے ٹھٹک کر دائیں بائیں دیکھا اور پھر کینٹین سے باہر جھانکا رائنہ واپس جا رہی تھی نہ جانے کیوں رائنہ نے اسے شرمندگی سے بچا لیا تھا اور اپنی بات کا بھرم بھی رکھ لیا تھا اس سے پہلے کہ جوجو انکار کرتی وہ خود ہی واپس مڑ گئی تھی۔ لیکن جوجو کو اب بھی افسوس ہو رہا تھا البتہ حسی بہت خوش تھا کہ اس وقت جوجو نے اس کا انتخاب کیا تھا۔

* * *

شام پانچ بجے کا وقت تھا وہ شاور لے کر نکلی تو نظر ٹیرس کی سمت اٹھ گئی موسم کی خوش گواریت وہ ایک نظر میں بھانپ گئی تھی۔ بالوں کو تولیے سے خشک کر کے اچھی طرح ہیئر برش سے سنوار کر چہرے پہ آئے بالوں کو پونی سے پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ ٹیرس پہ چلی آئی۔ ٹھنڈی میٹھی ہوا اس کا استقبال کرتی گزر گئی اور ہوا کا لمس اپنے چہرے پہ محسوس کر کے وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے جناب؟" مائرہ دبے قدموں اس کے پیچھے ٹیرس پہ ہی چلی آئی تھی۔

"موسم انجوائے۔" اس نے مسحور کن لہجے میں کہا۔

"اکیلے اکیلے؟" مائرہ نے چھیڑا۔

"اکیلے ہیں تو اکیلے ہی انجوائے کریں گے نا؟ اب آپ کی طرح تو نہیں کہ جب منگیتر کی یاد آتی ہے وہ فون پہ آپ کی تنہائیاں بانٹنے چلا آتا ہے۔" مائرہ ایکنجڈ تھی اس کی منگنی اپنی خالہ کے بیٹے سے ہوئی تھی وہ کینیڈا میں ہوتا تھا اور ان لوگوں کی اکثر فون پہ بات چیت ہوتی رہتی تھی۔

"تو کیا خیال ہے تمہاری تنہائیاں بانٹنے کے لیے بھی کچھ بندوبست کر دیں؟" مائرہ نے ذومعنی انداز میں کہا تھا۔

"ارے توبہ توبہ، اللہ کا خوف کریں مائرہ آپی، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔" اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کیوں بھئی؟ کیوں نہیں سوچ سکتیں؟" مائرہ نے تعجب سے پوچھا۔

"ارے بھئی ابھی تو میری اسٹڈی کمپلیٹ ہونے میں بھی تقریباً تین سال باقی ہیں اور ان شاء اللہ تین سال بعد بھی میرا شادی وادی کا کوئی پروگرام نہیں ہے میں اسٹڈی کے بعد جاب کو ترجیح دوں گی۔" رائنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"چلو دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے تمہاری مرضی چلتی ہے یا پھر ممانی کی؟" مائرہ نے کندھے اچکائے۔

"بس آپ کی شادی ہو جائے ہمارے لیے یہی سب سے بڑی خوشی کی بات ہے۔" رائنہ نے مائرہ کو چھیڑنے والے انداز میں کہا تھا۔

"کیوں کیا میں ہی قربانی کا بکرا ہوں، تم شادی کے لیے تیار ہو اور نہ ہی وہ اریب صاحب۔" مائرہ نے رائنہ اور اپنے بھائی کا نام لیا۔

"بس ہم نے اپنی فیملی فی الحال تمہارے ذریعے ہی بڑھانی ہے۔" رائنہ نے مسکراہٹ روک رکھی تھی۔

"ماشاء اللہ کیا خیالات ہیں محترمہ کے، منہ دھو رکھو، یہ نہ ہو کہ میں ممانی سے کہہ دوں کہ میں تب ہی شادی کروں گی جب ... رائنہ کی ہو گی۔"

"اف خدایا! ایسا ظلم بھی مت کرنا۔" رائنہ نے خوف سے دہل کر کہا اور مائرہ ہنس پڑی تھی۔ یوں ہی ہنستے ہنستے ان کی نظر گیٹ پہ پڑی چوکیدار نے گیٹ کھولا اور جوجو کی گاڑی اندر آ کر رکی۔ رائنہ کی ہنسی کو بریک لگ گئے تھے اس کے چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" جوجو ان کو دیکھ کر ٹیرس پہ آ گئی۔

"وعلیکم السلام۔" مائرہ نے جواب دیا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"فائن، تم سناؤ؟" مائرہ نے بھی جواباً پوچھ لیا۔

"ویری فائن۔" جوجو نے بشاشت سے کہا۔

"او کے تم لوگ باتیں کرو، میں چائے بھجواتی ہوں۔" مائرہ ان دونوں کے کندھے تھپک کر چلی گئی۔ اب وہ دونوں ٹیرس پہ تنہا تھیں۔

شام کا سانولا پن سیاہی میں بدل رہا تھا اور ہوا میں رچی خنکی میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن اس خنکی کے باوجود رائنہ کو یہ موسم بہت بھلا لگ رہا تھا ہوا کے دھیمے لمس میں ایک سرور تھا جو وہ دل و جان سے محسوس کر رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں رائنہ تم مجھ سے ناراض ہو۔" جوجو نے آہستگی سے کہنا شروع کیا۔

"غلط فہمی ہے تمہاری۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"کیا مطلب؟" جوجو ٹھٹک گئی۔

"میں ناراض نہیں ہوں کیونکہ ناراض ہونے کے لیے کوئی رشتہ چاہیے جو میرے اور تمہارے درمیان نہیں ہے۔"

"رائنہ!" جوجو کے انداز میں احتجاج تھا۔

"یہ بات تم نے ہی مجھے باور کروائی ہے۔"

"پلیز رائنہ! ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں اس وقت واقعی کشمکش میں تھی۔"

"ہونہہ، سچے دوست دوستوں کے لیے کشمکش میں نہیں پڑتے بلکہ کھڑے کھڑے فیصلے کر لیتے ہیں اور اس وقت تم سے انتخاب کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ تم کس کی بات مانو، میری یا اس حسی کی۔ دیکھو جوجو پوری یونیورسٹی میں تمہارے سوا میرا کوئی اور دوست نہیں ہے اور اگر تم ہی نئی دوستیوں کے چکروں میں پڑ کر ایسا کرو گی تو تم جان سکتی ہو کہ میں کیا سوچنے پہ مجبور ہو جاؤں گی۔" رائنہ لفظ چبا چبا کر کہتی ہوئی اس کی

طرف مڑی۔ جوجو چپ کھڑی تھی کیونکہ وہ غلط تھی۔

"آئیم سوری۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔

"کتنے لوگوں میں مجھ سے نظر چرالینا اور تنہائی میں سوری کرلینا میرے لیے کسی انسلٹ سے کم نہیں ہے۔"

"پلیز رائنہ ایم رئیلی سوری۔" جوجو ہنوز سوری کیے جارہی تھی۔

"جوجو تم نہیں جانتیں کہ تم خسارے کی طرف جارہی ہو' وہ تمہیں پاگل بنا رہا ہے' فلرٹ کررہا ہے تمہارے ساتھ۔" رائنہ کہنے سے باز نہیں آئی تھی۔

"وہ جو بھی کررہا ہے مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ میں اس سے محبت کررہی ہوں۔" جوجو کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا رائنہ ٹھٹک گئی اس نے چونک کر جوجو کا چہرہ دیکھا۔ یعنی وہی کچھ ہورہا تھا جو رائنہ پہلے سے سوچ رہی تھی۔ جوجو کے چہرے پہ بکھرے رنگ قوس و قزح کے رنگوں سے زیادہ حسین لگ رہے تھے۔

* * *

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا گود میں لیپ ٹاپ رکھے کسی کے ساتھ چیٹنگ میں مصروف تھا جب اس کے موبائل پہ وائبریشن ہوئی تھی اس کا موبائل ہمیشہ وائبریشن پہ رہتا تھا اسے رنگ ٹون سے خاصی چڑ ہوتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ پہ رکھا موبائل اٹھا کر دیکھا کسی ان نون نمبر سے میسجز تھے جن میں پوئٹری تحریر تھی اس نے بنا پڑھے موبائل سائیڈ پہ ڈال دیا۔ اس کی انگلیاں دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی کیز پہ حرکت کرنے لگی تھیں اور ابھی چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ موبائل پہ لگاتار وائبریشن ہونے لگی اس نے دوبارہ موبائل اٹھا کر اسکرین دیکھی اسی انجان نمبر سے کال آرہی تھی مجبوراً اس نے کال ریسیو کرلی۔

"ہیلو۔" اس نے مصروف سی آواز میں کہا۔

"السلام علیکم۔" دوسری طرف بہت خوب صورت سی آواز تھی۔

"والسلام' آپ کون؟" وہ ایک لمحہ کے لیے لیپ ٹاپ سے اپنا ہاتھ ہٹا چکا تھا۔

"میں انیلا بات کررہی ہوں' کیا حسن سے بات ہوسکتی ہے؟" وہ بہت نرم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"جی بول رہا ہوں' آپ کا تعارف؟" وہ کافی سنجیدہ تھا۔

"میں یو۔ای۔ٹی میں پڑھتی ہوں' آپ کو وہیں دیکھا تھا۔" اس نے تعارف کا پہلا سرا اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

"اچھا۔ اچھا۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟"

"بس لگن سچی تھی مل گیا۔" وہ فرینڈلی انداز سے بولی۔

"پھر بھی؟"

"آپ کے دوست ولید اور علی سے لیا ہے۔" وہ اس کے اصرار سے مجبور ہوگئی تھی۔

"کافی نیک کام انہوں نے کیا ہے۔"

"کیوں آپ کو برا لگا؟"

"لگنا بھی چاہیے۔" وہ لاپروا تھا۔

"میں آپ سے فرینڈشپ کرنا چاہتی ہوں۔" لڑکی خاصی عجلت پسند تھی حسن بے ساختہ مسکرایا۔

"میرے بارے میں جانے بغیر؟" وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" انیلا چونکی۔

"مطلب یہ کہ میرے بارے میں جاننے کے بعد آپ اپنا دوستی کے لیے بڑھایا جانے والا ہاتھ واپس کھینچ لیں گی۔" وہ دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی کیز پریس کرنے لگا تھا اور بائیں ہاتھ سے فون کال سن رہا تھا۔

"میں فیصلہ ایک بار کرتی ہوں اور ہمیشہ کے لیے کرتی ہوں ہاتھ پیچھے ہٹانا یا قدم پیچھے ہٹانا میرا شیوہ نہیں ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی' حسن واقعی متاثر ہوا تھا لڑکی خاصی دل کرنے والی تھی۔

"دیکھیے۔ مس انیلا! میں بہت اچھا انسان نہیں ہوں لیکن میں بہت برا انسان بھی نہیں ہوں' میں ہر اچھے انسان کے ساتھ اچھا اور ہر برے انسان کے ساتھ برا ہوں البتہ ہر چیز سے قطع نظر میں دوستوں کی بہت قدر کرتا ہوں' میرے دوست میرے لیے بہت اہم ہیں لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ ہنسی مذاق سے ہٹ کے میں اپنے دوستوں کی بہت عزت بھی کرتا ہوں اور میں اپنے ہر دوست کو بتاتا ہوں کہ زندگی میں میں ان کو پیار' عزت اور قدر کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتا اور نہ ہی وہ مجھ سے کچھ اور کی ڈیمانڈ کریں۔" حسن بات کرتے کرتے ذرا توقف کے لیے ٹھہرا۔

"یہ ساری بات آپ کو بتانے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اگر مجھ سے فرینڈشپ کرنے کے بعد عام لڑکے لڑکیوں کی طرح محبت و چاہت یا شادی وادی کی کوئی خواہش پالیں گی یا پھر مجھ سے ایسی کوئی امید رکھیں گی تو آپ کا یہ ارادہ سراسر بے کار ہوگا' میں نے اگر زندگی میں محبت کی بھی تو ان شاء اللہ اپنی بیوی سے ہی کروں گا' میری محبت کی حق دار وہی لڑکی ہوگی جو میری بیوی بن کر میری زندگی میں آئے گی البتہ میری تمام فی میل فرینڈز میرے لیے خاص اور بہت اہم ہیں ان کے لیے دل و جان سے حاضر ہوں' بس وہ دوستی کے بعد کسی اور جذبے کا تقاضا نہ کریں۔" وہ بات پہلے سے کلیئر کردینے کا عادی تھا اس نے آج تک کسی بھی لڑکی سے یہ بات کلیئر کیے بنا دوستی نہیں کی تھی وہ پہلے ہی روز سب کچھ ان پہ واضح کردیتا تھا جوجو وغیرہ کے ساتھ بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا اور اب انیلا کے ساتھ۔۔۔ وہ اس کی بات سننے کے بعد خاموش ہوچکی تھی وہ بھی اس کی خاموشی نوٹ کرچکا تھا۔

"فون آن رکھوں یا بند کردوں؟" حسن کا لہجہ سنجیدہ اور نپا تلا سا تھا۔ دوسری طرف سے گہری سانس لینے کی آواز سنائی دی تھی۔

"آن رکھیں۔ میں یہ فیصلہ کرچکی۔"

"گڈ! آپ نے میری بات کو بڑی جلدی سمجھ لیا ہے آئی لائیک اٹ۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"تھینکس! میں اگر بات سمجھ لیتی ہوں تو اپنی بات سمجھا بھی لیتی ہوں۔ بہرحال آپ سے بات کرکے اور آپ کے آورش جان کے بہت خوشی ہورہی ہے۔" وہ توصیفی کلمات ادا کرنے لگی۔

"مجھے بھی آپ سے بات کرکے بہت اچھا لگ رہا ہے۔" جواباً وہ بھی بول پڑا۔

* * *

"اوئے یار سن تو سہی۔" توصیف دور سے ہی کچھ ہائے وائے کرتا آرہا تھا۔

"ضیغم کے بچے بہرے ہوگئے ہو کیا؟" توصیف چبا کر بولا۔

"آہستہ بولو' میرے بچے ابھی سورہے ہیں اپنی بھونڈی آواز سے انہیں جگانے کی کوشش مت کرو' ورنہ اگر وہ جاگ گئے تو مصری کی مکھی کی طرح حشر اٹھادیں گے' نگل جائیں گے تم کو۔" ضیغم نے ڈرانے کے لیے کہا۔

"بھاڑ میں گئے تم اور تمہارے بچے' تمہیں تو کوئی بات بتانا ہی فضول ہے۔" توصیف ناگواری سے بولا۔

"ہاں بتا میری بجوڑی کیا بات ہے جو تیرے پیٹ میں ٹھہری نہیں رہی؟" ضیغم نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے گویا احسان کیا تھا۔

"اوئے منحوس تو مجھے ہی بجوڑی بنا بنا کے خوش ہوتا رہے گا اور ادھر وہ حسن صاحب ہر روز ایک نئی "بجوڑی" کے ساتھ موجیں اڑا رہے ہیں جانتے ہو نا موج کا مطلب؟" توصیف نے جل کر کہا تھا اور ایک چنگاری ضیغم کے سینے میں بھی بھڑکی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو' نئی بجوڑی؟" ضیغم کی آواز صدمے سے بند ہونے لگی تھی۔

"ہاں نئی بالکل نئی نکور۔" توصیف مسالا لگا کے بولا تھا۔

"تم نے کہاں دیکھی؟" ضیغم تو جیسے روہانسا ہورہا تھا۔

"یو ای ٹی میں۔" توصیف نے کندھے اچکائے ضیغم کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

http://pakurduplace.blogspot.com

"حسی وہ وہ بجوڑی وہ بھی یو ایف سی میں؟ لیکن یار اسے وہ ملی کہاں ہے؟ وہ تو ویک اینڈ پہ گھر گیا ہوا تھا؟" ضیغم نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ تو وہی بتا سکتا ہے کہ اسے نئی نکور بچی کہاں سے ملی؟" توصیف نے کندھے اچکائے۔

"ویسے یار اللہ بھلا کرے بہت کمال کی ہے وہ کیا حسن ہے انتہائی خوب صورت' پڑھی لکھی اور اسٹائلش "اف اسے دیکھ کر ہی میرا دل خوش ہو گیا اور وہ کمینہ اس کے قریب بیٹھ کر اس سے باتیں کر کے اسے دیکھ دیکھ کر سیراب ہو رہا ہو گا۔" توصیف کے منہ میں پانی آگیا اور رشک بھرے انداز سے آہ بھری تھی۔

"چلو ہم بھی چلتے ہیں۔" ضیغم اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں؟" توصیف نے حیرانی سے پوچھا۔

"یو ایف سی اور کہاں؟" ضیغم نے گھورا۔

"مگر کیوں؟"

"یہ دیکھنے کہ وہ اس معصوم لڑکی پہ کون کون سے جال پھینک رہا ہے؟"

"ہاہا' معصوم؟" توصیف قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"یار وہ لڑکی معصوم ہوتی تو تیرے پاس آتی' تجھے اپنا دوست بناتی اس کمینے کے پاس نہ جاتی۔" توصیف بے چارہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ضیغم نے گھور کے پوچھا۔

"یار میرا مطلب ہے کہ وہ لڑکی بڑی خرانٹ ہے اسی لیے تو اس نے حسی کا انتخاب کیا ہے' ورنہ ڈپارٹمنٹ میں تمہارے جیسے خوبرو نوجوان بھی تو موجود تھے۔" دھات تو نہیں البتہ لہجہ بدل گیا تھا۔

"ہاں یار یہ بھی سوچنے کی بات ہے اس لڑکی نے تمہارا اور میرا انتخاب کیوں نہیں کیا؟ شاید وہ تمہاری چاپلی کر دیکھ کر قریب نہ آئی ہو؟" ضیغم نے بھی باتوں باتوں میں حساب برابر کر لیا تھا۔

"اور تمہارے چہرے پہ تو وہ دور سے ہی کسی چڑیل کا عکس دیکھ کر چلی گئی ہوگی' میں ان شاء اللہ اگلی جمعرات کو تمہیں بنگالی عامل بابا کے پاس لے کر جانے والا ہوں وہ ہی تیرے اندر سمائی چڑیل کا خاتمہ کرے گا۔" توصیف نے پرعزم لہجے میں اطمینان سے کہا۔

"یار کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ تم دونوں اکیلے بیٹھے بھی جھگڑتے رہتے ہو؟" ولید اور عباس بھی وہیں چلے آئے تھے۔

"جھگڑ نہیں رہے اپنی اپنی قسمتوں پہ ماتم کر رہے ہیں یار ساڈی قسمت تے شروع توں ای ماڑی اے اللہ نے پوتے ماڑے نصیب لکھے نے ساڈے۔" علی غمگین لہجے میں بولتے ہوئے پنجابی دیہاتی عورتوں کی طرح سر پکڑے بیٹھا تھا۔

"ہاں یار تیرے نصیب تو واقعی بہت ماڑے (برے) ہیں اللہ نے خوب صورت' نوجوان گھبرو تو بنا دیا قد چھوٹا دے دیا اور اب وہی علی ہمارے درمیان چلتا پھرتا رہتا ہے اور اپنے نصیب کو روتا رہتا ہے' کیا ہوتا جو بے نصیبے کا قد تھوڑا اور بڑا ہو جاتا؟" ولید نے افسردگی کا اظہار کیا تھا اور علی کا دل چاہا اپنا صحت مند وجود لے کر ولید کے سینے پہ بیٹھ جائے اور اس کا دم نکال دے' آخر نازک سی تو جان تھی اس کی۔

"میرا صرف قد چھوٹا ہے نا اور تو تو ہے ہی چلتی پھرتی شاہدولے پیر دی چوہی۔" علی نے بھی ادھار رکھنا گوارا نہیں کیا تھا اور ولید شاہدولے پیر دی چوہی کہلائے جانے پہ بلبلا اٹھا تھا اس سے پہلے کہ وہاں کوئی جنگ وجدل کا سماں پیدا ہوتا وہاں جوجو چلی آئی۔

"حسی کہاں ہے؟" وہ سارے گروپ میں اسے نہ دیکھ کر تھوڑا متفکر ہوئی تھی۔

"یہ تو آپ کو پتا ہونا چاہیے۔" ضیغم تیزی سے بولا۔

"پتا تو ہے ویک اینڈ پہ گھر گیا ہوا تھا؟ میرا خیال تھا کہ آج آگیا ہو گا۔" جوجو بغیر نروس ہوئے بول رہی تھی۔

"آپ کا خیال درست ہے۔" ضیغم مسکرایا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"اچھا! وہ آیا کہاں ہے؟"

"جی ہاں آیا ہے آپ کا ہی پوچھ رہا تھا۔"

"تو پھر کہاں ہے وہ؟" جوجو کو بے چینی ہونے لگی۔

"یو ایف سی۔" حسن نے اطمینان سے جواب دیا۔

"او کے میں بھی وہیں چلتی ہوں۔" جوجو تیزی سے پلٹ گئی اور توصیف وغیرہ نے یکدم ضیغم کو دیکھا۔

"یہ تم نے کیا کیا ہے؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

"رنگ میں بھنگ ڈالا ہے۔" ضیغم شرارت سے مسکرایا۔

"رنگ میں بھنگ نہیں ڈالا بلکہ تم نے اپنی شامت بلوائی ہے اب جو وہ تمہارے رنگ میں بھنگ ڈالے گا نا؟ تم دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گے' اتنا سوچ لو ابھی سے۔" ولید نے اسے انفارم کیا تھا۔

* * *

رائنہ بہت ہی ریزرو قسم کی لڑکی تھی بہت زیادہ بولنا اور بے تکان بولنا اسے ہرگز پسند نہیں تھا نہ ہی اسے بات بات پہ ہنسنا اور قہقہے لگانا اچھا لگتا تھا اسے ہر اس چیز سے چڑ تھی جو آج کل کے ہر لڑکے لڑکی میں موجود تھی۔ فون پہ گھنٹہ بھر دوستوں سے باتیں کرنا' لڑکے لڑکیوں کی فرینڈ شپ' ایک دوسرے کو تحفے تحائف دینا' اور روشن خیالی کے نام پہ گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عیاشی اور موج مستی کرنا اسے سخت زہر لگتا تھا وہ اپنی اور اپنے ماں باپ کی عزت کی پاسداری کرنے اور اپنی حدود میں رہنے والی لڑکی تھی اور جیسی وہ خود تھی دوسروں کو بھی ویسا ہی دیکھنا چاہتی تھی۔

یونیورسٹی میں پہلے ہی روز اس کی دوست بننے والی جوجو اسے واقعی پسند تو تھی مگر جوجو کی کچھ باتیں اسے ناپسند بھی تھیں وہ چاہتی تھی کہ جوجو بھی اسی کی طرح رہنا سہنا سیکھ جائے۔ مگر جوجو من موجی لڑکی تھی وہ وہی کرتی تھی جو اس کے دل میں آتا تھا اس کے دل میں آیا رائنہ سے دوستی کرنے اس نے کرلی اس کے دل میں آیا حسی سے دوستی کرنے اس نے وہ بھی کرلی۔ بس بات یہ تھی کہ وہ اپنے دل کو انکار نہیں کر سکتی تھی۔ جو دل چاہتا وہ کرتی تھی لیکن رائنہ کے پاس دل کے نہیں دماغ کے فیصلے ہوا کرتے تھے اور آج کل اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ جوجو حسی سے دوستی ختم کر دے مگر وہ یہ بات جوجو سے کہہ نہیں پا رہی تھی۔ لیکن آج موقع مل ہی گیا تھا۔ رائنہ کی گاڑی سروس کے لیے گئی ہوئی تھی اس لیے اس نے جوجو سے کہہ دیا کہ مجھے پک کر لے' اور جوجو حکم بجا لائی تھی۔ ٹھیک آٹھ بجے وہ رائنہ کے گیٹ پہ ہارن دے رہی تھی۔

رائنہ پہلے سے تیار بیٹھی تھی فوراً باہر آگئی۔

"ماشاء اللہ آج تو بہت پیاری لگ رہی ہو کہاں کی تیاری ہے؟" رائنہ جوجو کو دیکھتے ہی پوچھ بیٹھی تھی۔

"آج بارہ اکتوبر ہے۔" جوجو ہلکے سے مسکرا کر بولی۔

"بارہ اکتوبر میں کیا خاص بات ہے؟" رائنہ کو بھلا کیا علم تھا۔

"بارہ اکتوبر میں ہی تو خاص بات ہے۔" جوجو کے چہرے پہ دلکشی تھی نرم گرم جذبات کی۔

"مجھے پتا کیسے چلے؟" وہ الجھن سے بولی۔

"آج حسی کا برتھ ڈے ہے۔" جوجو سرشاری سے بول رہی تھی۔

"اوہ۔" رائنہ نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"حسی بہت اچھا ہے رائنہ۔" جوجو اپنی دھن میں کہہ رہی تھی۔

"ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی جوجو' میری ایک بات مانو گی؟" رائنہ نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر جوجو کے چہرے پہ مرکوز کر دیں۔

"کیا بات؟" جوجو ونڈ اسکرین سے نظریں نہیں ہٹا سکتی تھی سامنے روڈ پہ اچھا خاصا رش تھا۔

"حسی سے دوستی ختم کر دو۔" رائنہ نے بڑی تیزی سے کہہ دیا اور جوجو یکدم نظر ہٹا کر اسے دیکھنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہوں' جوجو وہ اچھا نہیں ہے وہ

فلرٹی ہے وہ کبھی تم سے وفا نہیں کرے گا۔" رائنہ نے سمجھانے کے لیے کہا۔

"وہ اچھا نہیں ہے" اس نے مجھے بتایا تھا "وہ فلرٹی ہے" اس نے یہ بھی بتایا تھا "وہ کبھی مجھ سے وفا نہیں کرے گا" یہ بھی وہ بتاتا ہی رہتا ہے۔" جوجو لاپروائی سے بولی۔

"پھر... پھر تم نے اس سے دوستی کیوں کر رکھی ہے۔" رائنہ کو اچنبھا ہوا تھا۔

"وہ مجھے اچھا لگتا ہے اس لیے۔" جوجو بے انتہا لاپروا تھی۔

"ہر بری چیز تمہیں اچھی لگے گی تو تم اسے اپنا لوگی؟" وہ تعجب آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں اپنالوں گی کیونکہ وہ چیز کسی اور کو نہ سہی مجھے تو اچھی لگ رہی ہے نا؟" اس نے جواز پیش کیا۔

"یہ غلط ہے جوجو۔"

"اسی غلط میں میرے دل کی خوشی ہے رائنہ۔" جوجو اطمینان سے بولی۔

"[illegible] ایسا ہی سوچتا ہے؟"

"دوسرے کیا سوچتے ہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"اس سارے قصے کا انجام کیا ہوگا؟" رائنہ کا تعجب برقرار تھا۔

"انجام تو صرف اوپر والا ہی جانتا ہے۔"

"لیکن اوپر والا یہ تو نہیں کہتا کہ جانتے بوجھتے اور کھلی آنکھوں سے سب دیکھتے ہوئے کسی گڑھے میں گر جاؤ۔"

"پلیز یار رائنہ کیا فلسفہ لے کر بیٹھ گئی ہو چھوڑو صبح صبح کوئی اور بات کرو۔" جوجو کے دل و دماغ پہ حسی کی رعنائی کا سحر چھایا ہوا تھا ایسی باتیں بھلا کب اچھی لگ سکتی تھیں اسے ناگوار ہی گزر رہی تھیں۔

"یہ بات چھوڑنے والی نہیں ہے، بہت اہم ہے۔ تمہیں خود سوچنا چاہیے وہ لڑکا محض فلرٹ کر رہا ہے تمہیں ایسے دوست سے دور ہٹ جانا چاہیے کل کو تمہیں کوئی نقصان بھی ہو سکتا ہے۔" رائنہ انتہائی حد تک جا کر سوچ رہی تھی۔

"رائنہ حسی میرے ساتھ فلرٹ کر رہا ہے یا فراڈ میں اس... پہ دھیان نہیں دیتی میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ حسی میرا دوست ہے اور میرے لیے بہت اہم ہے میں اسے کسی بھی صورت نہیں چھوڑ سکتی، تمہاری یہ بحث لاحاصل ہے گوریاں۔ ایک بات اور حسی کردار کا برا نہیں ہے اپنے کردار کے لحاظ سے جتنی اچھی تم ہو اتنا ہی اچھا وہ بھی ہے وہ کبھی بھی لمٹ کراس نہیں کرتا۔" جوجو نے دو ٹوک کہتے ہوئے گفتگو سمیٹی تھی۔

"وہ لگتا ہے اپنے حوالے سے اس نے تم لوگوں کو اچھا خاصا ٹرینڈ کر رکھا ہے؟" رائنہ طنزیہ بولی۔

"ٹرینڈ کرتا ہوتا تو وہ صرف لڑکیوں کو کرتا بلکہ یہاں تو اس کے دوست (لڑکے) بھی اس کے گن گاتے ہیں تعریفیں کرتے ہیں اینڈ جسٹ فار یور کائنڈ انفارمیشن کہ آج تک اس نے خود سے کسی بھی لڑکی کی طرف قدم نہیں بڑھایا لڑکیاں خود ہی اسے متوجہ کرتی ہیں اور اس سے فرینڈ شپ کرنا چاہتی ہیں میں نے خود ہی پیش قدمی کی تھی وہ میرے پاس مجھے پھنسانے کے لیے نہیں آیا تھا۔ میں گئی تھی۔ میں خود۔" اس نے چبا چبا کر بتایا اور گیٹ کے باہر گاڑی پارک کر دی۔

جوجو کے اترنے سے پہلے ہی رائنہ اپنی سائیڈ کا ڈور کھول کر اتر گئی تھی جبکہ جوجو حسی کے لیے لایا جانے والا گفٹ اور پھولوں کا بکے اٹھا کر اندر آئی اور اے بلاک کی سمت بڑھ گئی۔

جہاں اس وقت حسی کی برتھ ڈے کی سیلیبریشن زوروں پہ تھی اس کے تمام دوستوں نے اچھی خاصی تیاری کر رکھی تھی اور وہ خود بھی بے حد وجیہہ اور ہینڈسم لگ رہا تھا بلیک جینز پہ بلیک ہاف سلیو شرٹ پہنی ہوئی تھی جس کے فرنٹ پہ بڑے بڑے حروف میں "ہیڈ بوائے" لکھا ہوا تھا آج بھی لڑکیوں کی نظریں بس اسی پہ مرکوز تھیں باوجود کوششوں کے نگاہ ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ "ہائے [illegible]" پنکی، آمنہ اور جوجو

وہ اس کے دائیں بائیں کھڑی تھیں۔ کبھی اس کے گلے میں [illegible] گلکنس بھی لائی تھیں۔ ضیغم، عباس اور آصف وغیرہ نے سیلیبریشن کے سارے انتظامات اور سارے اخراجات خود کیے تھے یہاں تک کہ وہ لوگ الگ الگ کیک بھی لے کر آئے تھے ٹیبل پہ مختلف سائز کے تقریباً" چھ کیک سجے ہوئے تھے سیلیبریشن کا انتظام کینٹین میں کیا گیا تھا البتہ لنچ کا پروگرام UFC میں رکھا گیا تھا۔

UFC یونیورسٹی آف گجرات سے ملحقہ انتہائی خوبصورت، پرسکون اور صاف ستھرے ماحول کا ایک فاسٹ فوڈ کارنر تھا جہاں روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں اسٹوڈنٹس پیٹ پوجا کرنے اور ٹائم پاس کرنے کی غرض سے آتے تھے اس کے علاوہ اکثر اسٹوڈنٹ وہاں برتھ ڈے یا کوئی تہوار سیلیبریٹ کر رہے ہوتے تھے کوئی اپنی انگیجمنٹ کا اور کوئی تعلیم میں کامیابی کا جشن منا رہا ہوتا تھا۔

اور آج بھی یہی حال تھا اس کے دوستوں کا پورا [illegible] منانے کا ارادہ تھا انہوں نے تو دھم مچا رکھا تھا [illegible] ڈیپارٹمنٹ [illegible] مختلف ڈیپارٹمنٹس کے اسٹوڈنٹس بھی آتے جاتے اسے وش کر رہے تھے اس کے دوستوں نے ڈھنڈورا پیٹ کے رکھ دیا تھا حالانکہ وہ روک بھی رہا تھا مگر پروا بھلا کسے تھی؟ وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو کے ہلا گلا انجوائے کرنے لگا۔ ان کی شرارتیں عروج پہ تھیں۔

* * *

"کہاں ہو؟" اس نے ضیغم کو میسج سینڈ کیا۔

"بلاک کی بیک سائیڈ پہ۔" چند سیکنڈ بعد ریپلائے بھی آگیا۔

"کیا کر رہا ہے؟" اس نے دوسرا میسج کیا۔

"کیا کر سکتا ہوں بھلا؟" دوسرا ریپلائے بھی فوراً آیا۔

"کرنے کو تو تم کچھ بھی کر سکتے ہو میرے یار یہ بتا ساتھ کون ہے؟" حسی نے شرارت بھرا میسج لکھا اور ساتھ ہی ایک سمائل کا آئی کون بھی ایڈ کر دیا۔

"تمہاری بھابھی۔" ضیغم نے دو آئی کون ایڈ کر کے بھیجے تھے آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے۔

"کون سے نمبر والی؟" حسن کا میسج فوراً پہنچا۔

"دوسرے نمبر والی یعنی سونیا۔" ضیغم کا میسج پڑھ کر حسی کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی سونیا بہت ہی خوبصورت اور ناز نخروں والی لڑکی تھی اس کی یہ بری عادت تھی کہ وہ شکی بہت تھی۔

شروع شروع میں جب وہ اسلام آباد یونیورسٹی سے مائیگریٹ ہو کر گجرات آئی تو ضیغم اسے دیکھتے ہی فدا ہو گیا تھا وہ اتنے دن اس سے بات کرنے کے لیے آہیں بھرتا اور ترستا رہا تھا جب اس کی حسرت اس کا شوق دیکھتے ہوئے تمام دوستوں نے ایسی ایسی ترکیبیں لڑائیں کہ سونیا خود بہ خود ضیغم کی طرف مائل ہو گئی لیکن اس نے یہ شک ہمیشہ ساتھ رکھا کہ ضیغم کی پہلے بھی لڑکیوں کے ساتھ فرینڈ شپ رہ چکی ہے حالانکہ ضیغم نے ہزار صفائیاں دی تھیں اور ہزار انکار کیے تھے اب بھی اگر وہ کسی لڑکی کے ساتھ ہوتا تو سونیا اسے گھور کر دیکھتی اور موڈ آف ہو جاتا لیکن آج کہاں پہنچا جب حسی نے حملہ کر دیا تھا۔ حسی نے سونیا کے نمبر پہ بس ایک ہی میسج لکھا تھا کہ۔

"ڈیئر سونیا میٹھی میٹھی باتیں کرنے سے پہلے ضیغم کا موبائل چیک کرو اس کے موبائل کے ان باکس اور آؤٹ باکس میں موجود تمام میسجز پڑھو۔" بس اتنی سی بات تھی آگ بھڑکی اور ضیغم کا تنکا تنکا (لفظ لفظ) جمع کر کے بنایا جانے والا آشیانہ جل کر راکھ ہو گیا۔ سونیا نے جب ضیغم کے آؤٹ باکس کے میسج میں "دوسرے نمبر والی" پڑھا تو وہ کٹ کھانے کو دوڑی تھی اس کا غیض و غضب سے برا حال تھا اس کے بس میں ہوتا تو وہ خونخوار جنگلی بلیوں کی طرح اس پہ جھپٹ پڑتی لیکن وہ اتنے زیادہ لوگوں میں تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی سو ضیغم کا موبائل زمین پہ دے مارا اور وہاں سے چلتی بنی۔ ضیغم کو کچھ پتا نہیں تھا کہ آخر

ایسا کیوں ہوا ہے؟" لیکن جب اس نے مسکراہٹ روکتے حسی کو دیکھا تو سب سمجھ میں آگیا تھا۔

"ذلیل' کمینے' خبیث تم نے ایسا کیوں کیا؟" ضیغم مٹھیاں بھینچ کر چلایا۔

"رنگ میں بھنگ ڈالا ہے' بس اور تو کچھ نہیں کیا۔" حسی نے بے نیازی سے کہہ کر کندھے اچکائے اور ضیغم اس کے ڈائیلاگ سے جان گیا کہ اس نے اس روز والا بدلہ لیا ہے حالانکہ ضیغم کو توصیف وغیرہ نے ایسا کرنے سے منع بھی کیا تھا۔ اب وہ آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا۔

"اب بس کر یار یہ مگرمچھ کے آنسو بند کر دے تجھے پتا تو تھا کہ حسی سے پنگا لینا آسان نہیں ہے۔" اس نے ضیغم کا کندھا تھپکا اتنے میں باقی بھی جمع ہو گئے اور جس جس کو ضیغم کی آپ بیتی کا پتا چلا وہ ہنسی اور شرارت کے بل پہ ہنستے چلے گئے تھے!

"یار بے فکر میں نے مذاق کیا تھا لیکن اسے جو وہ ایسا چھوڑ کر تو نہیں گئی تھی نا؟ اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ بلبلا رہا تھا حسی شریر ہوا۔

"یہی ساری بات ہے پیارے' میری فرینڈز کو دیکھ اس لیے مجھے چھوڑ کر نہیں جاتیں' اور رہی بات تمہاری تو مجھے تو یہی لگتا ہے کہ تمہاری فرینڈز کو تم سے پیار نہیں ہے اسی لیے چھوڑ کر چلی جاتی ہیں ورنہ اور کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"ایسی کی تیسی تیرے پیار کی' تم نے میری سونیا بھگائی ہے میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" ضیغم بالآخر اس پہ جھپٹ پڑا اور حسی یکدم اس کے شکنجے سے بچتے ہوئے بھاگ نکلا تھا اور یونہی بھاگتے ہوئے وہ سیڑھیوں تک پہنچ گئے تھے حسی نے ذرا مڑ کر اپنے پیچھے آتے ضیغم کو دیکھا اور نظر چوک گئی اگلے ہی پل ایک دہلا دینے والی زوردار چیخ فضا میں گونجی تھی اور وہ سامنے سے آنے والے اندھا دھند بھاگتے لڑکے سے ٹکرا کر سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی تھی اور اس لڑکی کو اس بری طرح گرتے دیکھ کر حسی اور ضیغم خود بھی گھبرا گئے تھے دونوں لپک کر اس کے پاس پہنچے تھے۔

حسی نے فوراً" بازو کا سہارا دے کر اسے سیدھا کیا تھا اور اس کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک گیا' وہ رائنہ تھی جوجو کی فرینڈ۔ اس کے سر میں زیادہ گہری چوٹ آئی تھی اسی لیے خون بہہ رہا تھا۔

"ولید تم گاڑی نکالو۔" حسن نے عجلت میں سامنے کھڑے ولید کو حکم سنایا۔

"تم جوجو کا پتا کرو کہ اسے بھی ساتھ لے آؤ۔" اس نے ضیغم کو کہا۔

"توصیف جلدی سے اس لڑکی کی ساری بکھری چیزیں اکٹھی کرو اور گاڑی میں آجاؤ۔" اس نے رائنہ کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور ایمرجنسی میں لے کر عزیز بھٹی ہسپتال آگئے' ان کے پیچھے جوجو اور باقی اسٹوڈنٹس بھی آگئے تھے۔ گورنمنٹ ہسپتال تھا اس لیے شک و شبہات کی بنا پر پوچھ گچھ شروع ہو گئی کہ کہیں یہ پولیس کیس نہ ہو۔ لہٰذا حسن نے اپنے ٹیچر سر خٹک کو کال کی اور ان کی کوشش اور سفارش پہ رائنہ کو ایڈمٹ کر لیا گیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد تھوڑا رش کم ہوا تو ڈاکٹرز بھی آگئے انہوں نے چند میڈیسن لکھ کر دی تھیں جو اسٹور سے لے کر آنی تھیں اس لیے حسن یہ کام کسی کو بھی دیے بغیر خود ہی گاڑی لے کر میڈیکل اسٹور چلا گیا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ واپس آیا تو رائنہ کہیں بھی نہیں تھی۔

"کہاں ہے وہ؟" حسی کو پریشانی لاحق ہوئی۔

"اس کے گھر والے آئے تھے اسے یہاں سے ڈسچارج کروا کے کسی اور ہسپتال لے گئے ہیں' گورنمنٹ ہسپتال ان کے معیار کا نہیں تھا۔" ولید نے سنجیدگی سے بتایا۔

"حالانکہ وہ بھول رہے ہیں کہ ایسے ایمرجنسی کیس پرائیویٹ ہسپتالوں میں کم ہی ہینڈل کرتے ہیں ہر کوئی ایسے کیس کو گورنمنٹ ہسپتال بھیجتا ہے۔ اینی وے ان کی اپنی مرضی جو بھی چاہیں کریں' ہمارا کام تھا فرض پورا کرنا' سو ہم نے کر دیا۔" عباس نے لاپروائی سے کندھے جھٹکے لیکن حسی ہاتھ میں پکڑی بالیوں کو دیکھ رہا تھا جو اب غیر ضروری تھا۔

* * *

وہ تقریباً" پانچ روز بعد یونیورسٹی آئی تو اس پہ پہلی نظر اسی کی پڑی تھی وہ بے اختیار اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور ساری باتیں ترک کر کے اس کے قریب چلا آیا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" وہ اپنی وجہ سے کسی کو ملنے والی کسی تکلیف پہ شرمندہ تھا۔ رائنہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

"تم؟" وہ چبا کر بولی۔

"ایم سوری مس رائنہ' میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔ ہم لوگ آپ کی عیادت کے لیے ہسپتال آنا چاہتے تھے لیکن پھر یہ سوچ کر رک گئے کہ شاید آپ کے گھر والوں کو برا لگے' اینی وے آپ یہ بتائیں اب طبیعت کیسی ہے؟" حسی انتہائی شائستگی سے بول رہا تھا بہت ہی مہذب انداز میں اس کا حال چال پوچھ رہا تھا۔ کچھ دور بیٹھے اس کے دوست بھی اسے یہاں کھڑے دیکھ رہے تھے۔

"میرا راستہ چھوڑو۔" رائنہ کا لہجہ سخت تھا۔

"میں نے آپ کی طبیعت پوچھی ہے' راستہ نہیں روکا۔"

"میری طبیعت سے تمہیں کیا مطلب؟" وہ بھی بلا کی ہٹیلی اور بدگمان لڑکی تھی۔

"آپ کی طبیعت سے مجھے یہ مطلب ہے کہ آپ کی طبیعت میری وجہ سے خراب ہوئی ہے۔"

"ہونہہ بڑا احساس ہے آپ کو؟" وہ پھنکاری۔

"بس جی اپنا تو دل ہی ایسا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بات کرتے کرتے بھی اپنی شرارتی فطرت سے باز نہیں آیا تھا لیکن رائنہ پھٹ پڑی تھی۔

"شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ' میں اچھی طرح جانتی ہوں لڑکیوں کو پھانسنے کے بہانے ہیں یہ سب پہلے ان سے ٹکراتے ہو' پھر عیادت کرتے ہو' پھر ان سے سوری بولتے ہو صرف اور صرف اس لیے کہ بات آگے بڑھانے کا موقع مل سکے' اگر یہی کچھ کرنا ہوتا ہے تو سیدھے سیدھے لڑکیوں کو آفر کر دیا کرو' ان ڈائریکٹ بات کرنے کا کیا فائدہ؟ جو کچھ چاہتے ہو ڈائریکٹ بول دیا کرو۔" وہ انتہائی تلخی اور اہانت آمیز لہجے میں بول رہی تھی۔

"مس رائنہ حیدر مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کو پھانسنے کا اور نہ ہی آپ سے روابط بڑھانے کا' میرے سامنے آپ جیسی ہزاروں قطار باندھے کھڑی ہوتی ہیں اور میری ایک نظر کے لیے بھی ترستی ہیں' اگر آپ نہ ہوئیں تو کیا ہو گا' میرے چاہنے والوں میں کمی نہیں آجائے گی لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اگر میں واقعی آپ کو پھانسنے کی کوشش کرتا تو یقیناً" پھانس بھی لیتا' بس بات یہ ہے کہ میں نے کوشش ہی نہیں کی ورنہ آپ تو۔"

اس نے رائنہ کی ہمیشہ کی تحقیر آمیز نظروں اور باتوں کا حساب پل میں برابر کر دیا تھا وہ تو جیسے پاگل ہو اٹھی تھی۔

"ذلیل' کمینے' آوارہ' تم اور کر بھی کیا سکتے ہو؟ جیسے بدکردار خود ہو ویسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتے ہو۔ میں تم سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں' مجھے اس راستے سے جانا بھی ناگوار گزرتا ہے جس راستے سے تم گزر جاتے ہو' وہ گری پڑی لڑکیاں اور ہوں گی جو تمہاری باتوں اور تمہارے جال میں آجاتی ہیں' ہزاروں لڑکیوں کے ساتھ چکر چلاتے ہو ان کے جسموں کے ساتھ کھیلتے ہو تمہیں گھن نہیں آتی اپنے آپ سے؟" وہ چیخ چیخ کر بول رہی تھی اور حسی کے دوستوں کے ساتھ ساتھ اور بھی اسٹوڈنٹس جمع ہو گئے تھے حسی کا چہرا غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہو گیا تھا۔

"دیکھیے مس رائنہ آپ اس طرح سب کے سامنے انسلٹ کر رہی ہیں آپ کو کم از کم۔۔۔" توصیف یکدم آگے بڑھا اپنے دوست کی اتنی ہتک اور انسلٹ ان میں سے کسی کو بھی گوارا نہیں تھی۔

"توصیف رہنے دو بولنے دو ان کو جو بھی بولنا چاہتی

ہیں۔" حسی نے ہاتھ اٹھا کر توصیف کو خاموش کروایا۔

"ہونہہ تمہاری کوئی عزت ہوگی تو تمہیں انسلٹ کا احساس ہوگا نا؟ جس کی کوئی عزت ہی نہیں ہے اسے بے عزتی کی بھلا کیا خبر؟"

رائنہ کا آخری وار بڑا کاری تھا۔ حسی نے یکدم جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا آنکھوں میں برف اتر آئی تھی اتنی سرد نظروں سے دیکھا کہ رائنہ کی ریڑھ کی ہڈی جیسے کڑکڑا کے رہ گئی وہ چند قدموں کا فاصلہ قدموں سے سمیٹ کر رائنہ کے بے حد قریب آکھڑا ہوا تھا اک مجمع کی صورت کھڑے اسٹوڈنٹس ٹھٹک گئے کہ وہ کیا کرنے والا ہے؟

"رائنہ حیدر' میں عورت کی بہت عزت کرتا ہوں۔ لیکن جو عورت عزت کرنا نہیں جانتی وہ عزت کروانے کی حق دار بھی نہیں ہے تم نے جو کرنا تھا کرلیا اب میرا انتظار کرو کہ میں کیا کرتا ہوں؟ میں بھی اپنا بدلہ نہیں چھوڑتا اس لیے آج کے بعد ہمیشہ یاد رکھنا کہ حسن علی کا تمہاری طرف کافی حساب کتاب نکلتا ہے میں جب چاہوں حساب برابر کرلوں گا۔ بس تم ویٹ کرو' اللہ حافظ۔" وہ سرگوشی نما آواز میں بولتا رائنہ کی بولتی بند کر گیا تھا اور باقی سب کھڑے دیکھتے رہ گئے تھے۔

* * *

"مبارک ہو رائنہ اریب کو جاب مل گئی ہے۔" وہ گھر میں داخل ہوئی تو ماما اسے گڈ نیوز دینے کے لیے پہلے سے تیار بیٹھی تھیں۔

"جی؟" رائنہ خوشی سے اچھل پڑی تھی۔ آج یونیورسٹی میں کوئی فنکشن تھا اس لیے وہ لیٹ گھر آئی تھی اور اریب اس کا انتظار کر کرکے اپنے بیڈروم میں چلا گیا تھا۔

"جی۔" ماما نے چہک کر کہا۔

"جاب کہاں ملی؟" اسے تجسس ہوا۔

"بینک میں ایک انتہائی اچھی پوسٹ پر۔" ماما کا لہجہ بتارہا تھا کہ اس نیوز پہ صرف ماما ہی نہیں تمام گھر والے خوش تھے۔

"واؤ۔ مبارک ہو پھر تو۔" رائنہ نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"اریب بھائی کہاں ہیں؟" اس نے آگے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے بیڈروم میں۔"

"میں دیکھتی ہوں ان کو کہاں چھپ کر بیٹھ گئے ہیں؟ نہ کوئی ٹریٹ نہ کوئی مٹھائی؟" وہ اپنا بیگ لاؤنج میں صوفے پہ ڈال کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔ ان تینوں بہن بھائیوں کے بیڈروم اوپر ہی تھے۔ البتہ ماما اور پاپا کے بیڈروم نیچے ہی تھے۔ اس نے اریب بھائی کے بیڈروم کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دروازے پہ دستک دی تھی انہوں نے چند سیکنڈ کے توقف سے دروازہ کھولا ہی تھا کہ رائنہ بلند آواز سے چہکی۔

"مبارک ہو' میری ٹریٹ کہاں ہے؟" اتنی جلد بازی پہ اریب پہلے تو حیران ہوا پھر یکدم ہنس پڑا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آیا تھا۔

"پہلے آؤ بیٹھو' آرام سے بات کرو اور پھر ٹریٹ کا مطالبہ کرو۔" اریب نے اسے لا کر اپنے بیڈ پہ بٹھا دیا تھا۔

"میں صرف مطالبہ ہی نہیں کروں گی بلکہ مطالبہ منواؤں گی بھی۔" اس نے پرزور لہجے میں کہا۔

"ارے یار منوالو تو سہی کچھ جتن تو کرو۔" اریب اسے چھیڑ رہا تھا۔

"واٹ؟ میں اپنے بھائی سے ٹریٹ لینے کے لیے جتن کروں؟ یعنی خوشامد کروں آپ کی؟" رائنہ یکدم چیخی تھی اور اریب قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"او کے بابا نہ کرو۔ لیکن یہ تو بتادو کیسی ٹریٹ لوگی؟" اریب نے ہتھیار ڈال دیے۔

"کیسی ٹریٹ؟ ہوں... یہ تو سوچنا پڑے گا۔" وہ پرسوچ انداز میں بولی اور پھر کوئی خیال آتے ہی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"سلور اسپون سے لنچ اور علینا سینٹر سے شاپنگ' بس اتنی سی ٹریٹ لوں گی۔" اس نے بڑی آسانی سے کندھے اچکا دیے۔

"اوہ؟ یہ سب اتنی سی ہے؟ علینا سینٹر سے شاپنگ؟ وہاں چیزوں کے پرائز پانچ ہزار سے شروع ہوتے ہیں؟ اف میری جیب ابھی اتنی بھاری نہیں ہے۔" اریب نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"او کے ہم علینا سینٹر نہیں جاتے۔ نہیں' چلے جاتے ہیں۔" رائنہ کی لاپروائی ہنوز تھی۔

"یعنی جنگل آگے اور کھائی پیچھے؟" اریب نے سر تھام لیا تھا رائنہ اپنی مسکراہٹ روکنے لگی۔

"مان لیں اریب بھائی ایک تو ماننا ہی پڑے گا ورنہ کوئی تیسرا شاپنگ پلان نکل آئے گا۔" ماما مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی وہ ان کی گفتگو سن چکی تھی۔

"ہاں یار تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" اریب نے اثبات میں سر ہلایا اور رائنہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"تو پھر کل لنچ کا پروگرام پکا؟" اس نے تصدیق چاہی۔

"پکا۔" اریب نے مان لیا تھا اور پھر دونوں بہن بھائی ہنس پڑے تھے ان تینوں بہن بھائیوں میں بہت محبت تھی۔

* * *

اس نے سکس سمسٹر میں پورے ڈیپارٹمنٹ میں ٹاپ کیا تھا اور یہ خوشی اس کے لیے اس کے گھر والوں کے لیے اور اس کے دوستوں کے لیے کچھ کم نہیں تھی اس بار ایگزامز کے دوران اس نے واقعی ٹاپ کرنے کا عزم کیا تھا اور یہ کر بھی لیا تھا اور وہ لوگ یہی خوشی سیلیبریٹ کررہے تھے اس کے دوستوں نے اس سے ٹریٹ مانگی تھی اور وہ اتنی بڑی خوشی ملنے پر ان کو انکار نہیں کرسکا تھا جوجو اور انیلا وغیرہ نے بھی زور دیا تھا انیلا کو UFC میں اور جوجو کو کنارا پہ ٹریٹ دے کر وہ فارغ ہوچکا تھا' رہی آمنہ تو وہ تو تھی ہی درویش' حسی اسے ٹریٹ نہ بھی دیتا تو گزارا ہو ہی جاتا۔ اس نے کون سا لڑائی جھگڑا کرنا تھا پھر اس سے فارغ ہونا تھا البتہ سب سے بڑی اور مشکل آسامی اس کے دوست ابھی رہ گئے تھے جن کو بھگتانا باقی تھا روز روز کی یاد دہانی اور طعنوں سے تنگ آکر اس نے انہیں انوائیٹ کر ہی لیا تھا۔ اور اس وقت وہ اپنی کمینگی کے عروج پہ تھے انہوں نے ہوٹل میں بھی اودھم مچا رکھا تھا۔

"یار حسی مجھے یہ بتا تو اتنی لڑکیوں کے ساتھ بزی رہ کر تھکتا نہیں ہے؟" توصیف معنی خیزی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے بول رہا تھا۔

"حسن وہ بھی صنف نازک کا' تھکن اتارتا ہے' تھکاتا نہیں۔" یہ جواب عباس کی طرف سے آیا تھا جو خود بھی بے حد خوب صورت تھا اور ابھی تک ایک دو جگہ پہ ماڈلنگ بھی کرچکا تھا وہ کشمیری فیملی سے تھا اس لیے خوب صورتی اسے ورثے میں ملی تھی۔

"لیکن یار تم میں تو بہت اسٹیمنا ہے' کبھی کسی کے ساتھ' کبھی کسی کے ساتھ اف ایک بار جوجو کے ساتھ ڈیٹ پہ جارہے ہو' دوسری بار انیلا کے ساتھ' تیسری بار عروش کے ساتھ کیسے ہینڈل کرلیتے ہو سب کو؟ وہ بھی ایک ہی دن میں؟" توصیف کا سوال اور حیرانی ہنوز اپنی جگہ قائم تھی۔

"اور ان تمام فرینڈز کے ہوتے ہوئے ایگزامز میں ٹاپ بھی کرلیتے ہو' واؤ امیزنگ۔" "ہمیں بھی کچھ سیکرٹ بتاؤ۔" وہ واقعی حیران ہورہے تھے۔

"دیکھیں جی ساری بات ہے پیار کی۔ میرا مطلب ہے کہ ساری بات ہے محنت کی' لگن کی اور توجہ کی۔ میں ہمیشہ ہر کام محنت' لگن اور توجہ سے کرتا ہوں اس لیے میرے ہر کام کا رزلٹ بھی اچھا ہی آتا ہے۔"

"واہ کیا بات ہے' لیکن ہمیں یہ تو بتادو کہ لڑکیوں پہ کیا محنت کرتے ہو؟" ضیغم بے تاب ہو رہا تھا۔

"ہاسٹل میں میرے کمرے میں آنا پھر فرصت سے بیٹھ کر بتاؤں گا۔" اس کا انداز بھی شرارتی تھا۔

"ٹھیک ہے آجاؤں گا' لڑکیوں کو پٹانے کا فارمولا لینے کے لیے تو میں کہیں بھی جاسکتا ہوں۔" ضیغم آنکھ دبا کر بولا۔

"تو پھر آج ہی سینٹرل جیل چلے جاؤ وہاں ایسے بہت سے ہوں گے جو لڑکیوں کو پٹانے کے چکر میں خوب ٹ

کر آگئے ہوں گے۔ تمہیں ان سے فارمولے مل جائیں گے۔" توصیف نے تسنیم کو جھاڑ دیا تھا۔

"مجھے کسی اور کے نہیں بس اپنے حسی شہزادے کے فارمولے چاہئیں ایکدم کامیاب۔ تم نے عروش نہیں دیکھی، قسم سے یار کیا چیز ہے بالکل نئے 'زیرو میٹر' چمکتی دمکتی۔" تسنیم نے حسی کی نئی دوست کی ایسے تعریف کی جیسے وہ لڑکی نہیں شوروم میں رکھی کوئی لیٹسٹ ماڈل کی گاڑی ہو۔

"تیری سیٹنگ کروادوں عروش کے ساتھ؟" حسی نے حاتم طائی کی قبر پہ لات ماری۔

"ہیں؟ سچ؟ اللہ تجھے ہر شال ہوے رنگ لائے، تجھے سات سات پتر دیوے، تجھے خوش رکھے۔ میں موی گیاتے میری قبر وی تینوں دعاواں دیوے گی۔" تسنیم خوشی سے بزرگ بنا دعائیں دے رہا تھا اور یونہی چھیڑ چھاڑ کے دوران حسی کی نظر اس پہ پڑی دائیں طرف والی ٹیبل پہ۔ رائنہ حیدر بیٹھی ہوئی تھی۔ ساتھ ایک لڑکی اور ایک لڑکا بھی بیٹھے ہوئے تھے لگتا تھا وہ آپس میں بہن بھائی لگتے ہیں کیونکہ نین نقوش سے اچھی خاصی شباہت محسوس ہو رہی تھی۔ رائنہ حیدر کو دیکھ کر حسی کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے اس کے چہرے پہ تناؤ پھیل گیا تھا لب بھینچ لیے تھے۔

وہ جب جب رائنہ کو دیکھتا تھا اسے اپنی تذلیل اور ہتک یاد آجاتی تھی اسے یاد تھا کہ اس نے رائنہ کا دیا ہوا قرض سود سمیت واپس بھی لوٹانا ہے۔ البتہ کب لوٹانا ہے یہ ابھی فیصلہ نہیں کیا تھا کیونکہ وہ عام فلمی اور افسانوی ہیروز کی طرح ہیروئن سے انسلٹ کروانے اور اس سے تھپڑ کھانے کے بعد ہیروئن کو اغوا کروا کے کسی خفیہ جگہ پہ نہیں رکھ سکتا تھا اور نہ ہی وہ ہیروئن کی عزت پہ ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ نہ ہی اسے بدنام اور رسوا کر سکتا تھا کیونکہ اسے خود ہی یہ کام انتہائی چیپ لگتے تھے۔ وہ اگر کچھ کرنا چاہتا تھا تو بھی اپنے معیار کا! کچھ اس طریقے سے کہ رائنہ حیدر اس پہ لگائے جانے والے الزامات کے بدلے تھوڑا سبق سیکھ لیتی۔ وہ اسے صرف اتنا بتانا چاہتا تھا کہ وہ کریکٹر لیس ہے یا نہیں۔!

"حسی کیا دیکھ رہے ہو۔" ولید نے اسے متوجہ کیا۔

"ہوں؟ کچھ نہیں؟"

"رائنہ حیدر کو دیکھ رہے تھے؟" ولید استفہامیہ دیکھنے لگا۔ رائنہ وغیرہ وہاں سے اٹھ کر جاچکے تھے۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے لگتا ہے وہ ہماری باتیں سن چکی ہے۔" علی کو فکر ہوئی۔

"سو واٹ؟" حسی نے سر جھٹکا۔

"خیر چھوڑو اس قصے کو اب ایسا کرو کہ دھماکہ فش آرڈر کرو۔" علی نے بات ہی ختم کردی۔

"ہاں جلدی سے آرڈر کرو علی کی توند خالی پڑی ہے پہلے جو کچھ کھایا ہے وہ کب کا ہضم ہو چکا ہے۔" توصیف نے وہاں سے ہی نان سیریس ٹریک اپنا لیا تھا حسی زیادہ دیر تھوڑی دیر پہلے والے تھے اور ضبط میں نہیں رہ سکا تھا اسے بھی دوستوں کے ساتھ شریک ہونا پڑا۔

* * *

زندگی کا شجر ہرے بھرے پتوں سے لدا ہوا تھا وقت کی رو گزری، رنگین بہاریں اور زرد خزائیں آئی تھیں اور گزر گئی تھیں، ماہ و سال کی تیز دھوپ ہرے بھرے پتوں کو جھلسا کر بے جان کرتی رہی اور زندگی کے شجر سے ہر سال ایک پتا کم ہوتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔

چار سال کیسے گزر گئے پتا ہی نہ چلا۔ وہ جب یونیورسٹی آئے ان کے پاس جوش تھا، اشتیاق تھا، تجسس تھا۔ کچھ دیکھنے کا، کچھ کرنے کا اور کچھ پانے کا۔ اور جب چار سال بعد وہ یونیورسٹی سے نکلے ان کے پاس ایک دوسرے سے دوستی تھی، چار سال کی ہنستی مسکراتی شوخ یادیں تھیں اور ہاتھوں میں کامیابی کی ڈگریاں تھیں۔ یونیورسٹی آف گجرات کا ایک یادگار گروپ چھ لڑکوں پہ مشتمل تھا جو نہ تو اس یونیورسٹی کو بھول سکتے تھے اور نہ ہی یونیورسٹی ان کو بھول سکتی تھی انہوں نے صرف ہنسی مذاق اور شرارتوں میں ہی نہیں بلکہ تعلیمی میدان میں بھی ریکارڈ قائم کیے تھے۔ اکثر لوگ ان کو ہر فن مولا کہتے تھے کیونکہ ان کی شرارتوں سے ٹیچرز بھی محفوظ نہیں رہ سکے تھے ایک دو ناپسندیدہ ٹیچرز کو تو انہوں نے بین بھی لگوا دیا تھا کیونکہ جو ٹیچر ان کو پسند نہیں تھا اس سے لیکچر لینا اور پڑھنا بھی انہیں منظور نہیں تھا کسی ٹیچر پہ بین لگوا کر اس سے ٹکر لینا بھی صرف انہی کی جرأت تھی ورنہ کوئی اور ایسا ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ اور جب وہ یونیورسٹی سے نکلے تو ان ناپسندیدہ ٹیچرز نے بھی ان کو خوب مس کیا تھا اور مس تو وہ ایک دوسرے کو بھی کر رہے تھے کیونکہ اب ان کے راستے بھی الگ الگ تھے اور منزلیں بھی۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا وہ لوگ ترقی اور کامیابی کی منازل طے کرتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے تھے اب بس اتنا تھا کہ وہ لوگ دور دور رہ کر بھی قریب تھے اک دوسرے سے رابطے میں رہتے تھے۔

حسی یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی ہائر اسٹڈی کے لیے انگلینڈ چلا گیا تھا۔ لیکن وہاں جا کر اپنی اسٹڈی اور جاب میں بزی رہنے کے باوجود وہ اپنے دوستوں کو نہیں بھولا تھا وٹس ایپ، فیس بک۔ ان سب سے باری باری اپ ڈیٹ ہوتی رہتی تھی اسی لیے ان کی دوستی تازہ دم اور ہشاش بشاش تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ خود بھی ہشاش بشاش تھے۔ ایک دم فریش اور ایکٹو۔

* * *

"پاکستان آنے کا کوئی ارادہ بھی ہے یا نہیں؟" مما آج کچھ خفا ہو رہی تھیں۔

"بالکل ارادہ بھی ہے اور نیت بھی۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"تو پھر کب آرہے ہو؟"

"بس سب کچھ سمیٹتے ہوئے دو تین ماہ لگ جائیں گے۔"

"کیا دو تین ماہ؟" وہ حیران ہو گئیں۔

"ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ مما! ایک جگہ سے ہر چیز ختم کر کے چل دینا اتنا آسان کام نہیں ہے۔" وہ انہیں سمجھا رہا تھا۔

"لیکن تمہیں یہ سارے کام دو تین ماہ میں نہیں بلکہ صرف ایک ماہ میں سمیٹنا ہوں گے۔" ان کا لہجہ دو ٹوک اور مضبوط تھا۔

"لیکن کیوں؟ ایسی کون سی آفت آگئی ہے؟"

"بدتمیز! آفت نہیں تمہارے بھائی کی شادی آگئی ہے۔ نومبر کی نو تاریخ فکس ہوئی ہے۔" انہوں نے اسے سرزنش کی۔

"کیا؟ ڈیٹ فکس ہوگئی ہے؟ اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"آج ہی فکس ہوئی ہے پاگل۔"

"اوہ اچھا۔"

"لیکن آپ لوگوں نے مجھے میری ہونے والی بھابھی کی تصویر نہیں دکھائی؟"

"میری جان یہ کام تمہارے چاند بھائی کا تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ تمہیں اپنی ہونے والی بیوی کی تصویر دکھاتا۔ مجھے بھلا کمپیوٹر سسٹم کا کیا پتا؟" عاصمہ بیگم خفگی سے بولیں۔

"ہوں! ایسی بات کروں گا ان سے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اب بات کرنے کا کیا فائدہ؟ اب تم اپنی بھابھی کو ڈائریکٹ فیس ٹو فیس دیکھ لینا دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے، ویسے اس وقت دولہا صاحب کہاں ہیں؟" اس کے موڈ میں شرارت گھل گئی تھی۔

"وہ سب نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھے شادی کے کارڈز کا ڈیزائن پسند کر رہے ہیں۔"

"ماشاء اللہ بڑے پھرتیلے ثابت ہو رہے ہیں دولہا صاحب؟" اس نے اپنے بڑے بھائی کا مذاق اڑایا۔

"میری جان! ایسے کاموں میں ہر کوئی پھرتیلا ہو ہی جاتا ہے مجھے آج تمہاری شادی کا قصہ چھیڑنے دو تم اس سے بھی زیادہ پھرتیلے ہو جاؤ گے۔ شادی کے معاملے میں تو تمہارے پاپا نے بھی بہت پھرتیلا پن دکھایا تھا۔" عاصمہ بیگم نے بیٹوں کو لپیٹ میں لیتے

لیتے شوہر کو بھی بات میں لپیٹ لیا تھا جس پہ حسی ایک زوردار قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"اچھا کیا تھا انہوں نے' ورنہ ہمیں اس دنیا میں آنے میں دیر ہو جاتی۔" وہاب کا طرف دار رہا۔

"آپ اسی لیے تو تم دونوں بھائیوں کو شادی کا کہہ رہی ہوں تاکہ میرے پوتے پوتیوں کو آنے میں دیر نہ ہو۔"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں پوتے پوتیوں کی آڑ میں آپ ہمیں زنجیر پہنانا چاہتی ہیں۔"

"تمہارے جیسے بدمعاش کو زنجیر نہ پہناؤں تو اور کیا کروں؟"

"ارے نہیں نہیں ماما ابھی ایسی غلطی مت کیجیے گا ابھی میں بغیر زنجیروں کو آزاد اڑنا چاہتا ہوں۔" اس نے سختی سے منع کیا۔

"آخر کب تک؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ کب تک؟ بہرحال میں ابھی اپنے ہی فٹ ہوں' ابھی سے میرڈ لائف کی ذمہ داریاں پال کر میں اپنی لائف کا سنہرا دور ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔"

"اُف! ایک تو یہ آج کل کے لڑکے لڑکیوں کو پتہ نہیں کیوں میرڈ لائف ایک بوجھ لگتی ہے' اتنے کاہل اور کام چور ہیں کہ ذمہ داریوں سے بھاگتے ہیں۔" عاصمہ بیگم کو کوفت ہوئی تھی۔

"آپ پاپا جیسی جلدی بازی سے تو ہم باز آئے۔" اس نے شرارت سے کہہ کر ماں کو چھیڑا۔

"تمہیں ابھی اپنی پسند کی ملی نہیں ورنہ تم بھی یہ جلد بازی دکھانے سے باز نہ آتے۔" ان کا جواب بھی سولہ آنے سچ تھا حسی نے ہنستے ہوئے تسلیم بھی کر لیا تھا اور پھر چند اور باتوں کے بعد فون بند کر دیا اس کی جاب کا ٹائم ہو رہا تھا وہ نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔

* * *

اس نے کافی بھاگ دوڑ کی تھی کہ اس کی اکتوبر کی لاسٹ ڈیٹس میں سیٹ کنفرم ہو جائے لیکن اتنی جلدی ایسا ممکن نہیں ہو سکا تھا اور سر توڑ کوشش کے بعد اللہ اللہ کر کے اس کی فرسٹ نومبر کے لیے سیٹ کنفرم ہوئی تھی اور اس کے لیے یہ بھی غنیمت تھا کہ شادی سے آٹھ دن پہلے وہ پاکستان پہنچ جائے گا۔ اور واقعی یکم نومبر کو اس نے چار سال بعد اپنے گھر میں قدم رنجہ فرمایا تھا افضل صاحب اور عاصمہ بیگم اپنے لاڈلے چہیتے بیٹے سے مل کر بے انتہا خوش تھے چار سالوں میں اس کی شخصیت بے انتہا نکھر گئی تھی وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت اور ہینڈسم لگنے لگا تھا اس کی شاندار پرسنالٹی میں ایک متاثر کن ٹھہراؤ تھا اس پہ نظر نہیں ٹھہر رہی تھی ایسے میں عاصمہ بیگم روایتی ماؤں کی طرح اس کی نظر اتارنے سے باز نہیں آئی تھیں انہوں نے فوراً نظر اتارنے کے ساتھ ساتھ صدقہ بھی دیا تھا۔

"کبھی ایسے لاڈ ایسی آؤ بھگت ہماری بھی کر لیا کریں۔" چاند بھائی ماں کے انداز اطوار دیکھ کر رہ نہ سکے۔

"ارے رہنے دے تمہاری تو آؤ بھگت ہی کرتی ہوں۔ وہ تو اتنے سالوں بعد نظر آیا ہے۔" عاصمہ بیگم نے بڑے بیٹے کو خفگی سے گھورا۔

"اوہ۔ یعنی گھر سے دور رہنے والے کی قدر ہوتی ہے؟ اوکے آئندہ ہم بھی کہیں پردیس جانے کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔" چاند بھائی نے پرسوچ انداز سے کہا۔

"آپ ہنی مون کا پروگرام بنایئے بھائی صاحب' آٹھ دن بعد شادی ہے' پردیس ہی جانا تھا تو پہلے سوچتے۔" حسی نے دلچسپ مسکراہٹ چہرے پہ سجاتے ہوئے ان کو چھیڑا۔

"چلو اب تو سوچ لیا ہے نا؟ گھر پہ کسی اور کو نہ سہی کم از کم بیوی کو تو انتظار ہوا کرے گا نا؟" چاند بھائی نے افسردگی سے کہا۔

"بس بس زیادہ مظلوم بننے کی کوشش نہ کرو اب تم ہمیں یہ بتا رہے ہو کہ ہمیں تمہارا انتظار ہی نہیں ہوتا؟" عاصمہ بیگم کڑے تیوروں سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور وہ بھی یکدم دل کھول کر ہنس پڑے

تھے۔

اور آج تو ہمیشہ سنجیدہ اور ریزرو موڈ میں رہنے والے چاند بھائی کا موڈ بھی خاصا خوشگوار' فریش اور شرارتی ہو رہا تھا اور ان کا ایسا موڈ کبھی کبھار ہی ہوتا تھا لیکن جب ہوتا تھا تب پورے گھر والے خوش ہوتے تھے کہ چلو کچھ دیر کے لیے ہی سہی وہ اپنی سنجیدگی سے باہر تو آئے۔

"بھابھی کیسی ہیں؟" حسی نے اپنے برابر بیٹھے چاند بھائی کی طرف جھکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"خوبصورت ہے۔" وہ بھی سرگوشی نما آواز میں بولے۔

"میں نے یہ تو نہیں پوچھا۔" حسی نے انہیں نروس کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وہ خجل ہو گئے تھے۔

"لیکن میں تو وہی بتاؤں گا نا جو آج کل مجھے ہر طرف نظر آ رہا ہے۔ بس اس کی خوبصورتی اور وہ خود۔" انہوں نے بھی بات بدلتے ہوئے بات کو سنبھال لیا تھا۔

"بات کتنی ہوتی ہے؟"

"نہیں یار وہ پسند نہیں کرتی۔"

"میں بھابھی کے لیے گفٹس لایا ہوں۔"

"سنبھال کے رکھو شادی کے دن دینا۔"

"میں بھابھی کو دیکھوں گا کب؟"

"دیکھنے کو تو تم آج بھی دیکھ سکتے ہو کل بھی دیکھ سکتے ہو لیکن یار تم اتنے لمبے سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو ریسٹ کرو بعد میں مل لینا۔" چاند بھائی نے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"تو پھر کب ملوں گا؟ میں نے ہونے والی بھابھی کو دیکھ کر اسے پاس بھی تو کرنا ہے؟" حسی کو بھابھی دیکھنے کا اشتیاق ہو رہا تھا۔

"تو تصویریں دیکھ لو میرے بیڈ روم میں رکھی ہیں۔"

"اب تصویریں دیکھنے کا کیا فائدہ اب تو میں ان کو فیس ٹو فیس دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ارے یار تو پھر صبر کرو اور سات تاریخ کا انتظار کرو' سات تاریخ کو نکاح اور مایوں کی رسم ہے۔ ایک ساتھ چلیں گے۔" چاند بھائی نے اس کا کندھا تھپکا۔

"رخصتی سے دو دن پہلے نکاح؟" حسی کو حیرت ہوئی۔

"ہاں ان لوگوں میں رسم ہوتی ہے مایوں کے وقت نکاح ہوتا ہے اور پھر لڑکی مایوں کا پیلا جوڑا پہنتی ہے اور اسے تیل لگایا جاتا ہے اور مایوں کا سارا ساز و سامان لڑکے کے گھر سے ہی بھیجا جاتا ہے۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔ "اوہ۔" وہ ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا تھا۔

"حسی تم سے ضیغم ملنے آیا ہے۔" عاصمہ بیگم نے اطلاع دی۔

"ضیغم؟" وہ یکدم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا اس نے اپنے کسی بھی دوست کو پاکستان آنے کا نہیں بتایا تھا وہ سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا لیکن ضیغم نجانے کیسے اسے کھوجتا ہوا چلا آیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر باہر آیا اور گھر کی ایک سائیڈ میں بنے وسیع و عریض مہمان خانے میں آ گیا تھا۔

"ضیغم" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے پرجوش لہجے میں پکارا ضیغم بھی اسے دیکھ کر یکدم کھڑا ہو گیا تھا۔

"کمینے ڈیول بتا کر کیوں نہیں آئے؟" ضیغم کے گلے شکوے اور اس کی وضاحتیں شروع ہو چکی تھیں۔

* * *

پانچ دن کیسے گزرے؟ پتا ہی نہ چلا۔ نکاح اور مایوں کا دن بھی آن پہنچا تھا' دلہن گجرات کی رہنے والی تھی اس لیے انہیں بارات لے کر اور باقی تمام رسمیں ادا کرنے کے لیے بھی گجرات ہی جانا تھا' لاہور سے گجرات کا ڈھائی تین گھنٹے کا سفر تھا اور اسی طویل سفر کے پیش نظر ان لوگوں نے لڑکی والوں سے کہا بھی تھا کہ ساری ارینج منٹ لاہور کے کسی میرج ہال میں رکھ لیتے ہیں لیکن وہ لوگ نہیں مانے تھے اور پھر عاصمہ بیگم نے بھی زیادہ زور نہیں دیا تھا۔ لیکن خود ان لوگوں

کو آنے جانے میں خاصی دقت ہو رہی تھی پہلے تین گھنٹے کا سفر کر کے آنا اور پھر جانا' کچھ کم تو نہیں تھا۔ لیکن حسی اس کام کے لیے بھی پیش پیش تھا۔

"تم پیچھے ہٹو میں خود ڈرائیو کروں گا۔" اس نے چاند بھائی کی گاڑی ڈرائیو کرنے کے لیے تیار ڈرائیور کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' بلیک کلر کی چمکتی دمکتی بی ایم ڈبلیو پہ سرخ ربن بندھا ہوا تھا یہ ربن گاڑی کے انجن' اسکرین اور چھت سے پیچھے تک بندھا ہوا تھا آج ہلکا پھلکا فنکشن تھا اس لیے گاڑی کی ڈیکوریشن بھی ہلکی پھلکی کروائی تھی صرف ایک ربن پہ مشتمل۔

"لگتا ہے تمہیں گجرات جانا بڑا اچھا لگ رہا ہے؟" چاند بھائی نے خوش خوش ڈرائیونگ کرتے حسی سے پوچھا۔

"ہاں! میں واقعی بہت خوش ہوں گجرات شہر میرے لیے حقیقتاً "بہت اہم ہے" میں نے زندگی کے چار سال اس شہر میں گزارے ہیں اور یہ چار سال میرے بہت یادگار اور قیمتی ہیں۔" اس نے سچائی سے جواب دیا۔

"کیا ہوتا اگر تم مستقل ہی گجرات آنا جانا لگا لیتے۔" انہوں نے چھیڑا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ اپنے لیے کوئی لڑکی پسند کر کے شادی ہی کر لیتے۔"

"!!!!!۔ کیا خوب کہی آپ نے بھی۔ یعنی میں جہاں رہوں گا وہیں شادی کر لوں گا' چار سال تو میں انگلینڈ میں بھی گزار کر آ رہا ہوں کیا وہاں بھی کسی کو پسند کر کے شادی کر لیتا؟" حسی نے ان کو لاجواب کر دیا۔

"بہرحال ابھی تو آپ کا گجرات آنا جانا لگا ہوا ہے نا؟ ہماری یادیں بھی تازہ ہوتی رہیں گی۔" ان دونوں بھائیوں کا سفر ہنسی مذاق اور فل والیوم کے میوزک میں گزر رہا تھا۔

"آپ مجھے گائیڈ کرتے رہیں' کس طرف جانا ہے۔" اس نے گجرات کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"گاڑی سروس موڑ سے رحمان شہید روڈ پہ ڈالو اور پھر ماڈل ٹاؤن کی طرف ٹرن لے لینا۔" چاند بھائی نے راستہ سمجھایا۔

"ماڈل ٹاؤن؟" حسی کو ماڈل ٹاؤن کے تمام راستوں کا پہلے سے علم تھا اس لیے اب گائیڈنس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"ہاں۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

* * *

حسی کا ذہن پچھلے دس منٹ سے مسلسل الجھا ہوا تھا وہ ہر طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا کھوج رہا تھا۔ کیونکہ اس کی یادداشت کی مٹھی سے ایک منظر نکل کر سامنے آ رہا تھا اور اس منظر میں وہ اپنی فرینڈ جوجو کو ماڈل ٹاؤن کے ایک بنگلے کے سامنے ڈراپ کر رہا تھا۔ اور آج بنگلہ بھی وہی تھی۔ ماڈل ٹاؤن بھی وہی تھا' ڈرائیونگ سیٹ پہ بھی وہی تھا لیکن بائیں طرف فرنٹ سیٹ کا منظر بدلا ہوا تھا وہاں جوجو کی بجائے چاند بھائی براجمان تھے۔ اور اس کے ساتھ گیٹ کا منظر بھی کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ اس روز اس کی سب سے بڑی حریف رائمہ حیدر جوجو کو ریسیو کرنے کے لیے کھڑی تھی اور آج اسی گیٹ پہ کافی زیادہ لڑکیاں بنک سک سے تیار خوشبو میں بھیگی پھولوں کی پتیاں لیے ان کے استقبال کے لیے کھڑی تھیں!

"ہو سکتا ہے رائمہ وغیرہ نے یہ بنگلہ بیچ دیا ہو؟ ہو سکتا ہے وہ لوگ شفٹ کر گئے ہوں؟ یا پھر ہو سکتا ہے کہ مجھے ہی غلط فہمی ہو رہی ہو؟" اس نے خود ہی اندازے لگانے شروع کر دیے۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چاند بھائی کی شادی رائمہ کے ساتھ ہی ہو رہی ہو؟" اس نے ایک اور قیاس آرائی کی اور پھر خود ہی خفگی سے سر جھٹک دیا۔

"نہیں نہیں ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے اپنے ذہن کی دلیل جھٹلا دی۔

"ہو بھی سکتا ہے۔" ذہن پھر بھی باز نہ آیا۔

"ایسی ہوا بھی کا نام تو۔" اس نے نام سوچنے کی کوشش کی لیکن اس کے حافظے میں اپنی ہونے والی بھابھی کا نام کہیں بھی نہیں تھا۔

"کیا مجھے اپنی بھابھی کے نام کا ہی نہیں پتا؟" وہ کافی دیر سے تو انہی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔

"چاند بھائی سے پوچھ لو۔" ذہن نے اکسایا۔

"میں اس وقت میں ان سے نام پوچھوں؟ جب وہ اپنے سسرالیوں میں گھرے ہوئے ہیں؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"حسی کیا بات ہے اتنے سست کیوں پڑ گئے ہو؟ آگے بڑھو۔"

عاصمہ بیگم نے اسے خفگی سے دیکھا اور چاند بھائی کے ساتھ کھڑا کیا۔

وہ دونوں بھائی اکٹھے اندر داخل ہوئے ان پہ پھولوں کی برسات شروع ہو گئی ان کو ویلکم کرنے کے لیے باقاعدہ بینڈ بلوایا گیا تھا پھولوں کی چھاؤں اور بینڈ کی سلامی میں وہ لوگ ریڈ کارپٹ پہ چلتے ہوئے سیج تک [illegible] ان میں سے [illegible] اسٹیج کی طرف آ گئے۔ چاند بھائی کے تمام سسرالی باری باری ان سب سے ملنے کے لیے آنے لگے حسی باری باری سب کے چہرے بغور دیکھ رہا تھا شاید کوئی جانا پہچانا چہرہ نظر آ جائے۔ اور پھر ایک چہرے پہ آ کر وہ ذرا سا ٹھٹکا۔ وہ چہرہ اریب بھائی کا تھا!

"یہ میرا بڑا بیٹا ہے اریب اور یہ اس کی بیوی ہے ایمن۔" شائستہ بیگم نے حسی سے تعارف کروایا وہ جانتی تھیں کہ چاند کا چھوٹا بھائی چند دن پہلے ہی انگلینڈ سے آیا ہے اسی لیے سب سے انجان ہے۔

"السلام علیکم۔" اس نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کیا تھا۔

"آپ کی بڑی تعریف سنی تھی' چاند صاحب جب بھی بات کرتے ہیں اس بات میں آپ کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔" اریب نے مسکرا کر کہا جس حسی بھی مسکرا اٹھا اور اک نظر چاند بھائی کو دیکھا جو اسٹیج کے صوفے پہ کافی شاہانہ انداز میں براجمان تھے۔

"دیکھیں جی ساری بات ہے پیار کی۔ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں تو میرا ہی ذکر کرتے ہیں ورنہ مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں ہے۔" اس نے انکساری سے کہا۔

"آپ ایسی بات بھی نہیں ہے آپ کی خوبیاں تو ہم آپ کے گھر والوں سے سنتے رہتے ہیں کافی ذہین اور ہیں آپ۔" اریب نے اسے توصیفی نظروں سے دیکھا۔

"یہ بھی میرے گھر والوں کی اور آپ کی نوازش ہے کہ آپ لوگ مجھے ٹیلنٹڈ اور ذہین سمجھتے ہیں۔" وہ کافی شائستگی سے بات کر رہا تھا۔

"بیٹا آپ لوگوں کی گفتگو تو میرا خیال ہے کہ زیادہ دیر تک چلے گی ابھی ہمیں نکاح کی رسم تو ادا کر لینے دیجیے۔" عاصمہ بیگم اور شائستہ بیگم نے اپنے بیٹوں کو اسٹیج سے ہٹنے کا کہا اور وہ واقعی اسٹیج سے اتر گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد نکاح کی رسم ادا ہوئی تو مبارک سلامت کا شور اٹھا تھا اور سب کا منہ میٹھا کرایا جانے لگا۔ حسی اریب کو دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر الجھ رہا تھا کہ اس نے اسی آدمی کو ایک بار رائمہ کے ساتھ سلور سیون ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا اور وہ [illegible] "کزن بھائی ہی تھے لیکن اگر وہ کزن بھائی تھے تو پھر اس وقت رائمہ کہاں تھی؟ اور یہی تجسس اسے عاصمہ بیگم اور چاند بھائی کے پاس لے آیا تھا۔

"میں بھابھی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تھوڑی دیر بعد مل لینا ابھی تیل لگنے والا ہے مایوں کا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا' پہلے ہی آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا' نہ بھابھی کا نام' نہ بھابھی کی تصویر اور نہ ہی ان کی فیملی کے متعلق کچھ بتایا ہے' میں ابھی ان سے ملنا چاہتا ہوں بس۔" اس کا دو ٹوک اور ہٹ دھرم لہجہ عود کر آیا تھا عاصمہ بیگم اور چاند بھائی دونوں ٹھٹک گئے اس کی خفگی اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ وہ دونوں بے ساختہ ہنس دیے۔

"سنیے شائستہ بہن۔" عاصمہ بیگم نے سمدھن کو آواز دی۔

"جی کہیے۔" وہ فوراً قریب چلی آئیں۔

"حسن اپنی بھابھی سے ملنا چاہتا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں کیوں نہیں' آؤ بیٹا میرے ساتھ آؤ۔" انہوں نے فوراً اسے چلنے کا کہا اور وہ سر ہلا کر سعادت مندی سے ان کے ساتھ چل دیا اور وہ اسے ساتھ لے کر اوپر بیڈ روم میں آ گئیں جہاں مایوں کی دلہن تیار ہو رہی تھی۔ دروازے پہ دستک دے کر اندر جھانکا۔ دلہن کو دوپٹہ اوڑھایا جا رہا تھا۔ بیوٹیشن اس کے دوپٹے کو پنیں لگا کر سیٹ کر رہی تھی۔

"ہم اندر آ سکتے ہیں؟" شائستہ بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں آئیے نا۔" وہ رہ نہ سکی بیوٹیشن اس کی جلد بازی پہ ہنس پڑی۔

"میں اکیلی نہیں ہوں' تمہارا ایک بڑا پیارا سا رشتہ بھی میرے ساتھ ہے' تمہارا اکلوتا لاڈلا دیور۔" انہوں نے اپنے پیچھے حسن کو بھی اندر آنے کا کہا اور حسن اندر داخل ہوتے ہوئے سامنے بیٹھی اپنی بھابھی کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ کیا اس کے اندر مچلنے والی عجیب سی بے چینی کو قرار آ گیا تھا' وہ ہوتے ہوئے سنبھل گئے تھے۔

"بیٹا یہ ہے تمہاری بھابھی مائرہ۔ اور مائرہ یہ تمہارا چھوٹا دیور ہے حسن علی۔" انہوں نے تعارف کروایا۔

"السلام علیکم۔" حسن نے سلام کرتے ہوئے ذرا سا سر خم کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹھیے نا۔" مائرہ بے اختیار کھڑی ہو گئی۔

"ارے نہیں نہیں بھابھی آپ بیٹھیے' آپ کھڑی کیوں ہو گئیں۔" اس نے احتراماً اسے بیٹھنے کا کہا۔

"تم دونوں بیٹھو میں نیچے مہمانوں کو دیکھ لوں۔" شائستہ بیگم جانے کے لیے پلٹیں لیکن باہر نکلتے ہوئے وہ یکدم کسی سے ٹکرا گئی تھیں۔

"اف مام۔" وہ یکدم اپنی ناک دباتے ہوئے کراہی۔

"تم اب آ رہی ہو؟" شائستہ بیگم بھی سنبھلتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"سوری مام میں لیٹ ہو گئی تھی پارلر میں اتنا رش تھا جلدی کرتے کرتے بھی دیر ہو گئی میں نے بیوٹیشن سے کہا بھی تھا کہ مجھے جلدی فارغ کرے ہم نے آپی کے سسرالیوں کو ویلکم کرنا ہے' چاند صاحب کی ایک ہی تو سالی ہے وہ بھی استقبال میں شامل نہ ہوئی تو وہ نہ جانے کیا سمجھیں گے۔" رائنہ نے وضاحت دینی شروع کر دی تھی۔

"اوکے اوکے یہ تفصیل بعد میں سنانا پہلے سب کے ساتھ مل کر مائرہ کو لے کر نیچے آؤ۔"

"اوکے آ رہی ہوں۔" اس نے فوراً ہامی بھری اور پیچھے ہٹ کے ان کو راستہ دیا' لیکن جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی اس گھر کی دیواریں اس کی نظروں میں چکرا گئیں۔ مائرہ جس شخص کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی وہ شخص رائنہ کو بھولا ہوا تو نہیں تھا جب جب یونیورسٹی کی باتیں اور قصے یاد آتے جب جب جو یاد آتی تھی وہ بھی تو ساتھ ہی یاد آتا تھا اور ان کبھی کبھار کی یادوں نے اس کا چہرہ بھولنے تو نہیں دیا تھا کہ وہ اتنے سالوں بعد دیکھنے پہ اسے پہچان نہ پاتی۔

بے شک وہ پہلے سے زیادہ صحت مند ہو گیا تھا اس کی سفید رنگت اور بھی نکھر گئی تھی۔ جینز شرٹ کی بجائے بلیک تھری پیس میں ملبوس تھا۔ ہیر اسٹائل بدل گیا تھا گفتگو میں ٹھہراؤ آ گیا تھا لیکن اس کے لیے تو وہ آج بھی وہی حسن تھا فلرٹی اور کریکٹر لیس۔ جس کی رائنہ حیدر نے یونیورسٹی کے بیچوں بیچ انسلٹ کی تھی۔ اور اس کے ری ایکشن کے لیے وہ اتنا عرصہ [illegible] منتظر رہی تھی کہ وہ اب کیا وار کرتا ہے؟ مگر اس نے ایسا ویسا کچھ بھی نہیں کیا تھا یہاں تک کہ یونیورسٹی پیریڈ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔

"رائنہ ٹھہر کیوں گئی ہو؟ آؤ ان سے ملو یہ تمہارے چاند بھائی کے چھوٹے بھائی ہیں۔" مائرہ نے تعارف کرواتے ہوئے رائنہ کی اور بھی کمر توڑ کے رکھ دی تھی۔ اور رائنہ کی ایسی حالت کہ منہ سے سلام کا لفظ بھی نہ نکل سکی۔

"حسن یہ میری چھوٹی بہن ہے رائنہ۔" مائرہ نے اپنی دلہن ہونے کے باوجود چپ کر کے بیٹھنا بھول کر دونوں کا تعارف کروایا۔

"السلام علیکم۔" حسن نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور انتہائی نارمل سے انداز میں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" رائنہ نے چونک کر جواب دیا۔

"اچھا بھابھی میں بھی نیچے چلتا ہوں آپ آرام سے آ جائیے گا۔ بھائی ویٹ کر رہے ہیں۔" وہ رائنہ کو سرسری سا دیکھ کر مائرہ سے اجازت لیتا باہر نکل گیا تھا۔

"وہ مجھے دیکھ کر نہ ٹھٹکا' نہ چونکا' لگتا ہے اس نے مجھے پہچانا ہی نہیں ہے؟ ویسے اگر دیکھا جائے تو میرے لیے یہی اچھا ہے کہ وہ مجھے نہ ہی پہچانے۔" رائنہ دل ہی دل میں اندازے لگاتی' قیاس لڑاتی مائرہ کو لے کر نیچے آ گئی۔

نیچے تمام لڑکیاں انتظار میں بیٹھی تھیں' دلہن کے آتے ہی الرٹ ہو گئیں' فوراً ہی دلہن کو بلایا گیا دوپٹے کی چھاؤں میں رائنہ اور اس کی کزن مائرہ کو اسٹیج تک لائیں اور اسٹیج پہ چاند بھائی کے برابر اسے بیٹھا دیکھ کر رائنہ کے چہرے کی خوشی اور تازگی ایک دم پھر سے ماند پڑ گئی تھی۔ پھر دولہا اور دلہن کی رسمیں شروع ہوئیں تو رسموں کے دوران رائنہ کو لگا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہے' لیکن وہ جہاں بھی نظر دوڑاتی ہر کوئی اپنی دھن میں نظر آتا تھا۔ وہ اسے دیکھتی وہ بھی دولہا' دلہن کی طرف متوجہ دکھائی دیتا تھا۔

"ارے بیٹی تیرے حواس کیوں اڑے ہوئے ہیں' ادھر آ تجھے بھی شگن کا تیل لگا دوں۔" رائنہ کی رشتے کی نانی تھیں' سب سے پہلے انہوں نے ہی مائرہ کو تیل لگایا تھا اور وہی تیل سے تر ہاتھ انہوں نے رائنہ کے بالوں پہ پھیر کر اسے بھی شگن کا تیل لگا دیا تھا' وہ بچاؤ بھی نہ کر سکی۔

"دلہن کا جھوٹا تیل یا مہندی جس کو بھی لگتے ہیں اس کی بھی جلدی شادی ہو جاتی ہے' اللہ تیرے بھی نیک نصیب کرے۔" وہ دعائیں دیتی وہاں سے ہٹ گئیں۔ رائنہ پچھتا کے رہ گئی' البتہ قریب کھڑی اس کی کزنز ہنس پڑی تھیں۔

"کاش نانی ایسی دعائیں بھی دے جاتیں۔" ثنا نے آہ بھری۔

"پھر کیا ہوتا؟" عمرین نے پوچھا۔

"پھر میں وہ سامنے بیٹھے دولہا کے بھائی سے شادی کر لیتی' قسم سے کمال پرسنالٹی ہے اس کی' مسلسل دل دھڑکائے جا رہا ہے۔" ثنا نے دل پہ ہاتھ رکھا' رائنہ نے ان لڑکیوں کو دیکھا جو ہر ظاہری شخصیت پہ ریجھ جاتی تھیں۔ ہمیشہ انسان کا ظاہر ہی دیکھتی تھیں۔

"رائنہ ادھر آؤ بیٹا بہن کو تیل لگاؤ۔" شائستہ بیگم نے آواز دی اور مجبوراً اسے سب کی نظروں کا مرکز بنتے ہوئے اسٹیج پہ آنا پڑا' وہ پیلے اور سبز کمبی نیشن کے چنری کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی' لانگ شرٹ کے ساتھ اس نے چوڑی دار پاجامہ اور ڈبل شیڈز کا کھسہ پہن رکھا تھا۔ قمیص ہاف سلیوز تھی اور دونوں کلائیاں زرد اور سبز چوڑیوں سے بھری ہوئی تھیں ہر سنگھار اس پہ جچ رہا تھا۔

وہ پہلی بار اس قدر دل لگا کر تیار ہوئی تھی کیونکہ پچھلی بار جب اریب بھائی کی شادی میں بے حد سمپل سے انداز میں تیار ہوئی تھی اور مام کے ساتھ ساتھ سبھی نے کلاس لی تھی کہ

"اتنا سمپل رہنے کی کیا ضرورت تھی بھائی کی شادی ہے بن سنور کر خوشی مناؤ۔" اسی لیے اس نے وہ کسر آج نکال لی تھی' سبھی اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے' لیکن اس کا موڈ غارت ہو چکا تھا' وہ ساری محفل میں دور دور ہی رہی تھی۔

* * *

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" وہ لوگ دم بخود رہ گئے تھے۔

"میں نے جو کہا ہے آپ وہ سن چکے ہیں۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟"

"یہی سمجھ لیں۔" وہ بے نیاز تھا۔

"کیا ایسے ہو سکتا ہے؟" عاصمہ بیگم شاک میں بیٹھی تھیں۔

"جیسے میں نے بتایا ہے۔"

"جو تم نے بتایا ہے وہ آسان نہیں ہے۔"

"اگر آسان نہیں ہے تو اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ آپ لوگ چاہیں تو سب ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے چاہنے سے بھلا کیا ہوتا ہے؟" وہ جھنجلا گئیں۔

"سب کچھ آپ کے چاہنے سے ہی تو ہوتا ہے۔" وہ ماں کو دوبدو جواب دے رہا تھا۔

"لیکن بیٹا یہ بات اس طرح کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے ان لوگوں پہ کیا گزرے گی؟ وہ کیا سوچیں گے؟ کیا کیا باتیں کیا کیا سوچیں ان کے ذہن میں آئیں گی؟ ان کے دل ہماری طرف سے ہمیشہ کے بدگمان اور میلے ہو جائیں گے۔" انہوں نے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"لیکن تم ایسا کیوں کرنا چاہتے ہو؟" وہ نڈھال سے لہجے میں بولیں۔

"ریزن میں بتا چکا ہوں، اگر آپ لوگ ایسا کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں کل کی فلائٹ سے واپس انگلینڈ چلا جاتا ہوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" وہ اپنی بات کہہ کر ان سب پہ طائرانہ سی نظر ڈالتا ہوا وہاں سے نکل کر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کے ذہن میں کچھ آیا اور موبائل اٹھا کر عظیم کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ عظیم آج کل اسلام آباد میں ہوتا تھا، جاب کی وجہ سے مایوں کی رسم میں نہیں آ سکا تھا البتہ شادی میں آنے کا پکا وعدہ تھا۔

* * *

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" رائنہ دم بخود رہ گئی تھی۔

"ہاں! بیٹا اب تمہاری بہن کا سہاگ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر انکار کرو گی تو مائرہ ایک بار پھر بکھر کر رہ جائے گی۔" شائستہ بیگم نے اس کے سامنے تصویر کے دونوں رخ ایک ساتھ رکھ دیے تھے۔

"ماما! آپی بکھر کر رہ جائیں گی؟ آپ کو یہ خیال بار بار آ رہا ہے اور میں؟ میرے بارے میں سوچا ہے آپ نے؟ کیا میں اس بدکردار انسان کے ساتھ رہ پاؤں گی؟" وہ بے بس لہجے میں چیخ اٹھی۔

"بیٹا انسان ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا، مجھے تو وہ بہت اچھا لگا ہے۔" انہوں نے کمزور سی دلیل دی۔

"ہونہہ! اور اچھا ہوتا تو آج اپنے بھائی کی شادی سے ایک دن پہلے یہ کرتوت نہ دکھاتا، اس کی اس حرکت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہرگز نہیں بدلا، وہ آج بھی وہی حسن ہے جو آج سے چار سال پہلے تھا۔" وہ مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے پھنکاری۔

"وہ تم سے محبت کرتا ہے بیٹا! اس نے ابھی مجھے فون پہ سب کچھ بتایا ہے۔" شائستہ بیگم کی بات پہ وہ چکرا گئی تھی۔

"وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا بلکہ بدلہ لے رہا ہے مجھ سے۔" رائنہ "بدلہ" کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی اسے پتا تھا اگر اس نے وہ قصہ سنا دیا تو بھی غلط اسے ہی ٹھہرایا جائے گا۔

"میں جانتی ہوں بیٹا تم دونوں کے درمیان دور دور سے ہی سہی لیکن محبت اور پسندیدگی کا رشتہ تھا جو تمہارے شک کی بنا پر جڑنے سے پہلے ہی ٹوٹ کر رہ گیا۔ لیکن حسن بہت اچھا بچہ ہے اس رشتے کو دوبارہ جوڑنا چاہتا ہے، دیکھو رائنہ بدگمانی چھوڑ دو۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں اور رائنہ ہکا بکا ان کی صورت دیکھ رہی تھی حسن نے سچا جھوٹا قصہ سنا کر ان کو تقریباً "قائل" کر ہی لیا تھا مگر وہ کچھ بھی سننے اور ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"میری طرف سے انکار ہے۔" اس نے کہہ کر دروازہ بند کر لیا تھا۔

* * *

"طلاق؟" مائرہ ریسیور کی دوسری طرف سے طلاق

کا لفظ سنتے ہی لہرا کر زمین پہ آ رہی تھی۔

"مائرہ! ارے بھائی! امی! بھابھی!" شائستہ بیگم اور حیدر صاحب بھاگتے ہوئے آئے تھے مائرہ کی بے ہوشی سے صبح ہی صبح گھر میں بھگدڑ سی مچ گئی تھی پوری رات ان لوگوں نے جاگتے ہوئے آنکھوں میں گزاری تھی اور اب یہ مصیبت آگئی!

آج آٹھ تاریخ تھی کل نو تاریخ کو شادی کی تقریب تھی لیکن یہ تقریب بھی خطرے میں نظر آ رہی تھی حیدر صاحب کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور شائستہ بیگم بدحال سی پھر رہی تھیں پہلے انہوں نے بچپن میں ہی مائرہ کی انگیجمنٹ اپنی بہن کے بیٹے کے ساتھ کر دی تھی وہ خود انگلینڈ میں اور ان کی بہن کینیڈا میں رہائش پذیر تھیں۔ مائرہ اور عاطف کی کافی انڈر اسٹینڈنگ تھی دونوں فون پہ گھنٹوں باتیں کرتے تھے، روزانہ گپ شپ ہوتی تھی لیکن پھر نہ جانے کب اور کیسے عاطف نے بدلنا شروع کر دیا انہیں پتا تب چلا جب وہ ایک انگریز لڑکی جینی کے بچے کا باپ بن گیا اور وہ انگریز لڑکی آج تک اس پہ شادی کے لیے زور ڈال رہی تھی اس نے شاید کیس بھی کر رکھا تھا اور یہ صدمہ مائرہ کے لیے کافی نقصان دہ ثابت ہوا تھا اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا وہ عاطف سے بہت اٹیچ ہو چکی تھی اور اس معاملے میں کافی حساس بھی تھی یہی وجہ تھی کہ اسے سنبھلنے میں چار پانچ سال لگ گئے تھے۔

پھر وہ تین پرپوزل آئے جن کو وہ ٹھکراتی رہی لیکن لاہور ایک جاننے والوں کی شادی میں جانا ہوا تو چاند اور اس کی فیملی سے ملاقات ہوئی تھی مائرہ ان لوگوں کو بہت پسند آئی تھی۔ تیسرے ہی روز وہ لوگ پرپوزل لے کر آ گئے۔ مائرہ چاند سے روبرو مل چکی تھی اس کی ریزروڈ سی شخصیت بہت متاثر کن اور اچھی لگی تھی سو اس رشتے کے لیے رضامندی دے دی تھی لیکن منگنی کے بعد اس نے چاند سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا وہ پھر سے خواب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے وہم ستاتے تھے اور آج اس کے وہم سچ ثابت ہو رہے تھے اس نے اتفاقاً فون کال ریسیو کی تھی دوسری طرف چاند ہی تھے وہ رائنہ کے انکار کے ردعمل میں طلاق کی بات کر رہے تھے کہ اگر رائنہ کل تک نہیں مانی تو وہ طلاق کے پیپرز پہ سائن کر دیں گے۔ جس گھر میں ان کے بھائی کے لیے اہمیت نہیں تھی اس گھر میں وہ بھی قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اور مائرہ ان کی ادھوری بات سن کر ہی بے ہوش ہو گئی تھی اسے ایمرجنسی میں ہاسپٹل لے گئے تھے اور اس کی بے ہوشی اور طلاق کا سن کر رائنہ بھی گھر سے باہر نکل آئی تھی قدم تھکے تھکے سے تھے!

* * *

"قصر نور" میرج ہال میں جہاں ایک دولہا دلہن کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا وہاں اب دو دولہا اور دلہن ایڈجسٹ کیے گئے تھے جو بھی مہمان آ رہے تھے وہ ایک کی بجائے دو جوڑیاں دیکھ کر حیران ہو رہے تھے دولہا دونوں ہی خوش اور فریش نظر آ رہے تھے ان کی خوشی اور تازگی دور سے ہی محسوس ہو رہی تھی جبکہ دونوں دلہنیں بے حد اداس اور گم سم سی بیٹھی تھیں۔ وہ دونوں بھائی بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس انتہائی شاندار لگ رہے تھے البتہ دونوں دلہنوں نے شاکنگ پنک کلر کے لہنگے پہن رکھے تھے، عاصمہ بیگم نے مائرہ کا لہنگا اپنی پسند سے تیار کروایا تھا اور کل جب رائنہ کے مان جانے کا پتا چلا تو انہوں نے اسی بوتیک سے بڑی مشکل سے ویسا ہی لہنگا آرڈر کیا تھا لہنگے کا میٹریل پہلے سے تیار تھا شاید اسی لیے بوتیک والوں نے ایک رات کے اندر اندر وہ لہنگا تیار کر دیا تھا اور آج صبح ہی وہ لہنگا عاصمہ بیگم کے گھر پہنچا گئے تھے البتہ یہ بات اور تھی کہ انہوں نے ارجنٹ تیار کروائے جانے والے لہنگے کی قیمت ڈبل لی تھی اور ایسا ہی حال زیور کے لیے بھی ہوا تھا۔ میچنگ زیور بھی مشکل سے دستیاب ہوا تھا۔ جلدی جلدی میں انہوں نے چار پانچ ریڈی میڈ سوٹ بھی خرید لیے تھے اور باقی کی شاپنگ شادی کے بعد ٹال دی کہ رائنہ خود ساتھ آ کر خرید لے گی۔

http://paksociety.com

مائرہ کا سب کچھ تو پہلے سے تیار تھا بس رائنہ کے لیے سب کچھ ابھی رہ گیا تھا۔ حالانکہ رائنہ کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں تھا وہ تو بت بنی بیٹھی تھی اسے تو قرض کے ساتھ سود کی طرح دیا جارہا تھا جس کا اپنا کوئی وجود نہیں تھا' اپنی کوئی اہمیت نہیں تھی۔۔۔ کسی نے اسے مانگا اور گھر والوں نے بے جان شے کی طرح اٹھا کر دے دیا۔ جیسے اس کے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور یہی دکھ اسے اداسیوں اور چپ کے حوالے کر گیا تھا وہ اس ماحول میں جیسے باندھ کر بٹھائی گئی تھی۔ فرار کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے بھاگنا ممکن نہیں تھا اور اس کی اسی بے بسی پہ یوں لگ رہا تھا جیسے ہنسی دیکھنے والے اس کا مذاق اڑا رہے تھے اس مذاق کا احساس اسے تب ہوا جب حسی کے تمام دوست ملنے کے لیے اسٹیج پہ آئے تھے۔

"السلام علیکم بھابھی۔" توصیف اور عباس نے ذرا سا جھکتے ہوئے سلام کیا' رائنہ نے چونک کر نظریں اٹھائیں وہ اپنی بھابھی کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے مسکرا رہے تھے لیکن رائنہ کو ان کی ہنسی اور مسکراہٹ اپنی ذات پہ [illegible] تک چبھ گئی۔

"مبارک ہو جناب۔" حسی کا دوست وجاہت بھی چلا آیا ان دونوں نے اسکول پیریڈ ایک ساتھ گزارا تھا پھر وجاہت فرانس چلا گیا تو ملنا جلنا ختم ہو کر رابطہ صرف فون اور نیٹ تک محدود رہ گیا تھا۔ اور آج کل وہ پاکستان آیا ہوا تھا۔

"بھابھی یہ گفٹ آپ کے لیے۔" وجاہت نے گفٹ اس کی طرف بڑھایا' رائنہ گفٹ تھامنے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھا سکی تھی۔

"تھینک یو یار' بیٹھو تم لوگ۔" حسن نے اس سے گفٹ تھام کر ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔

"اور یہ ہماری طرف سے۔" ضیغم' علی' ولید' عباس اور توصیف نے بھی باری باری تحائف دیے تھے۔

ان کا گروپ فارغ ہو کر اسٹیج سے اترا تو خاور' زاہد اور غلام مصطفیٰ بھی آ گئے یہ اس کے ہاسٹل کے فرینڈز تھے ایک اس کا دوست انیس بھی تھا جو سیالکوٹ کا رہنے والا تھا وہ بھی اپنا ماسٹرز کمپلیٹ ہوتے ہی یورپ چلا گیا تھا آج کل اسٹڈی ویزہ کی بڑی سہولت تھی اسی لیے بھی صاحب حیثیت اس سہولت سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ مہمان ابھی آ رہے تھے اور آنے والے مہمانوں میں انعم' انیلا اور آمنہ وغیرہ بھی شامل تھیں رائنہ ان سب کو دیکھ دیکھ کر غش کھانے کے قریب ہو گئی تھی کہ اس نے کس کس کو انوائیٹ کر رکھا تھا اور یونیورسٹی کے اتنے سالوں بعد بھی اس کا ان سب سے کانٹیکٹ تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے تین چار ٹیچرز کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔ وہ سب حسی کا وسیع حلقہ احباب دیکھ کر حیران ہو رہے تھے!

* * *

تازہ سرخ گلابوں سے سجی سیج پہ بیٹھی دلہن بنی رائنہ اپنی انا مجروح ہوتے جانے کا ماتم منا رہی تھی۔ اسے ہر شے بری لگ رہی تھی یہ پھول' یہ بستر' یہ سجاوٹ' یہ کمرا' یہ گھر' یہ لوگ سب کچھ۔۔۔ سب کچھ ہی تو برا لگ رہا تھا اور اس ہر چیز سے وابستہ اس شخص سے نفرت و حقارت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے' ہر چیز کو آگ لگا دے اور اپنی بے بسی پہ دھاڑیں مار مار کے روئے کہ وہ آج اس شخص کی پابند بنا دی گئی تھی۔ جس کو وہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی جو کسی بھی لحاظ سے اس کے قابل نہیں تھا جو فلرٹی اور دھوکے باز تھا جو بدچلن اور بدکردار تھا اور انتہائی چالباز بھی تھا اس نے کتنی آسانی سے بیٹھے بٹھائے چال چلی اور رائنہ حیدر جیسی ناقابل تسخیر لڑکی کو اپنی قید میں لے لیا تھا لیکن اب وہ ایسی بھی نہیں تھی کہ اس کے سامنے سر جھکا دیتی وہ بھی بلا کی ضدی' بد گمان اور انا پرست لڑکی تھی اپنی بات سے ہٹنا یا پھر اپنے خیالات کو غلط قرار دینا اسے بھی نہیں آتا تھا۔

وہ ہر چیز کو سلگتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب دروازے پہ ہونے والی آہٹ سے چونک گئی۔ لیکن [illegible] وہ نہیں تھا جو وہ سمجھ رہی تھی۔!

"کیسی ہو بیٹا؟" عاصمہ بیگم کی آواز اس کے قریب آئی اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"کھانا لے کر آؤں؟"

"نہیں بھوک نہیں ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔

"بھوک کیوں نہیں ہے؟ تم نے ہوٹل میں بھی کچھ نہیں کھایا ابھی میں مائرہ کو بھی کھانا دے کر آئی ہوں وہ ماشاء اللہ کافی ریلیکس اور خوش ہے' تم بھی ہر بات ذہن سے جھٹک کر اپنی ٹینشن کم کرو اور ایزی ہو جاؤ' یہ گھر جتنا مائرہ کا ہے اتنا ہی تمہارا بھی ہے کسی بھی چیز کا کسی بھی معاملے میں جھجک اور شرم سے کام مت لینا' حسی میرا بہت اچھا بیٹا ہے' بہت ذہین اور لائق' میرا خیال ہے کہ تم اس کی طرف سے بھی بدگمان ہو' لیکن مجھے یقین ہے کہ جب بھی تمہاری بدگمانی دور ہو گی تم اسے ایک بہترین ہم سفر کے روپ میں دیکھو گی۔ اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے خوش اور آباد رہو۔" وہ ڈھیروں دعائیں دیتیں اس کا سر تھپک کر چلی گئیں۔

رائنہ چپ کی چپ بیٹھی رہی اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا چند منٹ بعد ملازمہ دودھ اور کھانے کی ٹرے رکھ گئی عاصمہ بیگم کو پتا تھا کہ وہ کل سے بھوکی ہے جب بھوک لگے گی تو کھانا کھا لے گی۔ جب رائنہ کو اطمینان ہو گیا کہ اب اور کوئی بھی اندر نہیں آئے گا وہ بیڈ سے اٹھنے اور لباس تبدیل کرنے کا سوچنے لگی لیکن جیسے ہی اس نے بیڈ سے اترنے کے لیے پاؤں نیچے رکھے اچانک سے وہ زوردار آواز میں قہقہہ لگاتے ہوئے عجلت میں اندر داخل ہوا تھا جیسے اس کو پیچھے سے کسی نے پکڑنے کی کوشش کی ہو اور یہ کام یقیناً کسی نیگ لینے والے کا ہی تھا اس نے اسی طرح ہنستے ہوئے دروازے کا لاک کر کے بولٹ بھی چڑھا دیا تھا۔

"اب میں تمہیں دیکھ لوں گی حسی میں پیچھا نہیں چھوڑنے والی' تمہارے دروازے پہ ساری رات پہرہ دوں گی۔" باہر سے اس کی بہن سعادی کی آواز آئی ایک سال پہلے ہی اس کی بہن سعادی کی شادی ہو گئی تھی وہ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ ملک سے باہر چلی گئی تھی اور اب بھائی کی شادی میں آنے میں پرابلم ہو رہی تھی شادی سے پہلے سیٹ نہ ملنے کی بنا پر وہ آج پاکستان پہنچی تھی اس نے آ کر دونوں بھابھیوں کا استقبال خوب کیا تھا اور اب نیگ کے لیے شور مچا رہی تھی۔

"اچھا ہے پہرہ دیتی رہو' کسی کو اندر مت آنے دینا۔" حسی نے شرارت سے کہا اور وہ تلملاتی ہوئی پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی حسی کو اس کی ٹک ٹک کرتی ہیل کی آواز سنائی دی تھی وہ مطمئن ہو کر پلٹ کر بیڈ کی طرف آیا اور رائنہ کے قدم بیڈ سے نیچے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا اپنے تاثرات کنٹرول کرتے ہوئے اس نے بغور رائنہ کی طرف دیکھا وہ سرد نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ کہاں کی تیاری ہے؟" وہ نارمل سے انداز میں ذرا سا مسکرا کر بولا۔

"بے فکر رہو' تم سے ڈر کر بھاگنے والی نہیں ہوں۔" وہ غصے سے چبا کر بولی۔

"ویلڈن۔۔۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔" وہ خوشی کا اظہار کرتا اس کے برابر بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا وہ بھی اتنے قریب کہ دونوں کے کندھے ایک دوسرے سے مس ہونے لگے۔

"مجھ سے وابستہ تمہاری ہر امید ناکام رہے گی۔" وہ انتہائی تلخ ہو رہی تھی۔

"ہوں' ایسا نہیں ہو گا' بلکہ مجھے امید ہے کہ تم میری ہر امید پہ پورا اترو گی۔" حسی نے عجیب سے ذومعنی لہجے میں کہتے ہوئے رائنہ کا سونے کی چوڑیوں اور انگوٹھیوں سے سجا خوش نما ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا اور اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے ہلکا سا چوڑیوں کو چھیڑا تھا' رائنہ نے اس کے لمس سے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔

"ڈونٹ ٹچ می' دور رہو مجھ سے۔" وہ نفرت سے پھنکاری جبکہ وہ اس کی حرکت پہ مشتعل ہونے کی بجائے مسکرا دیا۔

"یہ میری دوسری امید ہے جو تم نے پوری کی ہے۔" اس نے دل جلانے والے انداز میں کہا۔ رائمہ چونک گئی۔

"میں نے کہا نا تم میری ہر امید پوری کرو گی۔" وہ رائمہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولا۔

"تم کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں جو کرنا چاہتا ہوں تم وہ سمجھو گی ہی نہیں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولتا ذرا سا اس کی سمت جھکا لیکن رائمہ یکدم بیڈ سے اٹھ کر اس سے دور ہٹ گئی تھی۔

"تم نے جو کرنا تھا کر لیا اب اور نہیں۔" رائمہ کے لفظ لفظ میں نفرت سمائی ہوئی تھی۔

"میری جان میں ایک شریف، معصوم اور سادہ سا بندہ ہوں میں نے بھلا کیا کرنا ہے؟" وہ جان بوجھ کر چھیڑنے والے انداز سے کہتا اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"تم نے مجھ سے شادی کیوں کی؟" رائمہ نے بے لچک انداز میں استفسار کیا تھا اس کی سوالیہ نظریں حسی کے چہرے پہ گڑی ہوئی تھیں۔

"تم اچھی لگی ہو اس لیے۔" اس کا جواب سیدھا اور مختصر سا تھا نگاہوں میں دلچسپی تھی وہ اسے سرتاپا گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں تو پتا نہیں کون کون اچھا لگتا ہے؟" رائمہ کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"یار یہ کون کون کا سوال ابھی رہنے دو، کبھی فرصت سے جواب دوں گا، ابھی تم اپنی اور میری بات کرو۔" وہ دو قدم بڑھا کر اس کے اور اپنے درمیان کا فاصلہ اور بھی کم کر چکا تھا۔

"اپنی بات؟ اپنی بات یہ کروں کہ مجھے تم جیسے غلیظ انسان سے نفرت ہے، تم ایک کریکٹر لیس ہو۔"

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ رائمہ حسن، زبان کھینچ لوں گا اگر تم نے آئندہ میرے لیے کریکٹر لیس کا لفظ استعمال کیا تو۔" اس نے یکدم غضب ناک انداز میں دھاڑتے ہوئے رائمہ کا جبڑا ایک ہاتھ میں دبوچ لیا تھا اتنی سختی سے کہ رائمہ کا جبڑا کڑکڑا کے رہ گیا وہ آگ اگلتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں کریکٹر لیس نہیں ہوں، میں بدکردار نہیں ہوں، میں کمزور نفس اور انا کا مارا ہوا انسان نہیں ہوں۔ میں اگر ایسا ہوتا تو آج تم اتنی عزت اور غرور کے ساتھ میرے سامنے کھڑی نہ ہوتیں، میں اپنی انسلٹ کے بدلے تمہیں کب کا تمہارے انجام تک پہنچا چکا ہوتا، جس طرح تم نے بیچ چوراہے میں میری توہین کی تھی بالکل اسی طرح اگر میں چاہتا تو تمہیں بیچ چوراہے پر رسوا اور بدنام کر سکتا تھا، میں اپنی ہتک کے بدلے میں تمہاری عزت پہ داغ لگا سکتا تھا، میں تمہیں تمہاری ہی نظروں سے گرا سکتا تھا تاکہ تم اپنے آپ سے بھی نظر ملانے کے قابل نہ رہتیں، آج تک جو غرور تم ساتھ لیے پھر رہی ہو وہ کب کا مٹی میں مل چکا ہوتا مگر ایسا تب ہوتا اگر میں بدکردار ہوتا۔

تم نہیں جانتیں رائمہ حسن! میں نے تم پہ کتنا بڑا احسان کیا ہے، اس وقت میرے دوستوں نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ میں جیسے چاہوں تم سے برتاؤ کروں وہ ہر طرح سے میرے ساتھ ہیں لیکن میں نے دوستوں کے اکسانے کے باوجود ایسا کچھ نہیں کیا جو تمہیں رسوا کرتا اور تم ساری عمر بیٹھ کر روتی رہ جاتیں۔" حسی نے کاٹ دار لہجے میں کہتے ہوئے اس کا چہرا جھٹکے سے چھوڑ دیا تھا رائمہ گنگ سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"میری جن فرینڈز کو تم اپنی گندی ذہنیت سے دیکھتی ہو وہ میری بہت اچھی فرینڈز ہیں کل بھی اور آج بھی ۔۔۔ تم نے ہمیشہ لڑکے لڑکیوں کو "گرل فرینڈ" اور "بوائے فرینڈ" کے ترازو میں تولا ہے۔ تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ فرینڈ شپ، جسٹ فرینڈ شپ بھی ہو سکتی ہے، تم نے جائز تعلقات کا کبھی سوچا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ ناجائز تعلقات پہ دھیان دیا ہے۔ تم اچھا نہیں سوچتیں ہمیشہ برا سوچتی ہو، برا پہلو سامنے رکھتی ہو اور اچھا پہلو پس پشت ڈال دیتی ہو۔ میں لڑکیوں کے بارے میں کیا سوچتا ہوں میں اس کے لیے جوابدہ ہوں۔ اور لڑکیاں میرے حوالے سے کیا سوچتی ہیں اس کے لیے وہ جوابدہ ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو خواب دکھائے، نہ کبھی محبتوں کے وعدے نہیں کیے، کبھی کسی کا سہارا نہیں بنا، میں جب بھی کسی کے ساتھ ڈیٹ پہ گیا تھا سب سے پہلے اپنی ہر اچھی بری بات بتا دی تھی، کچھ چھپا کر نہیں رکھا، کبھی دھوکا نہیں دیا، کبھی لڑکیوں کی معصومیت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ میں بہت لڑکیوں کے ساتھ ڈیٹ پہ گیا مگر ایسی ڈیٹ پہ جو اخلاقی حدود کے اندر ہو، حدود سے باہر نہیں۔ میں جس ڈیٹ پہ بھی گیا وہ ڈیٹ ہمیشہ ریسٹورنٹ کے ہال میں بیٹھ کر گزاری، کبھی کسی ہوٹل کے بیڈروم تک جانے کی نوبت نہیں آئی۔

میں نے ہمیشہ اپنی فرینڈز کا احترام کیا ہے انہیں ایک لیول تک رکھا ہے، کبھی اس لیول سے بڑھنے نہیں دیا۔ البتہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟ کیسے خیالات اور کیسے جذبات رکھتی ہیں؟ اس چیز سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میری لائف ایک دم کلیئر ہے۔ جتنا باکردار تم اپنے آپ کو سمجھتی ہو اس سے بھی کہیں زیادہ باکردار میں خود ہوں۔ میری زندگی اللہ کے فضل و کرم سے پاک اور صاف ہے۔ میں کل روز قیامت اللہ کی نظروں میں بھی سرخرو ہوں اور اپنی نظروں میں بھی۔ کیونکہ میں نے آج تک کوئی بھی غلط حرکت نہیں کی، میں زانی نہیں ہوں۔ میں کریکٹر لیس نہیں، رائمہ حسن سنا تم نے، میں بدکردار نہیں ہوں۔"

وہ اسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا رائمہ پتھر کی ہو چکی تھی۔ وہ شخص کس حد تک سچا تھا، یہ اس کے چہرے سے نظر آ رہا تھا اس کی سچائی اس کے مضبوط لفظوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے جو باتیں کی تھیں وہ سچ ہی تو تھیں، جو جو بھی لڑکی کہتی تھی کہ حسن ایسا نہیں ہے جیسا تم سوچتی ہو۔ اس کی گواہی تو کئی لڑکیوں نے بھی دی تھی مگر رائمہ ہمیشہ ان سب کو فرینڈ سمجھ کر اگنور کر دیتی تھی۔ مگر وہ کب تک اگنور کر سکتی تھی؟

"رائمہ پرواہ نہیں ہے، بری تمہاری سوچ ہے، تم وہی پڑھے لکھے جاہلوں جیسا انداز اپنا چکی ہو جس کو بھی دیکھا، ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا، دقیانوسی ذہنیت ہے تمہاری، تم سمجھتی ہو کہ لڑکے لڑکیاں دوست ہو ہی نہیں سکتے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، ضروری نہیں کہ ایک ساتھ نظر آنے والا لڑکا اور لڑکی ناجائز تعلق میں ہی بندھے ہوں۔ ان کا رشتہ ایک پاکیزہ رشتہ بھی ہو سکتا ہے بس اس رشتے کو پرکھنے والی آنکھ اور سوچ اچھی ہونی چاہیے۔" [illegible] کی بہت پہلے کی کہی ہوئی بات اس کے ذہن میں گونجی تھی رائمہ ۔۔۔ بے دم سی ہو کر بیڈ پہ بیٹھ گئی اسے اپنا دماغ اک بوجھ سا لگنے لگا تھا وہ سر تھام کر بیٹھ گئی اور یونہی بیٹھے بیٹھے اسے نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ وہ چونکی اس وقت جب کمرے میں ملگجا سا اندھیرا دیکھا تھا اس نے یکدم بیڈ کی دوسری طرف دیکھا حسی کپڑے تبدیل کر کے بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ لیٹا سو رہا تھا۔

"اف! اتنی دیر گزر گئی؟" وہ دل تھام کے رہ گئی۔ اب وہ اسے جگا کر کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی سو مجبوراً "اٹھی" کپڑے اور زیور وغیرہ تبدیل کر کے آرام دہ سوٹ پہن کر خود بھی بیڈ پہ آکر لیٹ گئی تھی، نیند کوسوں دور تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کی پہلی نظر بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ گئی تھی وہ وہاں نہیں تھا۔ اس نے فوراً کمرے میں نظر دوڑائی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہیئر برش کرتا نظر آیا تھا رائمہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"گڈ مارننگ۔" وہ آئینے میں اس کا عکس دیکھ چکا تھا بیڈ کے بالکل سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل تھی اس لیے پشت ہونے کے باوجود اپنے پیچھے کا منظر باآسانی دیکھ سکتا تھا۔ رائمہ نے حیرت سے اس کو دیکھا، رات اتنا کچھ ہونے کے باوجود کتنا ریلیکس، پرسکون اور نارمل نظر آ رہا تھا بلکہ اسے مارننگ وش کر رہا تھا۔

"تم تیار ہو جاؤ، مجھے جا کر ناشتا بھی کرنا ہے، سعدی ناشتا اوپر لے کر آ رہی تھی میں نے منع کر دیا ہے۔" وہ

http://paksociety.blogspot.com

ہیر برش ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کے اس کی طرف مڑا اور رائمہ کو اک نظر دیکھ کر بیڈ روم سے باہر نکل گیا تھا اور کچھ کہنے کی غرض سے رائمہ کے لب کھلے رہ گئے۔ اس کو بولنے کا موقع دیے بغیر سامنے سے ہٹ گیا تھا رائمہ ہاتھ ملتی ہوئی اٹھ کر واش روم میں چلی گئی تھوڑی دیر بعد وہ فریش ہو کر باہر نکلی تو کمرے میں عجیب سی غرغراہٹ کی آواز پہ ٹھٹک گئی تھی آگے پیچھے دیکھنے کے بعد اسے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ حسن کا ٹچ موبائل نظر آیا جو وائبریشن سے تھرک رہا تھا اور اس کی اسکرین روشن ہو رہی تھی رائمہ نے آگے بڑھ کے موبائل اٹھایا سامنے "جوجو کالنگ" دیکھ کر وہ ذرا کی ذرا چپ ہوئی اور پھر کال ریسیو کی۔

"گڈ مارننگ حسی۔" جوجو کی آواز چہک رہی تھی۔

"گڈ مارننگ ٹو۔" رائمہ کی آواز دھیمی تھی۔

"کون؟" جوجو ٹھٹکی۔

"مسز رائمہ حسن۔" رائمہ نے بڑے ریلیکس سے انداز میں اپنا تعارف دیا اور جوجو یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑی اس کی ہنسی ائیر پیس سے کھنک کے ساتھ باہر آ رہی تھی۔

"میں پہلے ہی پہچان گئی تھی بس تم سے تعارف سننا چاہ رہی تھی۔ گڈ ویری گڈ بہت اچھا کام کیا۔ اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔" جوجو بالکل اسی انداز میں بات کر رہی تھی جیسے پہلے کرتی تھی اس نے رائمہ کو یہ بھی نہ جتایا کہ یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی تم نے اپنا نمبر ہی چینج کر لیا تھا کہ وہ لوگ اس سے کانٹیکٹ نہ رکھ سکیں' اور سچ ایسا ہی ہوا تھا یونیورسٹی کے فوراً بعد جوجو کی شادی ہو گئی تھی اس کا ہزبینڈ امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں لیکچرار تھا وہ پچھلے چار سالوں سے امریکہ میں تھی اور مسلسل حسی کے ساتھ رابطے میں تھی اس کے ہزبینڈ کو بھی ان کی دوستی کا پتا تھا لیکن وہ اس دوستی پہ کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ دوستی کو "مخلص دوستی ہی" سمجھتا تھا "تعلقات" میں نہیں بدلتا تھا!

"آمین' اینڈ تھینک یو۔" رائمہ کا لہجہ اب بھی دھیما تھا۔

"زندگی کی نئی شروعات مبارک ہو اور نئی صبح بھی۔"

"خیر مبارک۔" وہ جوجو کے اتنے خلوص پہ اندر ہی اندر شرمندہ ہو رہی تھی۔

"حسی کہاں ہے؟"

"شاید نیچے گیا ہے۔"

"تم دونوں میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟" جوجو فکر مند سے انداز سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔"

"شاباش! اچھی بات ہے گزری باتوں کو بھول جاؤ اور نئی زندگی کی شروعات کرو اچھے اور مخلص دل سے۔"

"ان شاء اللہ تم سب دوستوں کی دعا چاہیے۔"

"ہماری دعائیں تو تین چار روز سے تمہارے ساتھ ہیں جب سے حسی نے تمہارا بتایا تھا ہم مصلا ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔" جوجو ہنستے ہوئے بولی گویا وہ اپنے دوستوں کو پہلے سے ہی بتا چکا تھا؟

"تم پاکستان کب آ رہی ہو؟"

"جب تم اور حسی انوائیٹ کرو گے۔"

"ہم آج ہی کر لیتے ہیں۔"

"میں بھی آج ہی آ جاؤں گی' لیکن خواب میں۔" جوجو نے بے چارگی سے کہا اور پھر دونوں ہنس پڑیں۔ سعادی اندر آئی تو رائمہ نے جوجو سے معذرت کر کے فون بند کر دیا تھا وہ اسے ناشتے کے لیے بلانے آئی تھی۔

⁂

"جناب چاند افضل صاحب تو آج بڑے خوش ہیں؟" حسی نے جیم کا ڈھکن کھولتے ہوئے بھابھی اور بھائی کو دیکھا اور ساتھ ہی انہیں چھیڑ بیٹھا۔

"کیوں تم خوش نہیں ہو؟" چاند بھائی نے تیزی سے کہا۔

"خوش تو ہوں مگر اتنا نہیں جتنے آپ دکھائی دے رہے ہیں۔ مسکراہٹیں اور شرماہٹیں بکھری پڑی ہیں۔

اور بھابھی ایک ہی رات میں کون سا منتر پڑھ کے ہوا لیے ہیں۔" حسی نے شرارت سے دونوں کو دیکھا مانہ مسکرا کر چہرا جھکا گیا وہ شرمائی شرمائی سی واقعی بہت اچھی اور پیاری لگ رہی تھیں۔

"اوئے میاں مجنوں' دو روز پہلے کیا حال تھا تمہارا؟ شادی کے لیے مرے جا رہے تھے جبکہ یہ کہنا چاہیے کہ میری اکلوتی سالی پہ مرے جا رہے تھے اگر وہ بیچاری ہاں نہ بھرتی تو تم ابھی تک کشکول تھام کے کسی اور طرف نکل چکے ہوتے۔" وہ بھی موڈ میں ہوتے تو ان کے سامنے بھی کسی کی نہیں چلتی تھی۔

"اب ایسی نوبت بھی نہیں آئی کہ میں کشکول تھام لوں میں کسی کے عشق میں مرا نہیں جا رہا تھا۔" حسی نے اچٹتی سی نظر رائمہ کے چہرے پہ ڈالی وہ چپ چپ سی بیٹھی تھی ان سب لوگوں نے حسی کی بات کو مذاق میں لیا تھا لیکن رائمہ جانتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔

"تم لوگ کبھی تو آرام سے ناشتا کر لیا کرو۔" عاصمہ بیگم نے خفگی کا اظہار کیا۔

"ہم بولتے رہنے سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔" سعادی نے سلائس چباتے ہوئے کہا اور بات ہی ختم کر دی۔

"ہی اچھا تو اسی لیے تم بولتی رہتی ہو اور کھاتی رہتی ہو۔" حسی نے بھنویں اچکائیں۔

"تم مجھ سے بات نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔"

"ارے میری جان کیوں نہ کروں؟" حسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم نے مجھے رات کو نیگ ہی نہیں دیا چاند بھائی نے تو فوراً دے دیا تھا۔"

"اسی لیے تو کہا ہے جناب چاند افضل صاحب کی تو خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے نوٹ بانٹتے پھر رہے ہیں۔" اس نے پھر رخ چاند بھائی کی طرف موڑا۔

"وہ تو بانٹتے پھر رہے ہیں لیکن تم کنجوس کہیں کے اپنے نوٹوں کا والٹ بھرے پھر رہے ہو۔" سعادی جھلا کر بولی۔

وہاں موجود سبھی مسکرا دیے تھے وہ خود بھی ہنس پڑا۔

"سعیدہ!" عاصمہ بیگم نے بیٹی کو سرزنش کی۔ "بھائی ہے تمہارا کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

"ہام! یہ بھائی ہے میرا اگر مجھ سے چھوٹا ہے۔" سعادی نے وضاحت دی۔

"بس لو کے یار تم جو جی چاہے کہو۔" حسی نے سعادی کا کندھا تھپکا وہ اس سے ایک سال بڑی تھی۔

"چھوٹی بھابھی کیوں اداس ہیں؟" سعادی نے بلند آواز سے اپنے خیال کا اظہار کیا رائمہ گڑبڑا گئی سارے اسی کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"یہ بات تو میں بھی نوٹ کر رہا تھا۔" افضل صاحب گلا کھنکارتے ہوئے بولے۔

"حسن۔ نہیں انکل ایسی کوئی بات نہیں۔ میں ان فیکٹ آپ سب کی باتیں سن رہی ہوں۔ سعادی کی اور چاند بھائی کی باتیں سن کر لگ رہا ہے جیسے فرینڈز آپس میں نوک جھونک کر رہے ہوں۔" اس نے حسی کا نام لیتے ہوئے جھجک محسوس کی تھی اسی لیے اس کا نام لینے سے کترا گئی تھی۔

"ہوں ان فرینڈز میں تم بھی شامل ہو سکتی ہو' تمہارا اپنا گھر ہے بیٹا۔" افضل صاحب نے چائے کا کپ ختم کر کے اٹھتے ہوئے رائمہ کے سر پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی تھی۔

"جی انکل۔" وہ سعادت مندی سے بولی۔ افضل صاحب کے ساتھ ساتھ چاند بھائی بھی اٹھ کر چلے گئے۔ شام کو ولیمہ کی رسم تھی کافی انتظامات دیکھنے تھے ابھی۔ ماہ نور عاصمہ بیگم کے ساتھ بیڈ روم میں آ گئی اور ان دونوں کے ساتھ اب سعادی موجود تھی سو تنہائی محسوس کرتے ہوئے وہ بھی وہاں سے کھسک گئی۔ رائمہ کے پاس موقع اچھا تھا اس نے ڈرتے ڈرتے حسی کی طرف دیکھا۔

"میں بھی بھائی اور ڈیڈ کے ساتھ جا رہا ہوں' تم آرام سے ناشتا کرو' سعادی آ جاتی ہے ابھی۔" وہ کپ رکھتے ہوئے کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا اور جھپاک سے باہر نکل گیا۔ رائمہ ایک بار پھر دیکھتی رہ گئی۔ وہ خفا تھا یہ

http://paklinkplace.blogspot.com

تو ظاہر ہو ہی چکا تھا!

* * *

شام آٹھ بجے وہ تیار ہو کر ہال میں پہنچیں تو وہ دونوں بھائی انہیں ریسیو کرنے کی غرض سے گیٹ پہ ہی موجود تھے ماں کو دیکھ کر چاند بھائی فوراً قریب گئے اور اسے گاڑی سے اترنے میں مدد دی تھی جبکہ حسی اپنی جگہ پہ ہنوز کھڑا تھا۔

"حسی کھڑے کیا دیکھ رہے ہو؟ اسے لے کر آؤ۔" افضل صاحب کی آواز پہ وہ ٹھٹکا اور پھر فوراً گاڑی کے قریب چلا گیا لیکن جیسے ہی رائنہ پہ نظر پڑی، نظر ہٹانا بھول گیا۔ وہ مبہوت کھڑا رہ گیا تھا آتشی گلابی گولڈن لہنگے میں وہ ریڈ لپ اسٹک کے ساتھ سر سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک سجی سنوری ہوش اڑا رہی تھی۔ اس کا ہوشربا حسن ایمان شکن ثابت ہو رہا تھا حسی نے پہلے بھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر جب دیکھا تھا تو پھر کچھ اور دیکھنا بھول گیا تھا۔

"دیکھیں جی ساری بات ہے پیار کی، پیار ہو تو بندہ بیچ راستے میں بھی ہوش گم کر بیٹھتا ہے۔" چاند بھائی نے قریب آ کر حسی پہ چوٹ کی تھی اور حسی خجالت چھپانے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور چاند بھائی ان دونوں کے انتظار میں کھڑے تھے تاکہ ایک ساتھ اندر جائیں۔

"تم لوگ آگے چلو اور یہ پیچھے آتے ہیں۔" عاصمہ بیگم نے چاند بھائی سے کہا پھر حسی کو اشارہ کیا اور خود اندر چلی گئیں۔ چاند بھائی کی دیکھا دیکھی حسی نے بھی رائنہ کے بازو میں بازو ڈال لیا تھا وہ دونوں جوڑیاں بہت آہستہ روی سے متوازن چال چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ریڈ کارپٹ پہ نہیں بلکہ ریمپ پہ چل رہے ہوں!

"اگر ایسا ہی ہو کرنا تھا تو مجھ سے شادی کیوں کی؟" رائنہ آہستگی سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی نظریں ہال میں بیٹھے لوگوں پہ تھیں جو گردنیں موڑ کر انہیں اشتیاق سے دیکھ رہے تھے اور دیکھنے کے بعد ان کے چہروں پہ ستائش ابھر رہی تھی۔

"مجھے ایسے ہی رویے پہ تم نے مجبور کیا ہے۔" وہ بھی اس کی طرف دیکھے بنا آہستگی سے بولا۔

"میں جس کام پہ مجبور کروں گی آپ کر لیں گے؟" رائنہ کے سوال میں تجسس تھا۔

"ہاں۔"

"لیکن کیوں؟ آپ میرا کہا کیوں مانیں گے؟" وہ بے یقین تھی۔

"کیونکہ تم میری بیوی ہو۔"

"تو پھر ایک کام کرنے کو کہوں؟"

"بالکل کہو۔"

"مجھ سے فرینڈشپ کر لیں۔" اس نے فرمائش کی۔

"تم سے شادی کر لی ہے کیا یہ کم نہیں ہے؟"

"آپ اچھے شوہر ہیں یا نہیں مجھے اس چیز کا کوئی علم نہیں البتہ آپ ایک اچھے دوست ہیں یہ میں اچھی طرح جان گئی ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"جان جانے کا شکریہ۔"

"مطلب خفا ہیں مجھ سے؟"

"ہاں۔" وہ ہاں کہنے کے ساتھ ہی اسٹیج کی سیڑھی پہ قدم رکھ چکا تھا رائنہ کی بات وہیں رہ گئی۔

"السلام علیکم بھابھی۔" وہ لوگ بیٹھے ہی تھے کہ حسی کے دوستوں نے ایک بار پھر ہلہ بول دیا۔

"وعلیکم السلام بیٹھیے نا۔" رائنہ کا دل صاف ہو چکا تھا اب اس کے لیے سارے رشتے بہت پیارے تھے۔

"جی! جی ہم بیٹھنے کے لیے ہی آئے ہیں دراصل ہم نے آپ کو انفارم کرنا تھا۔" توصیف نے حسی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"انفارم؟"

"جی دراصل حسی صاحب کی ایک نئی لڑکی کے ساتھ فرینڈشپ ہوئی ہے ابھی اسی ہال میں دونوں ہیلو ہائے کر رہے تھے آپ بیچ بچاؤ کر دیجیے گا۔" توصیف نے شاید کوئی پرانا بدلہ چکانا چاہا تھا۔

"کوئی بات نہیں فرینڈشپ تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے اور رہی بات ہیلو ہائے کی تو یہ فنکشن ہمارا ہے ہم اپنے مہمانوں سے ہیلو ہائے نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟" رائنہ کا پرسکون سا جواب ان سب کو چپ اور حسی کو اندر ہی اندر سرشار کر گیا تھا۔

"بھابھی؟" ضیغم نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"جی دیور جی؟" وہ بھی اسی کے سے انداز میں بولی اپنی مسکراہٹ چھپا گیا تھا رائنہ سیر کو سوا سیر ثابت ہوئی تھی۔

"آپ رائنہ ہی ہیں نا؟" علی نے تصدیق کے لیے پوچھا۔

"میں رائنہ حسن ہی ہوں۔" اس کے مضبوط لہجے پہ وہ لوگ مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔

"ہم سوچ رہے تھے ہم پانچوں کو کنوارا چھوڑ کر اس کمینے نے خود شادی کر لی ہے ہم اس کی بیوی کو بھڑکا کر آگ لگائیں گے وہ اسے چین نہیں لینے دے گی لیکن یہ تو راتوں رات چال چل گیا ہے اپنے قابو میں [illegible] آپ کو۔" [illegible] تھا اور وہ سب دل کھول کے ہنسے تھے اور ان کے ساتھ رائنہ بھی شریک تھی وہ کافی دیر ان لوگوں کے پاس کھڑے رہے اور رائنہ ان کی باتوں سے محظوظ ہوتی رہی وہ آج اپنی حدود ذات سے باہر نکلی تو دنیا بڑی حسین لگی تھی۔

حدودِ ذات سے باہر نکل کر دیکھو
نہ کوئی غیر نہ کوئی رقیب لگتا ہے

سعادی رائنہ کو بیڈروم میں چھوڑ کر چلی گئی تھی اور رائنہ دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی کمرے کے وسط میں آ کھڑی ہوئی تازہ پھول اب باسی ہو چکے تھے لیکن دم توڑنے سے پہلے بھی دلفریب مہک چھوڑ رہے تھے ابھی بھی ان پھولوں کے لبوں پہ مسکان تھی کیونکہ وہ مرجھائے تھے مجروح نہیں ہوئے تھے اگر مجروح ہوتے تو رو رہے ہوتے لیکن ان کی تازگی بتاتی تھی کہ وہ خوش تھے۔ رائنہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آئینے کے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ---------- =/100 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/180 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/270 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

سامنے آٹھہری۔ آئینہ اس کی تعریف میں قصیدہ پڑھنا شروع ہو گیا وہ اپنے سجے سنورے سراپے کو دیکھ کر خود ہی جھینپ گئی تھی اور زیادہ دیر آئینے کے سامنے نہ ٹھہر پائی۔

اس نے اسی طرح لہنگے میں ملبوس پورا کمرا گھوم پھر کے دیکھا تھا اور ایک بک ریک کے پاس تھم گئی چند ناول اور پوئٹری بکس کے علاوہ شیکسپیئر کے ڈرامے بھی ترتیب سے سجے ہوئے تھے وہ باری باری دیکھتی رہی اور پھر اس کا ہاتھ موٹے سے فوٹو البم پہ جا رکا۔

"سویٹ میموریز" البم پہ ٹائٹل لکھا تھا اور ساتھ ہی حسی کی بڑی سی تصویر بھی تھی۔ رائنہ البم لے کر بیڈ پہ آ گئی اس نے البم کھولا اور پھر دیکھتی چلی گئی۔ یونیورسٹی کے مختلف فنکشنز میں لی جانے والی تصویریں تھیں وہ سب دوست ہر تصویر میں اک دوسرے کو چھیڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے کوئی رو رہا تھا کوئی بھنگڑا ڈال رہا تھا کسی کے منہ سے توتھ پیسٹ کرتے ہوئے جھاگ ابل رہا تھا اور کوئی تھری پیس سوٹ میں ہینڈسم لگ دے رہا تھا۔ ہر ڈیپارٹمنٹ کے چہرے نظر آ رہے تھے ہر بلاک میں تصویریں بنوائی گئی تھیں یہ تصویریں پورے گجرات کی عکاسی کر رہی تھیں ہر جگہ کی تصویر تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ قریب آ کر بولا وہ کب اندر آیا تھا رائنہ کو پتا ہی نہ چلا تھا۔

"یادیں۔" وہ تصویروں کو چھوتے ہوئے یوں مسکرائی جیسے تصور میں وہیں پہنچ گئی ہو۔

"یہ یادیں تو صرف ہماری ہیں ہم دوستوں کی۔"

"لیکن انہی یادوں سے کہیں میں بھی جڑی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" حسی نے البم رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا یہ یاد کم ہے کہ ہم لوگ UOG میں ملے تھے' ہم یونیورسٹی فیلو تھے؟"

"ھونہہ! ہر وقت لڑائی جھگڑا کرنے والے یونیورسٹی فیلو۔" حسی کا لہجہ خفا خفا سا ہو رہا تھا۔ رائنہ البم سائیڈ پہ رکھ کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"لڑائی جھگڑے ختم بھی تو ہو سکتے ہیں۔" وہ اس کے سامنے آٹھہری ہوئی۔ اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"آئیم سوری حسن۔ ایم ریئلی سوری میں نے واقعی تمہاری بہت انسلٹ کی تھی میں اپنے کیے پہ پشیمان ہوں مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا' وہ تو تم تھے کہ تم نے معاف کر دیا اور اس بات کو بھول گئے ورنہ کوئی اور ہوتا تو نجانے کیا کرواتا؟ واقعی سچ کہتے ہیں عورت کو سوچ سمجھ کر مرد کو للکارنا چاہیے ورنہ سب کچھ تباہ بھی ہو سکتا ہے' ہر مرد حسن نہیں ہوتا۔" رائنہ دونوں ہاتھ باندھے اس سے معافی مانگ رہی تھی اب حسن ایسا بھی پتھر دل نہیں تھا کہ ناک چڑھا لیتا اس نے فراخ دلی سے اسے معاف کرتے ہوئے خود سے لگا لیا تھا رائنہ اللہ کا شکر بجا لائی تھی کہ وہ کسی نقصان سے بچ گئی تھی۔

ان دونوں کی زندگی اب کسی بھی بدگمانی سے پاک ہو چکی تھی اب رائنہ کی سوچ بھی ویسی ہی تھی جیسی باقی سب کی۔ وہ حسی کے ساتھ بیٹھی نہ جانے کتنے پہر "یادیں" (البم) دیکھتی رہی اور وہ اک اک جگہ اک اک اسٹوڈنٹ اور دوست کے متعلق بتاتا رہا۔ رائنہ چار سال یونیورسٹی میں رہی مگر لوگوں کو اتنا نہ جان پائی جتنا اب جان رہی تھی' ہر تصویر کے ساتھ کوئی نہ کوئی کہانی وابستہ تھی حسی البم دیکھتے دیکھتے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"محترمہ تم آج بھی البم پہ ہی ٹرخاؤ گی ہے نا؟"

رائنہ یکدم اس کے انداز سے ہنس پڑی۔

"لیکن آپ کو البم زیادہ پیارا ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"البم تو پیارا ہے لیکن تم تو اپنی جان ہو۔" وہ اسے پرے جھٹکتے دیکھ کر یکدم دبوچ چکا تھا اور رائنہ چوری پکڑے جانے پہ کھلکھلا اٹھی تھی ان دونوں کی شرارت بھری ہنسی کی آواز بیڈروم سے باہر بھی سنائی دے رہی تھی۔!!

* * *

سنبل

کیکٹس

آج وہ بالکل خاموش تھی جس کو میں خاموش کروا کروا تھک جاتا تھا۔ مگر وہ ایسی ہی کہے چلی جاتی تھی اور آج میں چاہتا تھا کہ وہ بولے تو وہ کسی طرح بولنے کو تیار نہیں تھی۔

وہ میری بھابھی تھی۔ لیکن نہیں وہ سب سے پہلے میری چچا زاد تھی۔ میرے سب سے چھوٹے چاچو کی سب سے بڑی اولاد۔ چاچو چھوٹے ہونے کے باعث سب کے لاڈلے تھے اور دوسرے داجی تھے۔ ہر بات میں انہیں کی طرح کروفر اور رعب و دبدبہ ان کی بات گویا پتھر کی لکیر۔ وہ حقیقتاً "فیوڈل لارڈ" تھے۔ تھے تو سارے ہی بھائی ایسے مگر چاچو سب سے سوا تھے۔

میں یعنی فرہاد علی بخاری اور وہ یعنی لیلیٰ بخاری ہم دونوں نے بالکل غلط جگہ جنم لیا تھا۔ ہم لوگ یہاں کے بندے ہی نہیں تھے۔ ہماری سوچ ہمارے افکار ان لوگوں سے قطعی مختلف تھے۔ سونے کے چمچے منہ میں لے کر پیدا ہونے پر بھی ہمارے دلوں میں جھونپڑیوں میں بسنے والوں کا درد تھا۔ ہم ادب کے بندے تھے۔ ہم رنگ، پھول، روشنی، خوشبو، کتاب کے بندے تھے۔ مگر ہم جاگیرداروں اور وڈیروں کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے۔ وہ مجھ سے اکثر کہا کرتی تھی۔

"سنو! تم نے کبھی کیکٹس دیکھا ہے؟" اور میں اسے بغور دیکھا کرتا۔

"ہاں دیکھا ہے، ریگستانی پودا ہے۔" میں کہا کرتا۔

"ہاں ریگستانی ہی ہے مگر وہ بڑا سخت جان پودا ہے کہ ریگستانوں میں سروائیو کر جاتا ہے مگر پانی کی تلاش اور پیاس اس کے بدن میں کانٹے ابھار دیتی ہے ایسے ہی کانٹے میرے وجود میں بھی ابھرے ہوئے ہیں بہت پیاس ہے میرے اندر محبت کی پیاس اور تمہیں پتا ہے کیکٹس کی جڑیں زمین کے اندر گہری ہوتی ہیں۔ بہت دور تک۔ ایسے ہی میری جڑیں بھی بہت گہری ہیں۔ محبتوں کی تلاش میرے اندر ختم ہوتی ہی نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ میں پتھروں کے درمیان بستی ہوں مگر میری جڑیں ان پتھروں سے کچھ ایسی لپٹی ہوئی ہیں کہ شاید یہ پتھر بھی مجھے اپنے وجود کا حصہ تسلیم کرنے لگیں۔" وہ آزردگی سے بولتی۔

"بس بس پاس آج کے لیے اتنی ہی فلسفیانہ گفتگو بہت ہے بد ہضمی ہو گی ہاضمے کی گولی ہو تو دو۔" میں اس کی بات کو مذاق میں اڑاتا کہ اس کا موڈ بدل جائے مگر ایسا کرنا عموماً ناممکن ہی ہوتا۔

"یہ فلسفہ نہیں ہے فرہاد! یہ حقیقت ہے کڑوی حقیقت میری زندگی کی سب سے بڑی سچائی۔ مگر تم کیوں سمجھو گے تمہیں تو اس دکھ سے گزرنا ہی نہیں پڑا۔ تمہاری ماں نے تو تمام مرد بچے پیدا کیے ہیں۔ تم اس دکھ کو سمجھ ہی نہیں سکتے جو میں نے ماں کی گود میں آتے ہی محسوس کر لیا تھا۔" وہ بولتی ہی چلی جاتی بن روئے بھی اس کا لہجہ رو رہا ہوتا تھا۔

داجی نے اپنے تمام بیٹوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی تھی۔ کہ ان کے ہاں بیٹیاں ہوتی ہی نہیں ہیں اور پہلی تو کبھی بھی نہیں اور ان کے بیٹے ان کی بات پر ایمان لے آئے۔ کیونکہ داجی کے خود بھی چاروں بیٹے تھے اور یہ عقیدہ اور بھی راسخ ہوتا گیا جب بڑے بابا، ابو، چھوٹے بابو جی اور بابا صاحب کی جھولیاں بیٹوں سے بھرتی چلی گئیں۔ ایسے میں جب چاچی کی گود میں لیلیٰ آئی تو چاچو نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ اسے اپنی اولاد ہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ سب کے ہاتھ ایک نیا تماشا آ گیا۔ تمسخرانہ نگاہیں چاچی پر اٹھنے لگیں۔ تب چاچی نے چاچو کو سمجھایا تو طوفان تھما۔ مگر چاچی کی عزت دو کوڑی کی ہو گئی لیلیٰ کا نام چار ماہ تک نہیں رکھا گیا۔ پھر میں نے اسے لیلیٰ پکارنا شروع کیا تو وہ لیلیٰ ہو گئی۔ اس کے بعد چاچی کے ہاں چار بیٹے ہوئے مگر ان کی وہ کھوئی عزت بحال نہ ہو سکی چاچو نے لیلیٰ کو پورے تین سال بعد دیکھا تھا۔ ورنہ ان کا حکم تھا کہ جب وہ زنان خانے میں آئیں تو اس لڑکی کو ان کے سامنے سے ہٹا دیا جائے یوں تین سال تک ان کے حکم کی تعمیل ہوتی رہی۔

تب تین سال بعد وہ خود سے کھیلتی اچانک ان کے سامنے آ گئی تو انہوں نے دیکھا کہ جس بچی کو وہ اپنا تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہیں وہ تو ہو بہو انہی کا پرتو ہے نیلی ہی نیلی آنکھیں انہی کی طرح کے سنہرے بال، بے داغ سرخ و سپید رنگت، کھڑی مغرور سی ناک۔ تب وہ پابندی اٹھالی گئی مگر لیلیٰ کو اپنے ہی بابا سائیں کے پاس آنے کی اجازت پھر بھی نہ مل سکی۔

حویلی کا ماحول عجیب سازشی سا تھا۔ یہاں کی عورتوں کی زندگی بڑی مجبور اور محکوم سی تھی۔ ان کی ہر حرکت مرد کے فیصلوں کی محتاج تھی۔ اس کے باوجود بھی یہ عورتیں ایک دوسرے کی وفادار ہونے کے بجائے انہی مردوں کی وفادار تھیں جو کہ ان کا استحصال کرتے۔ گھر کی ہر عورت دوسری عورت کی معمولی سی حرکت بھی اپنے مردوں کے گوش گزار کرتی تھی۔ سوائے چاچی کے۔ چاچی کی فطرت بالکل الگ تھی وہ پڑھی لکھی تھیں ان کی زندگی گوٹھ کے بجائے کراچی میں گزری تھی۔ یوں شروع سے ہی ان پر بے حیائی اور بے شرمی کا ٹیگ تھا جو کہ بات بے بات لگتے تھے۔ بھی نظر آسکا۔ لیلیٰ کی پیدائش پر ان کا سہما انداز باوجود اپنی کم عمری کے میری نظروں سے اوجھل نہ ہوتا تھا وہ بھی کتاب، دوست، رنگ، روشنی، خوشبو، ہوا، بادل، بارش سب کی دیوانی تھیں۔ لیلیٰ کلیتاً اور فطرتاً انہیں کی ورثہ تھی۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی حویلی کے ماحول کی پھر اس کے بعد وہ طوفان اٹھتے کہ حویلی کے در و دیوار لرزتے تھے۔ پھر کچھ لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ ہوتی اور کچھ لبوں پر آہیں اور سسکیاں۔

ایسے گھٹے اور سازشی ماحول میں چاچی جیسی عورت کا گزارا ہمت اور صبر کی اعلا مثال تھا اور ایسے ماحول میں لیلیٰ جیسے ان وانٹڈ چائلڈ کا سروائیو کر جانا اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تھی۔ لوگوں کے دہرے معیارات۔ مردوں کے حد سے بڑھے ہوئے اختیارات عورتوں سے تھرڈ ورلڈ کنٹریز جیسا سلوک اس سب نے اس کے اندر بغاوت بھر دی تھی۔ مگر وہ اس بغاوت کو ظاہر کرنے پر تیار نہ تھی بلکہ اتنی باہمت تھی کہ اس بغاوت کو خود اپنے ہی اندر کچلنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ اور کامیاب بھی رہتی تھی۔ کیونکہ اپنی بغاوت اپنے ہی اندر کچلنے کا درس اسے چاچی کا عطا کردہ تھا۔

تعلیم دلوانے کا چاچو کا اسے کوئی ارادہ نہیں تھا مگر چاچی نے شاہ زیب لیلیٰ کے سب سے چھوٹے بھائی کی پیدائش کا یہی انعام مانگا تھا۔ سو چاچو ٹال نہیں سکے۔ اس پر بھی بڑا طوفان اٹھا تھا۔ مگر چاچو نے یہ کہہ کر اس طوفان کو ختم کروا ڈالا۔

"اپنی بات سے پھر جانا بخاریوں کی روایت نہیں ہے۔" اور بات جب قوم پر آ گئی تو سب کی زبانیں خاموش ہو گئیں۔ یوں لیلیٰ اسکول جانے لگی۔ چاچی اسے خود پڑھاتی تھیں وہ بہت ذہین تھی اور وہ تیزی سے کلاسیں جمپ کرتی چودہ سال کی عمر میں میٹرک کر چکی تھی۔ چاچی نے انعام طلب کرتے ہوئے ایک عقلمندی کی تھی اور وہ یہ کہ چاچو سے کہا تھا کہ "لیلیٰ جب تک اور جہاں تک چاہے گی وہ اسے پڑھائیں گے۔" اور وہ جانے کس جھوک میں مان بھی گئے۔

لہٰذا میٹرک کرکے لیلیٰ نے پرائیویٹ انٹر کی تیاری شروع کر دی کہ بہرحال ایک ناپسندیدہ اور ان وانٹڈ چائلڈ کو اتنی مراعات تو نہیں مل سکتی تھیں کہ وہ شہر جا کر کالجوں میں پڑھے یا ہاسٹل میں رہے۔ حالانکہ اگر چاچو چاہتے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیلیٰ کا ننھیال بھی کراچی میں تھا مگر وہ تو بے حیا و بے شرم وغیرہ وغیرہ تھے۔

بہرحال قصہ کوتاہ لیلیٰ کی تعلیم جاری رہی مگر پرائیویٹ۔ انہی دنوں ہماری پارٹی کے چیئرمین جن کے پارٹی ٹکٹ سے ہم اپنے علاقے میں الیکشن لڑا کرتے تھے۔ ان کا ہمارے علاقے میں انتخابی مہم کے سلسلے میں آنا ہوا ان کی رہائش کا بھی ہماری حویلی میں انتظام کیا گیا۔ انہیں جب پتا چلا کہ اس حویلی کے تمام مکینوں کی صرف ایک ہی بچی ہے تو انہوں نے بطور خاص لیلیٰ کو بلوا کر اس سے ملاقات کی۔ حویلی کی تمام عورتیں جل مریں اور جب انہیں پتا چلا کہ لیلیٰ پرائیویٹ انٹر کی تیاری کر رہی ہے تو انہوں نے چاچو کو خوب لتاڑا "ہونہہ! چراغ تلے اندھیرا" کیونکہ ان کا تو پارٹی سلوگن ہی "تعلیم پر ہر خاص و عام کا حق ہے۔"

تھا۔ انہوں نے چاچو سے کہا تھا۔

"تم لوگوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے بچی کو ہاسٹل نہیں چھوڑنا چاہتے نہ چھوڑو روز کالج چھوڑو اور روز واپس بلواؤ۔" یوں لیلیٰ کا ایک گرلز کالج میں ایڈمیشن ہو گیا اور وہ کالج جانے لگی۔

لیلیٰ میرے بڑے بھائی زریاب علی بخاری کی ٹھیکرے کی مانگ تھی۔ جہاں اس کے ساتھ اور ناانصافیاں ہوتی تھیں۔ یہ ناانصافی ان میں سب سے بڑی اور سوا تھی۔ سب کو معلوم تھا ہم دونوں کے مزاج اور پسند ناپسند "تقریباً" یکساں ہیں اور ہم ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے اور محبت کا کیا ہے کسی مقدس بندھن میں بندھتے تو رب کائنات خود بہ خود دلوں میں اتار دیتا۔

زریاب میں ہر وہ برائی تھی جو فیوڈل لارڈز میں ہوتی ہے وہ ڈرنک سے لے کر ریڈ لائٹ ایریا تک ہر مقام سے گزر چکا تھا۔ یعنی اس میں پانچوں شرعی عیب موجود تھے۔ میں اور چاچی دونوں جانتے تھے کہ وہ اس کالج کی گرلز کے لیے اشتہار ہو رہا ہے۔ وہ تو ڑالے گا اس کو مگر ہم تو بے بس اور مجبور تھے۔

لیلیٰ کے دنیا میں دو ہی دوست تھے ایک میں اور ایک چاچی اور دوست تو ہم مزاج لوگ ہی ہوا کرتے ہیں اور ہم دونوں ہی اس کے ہم مزاج تھے کہنے کو تو اس کے چار بھائی تھے۔ مگر چاروں اس سے صدیوں کی دوری پر کھڑے تھے۔ ان کی تربیت میں چاچو اور داجی کا انداز منہ سے بولتا تھا۔ بڑی تو کیا وہ اسے کسی ہی مان لیتے تھے یہ بڑی بات تھی۔ وہ اس سے اس قدر ہتک آمیز انداز میں بات کرتے تھے گویا وہ گھر کی ملازمہ ہو۔ چاچو اور اس کے بھائیوں کو اس سے قطعی محبت نہیں تھی اور وہ پور پور ان کی محبتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اور یہی وہ محبتوں کی پیاس تھی جس نے اسے کیکٹس بنا دیا تھا جس نے اس کی ذات میں کانٹے ابھار دیے اس کی جڑوں کو گہرا کر دیا تھا اسے کر کے اس کی شادی کا غلغلہ اٹھا مگر اس نے صرف ایم اے کرنے کی خواہش کی اور چاچو نے مان لی۔ اور رہا زریاب تو وہ ویسے بھی کون سا لیلیٰ سے شادی کے لیے مرا جا رہا تھا۔ اسے یوں بھی محبت کرنے کے لیے شادی تھوڑی کرنی تھی۔ محبت کے لیے باہر بہت تھیں۔ اسے صرف گھر میں ڈالنے اور اپنی نسل آگے چلانے کے لیے ایک خاندانی عورت کی ضرورت تھی۔ محبت کرنے کے لیے جاگیردار شادیاں کب کرتے ہیں۔ ہاں گھر کی خواتین "خصوصاً" میری اماں نے خوب واویلا کیا۔ مگر جب گھر کے مرد کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو عورتوں کے واویلوں کو اہمیت ذرا کم ہی دیتے تھے۔

یوں لیلیٰ یونیورسٹی جانے لگی۔ اس کی پڑھائی کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ ہماری ملاقات کم ہونے لگی ان دنوں کسی کام سے میرا اسلام آباد جانا ہوا اور کام میں کافی دن لگ گئے۔ میں جو ہفتہ بھر کے لیے گیا تھا۔ ڈیڑھ ماہ بعد آیا۔ اس عرصے میں فون پر لیلیٰ سے میری بات ہوتی رہتی تھی۔ کچھ عرصے سے میں اس کے لہجے میں ایک خاص کھنک محسوس کر رہا تھا۔ اور جب میں نے آ کر دیکھا تو وہ اس قدر حسین ہو رہی تھی کہ اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ میں جلد از جلد اس کھنک اور اس نکھار کا راز پانا چاہتا تھا۔ مگر وہ تو مجھ سے زیادہ بے تاب تھی۔ کیونکہ وہ ہر بات ہر راز مجھ سے اور چاچی سے ہی شیئر کرتی تھی اور یہ بات تو چاچی سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے دھماکہ کیا اور میرا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا۔

"فرہاد اس کا نام سیف ہے سیف علی خان۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور میں بھی۔ اس نے خود مجھ سے کہا ہے۔ میں محبت کرنا چاہتی تھی فرہاد۔ کسی سے بہت بہت زیادہ جو مجھے بھی میری ہی طرح ٹوٹ کر چاہے اور وہ مجھے مل گیا ہے۔ فرہاد! میری محبت کی پیاس مجھے بنجر اور خشک زمین کی مانند کر گئی تھی۔ فرہاد اس نے مجھے میرے کیکٹس وجود کو محبتوں کا پانی دیا ہے۔ میرے بدن پر اگے کانٹے جھڑنے لگے ہیں میری جڑیں سیراب ہونے لگی ہیں۔ وہ کہتا ہے میں زمین پر محبتوں کا وجود ہوں۔" وہ سرشاری بولتے چلی جا رہی تھی اور میں تڑخ اٹھا۔

"خدا کے لیے لیلیٰ اپنی یہ لن ترانیاں بند کرو اگر کسی نے بھی سن لیا تو یہ لوگ تمہیں سنگسار کر دیں گے تمہیں قتل کر کے تمہاری بوٹیاں چیل کووں کو کھلا دیں گے۔" میں نے اسے متوقع انجام سے ڈرانا چاہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اب تو یہ لوگ مجھے مار بھی ڈالیں تو کوئی غم نہیں۔" اس کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"لیلیٰ مجھے تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہے۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"ہاں کہا تو ہے کسی شاعر نے "کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔" اس نے مزے سے کہا۔

"لیلیٰ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ رحم کرو خود پر اور چاچی پر۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اور ان دیواروں کے کان تو کچھ زیادہ ہی زور آور ہیں۔" میں نے گھر کی عورتوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اب کوئی غم کوئی گلہ نہیں ہے۔ فرہاد مجھے نہیں پتا تھا محبتیں اتنا طاقتور بنا دیتی ہیں۔ اب میرے دل میں کوئی ڈر کوئی خوف نہیں ہے اب مجھے کسی سے ڈر نہیں لگتا۔" وہ میری سن ہی کب رہی تھی وہ تو اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

"تم دنیا کی پہلی خاتون ہو جو کہہ رہی ہو کہ محبتیں بے خوف کر دیتی ہیں حالانکہ محبتیں تو خوفزدہ کر دیتی ہیں چھن جانے کا خوف۔ بچھڑ جانے کا خوف۔ جدائی کا خوف۔ نہ ملنے کا خوف۔ ہاں نفرتوں کے بارے میں سنا ہے کہ یہ بہادر بنا دیتی ہیں فائدے اور نقصان سے ماورا کر دیتی ہیں۔ مگر میں ان دونوں ہی جذبوں سے فی الحال ناآشنا ہوں۔" میں نے بے دلی سے کہا۔

"فرہاد تم بھی محبت کر ڈالو کسی سے زندگی خوب صورت ہو جائے گی۔" اس نے مفت مشورہ دیا۔

"میرا دماغ ابھی چلا نہیں ہے میرے لیے زندگی ویسے ہی خوب صورت ہے۔" میں نے تپ کر کہا۔

"ہاں تم مرد ہو نا! تمہاری زندگیاں تو ویسے بھی خوب صورت ہوتی ہیں فرق تو ہمیں پڑتا ہے۔" اس نے آزردگی سے کہا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے لیلیٰ! تم جانتی ہو نا محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔ اگر کرنا ہوتی تو اماں کب سے ماما کی بیٹی صبیحہ کے لیے کہتی ہیں تو اس سے کر لیتا مگر محبت تو خودرو پودا ہے خود ہی دل کی سرزمین پر اگتا ہے اور خود ہی جڑ پکڑ لیتا ہے۔" میں نے کہا تو وہ مجھے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت بولنے لگے ہو تم میرا سارا اسٹڈی ٹائم نکال دیا۔" اس نے مزے سے سارا الزام میرے سر تھوپ دیا اور میں اسے دیکھ کر رہ گیا۔

* * *

ان دنوں وہ بڑی خوش بہت مگن رہنے لگی تھی۔ مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہ ہوتی تھی۔ اسے کسی کی بات بری نہیں لگتی تھی۔ چاچو اس کے بھائی، تایاں، اماں، تایا ابا اور داجی کچھ بھی کہتے رہتے وہ مگن رہتی پہلے وہ دکھی ہو جاتی تھی۔ اب دکھ کا ہلکا سا شائبہ بھی اس کے چہرے پر نہیں آتا تھا اور میں اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کرتا۔ وہ اکثر مجھ سے سیف کی باتیں کرتی تھی۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگی۔

"سنو فرہاد! سیف اپنے پیرنٹس کو رشتے کے لیے بھیجنا چاہتا ہے سوچتی ہوں اس کو ہاں کر دوں۔" وہ آرام سے بول رہی تھی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ جانتی ہو تم زریاب کی منگ ہو۔ طوفان آ جائے گا اگر کسی کا بھی رشتہ تمہارے لیے آ گیا تو اور خصوصاً یونیورسٹی فیلو سے تو سمجھ لو تمہارا آخری دن ہو گا۔ تم کیوں چاچی کی تربیت پر حرف لانا چاہتی ہو وہ عورت تو پہلے ہی ناکردہ گناہوں کا بوجھ ڈھو رہی ہے۔ اگر اتنی ہی زندگی سے بے زار ہو تو زہر لا دیتا ہوں وہ پھانک لو اور اگر اس سے بھی نہ مر سکو تو حویلی کے سب سے اونچے چوبارے سے چھلانگ لگا دو ان شاء اللہ افاقہ ہو گا۔" میں نے جل کر کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"فرہاد! جب تم ایسے جل بھن کر بولتے ہو تو بڑے

تھا۔ انہوں نے چاچو سے کہا تھا۔

"تم لوگوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے بچی کو ہاسٹل نہیں چھوڑنا چاہتے نہ چھوڑو روز کالج چھڑواؤ روز واپس بلواؤ۔" یوں لیلیٰ کا ایک گرلز کالج میں ایڈمیشن ہو گیا اور وہ کالج جانے لگی۔

لیلیٰ میرے بڑے بھائی زریاب علی بخاری کی ٹھیکرے کی مانگ تھی۔ جہاں اس کے ساتھ اور ناانصافیاں ہوتی تھیں۔ یہ ناانصافی ان میں سب سے بڑی اور سوا تھی۔ سب کو معلوم تھا ہم دونوں کے مزاج اور پسند ناپسند تقریباً" یکساں ہیں اور ہم ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے اور محبت کا کیا ہے کسی مقدس بندھن میں بندھتے تو رب کائنات خود بہ خود دلوں میں اتار دیتا۔

زریاب میں ہر وہ برائی تھی جو فیوڈل لارڈز میں ہوتی ہے وہ ڈرنک سے لے کر ریڈ لائٹ ایریا تک ہر مقام سے گزر چکا تھا۔ یعنی اس میں پانچوں شرعی عیب موجود تھے۔ میں اور چاچی دونوں جانتے تھے کہ وہ اس کانچ کی گڑیا کے لیے انتہائی ناموزوں ہے وہ تو توڑ ڈالے گا اس گڑیا کو مگر ہم انتہائی بے بس اور مجبور تھے۔

لیلیٰ کے دنیا میں دو ہی دوست تھے ایک میں اور ایک چاچی اور دوست تو ہم مزاج لوگ ہی ہوا کرتے ہیں اور ہم دونوں ہی اس کے ہم مزاج تھے کہنے کو تو اس کے چار بھائی تھے۔ مگر چاروں اس سے صدیوں کی دوری پر کھڑے تھے۔ ان کی تربیت میں چاچو اور داجی کا انداز منہ سے بولتا تھا۔ بڑی تو کیا وہ اسے بہن ہی مان لیتے تھے یہ بڑی بات تھی۔ وہ اس سے اس قدر ہتک آمیز انداز میں بات کرتے تھے گویا وہ گھر کی ملازمہ ہو۔ چاچو اور اس کے بھائیوں کو اس سے قطعی محبت نہیں تھی اور وہ پور پور ان کی محبتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اور یہی وہ محبتوں کی پیاس تھی جس نے اسے کیکٹس بنا دیا تھا جس نے اس کی ذات میں کانٹے ابھار دیے اس کی جڑوں کو گہرا کر دیا تھا۔ بی اے کر کے اس کی شادی کا غلغلہ اٹھا مگر اس نے صرف ایم اے کرنے کی خواہش کی اور چاچو نے مان لی۔ اور رہا زریاب تو وہ ویسے بھی کون سا لیلیٰ سے شادی کے لیے مرا جا رہا تھا۔ اسے یوں بھی محبت کرنے کے لیے شادی تھوڑی کرنی تھی۔ محبت کے لیے باہر بہت تھیں۔ اسے صرف گھر میں ڈالنے اور اپنی نسل آگے چلانے کے لیے ایک خاندانی عورت کی ضرورت تھی۔ محبت کرنے کے لیے جاگیردار شادیاں کب کرتے ہیں۔ ہاں گھر کی خواتین خصوصاً" میری اماں نے خوب واویلا کیا۔ مگر جب گھر کے مرد کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو عورتوں کے واویلوں کو اہمیت ذرا کم ہی دیتے تھے۔

یوں لیلیٰ یونی ورسٹی جانے لگی۔ اس کی پڑھائی کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ ہماری ملاقات کم ہونے لگی ان دنوں کسی کام سے میرا اسلام آباد جانا ہوا اور کام میں کافی دن لگ گئے۔ میں جو ہفتہ بھر کے لیے گیا تھا۔ ڈیڑھ ماہ بعد آیا۔ اس عرصے میں فون پر لیلیٰ سے میری بات ہوتی رہتی تھی۔ کچھ عرصے سے میں اس کے لہجے میں ایک خاص کھنک محسوس کر رہا تھا۔ اور جب میں نے آ کر دیکھا تو وہ تو اس قدر حسین ہو رہی تھی کہ اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ میں جلد از جلد اس کھنک اور اس پیار کا راز پانا چاہتا تھا۔ مگر وہ تو مجھ سے زیادہ بے تاب تھی۔ کیونکہ وہ ہر بات ہر راز مجھ سے اور چاچی سے ہی شیئر کرتی تھی اور یہ بات تو چاچی سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے دھماکہ کیا اور میرا وجود زلزلوں کی قید میں آ گیا۔

"فرہاد اس کا نام سیف ہے سیف علی خان۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور میں بھی۔ اس نے خود مجھ سے کہا ہے میں محبت کرنا چاہتی تھی فرہاد۔ کسی سے بہت بہت بہت زیادہ جو مجھے بھی میری ہی طرح ٹوٹ کر چاہے اور وہ مجھے مل گیا ہے۔ فرہاد میری محبت کی پیاس مجھے بنجر اور خشک زمین کی مانند تڑخا دیتی۔ فرہاد اس نے مجھے میرے کیکٹس وجود کو محبتوں کا پانی دیا ہے۔ میرے بدن پر اگے کانٹے جھڑنے لگے ہیں میری جڑیں سیراب ہونے لگی ہیں۔ وہ کہتا ہے میں زمین پر محبتوں کا وجود ہوں۔" وہ سرشار سی بولے چلی جا رہی تھی اور میں تڑپ اٹھا۔

"خدا کے لیے لیلیٰ اپنی یہ لن ترانیاں بند کرو اگر کسی نے بھی سن لیا تو یہ لوگ تمہیں سنگسار کر دیں گے تمہیں قتل کر کے تمہاری بوٹیاں چیل کووں کو کھلا دیں گے۔" میں نے اسے متوقع انجام سے ڈرانا چاہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اب تو یہ لوگ مجھے مار بھی ڈالیں تو کوئی غم نہیں۔" اس کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"لیلیٰ مجھے تمہاری دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہے۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"ہاں کہا تو ہے کسی شاعر نے "کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔" اس نے مزے سے کہا۔

"لیلیٰ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ رحم کرو خود پر اور چاچی پر۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اور ان دیواروں کے کان تو کچھ زیادہ ہی زور آور ہیں۔" میں نے گھر کی عورتوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اب کوئی غم کوئی ڈر نہیں ہے۔ فرہاد مجھے نہیں پتا محبتیں اتنا طاقتور بنا دیتی ہیں۔ اب میرے دل میں کوئی خوف نہیں ہے اب مجھے کسی سے ڈر نہیں لگتا۔" وہ میری سن ہی کب رہی تھی وہ تو اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

"تم دنیا کی پہلی خاتون ہو جو کہہ رہی ہو کہ محبتیں بے خوف کر دیتی ہیں حالانکہ محبتیں تو خوفزدہ کر دیتی ہیں چھن جانے کا خوف۔ بچھڑ جانے کا خوف۔ جدائی کا خوف۔ نہ ملنے کا خوف۔ ہاں نفرتوں کے بارے میں سنا ہے کہ یہ بہادر بنا دیتی ہیں فائدے اور نقصان سے عاری کر دیتی ہیں۔ مگر میں ان دونوں ہی جذبوں سے فی الحال ناآشنا ہوں۔" میں نے بے دلی سے کہا۔

"فرہاد تم بھی محبت کر ڈالو کسی سے زندگی خوب صورت ہو جائے گی۔" اس نے مفت مشورہ دیا۔

"میرا دماغ ابھی چلا نہیں ہے میرے لیے زندگی ویسے ہی خوب صورت ہے۔" میں نے تپ کر کہا۔

"ہاں تم مرد ہو نا! تمہاری زندگیاں تو ویسے بھی خوب صورت ہوتی ہیں فرق تو ہمیں پڑتا ہے۔" اس نے آزردگی سے کہا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے لیلیٰ! تم جانتی ہو نا! محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔ اگر کرنا ہوتی تو اماں کب سے ماما کی بیٹی صبیحہ کے لیے کہتی ہیں تو اس سے کر لیتا مگر محبت تو خودرو پودا ہے خود ہی دل کی سرزمین پر اُگتا ہے اور خود ہی جڑ پکڑ لیتا ہے۔" میں نے کہا تو وہ مجھے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت بولنے لگے ہو تم میرا سارا اسٹڈی ٹائم نکال دیا۔" اس نے مزے سے سارا الزام میرے سر تھوپ دیا اور میں اسے دیکھ کر رہ گیا۔

* * *

ان دنوں وہ بڑی خوش خوش بڑی مگن رہنے لگی تھی۔ مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہ ہوتی تھی۔ اسے کسی کی بات بری نہیں لگتی تھی۔ چاچو اس کے بھائی، تائیاں، اماں، تایا ابا اور داجی کچھ بھی کہتے رہتے وہ مگن رہتی پہلے وہ دکھی ہو جاتی تھی۔ اب دکھ کا ہلکا سا شائبہ بھی اس کے چہرے پر نہیں آتا تھا اور میں اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کرتا۔ وہ اکثر مجھ سے سیف کی بات کرتی تھی۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگی۔

"سنو فرہاد! سیف اپنے پیرنٹس کو رشتے کے لیے بھیجنا چاہتا ہے سوچتی ہوں اس کو ہاں کر دوں۔" وہ آرام سے بول رہی تھی

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ جانتی ہو تم زریاب کی منگ ہو۔ طوفان آ جائے گا اگر کسی کا بھی رشتہ تمہارے لیے آ گیا تو اور خصوصاً" یونی ورسٹی فیلو سے تو سمجھو تمہارا آخری دن ہو گا۔ تم کیوں چاچی کی تربیت پر حرف لانا چاہتی ہو وہ عورت تو پہلے ہی ناکردہ گناہوں کا بوجھ ڈھو رہی ہے۔ اگر اتنی ہی زندگی سے بے زار ہو تو زہر لا دیتا ہوں وہ پھانک لو اور اگر اس سے بھی نہ مر سکو تو حویلی کے سب سے اونچے چوبارے سے چھلانگ لگا دو ان شاء اللہ افاقہ ہو گا۔" میں نے جل کر کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"فرہاد! جب تم ایسے جل بھن کر بولتے ہو تو بڑے

اچھے لگتے ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" میرا لہجہ ہنوز برقرار تھا۔

"پتا ہے فراز! میرا دل چاہتا ہے کہ ایک بار صرف ایک بار سیف کے گھر والے ضرور مجھے بابا سائیں سے مانگنے آئیں۔ مجھے اپنے بختوں کی سیاہی کا تو پورا یقین ہے مگر کیا پتا سیف ہی بخت آور ہو اس کے بخت ہی زور آور ہوں اور بابا سائیں مان جائیں۔" وہ جیسے خواب میں بول رہی تھی۔

تب مجھے اس لڑکی سے ڈر لگا تھا پہلی بار بہت زیادہ اور پھر میں نے چاچی کو اعتماد میں لے کر انہیں ہر بات بتادی اور چاچی ایسی خاموش ہو گئیں جیسے طوفان سے پہلے سمندر خاموش ہو جاتا ہے اور اسی رات چاچی کے سینے میں درد اٹھا۔ ان کی حالت ایسی خراب تھی جیسے کہ وہ قریب المرگ ہوں۔ ڈاکٹر کو میں ہی شہر سے لایا اور ڈاکٹر کے مطابق انہیں ٹینشن فری رکھا جائے۔ تب چاچی نے چاچو سے کہا "وہ مرنے سے پہلے لیلیٰ کو اپنے گھر کا ہوتے دیکھنا چاہتی ہیں۔"

اور دنوں ایک ہفتے کے اندر لیلیٰ کی شادی زریاب سے ہو گئی۔ شادی پر خوب دھوم دھڑکا ہوا کیونکہ یہ پہلی اور آخری شادی تھی۔ جو حویلی کے مکینوں کی آپس میں ہوئی تھی۔ اسی دن ڈیرے پر عورتیں بلائی گئیں اور وہ رات میرے اور داجی کے علاوہ حویلی کے تمام مردوں نے ڈیرے پر گزاری۔ کیونکہ یہ وہ مقام تھا جہاں محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے تھے اور حد تھی کہ یہ رات زریاب نے بھی ڈیرے پر گزاری کیونکہ وہ حرام کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ حلال مشکل سے ہی اس کے حلق سے اترتا تھا اور کون سی اس نے لیلیٰ سے شادی اپنی خوشی اور وارفتگی کے لیے کی تھی۔

اور میں جانتا تھا کہ وہ رات اس نازک احساسات و جذبات والی لڑکی پر کس قیامت کی رات ہو گی۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ زریاب کی منتظر تھی۔ یا کوئی اس سے بڑی اچھی امیدیں وابستہ کیے بیٹھی تھی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ شخص جو اس کی ذہنی سطح سے بہت نچلے درجے بلکہ نچلے درجے کیا پستی پر واقع تھا۔ جس میں ہر برائی تھی جو حلال حرام کے فرق سے واقف نہ تھا جو ذلت اور پستی کو خوبی سمجھتا تھا۔ اس نے لیلیٰ جیسی خاندانی باکردار اور پاکیزہ لڑکی پر ایک بازاری عورت کو ترجیح دی۔

شادی کے بعد کی لیلیٰ شادی سے پہلے کی لیلیٰ سے یکسر مختلف تھی۔ اس کی آنکھوں کے جگنو مر گئے اور چہرے کے گلاب مرجھا گئے تھے۔ مجھے اسے دیکھ کر صدمہ سا ہونے لگا۔ چہکتی چہکاتی بولتی بند ہو گئی اب وہ خاموش خلاؤں میں تکے جاتی۔ ضرورتاً بات کرتی۔ کبھی کبھی میں سوچتا

میں نے اپنی دوست کے ساتھ دھوکا کیا ہے میں اسے اپنا بخت آزمانے دیتا کیا پتا وہ بخت آور ہوتی اور وہ بیری تھی۔ پتھر تو کوئی بھی کہیں سے بھی آسکتا تھا مگر یہ بات بخاریوں کی انا پر ضرب ہوتی کہ یونیورسٹی سے کسی کا رشتہ آیا ہے اور پھر انہوں نے اس کا کیا حال کرنا تھا۔ یہ میں ہی جانتا تھا۔ شادی تو اس کی ہر دو صورتوں میں زریاب سے ہی ہوتی مگر پھر زریاب اس کا کتوں سے بھی برا حال کرتا۔ مجھے اس کی اداسی اور پژمردگی کھلتی تھی۔ وہ زندہ تھی اور بے حال تھی۔ مگر جس کے حرم میں تھی وہ بھی زریاب تھا جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیا کرتا تھا۔ دنوں میں اندازہ لگا گیا اور آخر سنگ اٹھا۔

"وہ تعلیم کے نام پر کون سے یار سے چلا کر آئی ہو جو دنوں میں اجڑی بیٹھی ہو۔" وہ چیخ گیا۔

"تم اور تمہاری گندی ذہنیت۔ تم سمجھتے ہو جو کام تم کرتے رہتے ہو وہ کام ہر بندہ کرنے نکل کھڑا ہو گا۔" اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہا اور زریاب کا تھپڑ بے ساختہ تھا۔

"مجھے زبان چلاتی عورتیں پسند نہیں ہیں۔" اس کا جاہلانہ اظہار تھا۔

"تمہیں کیسی عورتیں پسند ہیں مجھے پتا ہے تمہیں ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اپنے ہونٹوں سے خون کی لکیر صاف کی۔

"تم سے تو اچھی ہوتی ہیں۔" زریاب نے مزہ لیتی

ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مجھے کیا حویلی کی ہر عورت بشمول تمہاری ماں کے ابھی ہوتی ہیں انہیں حاصل کرنے کے لیے کہیں مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔" اس نے بھی زہریلے لہجے میں کہا اور زریاب نے اسے زمین پر دھکا دیا اور اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

"ذلیل عورت! حویلی کی عورتوں کو ان سے اور خود سے ملاتی ہے تو نے کیا گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے پڑھنے کا نام پر گھر کے لوگوں کو دھوکا دینے والی۔" اس کی زبان اور پیر ساتھ چل رہے تھے اور کوئی عورت ہوتی تو ادھ موئی ہو جاتی مگر وہ بھی لیلیٰ بخاری تھی۔

"کروں گی۔ اگر تم میرا کمپیوٹر ان بازاری عورتوں سے کرو گے تو میں بھی ایسے ہی کروں گی روک سکتے ہو تو روک لو۔" اور ڈیڑھ ماہ کی شادی شدہ بیوی کو زریاب نے ٹیل ونیل کر دیا اور چاچو کے پورشن میں ڈلوا دیا۔

مگر کوئی بھی اس کے حق میں بولنے والا نہیں تھا۔ ہر کوئی اسے اس کی خامیاں بتانے کو کھڑا تھا۔ صرف میں اور چاچی اس کے درد آشنا تھے اور ہم نے اس کی مرہم پٹی کی۔ چاچی نے اسے سمجھانا چاہا۔

"لیلیٰ بی بی! ایک چپ سو کو ہراتی ہے خاموش رہا کرو۔ کب تک پیچھے پڑے گا آخر کار خود ہی تھک ہار کر چپ ہو جائے گا۔" چاچی نے اپنا آزمودہ فارمولا پیش کیا اور وہ بدک گئی۔

"نہیں رہ سکتی۔ میں چپ نہیں رہ سکتی ماما۔ آج ڈیڑھ ماہ ہو گیا ہے۔ ان اخلاق باختہ اور حیا سوز عورتوں کے گنوں کو سنتے۔ وہ شخص ہر روز ایک نئی عورت کا حدود اربعہ اس کا حسن جمال سوز اس کی جسمانی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ اپنی اور ان عورتوں کی اپنے ریلیشن کی آخری حدود تک بتاتا ہے اپنی اور ان کی گرم جوشیاں مجھے باور کراتا ہے۔ وجہ یہ نہیں ہے ماما کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور یہ سب سن کر جل مرتی ہوں۔ تو زریاب نام کے شخص سے مجھے ایسی نفرت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ میرے لیے تو دشمنی میں بھی دشمن کا باکردار ہونا ضروری ہے وجہ صرف یہ ہے ماما کہ میری پرورش آپ کی گود میں ہوئی ہے ایسی اخلاق باختہ گفتگو مجھے مرا نہیں دیتی۔ ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ماما میں زریاب کی طرح بدکردار نہیں ہوں۔ میں نے محبت کی تھی پاکیزہ اور شفاف محبت اس میں کوئی آلائش نہیں تھی کوئی کھوٹ کوئی گناہ نہیں۔ مگر وہ مجھے کرپٹ ثابت کرتا ہے میرے وجود میں بدکرداری کے نشان ڈھونڈتا ہے مجھے ان حیا سوز عورتوں سے ملاتا ہے مجھے کہتا ہے میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔" وہ بول رہی تھی اور آنسو موتی کی لڑی کی اس کے چہرے کو دھو رہے تھے۔

میں اور چاچی خاموش ہو گئے۔ حرف دلاسا اور تسلی جو ختم ہو گئے۔ حویلی کا کون سا مرد تھا جو یہ سب نہیں کرتا تھا۔ داجی سمیت کون دودھ کا دھلا تھا۔ مگر یوں اس طرح اپنے ہی گھر میں اپنی عورت کے سامنے ایسے شرمناک اعترافات۔ وہ اخلاقی پستی کے کس مقام پر تھا۔ وہ اسے کون سی اذیت دینے کا طالب تھا۔ شاید وہ خود اذیت کے دور سے گزر رہا تھا جس کے ایک نگاہ التفات کی عورتیں بھوکی تھیں۔ اس کی اپنی بیوی کا دل اس کی محبت سے خالی تھا اور یہ جان لینا کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔ وہ دو مختلف اذہان کے لوگ تھے۔ دو مختلف تہذیبوں کے بندے ان کی کیمسٹری فیوڈل لارڈز عورتوں کو انسان سے زیادہ مٹی کی مورت سمجھنے والے۔

* * *

وقت گزرنے لگا۔ زریاب زیادہ زور آور اور لیلیٰ اپنی شادابی کھونے لگی۔ زریاب کے قصے اب زبان زد عام ہونے لگے۔ مگر حویلی والوں کے لیے یہ عام سی باتیں تھیں۔ وہ تو حیران بھی نہیں ہوتے تھے ان باتوں پر ہاں مگر ذرا سے فرق کے طور پر کیونکہ اس قصے میں لیلیٰ بھی تھی تو مسخرانہ اور استہزائیہ ہنسی ضرور سب کے لبوں کا احاطہ کر لیتی تھی۔

میں اور چاچی اس کی طرف سے سخت فکر مند رہتے

لگے۔ مگر اب اس نے ہم سے بھی کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ اس دن میں نے ہی اس سے اس کے حلیے کی بابت کہا تو بولی۔

"سنگھار اپنا کسے دکھاؤں؟" اور میں لاجواب ہو گیا مگر میں نے ہمت نہیں ہاری۔

"لیلیٰ کی زندگی میں زریاب کب اتنی اہمیت اختیار کر گیا کہ اسے اپنے سنگھار کے لیے زریاب کی نظروں کی ضرورت پڑنے لگی۔" میری بات کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

"فرہاد! مجھے نہیں ہے اور لوگوں کو ہے۔ اگر ٹھیک حلیے میں رہو تو زریاب سمیت ہر نگاہ مشکوک ہوتی ہے بقول زریاب کے سنگھار ہے کس کے لیے جب کہ اسے میرے سنگھار کی ضرورت نہیں اور دیگر نظروں میں سوال کہ زریاب نہیں تو کون؟" وہ بے ساختہ ہنسی اور وہ ہنسی نہیں درد و کرب میں ڈوبا نوحہ تھی۔

"تو کیا باتیں اس حلیے پر نہیں ہوتیں کہ کس کا سوگ ہے۔" میں نے کہا تو اس نے مجھے دیکھا۔

"ہاں چلیں تو کسی کو بھی کسی بھی طرح نہیں ہے مگر دل مر سا گیا ہے۔ میرا وجود پہلے ہی کچھ کم نہ تھا۔ مگر اب تو پیار کا نام و نشان ہی مٹا کر بیٹھا ہے۔ میری جڑیں پانی کی تلاش میں اتنی دور جا چکی ہیں کہ پا کھو بیٹھی ہیں اپنا بھی۔ میری جڑیں میرے وجود میں ہی مرنے لگی ہیں۔" وہ خلاؤں میں گھورتی بول رہی تھی۔

* * *

اب کچھ عرصے سے ایک نیا موضوع نیا مسئلہ سر اٹھانے لگا تھا۔ شادی کے دو سال گزرنے پر بھی اس کی گود خالی تھی۔ اب اسے بے فیض اور بنجر وجود کہا جانے لگا۔ ایک بار اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"فرہاد! اولاد میری خواہشوں میں شامل ہے ہی نہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ میں زریاب جیسے شخص کی اولاد پیدا نہیں کرنا چاہتی اور دوسری بچے بہت معصوم ہوتا ہے میں مزید کسی معصوم کو اس زہریلی فضا سے بچانا چاہتی ہوں۔" اور میں اسے دیکھ کر رہ گیا۔

اور دو سال بعد ہی زریاب دوبارہ سے سہرا باندھ کر گھوڑی چڑھنے کو تیار تھا۔ اب کے قرعہ فال اماں کی بھتیجی صبیحہ کے نام نکلا۔ لیلیٰ اس شادی میں پیش پیش تھی۔ ہر شخص اپنی جگہ حیران تھا۔ بہت عرصے بعد لیلیٰ کے چہرے پر شادابی اور خوشی دیکھنے میں آئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"فرہاد! اب اس کی توجہ مجھ پر سے ہٹے گی۔ مجھے تو اس کی نظریں بھی خود پر بری لگتی ہیں۔ گھن آتی ہے خود اپنے ہی وجود سے۔ فرہاد! مجھے شکوہ ہوتا ہے خدا سے میں اتنی بری تو نہیں تھی کہ میرے لیے زریاب کا انتخاب ہوتا۔" اور میرا دل اس لڑکی کے دکھ سے بھرتا چلا گیا۔

اور زریاب کے چہرے پر بھی شکست کے آثار خوب نظر آتے تھے۔ وہ تو اس زعم میں پر کر بیٹھا تھا۔ لیلیٰ روئے گی گڑگڑائے گی اس کے پاؤں پڑ جائے گی مگر یہاں تو سب الٹا ہوا وہ تو خود صبیحہ کو سیج پر بٹھا کر گئی تھی۔

مگر یہ لیلیٰ کی خام خیالی ہی رہی کہ زریاب کی توجہ اس پر سے ہٹ جائے گی۔ وہ لیلیٰ کو دکھانے کے لیے جلانے ستانے کے لیے صبیحہ کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ اسے گھماتا پھراتا تھا مگر جب لیلیٰ پر اس کا کوئی اثر نہ دیکھتا تو کھول جاتا اور پھر توپوں کا رخ لیلیٰ کی طرف ہو جاتا۔

"کیا بات ہے میری دوسری شادی سے تمہارا کیا مفاد جڑا تھا یا کون سی آزادیاں مل گئی ہیں جو لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہوتی۔" وہ جل کر پوچھتا۔ اور مسکرا کر کہتی۔

"نہیں دیوتا! بیوی تو داسی ہوتی ہے اور دیوتا خوش تو داسی خوش۔" اور زریاب جل جاتا وہ اسے ہر طرح کے کچوکے لگاتا۔ ذلیل کرتا صبیحہ کے کام کرواتا مگر اس کے لبوں کی مسکراہٹ کو نہ ماند کر پاتا تو مزید جل جاتا اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کیا کر دے اس لڑکی کی آنکھوں کو آنسوؤں اور لبوں کو آہوں سے بھر دے مگر اس کی ہر تدبیر ناکام تھی۔ یوں اور بہت سا وقت گزرتا چلا گیا۔

[illegible] سی اور اب زریاب سمیت سب [illegible] گیا۔

* * *

ان دنوں اکیڈمی میں زریاب کا کوئی دوست ٹھہرا ہوا تھا [illegible] یوں بھی زریاب کے دوستوں سے کوئی [illegible] نہیں تھی۔ وہ سب کے سب اسی کی طرح [illegible] ہوتے تھے۔ بہرحال اس دوست میں کوئی بات تھی ضرور کیونکہ زریاب اسے حویلی کے اندر مہمان خانے میں بھی لے آیا تھا۔

اس دن میں کسی کام سے اندر آیا تو لیلیٰ کو مہمان خانے کی کھڑکی کے ساتھ کھڑے دیکھا میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ادھر کیا کر رہی ہو لیلیٰ! کسی نے دیکھ لیا تو قیامت آ جائے گی۔" مگر وہ اپنے آپ میں ہی کہاں تھی اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش کروا لیا۔

"سنو! کیا سیف آیا ہے پوری حویلی میں اس کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔" اس نے بڑی آس سے پوچھا۔

اور میرے سر پر گویا حویلی کی چھت آ گری سیف! ہاں سیف علی خان ہی تو ہے زریاب کے دوست کا نام تو کیا یہ وہ سیف ہے اور میں دکھ کے بوجھ تلے دب سا گیا۔ یہ انتخاب تھا لیلیٰ کا۔ بلکہ لیلیٰ کا کہاں لیلیٰ انتخاب تھی سیف علی خان کی۔ وہ تو ٹریپ ہوئی تھی سیف جیسے کھلاڑی کے ہاتھوں۔ ہاں کھلاڑی ہی تو تھا لفظوں کا کھلاڑی۔ میں نے ان دونوں میں اس سے بڑا لفاظ شخص نہیں دیکھا۔ لفظوں کو برتنے ان کو استعمال کرنے کے آداب و اوقات سے واقف تھا وہ۔ پتا نہیں اسے یاد بھی تھا یا نہیں کہ اس نے کبھی اپنے لفظوں کی جادوگری سے لیلیٰ نام کی کسی لڑکی کو اسیر کیا تھا۔ مگر لیلیٰ تو آج تک انہیں لمحوں میں جی رہی تھی۔ وہ اکثر مجھ سے کہا کرتی تھی۔

"جانتے ہو فرہاد! سیف کی محبت میرا زاد راہ ہے میرا اثاثہ ہے محبت کے ان چند لمحوں چند گھڑیوں نے مجھے اتنا بھر دیا ہے۔ اتنا امیر اتنا غنی کر دیا ہے کہ عمر کٹ جائے گی مگر اس خزانے میں کمی نہیں آئے گی۔ اس کی محبت کے چند لمحے کافی ہیں میری زندگی کے لیے۔ میری پیاسی زمین پر برسات کی مانند۔" اور میں اسے اندر جانے کا کہہ کر مہمان خانے میں چلا گیا۔ اندر وہی فضول لایعنی گفتگو چل رہی تھی۔ تب ہی زریاب نے اس سے پوچھا۔

"یار سیف! تیری زندگی میں اتنی لڑکیاں آئیں کوئی ایسی نہیں آئی جو تیرے احساسات کو چھو کر دل میں گھر بنا بیٹھی ہو۔" تو سیف نے بڑا زوردار قہقہہ لگایا۔

"نہیں یار! ایسی تو کوئی نہیں تھی ہاں ایک بہت یاد آتی ہے زمیندار کی بچی تھی ہاتھ ہی دھرنے نہیں دیتی تھی۔ بہت باحیا تھی۔ سر سے چادر نہیں سرکتی تھی۔ سوچتی بھی رک کے تھی۔ تینوں بیٹوں کے درمیان مرہم تھی۔ منہ کا ذائقہ بدلنے کو میں اس کی جانب بڑھا تھا۔ مگر وہ بڑی پیاسی تھی محبتوں کی' وہ کہتی تھی محبتوں کی بڑی پیاس ہے سائیں میرے اندر اس پیاس نے مجھے بنجر کر دیا ہے بنجر زمین کی مانند کیکٹس اگ رہا ہے میرے وجود میں کانٹے ابھار رہے ہیں۔ وہ ساون کی طرح اپنی محبتوں سے مجھے سیراب کرنا چاہتی تھی۔ مگر میں اس کے جسم کا طالب تھا اور وہ محبتوں کا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
گلیاں تے چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/200 روپے

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

قیام روحوں میں تصور کرتی تھی۔ ہاتھ ہی نہیں آتی تھی۔ وہ واحد تھی جسے میں نے شادی کا جھانسا بھی دیا۔ مگر یار کچھ تھا اس میں کسی کی دعاؤں کے حصار میں تھی وہ۔ یا واقعی مریم تھی وہ بچ گئی۔ اس نے رستا ہی چھوڑ دیا۔" سیف بولا تو بولتا ہی چلا گیا اور میرا دل چاہا اٹھ کر اس شخص کو شوٹ کر دوں۔

"یاد کیوں آئی ہے؟" زریاب نے مزا لینے کو کہا۔

"حاصل جو نہیں ہو سکی اور لاحاصل کا دکھ ہی الگ ہوتا ہے اور میں وہ ذائقہ چکھنا چاہتا تھا کہ پرانی بازاریوں اور بولڈ عورتوں سے ان پاکباز عورتوں میں الگ کیا ہوتا ہے۔" اس نے زریاب کو دیکھ کر کہا۔

"تو واقعی شادی کر لیتا۔" زریاب نے مشورہ دیا۔

"کیسے کر لیتا ایک تو ان کے ہاں شادی خاندان میں ہوتی تھی۔ دوسرے مجھے تیری طرح بندھنے کا شوق نہیں ہے اور پھر دنیا میں کمی تو نہیں تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔ بہت پاکباز بننے والی بھی دو منٹ میں کچے پھل کی مانند گود میں آ گرتی ہیں ہاں مگر وہ الگ تھی۔" سیف کہا تو میری برداشت سے باہر ہو گیا۔ اب ان کی گفتگو جس نہج پر جانے والی تھی۔ وہ میرے لیے قابل برداشت نہیں تھی۔ میں باہر نکل آیا۔

باہر نکل کر دیکھا تو وہ ابھی بھی کھڑکی کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ پاس ہی بڑی تائی اماں اسے کڑی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ میں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ میں نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے تائی اماں کے کھڑے ہونے کا خفیف سا اشارہ کیا اور پوچھا۔

"لیلیٰ! کیا طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے؟" اس نے کہا کچھ نہیں بلکہ سر اثبات میں ہلا دیا اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

"چلو میں تمہیں چاچی کے پاس چھوڑ آتا ہوں کچھ دیر آرام کر لو۔ میں ڈاکٹر سے کوئی دوا معلوم کر لیتا ہوں لگتا ہے تمہارا بلڈ پریشر لو ہو رہا ہے۔" میں نے کہا تو تائی ماں مشکوک نظروں سے دیکھتی آگے بڑھ گئیں میں اسے اس کے کمرے میں لانے کے بجائے چاچی کے کمرے میں لے گیا۔ چاچی موجود نہیں تھیں میں نے اسے بیڈ پر لٹا دیا۔ اس کی آنکھیں بالکل خشک اور چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور بولی تو لہجہ بھی خشک اور سپاٹ تھا۔

"فرہاد! آج میرا زادِ راہ لٹ گیا۔" اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں کھول کر میرے سامنے کر دیں۔

"دیکھو میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں کچھ نہیں ہے میرے پاس۔" اور میرا دل کٹ سا گیا۔

"میں سمجھتی رہی کہ وہ میرے کیکٹس وجود کی جڑوں میں محبتوں کا امرت پکا رہا ہے مگر وہ تو خائن نکلا وہ تو میری جڑوں میں سم اتار رہا تھا میری جڑوں کو کاٹ رہا تھا اور آج تو اس نے میری جڑیں جلا ڈالیں ان میں تیزاب ڈال دیا۔ نہ لیلیٰ رہی نہ کیکٹس نہ پیاس رہی نہ کانٹے نہ تلاش رہی نہ جڑیں۔" اس نے بڑی حسرت سے مجھے دیکھا۔

"اس نے ایسا کیوں کیا فرہاد! میرے پاس تو پہلے ہی کچھ نہیں تھا اس نے تو میرا اپنا آپ بھی چھین لیا۔" پھر وہ خاموش ہو گئی میں اسے بولنے پر اکسانا چاہ رہا تھا مگر وہ نہیں بولی میں چاہتا تھا کہ وہ بولتی رہے اس کے اندر کی بھڑاس نکل جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو آج کا دن بہت بھاری تھا کچھ نہ کچھ ہونا ضرور تھا یہ میرا دل اندر سے کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے جانے کے لیے کہا۔

"فرہاد! میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں تم چلے جاؤ۔ پلیز مائنڈ مت کرنا۔ میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے مجھے سکون اور نیند کی ضرورت ہے۔" میں نے اسے سر درد کی گولی دی اور باہر آ گیا۔

* * *

دوسرے دن صبح وہ ہمارے درمیان نہیں تھی۔ اسی دن شدید برین ہیمبرج کے ساتھ وہ کوما میں چلی گئی اور صبح پانچ بجے اس کی موت واقع ہو گئی اور اب وہ خاموش لیٹی تھی۔ چاچی نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"کیا ہوا تھا مجھے بتاؤ کیونکہ تم ہی نہیں میں بھی تو اسے جانتی تھی۔" مگر میں انہیں بتا نہیں سکا کہ اس کا قتل کیا گیا ہے ایسا قتل جس کی دنیا کی کسی عدالت میں کوئی سزا نہیں ہے۔ ہاں ایک جگہ ہے جہاں سزا ہے [illegible] میری عدالت اگر کسی کے پاس ہو تو۔

اور اس عدالت میں میں نے سیف کو سب بتا کر [illegible]۔ لیلیٰ اس فانی دنیا سے ابدی دنیا جا چکی [illegible] پیچھے دو بے مرادوں کو چھوڑ کر جو اب ساری [illegible] ایک ان دیکھی آگ میں جلیں گے۔

ان میں سے ایک کا نام سیف علی خان ہے جسے لیلیٰ بخاری کی روحانی محبت حاصل تھی اور وہ اس کے مادی وجود کا خواہاں تھا اور بے مراد رہا اور اب وہ ساری عمر جلتا رہے گا کہ اس نے ایسی کھری اور خالص محبت کو اپنے ہاتھوں کھو دیا مادی وجود تو فنا ہو گیا تھا اور روحانی محبت وہ اس کی مادی موت سے پہلے اپنے ہی ہاتھوں کھو چکا تھا۔

اور دوسرا زریاب علی بخاری جسے لیلیٰ کا مادی وجود حاصل تھا اور اسے اس کی روحانی محبت کی طلب تھی۔ اسے ہمیشہ یہ بات جلاتی اور سلگاتی تھی کہ جس کے ایک اشارۂ ابرو پر عورتیں کھنچی چلی آتی ہیں اس کی اپنی بیوی کے چہرے پر اس کے نام اس کے وجود سے کوئی رنگ نہیں پھیلتا تھا۔ جس پر سینکڑوں عورتیں اپنا تن من وار دیتی تھیں اس کی اپنی ہی بیوی کا دل اس کی محبت سے خالی تھا۔ وہ اس سے بھاگتی تھی۔ تو زریاب بھی بے مراد رہا وہ اب لیلیٰ کے مادی وجود کو بھی کھو چکا تھا اور روحانی محبت تو اس کا نصیب تھی ہی نہیں۔ اور اب اسے ساری عمر اس ان دیکھی آگ میں جلنا تھا اور ان ہی میں میں بھی تو جسے اس کے نکاح والے لمحے احساس ہوا کہ میں تو اس سے محبت کرتا تھا شدید محبت۔

اور پھر اس لمحے کے بعد کیا بچا تھا سوائے احساسِ زیاں کے۔

اور فضاؤں میں کہیں اس کی آوازوں کی بازگشت تھی۔

"میں کیکٹس 'ریگستانی پودا' وجود کے کانٹے محبت کی پیاس اور گہری جڑیں۔"

* * *

قہقہوں سے گندھی ہوئی تحریر
اداس اور غمگین قارئین کے لیے
ایک غم گسار کہانی

وہ غائب ہونا چاہتا تو حاضر ہو جاتا
حاضر ہونا چاہتا تو غائب ہو جاتا
ایک مرد پر حواس کی داستان حیرت
شگوفے، پھلجھڑیاں اور بتاشے

حاضر غائب
اظہر کلیم ایم اے

قیمت: -/300 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی

شگفتہ بھٹی

گزشتہ ساعتوں کی چاہت

نویں قسط

"وجیہہ نے صنوبی کو گولی مار دی ہے… اپنی اتنی پیاری بہن کو؟" میرے لیے اس خبر پر یقین کرلینا اتنا آسان نہ تھا کیونکہ میں نے ان بہن بھائیوں کی محبت دیکھی تھی وجیہہ جب بھی کہیں باہر سے گھر آتا تھا تو سب سے پہلے صنوبی کو آوازیں دیتا تھا اسے دیکھتے ہی اپنی بانہیں پھیلا دیتا اور پھر اسے اپنے ساتھ لگا کر شفقت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتا۔

وہ بھی چھوٹی بچی کی طرح لاڈ سے مچل کر اس کے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلا دیتی۔

"بھائی! میرا جیب خرچ…" اور وہ مسکرا کر اس کے سر پر چپت لگاتا اور اپنا پرس نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔

"کیا سارے لے لوں؟" وہ پرس کو مٹھی میں دبا کر شرارت سے پوچھتی۔

"سارے لے لے۔" وہ پورے دل سے کہتا۔

"اچھا بس بس… زیادہ شاہانہ بنو۔" وہ بھائی کو نخرے سے کہتی ہوئی اس کے پرس میں سے کبھی ایک ہزار اور کبھی پانچ سو کا نوٹ نکال لیتی۔

"اتنے سے پیسوں کا کیا کرو گی؟" وہ حیرت سے پوچھتا۔

"چاکلیٹ کھاؤں گی… چپس اور کوک پیوں گی۔" وہ کندھے اچکا کر ہنسنے لگتی۔

"ان پیسوں سے منگواؤ گی؟ کیا گھر میں نہیں ہیں یہ چیزیں۔ اتنی ڈھیر ڈھیر تو آتی ہیں۔" وجیہہ کو کبھی بھی برا لگتا وہ سمجھتا تھا کہ گھر میں شاید یہ چیزیں نہیں ہیں جبکہ وہ خود بے حساب لایا کرتا تھا سب۔

"بھائی! آپ کو کیا پتا ان چیزوں سے… اپنے ہاتھ سے یہ چیزیں خرید کر کھاؤں تو کتنی اچھی لگتی ہیں۔ کتنا مزا آتا ہے؟" اور وہ پیسے لے کر بھاگ جاتی۔

"جھلی ہے بالکل۔" وجیہہ ہنستا۔ میں پوچھتی۔

"وجیہہ! تمہیں صنوبی سے کتنی محبت ہے؟" وہ ہنس کر کہتا۔

"کیوں تمہیں کیوں بتاؤں؟"

"کیا میں نہیں پوچھ سکتی؟"

"ہاہاہا! تم اس کی بھرجائی ہو جیلس ہو جاؤ اور میری بہن کو نظر لگاؤ گی۔" وہ چھیڑتا۔

"نہیں میں نظر نہیں لگاؤں گی میں تو دعا دوں گی کہ تمہاری محبت صنوبی کے لیے اور بھی بڑھتی جائے۔" میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہتی۔

"تو بس پھر دعا کیا کرو کہ رب میری بہن کو کبھی کوئی دکھ نہ دے… [illegible]! اگر اس کی آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں تو میرا دل لگتا ہے بے چین ہو جاتا ہے کہ میں تمہیں کیا بتاؤں… میرا دل کرتا جس کی وجہ سے یہ روتی ہے میں اس کی جان ایک پل میں ضائع کیے بغیر لے لوں۔" وہ اپنی مٹھیاں شدت جذبات سے بھینچ کر کہتا۔

اور میں دل ہی دل میں ان دونوں کے لیے ڈھیروں دعائیں کرتی۔ میرا کوئی بھائی نہ تھا۔ اگر ہوتا تو کیا وہ بھی مجھ سے اتنی محبت کرتا؟ میں سوچتی اور میرا احساس محرومی بڑھنے لگتا۔

"مگر میرے پاس وجیہہ ہے۔" میرا دل یہ سوچ کر کھل اٹھتا۔

"جس قدر وہ صنوبی کو بہن کے مقام پر محبت کرتا ہے، اتنی مجھے بھی تو کرتا ہے بیوی اور محبوبہ کے مقام پر۔" مجھے خود پر فخر ہونے لگتا۔

"وجیہہ۔۔۔" میرا دل کٹ کے بوٹی بوٹی ہونے لگا صنوبی کے لہو میں ڈوبی تڑپتی۔۔۔ بہن کی آنکھ میں ایک پانی کا قطرہ تک برداشت نہ کرنے والے نے۔

اسے رلانے والے کو جان سے مار دینے والے نے

۔۔۔

خود اپنے ہاتھوں سے اسے گولی ماردی۔ اس کی جان لے لی۔۔۔ کیسے؟۔۔۔ کیوں؟۔۔۔ کس کے لیے؟۔۔۔

میری سوچ مجھ مفلوج ہو گئی اور میرے لبوں سے صنوبی کی مظلومیت پر سسکیاں نکلنے لگیں صنوبی کی معصومیت اور اس کی بدبختی پر میرا دل نوحہ کناں تھا۔

اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم گیا اور وجیہہ۔ میرے لیے ایک ہولناک شکل والا۔۔۔ دجالی سوال بن گیا؟؟؟

اس کے آگے میرے دل و دماغ میں سوائے اک گہری اور اندھیری قبر کے کچھ نہ رہے تھے۔

* * *

"بی بی صاحب!" فضل کی ہلکی سی آواز اس سیاہ اندھیری قبر میں اک آتش کی طرح دہکی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔" جان کنی کے عذاب سے دوچار میرے وجود نے اک جھرجھری لی۔

"آئیں اتریں۔ آپ کا گھر آگیا۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

"تم۔۔۔ میرا گھر۔" میں نے اپنی بے نور آنکھیں ادھر ادھر گھمائیں۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں سر جھکائے فضل مجھے موت کے اس آخری پیامبر جیسا دکھائی دے رہا تھا۔ جس کے ہاتھ میں میری روح کا آخری چیتھڑا تھا جو حقیقت کے نوکیلے کانٹوں سے الجھ کر دھجی دھجی ہوئے میرے وجود کا کوئی بچا ہوا ٹکڑا تھا اور میرا گھر۔۔۔؟ کیا میں برزخ کی چوکھٹ پر آن کھڑی تھی۔

میرے گھر کا گیٹ کھلا۔۔۔ چوکیدار کی پریشان اور ہوشیار آواز آئی۔

"کون ہے۔۔۔ کون ہے اس وقت؟"

"جی۔۔۔ جی میں فضل ہوں۔ وجیہہ صاحب کا ملازم۔۔۔ دلنشیں بی بی کو لے کر آیا ہوں۔" فضل نے مودبانہ انداز میں بتایا۔

"عصمت بی بی! اس وقت۔" چوکیدار پایا فوراً "باہر آ گیا۔

"آئیں بی بی۔" فضل نے پھر کہا اور میں اپنا لاشہ خود گھسیٹتی ہوئی باہر نکلنے لگی۔

"دل۔۔۔ نشیں بی بی۔۔۔!" شموں کی مری مری سی آواز آئی اور ساتھ ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش بھی کی۔

"شموں! شموں!" میں نے پلٹ کر محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے بولی۔

"شموں! تم بھی میرے گھر آجاؤ۔"

"میں۔۔۔ پھر آؤں گی۔" وہ بمشکل بولی۔

"آ۔۔۔ آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟" اس کے پیلے زرد سوکھے ہوئے لبوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ اس کے زندہ ہونے کی علامت۔

"تم سے ناراض؟ کس لیے؟" میں نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"میں نے لاڈی سائیں کو۔۔۔؟" اس کی نظریں جھک گئیں۔

"شموں تم نے نہیں۔۔۔ لاڈی نے خود تمہیں۔۔۔ اچھا! اچھا چھوڑو وہ سب۔۔۔ اب بس تم اپنا خیال رکھنا۔" میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"بی بی! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں۔۔۔؟" وہ اپنی بے بسی پر بھی شرمندہ تھی۔

"اور سنو! شموں! اگر میرے ساتھ تقدیر یہ کھیل نہ کھیلتی تو میں بھی تمہیں۔۔۔ خیر اللہ بہتر کرے گا۔۔۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم لوگ جلد ہی اکٹھے ہوں گے وجیہہ جب لوٹ آئے گا تو میں اسے کہہ دوں گی کہ تمہیں بھی لے آئے۔" میں نے تو یوں کہہ دیا تھا کہ جیسے یہ کل ہی واپس آ جائے گا اور اس میں ذرا بھی مشکل نہ ہو گی۔

"بی بی سین! اللہ آپ کو خوش رکھے۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے میرے چہرے کو چھوا۔

"فضل! اسے فوراً کسی ہسپتال لے جانا۔" اس کی بے نور آنکھوں اور پھیکی پڑتی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ پھر بے ہوش ہو رہی ہے۔

"جی بی بی جی۔۔۔ ابھی بس ہسپتال ہی جاویں گے۔" اس کے انداز میں بے قراری اور پریشانی عیاں تھی۔

"اللہ کے حوالے۔۔۔ بی بی جی۔" فضل نے میرے گاڑی سے اترنے کے بعد ایک بیگ اتارا اور ہمارے چوکیدار کے حوالے کر دیا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے فضل؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی مالکوں کو پتا ہو گا کہ اس میں کیا ہے۔ یہ لاڈی سائیں نے بھجوایا تھا آپ کے لیے۔" وہ نیچے ہاتھ باندھے نہایت ادب سے کھڑا تھا۔

"اچھا فضل! اللہ حافظ۔۔۔ شموں کا خیال رکھنا اور جتنی جلدی ہو سکے اس کے ساتھ اپنا گھر بسا لینا۔" میں نے اس سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"جی بی بی سین۔" وہ ذرا سا شرمایا اور پھر تب تک وہیں کھڑا رہا جب تک میں گیٹ سے اندر نہ ہو گئی میں بھی گیٹ سے جھانک کر اس کے گاڑی موڑنے اور آگے بڑھا لے جانے تک اسے دیکھتی رہی۔

* * *

میری ماما میرے یوں گھر پلٹ آنے پر ٹھیک اتنی ہی پریشان اور غمزدہ تھیں جتنی کہ کوئی ماں اپنی شادی شدہ بیٹی کے یوں اچانک واپس گھر آجانے پر ہو سکتی ہے۔۔۔ نا صرف ماما بلکہ نوراں ماسی کی حالت بھی ان سے کم نہ تھی۔

"ارے بیٹیا! آخر ہوا کیا؟ کیوں داماد جی نے تمہیں یوں آدھی رات کو گھر سے نکال دیا۔" وہ چائے بنا کر لائیں تو پھر شروع ہو گئیں۔

"ماسی! انہوں نے مجھے گھر سے نکالا نہیں ہے۔" مجھے ان کا یوں بار بار یہی لفظ کہنا اچھا نہ لگ رہا تھا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو بٹیا! رات کے اندھیرے میں بیٹیوں کا گھر سے جانا یا پھر گھر میں لوٹ آنا دونوں ہی قیامت کے مناظر میں ہے۔" وہ اپنے کلیجے پر ہاتھ دھرے ہول کھائے جا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ مجھے اور ماما کو بھی ہولائے جا رہی تھیں۔

"ماسی! منہ سے اچھے الفاظ نکالو۔ اللہ سے نیک شگون کی امید باندھو۔" آخر ماما نے انہیں کہہ ہی دیا۔

"اچھا اب تم آرام کرو، صبح تک وجیہہ بیٹے کا کوئی فون آ ہی جائے گا۔" ماما نے میری ڈھارس بندھانے کو کہا۔

"ماما! میں ادھر ہی آپ کے ساتھ سو جاؤں۔" میں جو بچپن میں بھی کم ہی ان کے ساتھ سوئی تھی آج ضد کر رہی تھی۔

"میرے ساتھ۔۔۔؟" وہ لمحہ بھر کو جیسے کسی سوچ میں گئیں پھر ایک طرف کو ہوتے ہوئے انہوں نے مجھے اپنے لحاف میں جگہ بنا دی۔ ابا جان دوسرے کمرے میں سو رہے تھے انہیں ابھی تک کچھ خبر نہ تھی کہ میں گھر آئی ہوں۔ ماما کی خراب طبیعت کے باعث اب ان کے کمرے میں نوراں ماسی سویا کرتی تھیں۔

"آجاؤ۔۔۔ یہاں آجاؤ۔" مجھے گم صم سا پا کر انہوں نے اپنے بستر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ میں چپ چاپ سی جا کر ان کے لحاف میں گھس گئی۔

"ارے تم تو بالکل برف ہو رہی ہو۔" ماما نے میرے ٹھنڈے یخ پیروں کو لحاف کے اندر لپیٹتے ہوئے کہا۔

"موزے تو پہن کر نکلتیں۔" نوراں ماسی فوراً بولیں۔

اب میں انہیں کیا بتاتی کہ جس طرح سے میں اپنے گھر سے نکلی ہوں اس میں موزے تو کہاں مجھے تو جوتے بھی نصیب نہ تھے۔۔۔ میں نے تو زمین کو ننگے

پاؤں چھوا تھا۔ بختاں نے فاقت اپنے پاؤں سے سوفٹی اتار کے میرے سامنے رکھ دی تھی۔

"ماما!" میں نے اپنے دل میں اٹھتے طوفانوں کو بمشکل سنبھالتے ہوئے خود کو ماما کے سینے میں چھپالیا۔

"میری بچی!" ماما نے مجھے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"ماما! میرے لیے دعا کریں۔" میں نے ان کے وجود کی نرمیوں میں اپنے زخمی وجود کو سموتے ہوئے کہا اور ان کے دل کی دھڑک نے فوراً "شہادت دی کہ ان کی ہر سانس میرے لیے دعا گو رہتی ہے۔

میں اپنی ماں کے سینے میں منہ چھپائے رات بھر روتی رہی۔ اور ان کی دھڑکنیں تمام رات مجھے تھپکیاں دیتی رہیں۔

* * *

فجر کی پہلی اذان کے ساتھ ہی میں بستر سے نکل آئی۔ ماما تو پہلے سے ہی جائے نماز پر تھیں۔ انہیں تہجد پڑھنے کی عادت جوانی سے تھی۔

"نفیسہ... نفیسہ..." ابا جان کی آواز سے پہلے ان کے کھنکھارنے کی آواز آئی اور پھر وہ دروازے پر ہلکا سا ہاتھ مار کے اندر آگئے۔ میں باتھ روم میں وضو کر رہی تھی۔ میرا سارا وجود ان کی آواز سننے کے ساتھ ہی پانی ہوگیا۔ چند روز پہلے جب میں ماں سے ملنے آئی تھی تب بھی وہ گھر پر موجود نہ تھے لیکن اب... اب کیسے میں ان سے چھپ سکتی تھی اور کب تک چھپ سکتی تھی۔

"نفیسہ! تم اٹھی ہوئی ہو۔ چلو اچھا ہے میں نے سوچا کہ دواؤں کے اثر سے کہیں تمہاری آنکھ نہ کھلی تو نماز قضا نہ ہوجائے۔" وہ خود کلامی کر رہے تھے۔

"میں نماز پڑھ کر آتا ہوں پھر چائے پیتے ہیں۔" وہ یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے اور میرے لیے اپنا لرزتا کانپتا وجود سنبھالنا مشکل ہوگیا مگر کب تک وہاں کھڑی رہتی۔ گھسیٹ گھساٹ کر خود کو باہر لائی اور اللہ کے حضور سجدے میں جھکا دیا۔

آج پھر مجھے میرا اللہ شدت سے یاد آرہا تھا۔ جیسے مجھ جیسے کم ظرفوں کو وقت پڑنے پر یاد آیا کرتا ہے۔ کہ سکھ کی گھڑیاں ہوں تو ہم جیسے ناشکرے غافل ہی رہتے ہیں اور جہاں ذرا کڑا وقت آیا تو نمازوں کے علاوہ نوافل اور وظیفے بھی شروع ہوگئے... آج میں پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اس وحدہ لاشریک کے دربار میں حاضر تھی... جس کے ہاں پہلے تھکن اور بے دلی سے اٹھک بیٹھک کیا کرتی تھی۔ میں کیا میرا تو ریشہ ریشہ، نس نس اور لہو کا قطرہ قطرہ اس کے حضور عاجزی سے جھکا ہوا تھا اس کا شاکر تھا اس کے سامنے شرمندہ تھا۔

"میرے اللہ! میرے بنانے والے! ساری کائنات کے مالک! میں نہیں جانتی میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ میرے ساتھ اچھا کرنا اے رحم کرنے والے! میری بلا ٹل... میری نافرمانیوں کو نہ دیکھنا میرے معبود میرے دامن کو دیکھنا... میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو دیکھنا میری معمولی سی قوت برداشت پر کوئی آزمائش نہ رکھ دینا کہ میں اس قابل بھی کہاں ہوں کوئی امتحان دے سکوں۔

اے رحمن! اے عفو و درگزر کرنے والے! مجھ پر رحم کر میں نہیں جانتی اور ہرگز بھی نہیں جان سکتی تو ہی جانتا ہے۔ بس میرے لیے اچھا کر دے، اے عطا کرنے والے! مجھے وہ عطا کر دے جو تیری جانب سے خیر ہو۔

مجھے مجھے وجیہہ..." میری ہچکیاں بندھ گئیں اور میری دعا ادھوری رہ گئی۔

وجیہہ کے آگے میرے ہونٹ جانے کیوں پتھر ہو گئے اور میں اپنے اللہ سے یہ بھی نہ کہہ سکی کہ میرے وجیہہ کو مجھ سے جدا نہ کرنا۔

میں سجدے میں تھی اور میرے پورے وجود پر رعشہ طاری تھا... اک پہاڑ تھا اور اس پہاڑ پر کھڑی وہ لکڑی کی مسجد میرے وجود کی چولوں پر آن ٹکی تھی۔ اس مسجد پر جمی برف کا قطرہ قطرہ پانی میرے بدن کی نالیوں سے ہوتا ہوا میری آنکھوں سے گر رہا تھا۔ عجیب کیفیت تھی عجیب حالت تھی میری... میرے حواس [illegible] ہو رہے تھے اور میرے ہوش [illegible] رہے تھے۔ اگر کچھ تھا تو وہ دھند میں ڈوبی [illegible] کے دامن میں موجود قبرستان... جس کی [illegible] ایک ایک کر کے میرے صحن دل میں [illegible] رہی تھیں۔

"میرے اللہ! میرے معبود! میری زندگی اور موت کے مالک! مجھ پر سے اس بوجھ کو کم کر دے۔" اس اذیت اور اس بوجھ کے تلے میرا دم گھٹنے لگا۔

جانے کیوں مجھے لگا کہ وجیہہ اس مسجد کے صحن سے اٹھ کر چپ چاپ باہر چلا گیا ہو۔

"وجیہہ..." میں تڑپ کے اس کی جانب لپکی۔ اور مجھے لگا میرے اوپر سے وہ سارا بوجھ ہٹ گیا ہو وہ دھند اور اندھیرے میں لپٹی ہوئی وہ پہاڑ کی چوٹی اور چوٹی پہ بنی لکڑی کی مسجد۔

"عصمہ! اٹھو بیٹی۔" انہوں نے مجھے پیار سے تھام کے اٹھایا۔

"ابا جان!" میری جھکی ہوئی نظریں ایک پل کو اٹھیں اور ان کے [illegible] میں جھک گئی۔

"ارے... ارے... میری بچی... میری حیات۔" انہوں نے تڑپ کے مجھے اٹھایا اور اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ رو رہے تھے مجھے سینے سے لگا کر سسک رہے تھے۔

"میری بیٹی... میری عصمہ!" میری رخصتی کے وقت اپنی نم آنکھوں کو چھپانے کے لیے چہرہ موڑ لینے والے ابا جان... میرے گھر لوٹ آنے پر رو رو کے ہوئے آنسو بہا رہے تھے۔ جو اس وقت ان کے اندر اتر کر کنکریاں بن گئے تھے۔

"ابا جان! مجھے معاف کر دیں۔"

"کس بات کی معافی... میری بیٹی معاف تو بلکہ تم ہمیں کردو۔ ہم نے تم پر شاید کوئی زبردستی کرنے اور اپنی مرضی تم پر صادر کرنے کی کوشش کی تھی۔"

وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ میرے آنسو صاف کر رہے تھے۔ مجھ سے معافی مانگ رہے تھے اس خطا کی جو انہوں نے کی ہی نہ تھی۔ انہوں نے تو میری مرضی کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ یہ والدین بھی اللہ کی کیسی مخلوق ہوتے ہیں اولاد جیسی بھی ہو اسے سینے سے لگا لیتے ہیں۔ درگزر کر دیتے ہیں۔ اور اولاد تو میرے جیسی اولاد...؟

احساس ندامت سے میں سرتاپا بھیگی جارہی تھی اور ابا جان کا خاموش اظہار الفت میری رگ رگ میں سرایت کر رہا تھا۔

"لو جی! گرم گرم چائے پی لیں ایک تو اتنی ٹھنڈ ہے کہ بندہ ہی جم جائے اس بے چاری چائے کی گرمی کب تک رہ سکے ہے۔"

نوراں ماسی جیسے ہی چائے کی ٹرے لے کر آئیں بولنے لگیں۔ ابا جان مجھے اپنے ساتھ لگائے لگائے وہاں لے آئے ماما کے پاس۔

"آئیں عباسی صاحب! یہاں آجائیں **عصمہ** تم بھی اوپر پاؤں کر لو... لحاف اوڑھ لو۔" انہوں نے ہمارے لیے فوراً "جگہ بنائی ابا جان اس وقت مجھے بالکل اسی طرح سے لحاف میں لپیٹ کے بیٹھ گئے جیسے بچپن میں بٹھایا کرتے تھے۔

نوراں ماسی نے ہمیں چائے کے کپ تھمادیے۔ حالانکہ میرا اندر اپنے گھر سے حلق تک زہر تھا مگر اس وقت اپنے والدین کی آغوش میں بیٹھ کر وہ چائے کا کپ مجھے زندگی افروز لگا۔

اس وقت چائے کے ساتھ رس بھی تھے جو میرے ابو ہمیشہ سے ایک ایک ضرور لیا کرتے تھے اور بچپن میں مجھے چائے کے ساتھ رس ڈبو کر کھانا بے حد مرغوب تھا۔

"یہ لو عصمہ! تمہاری پسند کا ہے۔" ابا جان نے ایک خوش شکل سا رس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا مجھے ہمیشہ سے ہر چیز خوب صورت پسند تھی خواہ وہ کھانے کی ہوتی۔

"جی ابا جان!" میں نے چائے میں رس ڈبو کر کھایا تو مجھے اس وقت وہ دنیا کی بہترین نعمت لگا... میری آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"کیسی ہو؟ کب آئیں؟ اور وہ وجیہہ کہاں ہے۔ وہ

کیوں نہیں آیا تمہارے ساتھ۔" ابا جان مجھ سے پوچھنے لگے۔

"جی۔۔۔ وہ ملک سے باہر گئے ہیں آئیں گے تو مجھے لینے آئیں گے۔" میں نے فوراً۔۔۔ جھوٹ بولا۔

"اچھا۔ اچھا چلو اچھا ہے تم چند روز ہمارے ساتھ رہ لو گی۔۔۔ رہو گی نا؟" انہوں نے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات کی تصدیق چاہی وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے ساتھ کچھ روز رہوں۔۔۔ وہ میری کمی کو اب شدت سے محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کے لہجے کی سختی اور چہرے کی کرختگی کی جگہ اک ملیمی اک نرمی تھی۔۔۔ کتنے بدل گئے تھے وہ مجھے ان کے اندر بے شمار دراڑیں دکھائی دیں۔۔۔ جو یقیناً میرے رویوں کی بدولت پڑی ہوں گی۔۔۔ کیسی بیٹی تھی میں جس نے اپنے والدین کو شکستہ اور بوسیدہ کر کے رکھ دیا تھا۔

"ابا جان! اب میں بہت سارے دن آپ کے اور ماما جان کے ساتھ رہوں گی۔ جب تک وجیہہ نہیں آتے۔" میں نے محبت سے انہیں یقین دلایا۔ جسے سن کر وہ مسکرا دیے۔

"خوشی سے رہو۔۔۔ مگر وجیہہ کی اجازت اور رضا مندی کے ساتھ رہو اب تمہیں ہم سے پہلے اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔" انہوں نے سادگی سے مجھے نصیحت کی۔

"جی ابا جان۔" میں نے مختصر کہا۔

"نفیسہ! اب تو تمہاری آدھی بیماری ویسے ہی بھاگ گئی ہوگی۔ ہے نا؟" اب وہ ماما سے پوچھ رہے تھے۔

"ظاہر ہے بیٹی آ گئی ہے اب بیماری کا کیا کام؟ ایک میان میں دو تلواریں کیسے رہیں گی؟" وہ مسکرائیں۔

"دو تلواریں؟" ابا جان نے مجھے معنی خیز انداز میں دیکھا پھر میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا ہے کہ بیماری چلی جائے اور عصمہ پورے اعتماد اور حق سے رہے آپ کے دل میں۔" پھر وہ چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھ کے چلے گئے۔ اور میں اپنی ماں کے ہاتھ دبانے لگی۔

* * *

میں چائے پینے کے بعد ماما کے ساتھ دوبارہ لگ کر سو گئی۔ ایک گہری نیند اتنی گہری نیند کہ جیسے شاید پورے برس نہ سوئی تھی۔ میری آنکھ لگی ہی تھی کہ جب صنوبی کا ہنستا مسکراتا چہرہ میرے خواب میں آ گیا جیسے وہ کہہ رہی ہو۔

"بھرجائی! رات تو میں بہت ہی گہری اور میٹھی نیند سوئی۔ اتنی میٹھی کہ آج یونیورسٹی بھی نہیں گئی۔ اب تو دل کرتا ہے کہ میں کبھی یونیورسٹی نہ جاؤں۔۔۔ پتا ہے بھرجائی! میں تو ویسے بھی یہاں سے جا رہی ہوں۔۔۔ میرا تو ویزا بھی لگ گیا۔ آپ مجھے بہت یاد آؤ گی۔۔۔ کیا آپ مجھے یاد کرو گی؟" وہ میرے گلے میں بانہیں ڈالے پوچھ رہی تھی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" میں حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو پتا تو ہے۔۔۔ میری شادی ہو گئی ہے؟" وہ شرارت سے بولی۔

"لیکن کہاں؟ کہاں جا رہی ہو؟" مجھے اس کی شرارت سے الجھن ہو رہی تھی۔

"اللہ حافظ بھرجائی! اپنا خیال رکھنا اور مجھے یاد کر کے میرے لیے دعا کرتی رہنا۔" وہ جیسے مڑی اور تیز تیز قدموں سے واپس پلٹ گئی۔ میں نے چاہا کہ اس کے پیچھے جاؤں مگر کسی سخت چیز سے میرا پاؤں ٹکرایا اور میں گرتے گرتے بچی۔

"س۔۔۔ کس۔۔۔ ی سی جی۔" میرے لبوں سے بے ساختہ "سی" نکلی میں نے دیکھا تو میرا پاؤں جس سے ٹکرایا وہ وہی شخص تھا جو اس رات لکڑی کی مسجد میں کمبل تانے سو رہا تھا اور جس سے تب میرا پاؤں ٹکرایا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا۔

"آؤ بی بی! آپ کو میں اپنے گھر لے چلوں۔ آپ ول لی ہو۔" وہ میرے آگے آگے چل دیا۔

"رکو۔" میں اسے آوازیں دیتی ہوئی اس کے

"وجیہہ کو تو آنے دو۔" میں ادھر ادھر وجیہہ کو

"بی بی! تم اکیلی ہو۔ تمہارے ساتھ کوئی بھی نہیں جلدی سے آ جاؤ میں تمہیں راستہ دکھا دوں۔" وہ تیز قدموں سے آگے چلا گیا۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔

"یا اللہ خیر! یہ کیسا خواب تھا؟" میرا دل پریشان سا ہو گیا۔ اتنے میں ابا جان کمرے میں داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں آج کا تازہ اخبار تھا۔

"عصمہ! اٹھو! یہ خبر دیکھو۔" انہوں نے اخبار میرے ہاتھ میں پکڑا دیا ان کے چہرے پر عجیب سی ہوائیاں اڑ رہی تھیں میں نے لرزتے ہاتھوں سے اخبار پکڑا۔

"معروف زمیندار اور سیاست دان گھرانے کی واحد چشم و چراغ انتقال کر گئیں۔ مرحومہ کی عمر صرف اکیس برس تھی اور وہ حرکت قلب کے بند ہونے سے چل بسیں۔" آگے کیا لکھا تھا میری نظروں کے سامنے دھندلا گیا۔ صنوبی کی ایک مسکراتی ہوئی تصویر کے ساتھ یہ خبر اس وقت ملک بھر کے اخبارات میں موجود ہوگی۔

"صنوبی۔۔۔!"

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" میرے ہونٹ کانپے اور آنسو میری آنکھوں سے جاری ہو گئے۔

"وہ اس دنیا میں نہ رہی تھی یہ تو سچ تھا جو سامنے آ گیا تھا مگر اس کی موت حرکت قلب کے بند ہو جانے کی وجہ سے واقع نہ ہوئی تھی بلکہ۔۔۔ اسے تو اس کے سفاک بھائیوں نے خود اپنے ہاتھوں سے۔" میرے دل و دماغ پر سکتہ طاری ہو گیا۔

"عصمہ! تمہاری نند کی یوں اچانک اور جوان موت۔۔۔ بڑا صدمہ ہوا بیٹا۔" ابا جان نے میرے کندھے پر حوصلہ کا ہاتھ رکھا۔

"نفیسہ اٹھو کر ہمت کرو تیار ہو جاؤ عصمہ تم بھی جلدی کرو۔ نماز جنازہ ظہر کی نماز کے ساتھ ہے۔" ابا جان ہمیں وہاں جانے کے لیے تیار ہونے کو کہہ رہے تھے۔

"عباسی صاحب! یہاں بیٹھیں۔" ماما نے انہیں بیٹھنے کو کہا۔

"ہاں کہو؟" وہ حیران سے انہیں دیکھنے لگے۔ پھر ماما نے دھیرے دھیرے انہیں ساری بات بتا دی جتنی میں نے انہیں بتائی تھی۔۔۔ ابا جان کے چہرے کا رنگ بدلتے بدلتے سیاہ پڑ گیا وہ اٹھے اور چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔ ان کے قدم تھکن سے اور کندھے کسی بھاری بوجھ سے جھکے ہوئے تھے۔ اور ان کے لبوں پر اک سرد آہ تھی۔

"جو ہوا وہ اچھا نہ تھا اور جو ہو رہا ہے وہ اس سے بھی برا ہو گا۔۔۔ اللہ رحم کرے اللہ رحم کرے۔" وہ کہتے جا رہے تھے اور کچھ دیر پہلے کا دیکھا ہوا خواب میری آنکھوں میں چلنے لگا تھا۔

* * *

وجیہہ کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔ میں کب سے آزما رہی تھی۔۔۔ مگر وہی کمپیوٹرائزڈ جواب۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے دوبارہ کوشش کریں۔" میں بھی دوبارہ کے لیے تو کوشش کر رہی تھی۔ مگر بار آور نہ ہو پا رہی تھی۔

"وجیہہ! تم کہاں کھو گئے ہو؟" میں شام کو اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے کھڑی تھی۔ باہر ابھی سے دھند کی دبیز تہہ فضا پر لپٹ رہی تھی سخت سردی تھی۔ ایسی سردی جو صرف گرتی ہے آسمان سے اترتی ہے اور زمین کے اوپر موجود ہر چیز میں پیوست ہوتی جاتی ہے۔ مفلوج کرتی چلی جاتی ہے۔ میرے دماغ سے میرے پاؤں کے انگوٹھوں تک جیسے ہر چیز جم چکی تھی۔ ٹھنڈی برف ہو چکی تھی سن اور بے جان۔۔۔ حتیٰ کہ میرے آنسو بھی اور وجیہہ کی یاد بھی میں نے موبائل سیٹ ایک طرف رکھا اور کھڑکی بند کر کے بستر پر آ گئی۔

"ارے عصمہ بیٹا! اس وقت بستر میں نہیں بیٹھتے۔ اٹھو اور وضو کی تیاری کرو۔ مغرب کی اذان ہونے ہی والی ہے۔ بڑے بزرگ کہتے چلے آئے ہیں کہ یہ وقت دو وقتوں کے ملاپ کا وقت ہوتا ہے سورج غروب ہو کر رات طلوع ہوتی ہے۔ کبھی چاندنی اور کبھی اماوس والی۔ مگر یہ زوال کا وقت کہلاتا ہے۔ اس وقت تو انسان کو استغفار کرنی چاہیے۔ اٹھو! آپ بھی استغفار کرو۔ پہلے ہی بہت گردش آچکی ہے آپ پر۔"

نوراں بی بی اللہ جانے کس کام سے میرے کمرے میں آئی تھیں مجھے لحاف میں گھسا دیکھ کر نصیحتیں کرنے لگیں۔

"جی بی بی!" میں فوراً اٹھ بیٹھی... اب تو مجھے لگتا تھا جیسے میرے حواس خمسہ صرف فرمانبرداری کے اصول پر چل رہے ہوں۔ دماغ آرڈر کرتا اور میرے اعصاب خود بہ خود وہ کام کرنے لگتے۔

ہنسو اور روؤ... کے احکامات تو ترک ہو چکے تھے۔

نہ میں رو رہی تھی نہ ہنس رہی تھی... نہ اپنے بارے میں میری کوئی سوچ رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا میں اک روبوٹ ہوں۔ جس کی کوئی خواہش کوئی دل نہیں ہوتا... میں نے وضو کیا۔ مغرب کی اذانیں ہو گئیں۔ نماز پڑھی استغفار کی تسبیح پڑھی۔ ماما اور ابا جان کے ساتھ دو چار نوالے رات کے کھانے کے نام پر کھائے۔ پھر عشاء ہو گئی۔ نماز پڑھی اور سورۃ ملک پڑھ کر لیٹ گئی۔ اب میں ماما کے ساتھ ان کے کمرے میں سوتی تھی۔

میرے شب و روز کتنی جلدی اور کس طرح سے بدل گئے تھے... یہ بات بھی میرے فہم سے بالاتر تھی میرا یہ وقت وجیہہ کے بغیر بسر ہو رہا تھا اور میں جی رہی تھی میں جو یہ سمجھتی تھی کہ اب تو شاید میں ایک لمحہ بھی وجیہہ سے دور رہی تو مر جاؤں گی... میری بے قراری اور بے کلی بھی برف ہو چکی تھیں... قطرہ قطرہ پگھلتی اور پھر سے جم جانے والی برف ان ساری باتوں کے باوجود میرے اندر کچھ تھا جو مجھے کھرچ رہا تھا دستک دے رہا تھا میرے حواسوں پر کوئی مزید ہونے والی انہونی تھی جو پاؤں اٹھائے اندر آنے کو تیار کھڑی تھی کچھ تو ایسا ضرور ہونے والا تھا جس کے ہونے سے کوئی آتش فشاں پھٹنے والا تھا اور یہ ساری سردی فنا ہونے والی تھی ساری برف جوش کھاتے پانی میں تبدیل ہونے والی تھی۔

"کیا...؟"

میں نہ جانتی تھی۔ سو منتظر تھی اور شاید اس کے استقبال کو تیار بھی میں میری ماں اور میرا باپ اس وقت ایک تکون کی صورت اختیار کر چکے تھے اک دوسرے سے نظریں چراتے ہوئے اپنے اپنے منہ مخالف سمت میں کیے ہوئے مگر پھر بھی اک دوجے سے متصل۔

نہ ماما اب مجھ سے کچھ پوچھ رہی تھیں۔

نہ ابا جان۔

ہمارے درمیان بس رسمی سی گفتگو تھی اور زندہ رہنے کے لیے ضروری لوازمات ماما کے چہرے پر گہرا کرب تھا جو رات بھر ان کی کروٹوں کے ساتھ رویا کرتا تھا ابا جان کے چہرے پر اک سایہ تھا جو کسی قیامت کے انتظار میں لمبا اور لمبا ہوتا جا رہا تھا اور میں... میرا اندر باہر اک گہری دھند میں چھپا کھڑا تھا... ایسے چور کی طرح جس نے شام ہوتے ہی کسی کو لوٹنے کی ٹھان لی ہو۔

⁂

مجھے ماما کے پاس آئے ہوئے آج ساتواں روز تھا میں اپنے کیے کے گویا حشر دیکھ چکی تھی اذیتوں اور درد سے اٹے ہوئے حشر۔

حساب کتاب کی جمع تفریق میں الجھے ہوئے سات حشر۔

میرے دونوں ہاتھ سیدھے ہوتے ہوتے اکڑ چکے تھے۔

اور میرا نامہ اعمال تھا کہ سامنے نہ آ رہا تھا۔ گویا میری آنکھیں سیاہ نقاب سے ڈھکی تھیں اور میری گردن میں رسی کا پھندا بل کھا رہا تھا اب تو بس اس تکیے سے تختہ دار کھینچا تھا اور کہانی ختم... میری کہانی۔

عصمہ سے دلنشیں بننے کی روداد۔

وجیہہ کی شدت انگیز محبت کی داستان۔

اور ان کی مدت ایک سال صرف ایک سال۔

آج میری شادی کی سالگرہ تھی۔ وہ سالگرہ جسے بڑی شان و شوکت سے منانے کا پروگرام وجیہہ نے ایک ماہ قبل ہی تشکیل دے لیا تھا۔ مجھے یاد ہے اس روز ہم ڈنر کے لیے آئے ہوئے تھے۔ جب ایک دم سے وجیہہ نے کہا۔

"دلنشیں! آج رات ہم گھر واپس نہیں جائیں گے۔"

"اچھا... پر کیوں؟" میں نے راضی ہوتے ہوئے وجہ پوچھی۔

"آج ہماری شادی کو پورے گیارہ مہینے ہو گئے۔" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"اچھا پھر...؟" میں اس کے دل کی بات جاننا چاہتی تھی۔

"پھر یہ کہ ٹھیک ایک مہینے کے بعد ہماری شادی کی سالگرہ ہے۔ جسے میں بہت ہی انوکھے اور شان دار انداز میں منانا چاہتا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں ستاروں کا جھرمٹ تھا۔

"مثلاً تم کیا کرو گے؟" میں نے اس جھرمٹ کو اپنی پلکوں پر اتارتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنی محبت کا صدقہ دوں گا تاکہ اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ پھر میں اور تم... بس ہم دونوں... ہم دونوں کہیں دور چلے جائیں گے۔" وہ کھویا ہوا تھا۔

"کہاں... دور؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"شاید سوئٹزرلینڈ... جہاں ندیوں اور جھرنوں کے بیچ... چاند کے پانی میں اترنے کے وقت ہم اپنی سالگرہ کا کیک کاٹیں گے۔" وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح سے خوش ہو کر بتا رہا تھا۔

"اور... اچھا میں تو سمجھی تھی تم شہر بھر کو ایک شاندار دعوت کھلانے والے ہو اور ان کے بیچ میں..."

"لوگوں کے بیچ میں کیوں؟ کیوں کیوں میرے اور تمہارے بیچ لوگ کیوں...؟" وہ میری بات کو درمیان سے ہی اچک کر بولا۔

"اچھا بابا... میں اور تم... صرف میں اور تم پر یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے تحفہ کیا دو گے؟" میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"تحفہ... ہاں تحفہ۔" وہ جیسے کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں بھئی شادی کی پہلی سالگرہ کا تحفہ؟" میری بے تابی کو انتظار منظور نہ تھا۔

"وہ تو میں نے ابھی سرپرائز رکھا ہوا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو ڈیسائڈ ہی نہیں کیا۔ سمجھ ہی نہیں آ رہی کہ کیا دوں؟" "دراصل میں تمہیں کوئی بہت ہی انوکھا اور یادگار تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ جیسے کہ شاہ جہاں نے ممتاز کو دیا تھا۔" وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

"یعنی... تاج محل۔" مجھے عجیب سا لگا۔

"ہاں کاش کہ ایسا ہوتا کاش میں اس وقت پیدا ہوتا اور شاہ جہاں ہوتا۔" اس پر شوخی سوار تھی۔

"اے مسٹر شو! شاہ جہاں کی کئی بیویاں تھیں اور نہ جانے یہ ممتاز ان کی کون سی بیوی تھی۔" میں نے اسے تاریخ یاد کرانی چاہی۔

"اور... اور تاج محل میں ممتاز کی قبر ہے... مقبرہ ہے وہ محل کے نام پر جو کہ مردہ لوگوں کا ہوا کرتا ہے۔" میں نے ذرا ناراضی سے کہا۔

"تو کیا ہوا... دلنشیں! اک نہ اک دن مر تو ہم سب نے جانا ہے۔ یہ چاہتیں یہ محبتیں یہ تو اک نہ اک دن فنا ہو ہی جاتی ہیں۔ اصل محبت تو وہ ہے جو یادگار ہے۔ عمر بیتنے کے بعد تک دنیا بھر کے لوگوں کو۔"

وہ سنجیدہ شکل بنا کر صاف شیطانی کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی۔

"تو تم چاہتے ہو کہ میں بھی مر جاؤں اور تم میرا مقبرہ بنواؤ۔" میں نے روٹھ کر کہا۔

"پتا نہیں ویسے یاد آگیا۔" وہ چٹکی بجاتا ہوا ہنسا۔

"اب کیا یاد آگیا؟" مجھے اس پر مصنوعی غصہ تھا لہٰذا منہ پھلائے ہوئے تھی۔

"یہی کہ تم کون سا میری پہلی محبت ہو۔" وہ بچی سی صورت بنا کر بولا۔

"وجیہہ۔۔۔" میں نے ایک مکا ہوا میں لہرا کے اس کی پیٹھ پر جڑ دیا۔

"ارے۔۔۔ رے۔۔۔ رے مار دیا۔ ظالم۔" وہ اپنی کمر سہلانے لگا۔

"ویسے اگر ہم ساتھ رہے تو تم میری آخری محبت ضرور ثابت ہو گی جس کے لیے میں لازمی کوئی نا کوئی یادگار چھوڑوں گا۔" وہ اسی موڈ میں تھا اور میں ناراض ہو کر چل پڑی تھی۔

"دلنشیں!"

"دلنشیں!" وہ میرے پیچھے لپکا اور مجھے تھام کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے باندھ دیے تھے۔

"کیا کروں یار۔۔۔ سچ بولنے کی عادت ہے۔ تم سے پہلے بہت۔۔۔ بہت سی گرل فرینڈز اور خیر چھوڑو مگر پورے ایک برس سے میں نے کچھ ایسا نہیں کیا قسم سے۔۔۔ بلکہ تمہاری قسم۔"

وہ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا رہا تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔

"بے ایمان۔۔۔ پلے بوائے۔" میں نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔

"معاف کر دو پلیز۔" وہ پھر سوری کر رہا تھا۔

"اوکے۔۔۔ کانوں کو ہاتھ لگاؤ وعدہ کرو قسم کھاؤ کہ اب کبھی بھی نہیں سوائے میرے۔" میں نے اسے پابند کرنے کے لیے شرط رکھ دی۔

"وعدہ۔۔۔ جب تک تم ہو کوئی نہیں۔" وہ وعدہ کر رہا تھا۔

"وجیہہ! یہ کیا تم آرام سے کہتے رہتے ہو جب تک تم ہو۔ جب تک تم ہو کیا تم مجھے کبھی چھوڑ دو گے؟" میں خوفزدہ ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں تو تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑنا چاہتا۔ لیکن کیا خبر کبھی تم ایسا چاہو؟" وہ الٹا مجھ سے سراپا سوال تھا۔

"میں میں کیوں؟ میرا تو اول آخر تم ہو۔" مجھے اس کی بات بری لگی تھی۔

"اوئے کملی لے۔۔۔ وقت اور حالات کا کیا پتا؟ بہت ظالم اور بے رحم ہوتے ہیں ہمارے ساتھ اچانک ایسا کھیل کھیلتے ہیں کہ ہم پتھر کے بت ہو کر رہ جاتے ہیں اور یہ اپنا فیصلہ سنا جاتے ہیں۔ اس زندگی میں کچھ بھی دائمی نہیں۔۔۔ نہ رشتے اور نہ ہی خود انسان جب یہ زندگی ہی عارضی ہے تو پھر سب کچھ اسی کے فارمولے پر قائم ہو گا کہ نہیں۔۔۔ جب فنا ہی لازم ہے تو پھر ہر چیز نے فنا ہے کہ نہیں۔" اب وہ اپنے فلاسفی والے خاص نقطہ نظر کی وضاحت کر رہا تھا۔

"ہاں مگر۔۔۔ لوگ پھر بھی ساتھ رہنے کی قسمیں کھاتے ہیں اور ساتھ ہی جیتے ہیں۔" میں اس کے اس فلسفے سے متفق نہ تھی۔

"جھوٹ بولتے ہیں لوگ۔۔۔ اور جھوٹ پر زندگی بسر کر جاتے ہیں۔ حالانکہ آخر میں ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا اس کے بغیر بھی زندہ رہتا ہے۔" وہ پھر بھی اپنے خیالات پر اٹل تھا۔

"لیکن وجیہہ۔۔۔؟"

"لیکن ویکن کچھ نہیں میری جان!" اس نے میرا سوال کرتا ہوا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"جب تک ہم ساتھ ہیں۔۔۔ پوری ایمانداری کے ساتھ اک دوسرے سے محبت کریں گے۔ اک دوسرے کو خوش رکھیں گے اور جب قدرت کو منظور نہ ہوا تو؟"

"تو کیا وجیہہ؟" میری سانسیں تو مارے خوف کے بند ہونے لگی تھیں۔

"تو تو۔" وہ میری کمر کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے گنگنانے لگا۔

قسم۔۔۔ لو کوئی ہم سے
قسم نہ ہم کوئی کھائیں گے

ب تک ساتھ نبھے گا
ب تک ساتھ نبھائیں گے
ر ساتھ نہیں جو نبھے گا
ل سے دل گر نہ ملے گا
و جیسے دوست جدا ہوتے ہیں
ہم ویسے جدا ہو جائیں گے

گنگنا رہا تھا اور میرا دل اندر ہی اندر سسک رہا تھا۔۔۔ دعا گو تھا۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔ اللہ کبھی نہ کرے کہ ایسا ہو۔" اور میری ہر سانس آمین کہہ رہی تھی۔

* * *

آج میری شادی کی سالگرہ کا دن تھا جو آدھا گزر چکا تھا آج وجیہہ کا کوئی فون تک نہ آیا تھا۔ اس نے مجھے مبارک باد تک نہ دی تھی۔۔۔ میں نے کئی بار اس کا نمبر ملایا تو وہ پچھلے چھ روز کی طرح آج ساتویں روز بھی بند تھا۔

میں بے حد اداس تھی۔ آج میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں رو دوں مجھے وہ یاد آ رہا تھا۔ دل کر رہا تھا کہ وہ اچانک ہی کہیں سے نمودار ہو اور ایک زوردار ہو۔۔۔ کر کے مجھے ڈرا دے۔ پھر اپنے ساتھ لگا کر کہے۔

"ڈر گئیں نا۔۔۔؟ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا تمہارا دل کتنا بڑا ہے؟ پگلی! میں تو تمہیں آزما رہا تھا۔۔۔ کہ تم میرے بغیر رہ سکتی ہو یا نہیں؟ آؤ اٹھو چلو گھر چلیں۔"

میں نے انتہائی کرب سے سوچا اور آنکھیں موند کے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹیک دیا۔

اف کیسا ناقابل برداشت درد تھا جو اس وقت میرے سینے میں اٹھ رہا تھا۔ کیسا غبار۔۔۔ کیسا حبس تھا جو میری سانسیں گھٹائے دے رہا تھا۔

"کاش! کاش! کہ اس وقت کوئی مجھے رلا دے۔" میں نے بے بسی سے اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر مارنا شروع کر دیا۔۔۔ مجھے رونا کیوں نہیں آ رہا۔۔۔ میری آنکھوں کے سوتے کیوں خشک ہو گئے ہیں؟ یہ میرے آنسو کہاں چلے گئے؟

میں گھبراہٹ کے مارے کرسی سے اٹھ گئی اور جا کر برآمدے میں ٹہلنے لگی۔۔۔ اس وقت میں اپنی کیفیت سے اس قدر تنگ پڑ چکی تھی کہ جی چاہ رہا تھا کہ کچھ اٹھا کر اپنے اس گم صم سے دل پر اپنے دماغ پر دے ماروں۔۔۔ کچھ ایسا ہو کہ میں رو پڑوں۔ عجیب سا ڈپریشن تھا مایوس زندگی کو مزید مایوس کر دینے والا۔

"عصمہ! عصمہ بیٹا!"

میری سماعتوں کی گھپ گہری کھائی میں نوراں ماسی کی آواز نے ابھر کے کم از کم وہ سکوت تو توڑا خود کلامی کے اس جنگل میں کوئی سرسراہٹ تو ہوئی۔

"جی۔۔۔" میں نے مڑ کر دیکھا وہ بالکل میرے قریب کھڑی تھیں۔

"وہ باہر کوئی آیا ہے۔۔۔ آپ کے گھر سے۔" انہوں نے اتنا کہا اور میں دیوانوں کی طرح گیٹ کی طرف بھاگی۔

"میرے گھر سے؟" مجھے یقین آنے میں ذرا دیر نہ لگی۔۔۔ وجیہہ نے ہی بھیجا ہو گا وہ۔۔۔ وہ مجھے کیسے بھول سکتا ہے بھلا آج کے دن؟" میں خوشی میں ہی خوش گمانیوں کے آسمان تک پہنچ گئی۔

گیٹ کے اندر ہی فضل کھڑا تھا۔

"فضل تم؟" اسے دیکھ کر مجھے اچھا لگا۔

"سلام دلنشیں بی بی!" وہ مودبانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ شموں کیسی ہے؟" میں نے فوراً ہی شموں کا پوچھا۔۔۔ مجھے اس کے بارے میں پوچھنے کی جلدی تھی۔

"جی۔۔۔ وہ ٹھیک ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا۔

"اچھا۔۔۔ اور وجیہہ؟ اس کا موبائل نہیں ملتا۔" میں نے نا چاہتے ہوئے بھی فضل سے پوچھ لیا۔ میں کیا کرتی اگر اس سے بھی نہ پوچھتی تو؟

"جی۔۔۔ وہ تو ملک سے باہر ہیں۔"

"ملک سے باہر۔" میرا خوشی سے بلیوں اچھلتا ہوا

دل ایک دم بیٹھ گیا۔

"جی۔۔۔ وہ آپ کو تو معلوم ہے مجبوری تھی اب تو سال دو سال انہیں باہر ہی رہنا پڑے گا۔" وہ سر جھکائے مجھے بتا رہا تھا۔

"لیکن کیوں؟" مجھ پر دوبارہ سے اوس پڑ رہی تھی۔

"وہ جی۔۔۔ صنوبی بی بی والے معاملے کی وجہ سے احتیاط تو کرنی پڑتی ہے نا۔" اس نے مجھے سمجھانا چاہا۔

"صنوبی ہاں۔" میرے اندر آہیں ہی آہیں مچل گئیں۔

"اچھا جی۔۔۔ یہ کچھ سامان ہے آپ کا وہ دینے آیا تھا میں۔" فضل اپنے آنے کا مقصد بتانے لگا۔

"میرا سامان؟" میں نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی یہ سامان ہے۔ لاڈی سائیں کا فون آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو پہنچا دوں۔" اس نے ایک خاصا بڑا اور بھاری بھرکم ایچی مجھے دکھا کر چوکیدار چاچا کی طرف کر دیا۔

"اچھا اور کچھ کہا وجیہہ نے کوئی نیا موبائل نمبر دیا اپنا۔" میں نے بے قراری سے پوچھا۔

"جی۔۔۔ یہ ہے۔" اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بڑا سا خاکی لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ جسے میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے اچک لیا۔

"اچھا جی۔۔۔ رب راکھا۔" فضل نے اجازت لی اور وہ لوٹ گیا۔

"چاچا جی! آپ یہ سامان اندر لے آئیں میرے کمرے میں۔" میں تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی مجھے وہ لفافہ کھول کر پڑھنے کی جلدی تھی۔ جس میں وجیہہ کا محبت نامہ تھا۔ اس نے اپنا حال دل لکھا ہو گا۔

لکھا ہو گا کہ وہ میرے بغیر کس طرح سے یہ وقت گزار رہا ہے؟

لکھا ہو گا کہ یہ مجبوری اس کے لیے کتنی سوہان روح ہے؟

یہ بھی لکھا ہو گا کہ وہ جلدی مجھے اپنے پاس بلا لے گا اور اس کا نیا موبائل نمبر بھی تو ہو گا۔

میں نے کمرے میں آکر چاچا کو کہا کہ وہ جلدی سے میرا ایچی اندر رکھ دے اور جائے۔

چاچا کے جانے کے بعد میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ کھولا۔

اس میں سے ایک چیک نکل کر زمین پر گر گیا۔

"چیک؟" میں نے کانپتے ہاتھوں سے وہ چیک اٹھا کر دیکھا۔۔۔ وہ تو خالی تھا "یعنی Blank Check"

میرا دل خوش ہونے کی بجائے بجھ سا گیا۔

"یہ کس لیے؟" میں نے وہ چیک ایک طرف رکھ دیا اور اس میں موجود کاغذ کو کھولا۔

"ڈیئر عصمہ!"

"یہ آج وجیہہ نے مجھے عصمہ کیوں کہا؟" میں نے اتنا ہی پڑھ کر اپنی نظریں کاغذ سے ہٹائیں اور سوچنے لگی میری چھٹی حس نے میرے حواس کو جگانا شروع کر دیا تھا ڈرتے ڈرتے میں نے آگے پڑھنا شروع کیا۔

"اس وقت جب میں تمہیں یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں تو تم سے ہزاروں میل کے فاصلوں پر بیٹھا ہوں۔ اور سوچ رہا ہوں کہ وقت اور حالات نے اپنی بے رحمی کی نگاہ ہماری ازدواجی زندگی پر گاڑ ہی دی آخر اور ہم اس کی بد نظری کا شکار ہو گئے۔

میں اس وقت بے حد پریشان بے حد دکھی ہوں۔ میری زندگی میں اب باقی کی عمر میں وہ خلا بھی پر نہ ہو سکیں گے۔

ہولناک 'جان لیوا گہرے اور اندھیرے گڑھے۔ اب تاقیامت میرے دل میں پڑے رہیں گے جن میں میری آنکھیں پانی بھرتی رہیں گی وہ پانی جو میری رگ رگ میں اب لہو کی جگہ گردش کر رہا ہے کیونکہ لہو تو میں بہا چکا ہوں۔

صنوبی کا۔۔۔ اور تمہارا۔۔۔ اب مجھ میں وہ حوصلہ نہیں ہے جو زندگی کو توانائی بخشتا ہے اور انسان ایک صحت مند زندگی گزارتا ہے جیتا ہے۔

عصمہ! ہم اچھے دوستوں کی طرح ملے تھے۔ ہم دو چاہنے والوں کی طرح جیا 'جتنا ہمارے مقدر میں تھا اور اب ہم اچھے دوستوں کی طرح بچھڑ رہے ہیں مجھے معاف کر دینا عصمہ! میں بہت دور تک تمہارے ساتھ نہیں چل سکا مگر جس قدر چلا اس کے ہر قدم پر تمہیں ہی چاہا اتنا چاہا کہ باقی سب بھول گیا تم بہت اچھی ہو عصمہ! بہت ہی اچھی اور بہت خوب صورت بھی تم جوان ہو عصمہ!

ابھی زندگی کا ایک نظر نہ آنے والا سفر تمہارے سامنے ہے کتنا کسے معلوم مگر تمہیں اور مجھے جینا تو ہو گا۔ تو رو رو کر جئیں۔۔۔ یا ہنس کر جتنا جئیں یا کسی کا ہاتھ تھام کر؟ بہتر ہے کہ تم زندگی کی اس تلخ حقیقت کو جلد ہی بھلا کر اپنی نئی زندگی کا آغاز بھی جلد ہی کرو عصمہ! مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہارا خطاوار ہوں اور مجھے اس کی سزا مل رہی ہے تمہیں چاہتے ہوئے بھی میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔

عصمہ ممتاز الحسن!

میں وجیہہ الدین

اپنے ہوش و حواس میں اپنے چند مسائل کی بنا پر تمہیں

طلاق دیتا ہوں۔

طلاق دیتا ہوں۔

طلاق دیتا ہوں۔

تمہارا حق مہر۔۔۔ تمہاری چیزیں اور تمہارے لیے کچھ تحائف بھجوا رہا ہوں اور ہاں ایک بلینک چیک بھی ہے۔

جو میں تمہیں ہرجانہ ادا کر رہا ہوں۔ اس باقی کی زندگی کا جس میں اب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا تمہارے ان دکھوں کا ان آنسوؤں کا جو تم میری وجہ سے میرے لیے بہاؤ گی۔ زیادہ دکھی مت ہونا عصمہ! زیادہ رونا بھی مت زیادہ رونے سے تمہاری ناک سوج جاتی ہے اور تم بری لگتی ہو۔ ارے 'سو سوری' میں مذاق کر رہا تھا۔ زندگی کے اس قیامت خیز سانحے پر مذاق ہی زندگی ہے عصمہ! یا پھر میں زندگی کو اسی طرح سمجھتا ہوں مجھے معاف کر دینا۔ میں زیادہ اچھا نہ تھا۔ مگر میں بہت برا بھی نہ تھا۔ کبھی سوچنا اور مجھے اپنی اچھی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ ہمارا ساتھ قدرت کو اسی قدر منظور تھا۔

اللہ تمہیں خوش رکھے۔ مجھ سے اچھا ایک دوسرا جیون ساتھی عطا کرے۔

عصمہ! اگر کوئی محبت سے تمہاری طرف ہاتھ بڑھائے تو اسے ٹھکرانا مت۔۔۔ اپنا لینا کہ ہمیں اپنے فیصلے حقیقت کے پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں کرنے چاہئیں زندگی اب اتنی بھی ارزاں نہیں کہ اسے تم محض میرے لیے گنوا دو۔

ایسا مت کرنا عصمہ! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ شاید زندگی میں کبھی پھر ہماری ملاقات ہو۔ میری خواہش ہے کہ میں تمہیں جب بھی دیکھوں خوش اور ترو تازہ دیکھوں۔ آمین

اللہ حافظ۔

وجیہہ الدین۔

(نوٹ: قانونی طور پر طلاق نامہ تمہیں جلد ہی مل جائے گا۔)

طلاق۔۔۔ میری روح تک کانپ گئی۔

دلنشین وجیہہ الدین کا سارا کروفر لفظوں میں چیخ گیا۔

میری کائنات کے زمین و آسمان اک قیامت خیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہلے اور میری ذات زمین بوس ہو گئی۔ میں پھر سے عصمہ ممتاز الحسن بن گئی۔ لیکن اب میں وہ پہلی والی عصمہ بھی نہ تھی۔

وجیہہ الدین کی شدید محبت کا منہ بولتا ثبوت۔

اس کی چاہتوں کا تاج محل۔

اس کی شدتوں کی یادگار۔

اور ان پر لگا اک کتبہ۔

طلاق یافتہ۔

یہی تھی میری معراج محبت۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

* *

فرحین اظفر

ایک ستارہ ہجراں

دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے بیچ فاؤنٹین پین کیپ اتار کے کورے ورق پر نقش و نگار بنانے کے لیے بالکل ریڈی اسٹڈی گو کی کیفیت میں دبا پڑا تھا بے چارہ۔

سفید بے داغ نیلے حاشیوں سے کھنچے ورق، چپ چاپ کھلی کھڑکی سے آتی ہوا کی مدھم بے صدا سرسراہٹ سے پھڑپھڑاتے، چند لمحوں کے لیے ساکت ہو جاتے، پھر مست پون کی ہلکی سی شرارت سے پھر سے ہنس پڑتے۔

مکمل ناول

سائیڈ لیمپ کی ہلکی روشنی میں کمرے کی فضا میں بڑی خوبصورت دلربا سی ٹھنڈک تھی۔ اور اسی ٹھنڈک میں گھلتا ہوا پراسرار فسوں۔

دھیمے دھیمے ہلکورے لیتے، دریچے کو ڈھانپے سفید جالی دار بے داغ پردے اور اس سارے ماحول سے بے نیاز، اپنی سوچوں میں الجھی وہ۔

اس کا دھیان کمرے میں موجود کسی بھی چیز پہ نہیں تھا۔ بلکہ سوچ کے کسی دور افتادہ گاؤں کے راستے پر گامزن، پیچ در پیچ الجھے ہوئے خیال کی تیز ہوا۔ اپنی انگلیوں میں دھیرے دھیرے جاگتا نامحسوس سا درد تک فراموش کیے ہوئے تھا۔ جو احتجاجاً "پین کو مستقل دبا کے رکھنے کی وجہ سے اٹھا تھا۔

"کون تھا وہ۔" سوچ ایک نیزے کی انی کی طرح دل میں چبھی تھی۔ پین کے اطراف انگلیوں کی گرفت سخت ہوئی اور اسی وقت ایک زوردار چھناکے کی آواز پورے گھر میں گونجی اور اس کے بند کمرے کے پیچھے تک سنی گئی۔ کسی کانچ کا برتن ٹوٹنے کی آواز تھی۔ انگلیوں کی گرفت بے ساختہ ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ پین ہاتھ سے چھوٹ کے لڑھکتا ہوا رائٹنگ ٹیبل کے نیچے چلا گیا۔ وہ بے ساختہ تیزی سے اٹھ کر باہر کی طرف نکلی۔ لاؤنج کا منظر دھیمی روشنی میں بھی واضح تھا۔

وہ رہیں "انتہائی نرم اور آرام دہ صوفے کی پشت تھامے، اس کی ماں جیسے اپنے حواس قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ پاس ہی شاواں زمین پہ بیٹھی ٹوٹے کانچ کی کرچیاں سمیٹ رہی تھی۔

"اندھیرے میں ہی..." اس نے اس کی عقلمندی پہ سر جھٹکا۔ ماں کے پاس جانے، ان کی طبیعت پوچھنے کا خیال ہی احمقانہ لگا تھا۔ ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اس وقت اپنے آپ کو بھی مشکل سے ہی پہچانیں گی۔ ان کی اس طرح لڑھکتے بہکتے قدموں کے ساتھ رات گئے گھر واپسی کوئی ہمیشہ کا معمول تو نہیں تھا پھر۔۔۔ کیوں بن گیا معمول، کیوں ہو گئیں وہ ایسی، کیا ہوا تھا انہیں۔ کوئی زخم، کوئی ٹھیس، کوئی کسک، کوئی ٹھوکر، کوئی یاد، یا شاید ایک اندھا انتقام، دوسروں کے ساتھ کم خود سے زیادہ۔ آنکھوں کی نم دہلیز پہ ٹھہرے آنسو جیسے چھلکنے میں کافی وقت کا سامنا کر رہے۔ لیکن

اپنے بستر پہ گرتے گرتے وہ اس کوشش میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

⁂

ریسٹورنٹ کے ماحول کو رومانٹک بنانے کی کوششیں پوری طرح کامیاب تھیں۔ اس بات کا ثبوت ہر ٹیبل پہ موجود نوبیاہتا جوڑے تھے خمار جن کے لہجے اور بہکی بہکی نظروں سے چھلک رہا تھا۔ نرم نرم روشنی، موم بتیوں کی لرزتی لوئیں اور جھنجھناتی ہوئی آوازیں، بڑا ہی خوش خیال منظر تھا۔

دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی نازک سی ڈائمنڈ رنگ کو گھماتے ہوئے، انہوں نے یونہی ہال میں ایک طائرانہ نظر ڈالی اور آخر میں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص پر غلافی آنکھوں سے وارفتہ نگاہیں نچھاور کر کے پل میں جھکا لیں۔

"ہائے" سامنے بیٹھا مرد اس ادا پہ نثار ہی ہو گیا۔

"اس طرح مت دیکھا کرو جان من کسی دن بے چارا دل سہہ نہ پایا تو سیدھا جنت میں پہنچ جاؤں گا اوپر۔" اس نے انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ جواباً" وہ بے نیازی سے ایک قہقہہ لگا بیٹھیں۔

"تم سے کس نے کہا کہ تم۔" وہ اک ادا سے ذرا سا آگے کی طرف جھکیں۔

"جنت میں جاؤ گے ہاں۔" یوں آگے کی طرف جھک جانے سے ان کی جارجٹ کی ساڑھی کا حسین پلو ڈھلک گیا۔ مختصر سے بلاؤز کا گہرا گلا، کچھ اور بھی خم کھا گیا۔

"تمہارے ساتھ یہ دنیا بھی کسی جنت سے کم تو نہیں۔" مقابل کی نظروں کا مرکز اور ارتکاز محسوس کر کے اگلے ہی پل وہ پیچھے سرک چکی تھیں۔ ڈھلکا ہوا پلو واپس ٹھکانے پہ آ گیا۔ اور مقابل کی نگاہوں کا رنگ بھی۔ وہ قدرے جزبز ہوا اور مسز نیلم پیرزادہ نے اس کی کیفیت سے ٹھیک ٹھاک حظ اٹھایا۔

انہیں یہ لکا چھپی کے کھیل بہت پسند تھے۔ خاص طور پر شہام حسن اعوان جیسے بچوں کے ساتھ۔

ہاں تمہیں پینتیس سالہ بھرپور مردوں کو وہ اپنے سامنے بچہ ہی گردانتی تھیں۔

"جلد باز بچے گرم گرم کھانے کے چکر میں منہ جلا لینے والے۔" ان کی آنکھوں کی معنی خیز چمک خیرہ کن ہوئی۔

"بے کم آن یار! کب تک تم مجھے اس طرح۔" کچھ خفا سا ہو کر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔

"ناراض مت ہو میری جان! فرقان ایک دو دن میں جینوا جانے والے ہیں بس پھر میں ہوں گی اور تم اور۔"

انہوں نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھا۔ جو شاید ابھی تک ان کے منہ سے نکلنے والے "میری جان" کے طلسم میں گرفتار واری جانے والی نظروں سے انہیں تک رہا تھا۔

"اور جو تم چاہو۔" بات مکمل کر کے انہوں نے اس یقین کے ساتھ کانچ کا نفیس گلاس اپنے ہونٹوں سے لگایا کہ وہ شہام حسن اعوان کے دل میں ٹھیک ٹھاک اتھل پتھل مچا چکی ہیں۔ اور ایک بار پھر ہال میں موجود لوگوں پہ نظر دوڑاتے ہوئے انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔ اس کی خمار آلود نگاہیں پرسوچ انداز میں نیلم فرقان پیرزادہ کے سراپے کو چھو رہی تھیں۔ یا شاید چوم رہی تھیں۔ وہ اس کے انداز کی بے قراری محسوس کر کے دھیرے سے مسکرا دیں۔

⁂

کالج میں بھی سارا وقت اس کی غائب دماغی اپنے عروج پر تھی۔

"کیا بات ہے نینو کیوں پریشان ہو۔" اس کی سب سے قریبی دوست لیلیٰ کئی بار پوچھ چکی تھی۔ اس بار اس کے لہجے میں چھپی پریشانی محسوس کر کے وہ کچھ چونک سی گئی۔

"کیا بتاؤں یار۔" اس نے لیلیٰ کا متفکر چہرہ بغور دیکھا ایک مخلص دوست کی پریشانی اس سے دیکھی نہیں گئی۔ اور ہر بار کی طرح "کچھ نہیں" کہہ کے ٹالنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن کچھ کہنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔

"لیلیٰ" اس نے بے تابی سے انگلیاں مروڑیں۔

"لیلیٰ۔۔۔ وہ مما" ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور آنسو یوں بے اختیار پلکوں کی دہلیز پر ابھر آئے۔

"کیا ہوا ہے نینا! میری جان کیا بات ہے۔ از ایوری تھنگ آل رائٹ۔"

"نہیں آف کورس۔" اس نے بڑی سرعت سے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ بہت مشکل تھا کسی سے اپنی ماں کے کردار کی کمزوری بیان کرنا۔

اس کی مما ہمیشہ سے اس کا آئیڈیل رہی تھیں۔ اور اب جو کچھ وہ شعور کی منزلیں طے کرتے کرتے سوچنے، سمجھنے لگی تھی۔ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود یقین کرنا مشکل تھا۔

ڈیڈی ایک مشہور و معروف مل اونر، مصروف بزنس مین تھے ان کے پاس فیملی کے لیے وقت کی ہمیشہ کمی رہی تھی۔ لیکن شکر تھا کہ ان کی وفا میں کوئی کمی نہیں تھی۔ مما سے انہوں نے اپنی پسند سے شادی کی۔ اور ایک عمر نبھاتے بھی رہے پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ کہاں دراڑ آئی، کیوں، کب اور کیسے وہ لوگ ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ گھر کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ مما نے باہر دلچسپیاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے گھر سے باہر ہی دل لگا لیا۔ پاپا بزنس کے ہو کے رہ گئے۔

گھر کے باقی دو افراد جو ان کی توجہ اور محبت کے اصل طالب تھے۔ اپنے عجب احساسات کے بوجھ تلے اپنی محبت کو دبا کے بیٹھ گئے۔ یہاں اس گھر میں کسی کو ضرورت نہیں تھی۔ تیمور پیرزادہ جیسے تیسے آدھی ادھوری اسٹڈیز کر کے بیرون ملک سدھار گیا۔ اور اکیلی رہ گئی نینا پیرزادہ۔ بڑے سارے محل جیسے گھر کی خالی دیواروں سے سر ٹکرانے کے لیے۔ سونے ویران کمروں میں بدروحوں کی مانند بھٹکنے کے لیے۔

اک لیلیٰ اور کالج روٹین کا سہارا تھا۔ اور وہ اپنی مما کے کرتوتوں سے پردہ اٹھا کے اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتی تھی۔ بیل ہو رہی تھی۔ وہ کتابیں اٹھا کے کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ لیلیٰ پرسوچ نگاہوں سے دور تک اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

اپنی دوست اور اس کی دوستی پہ اسے ہمیشہ فخر رہا تھا اور وقت نے آخر کار یہ بات ثابت کی تھی کہ اس کا فخر غلط تھا نہ بے جا۔

⁂

وہ بہت دیر سے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم وا آنکھوں سے انہیں تک رہی تھی۔ کھڑکی دروازوں پہ پڑے بھاری پردے اور ان سے پرے چھا جانے والے اندھیرے کے باعث اندازہ لگانا مشکل تھا کہ کتنی رات بیت چکی ہے۔ دھیرے دھیرے بیتنے والی رات میں گزرتے وقت کا اندازہ صرف اس گھڑی سے لگایا جا سکتا تھا جس نے ابھی ابھی زور و شور سے رات کے دو بجنے کا اعلان کیا تھا۔ ایک بے زار نظر سامنے ڈال کر تکیے پر پڑے "گولڈن نازک فریم کے گلاسز اٹھا کے انہوں نے آنکھوں پر جمائے اور بزنس سے متعلق وہ موٹی اور خشک کتاب چہرے کے آگے کر لی۔

کمرے میں اے سی کی ہلکی نامحسوس سرسراہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی یا پھر بھی تھی

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
تتلیاں پھول اور خوشبو
راحت جبیں
قیمت ۔۔۔ 225/- روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی

یہ جامد سناٹا ٹوٹا اس وقت جب نیلم ڈریسنگ ٹیبل پہ سے ایک شیشی اٹھا کر دوسری اس پر رکھتیں۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اسی طرح مصروف عمل تھیں۔ گویا آج انہیں رگڑ رگڑ کر اپنی "کینچلی" بدلنی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ انہیں روزانہ یہی عمل دہرانا ہوتا ہو۔ آج کوئی خاص بات تھی۔ شاید۔ بقول خود ان کے وہ بہت تھک گئی تھیں۔ "جسٹ فار ریلیکسشن" مساج لے رہی تھیں۔

لیکن حقیقت کیا تھی یہ بیان نہ کرنے کے باوجود وہ خود بھی اچھی طرح جانتی تھیں اور بستر پر پچھلے آدھے گھنٹے سے ان کی فراغت کا انتظار کرنے والے فرقان پیرزادہ بھی۔

نائٹ گاؤن کی ڈھیلی ڈھالی ڈوریاں کھول کر گاؤن اتارنے کے بعد انہوں نے پاس ہی ڈال دیا تھا۔ اور اب وہ شدومد سے اپنی گردن کے پچھلے حصے اور کندھوں کا مساج کر رہی تھیں۔

لو [illegible] جوڑے سے نکلی سنہری بالوں کی لٹیں گردن کو چھو رہی تھیں۔ دودھیا بازو مرمریں جسم دور تک عیاں ہو رہا تھا۔ نرم و نازک ہاتھ اور ان کے پورے وجود سے چھلکتی نزاکت، کسی بھی صاحب دل کا دل اور صاحب ایمان کا ایمان لوٹ سکتی تھی۔

بلاشبہ وہ آج بھی اتنی ہی حسین اور جوان تھیں۔ جتنی کہ آج سے سالوں پہلے جب وہ دلہن بن کے ان کے آنگن میں اجالے بکھیرنے آئی تھیں۔

دل ہی دل میں اعتراف کرتے ہوئے، فرقان پیرزادہ ایکدم جھنجلا سے گئے۔

"تمہارا کام کب ختم ہوگا۔" کتاب بند کر کے بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہ فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئے۔

"ہوں۔" نیلم نے کچھ چونک کر یوں ان کی طرف دیکھا گویا، یہ جتانا مقصود تھا کہ وہ ان کی موجودگی فراموش کر چکی تھیں۔ یا انہیں علم ہی نہ تھا کہ کمرے میں ان کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ سراسر ڈرامائی انداز۔

فرقان پیرزادہ کے اندر بے زاری کی لہر نے از سر نو جنم لیا۔ لیکن یہ وقت ان کے انداز دیکھنے اور کڑھنے کا نہیں تھا۔

"میں جینوا جا رہا ہوں صبح۔"

"تو۔۔؟" نیلم ان پر سے نظریں ہٹا چکی تھیں۔ اور وہ اپنے ملائم ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی کلائی رگڑ رہی تھیں فرقان جز بز سے ہو کر رہ گئے۔

"میں کیا کروں؟"

"میں نے تمہیں کچھ کرنے کے لیے نہیں کہا۔" ان کی آواز میں تپش گھلی ہوئی تھی۔

"تو پھر مجھے کیوں بتا رہے ہو۔" نیلم کے اطمینان میں سر مو فرق نہ آیا۔

"ہاں میں تمہیں کیوں بتا رہا ہوں۔ میرا تم سے رابطہ ہی کیا ہے۔" وہ تکیہ سیدھا کر کے لیٹتے ہوئے، جیسے ہار ماننے لگے۔

"کیوں؟" وہ اچانک ہی تنک کر ان کی طرف مڑی تھیں۔

"آج اچانک اپنے اور میرے واسطے کا خیال کیوں آ گیا تمہیں۔ تیسری شادی کی اجازت لینا چاہتے ہو کیا۔" ایک پل کو فرقان پیرزادہ کے ہاتھ تھمے اور اگلی ہی پل وہ تلملا کے ان کی طرف گھومے۔ انہیں متوجہ ہوتے دیکھ کے وہ بڑے اطمینان سے ان کی طرف پشت کر چکی تھیں۔

"بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بکواس کیسی یہ تو حقیقت ہے۔"

ایک دل جلانے والی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا اپنے طور پر وہ پورا اور فرقان کو پا چکی تھیں۔

"حقیقت کیا ہے تم اچھی طرح جانتی ہو۔ اور یہ آج گڑے مردے کیوں اکھاڑے جا رہے ہیں۔" وہ بستر سے اٹھ کے ان کے نزدیک آ گئے۔

"آج خاص طور پر فارن ٹرپ کے بارے میں مجھے کیوں بتایا جا رہا ہے۔ ویسے تو آپ گھر ایک فون کرنے کی زحمت گوارا کیے بغیر آفس سے ڈائریکٹ ہی نکل جاتے ہیں پرسنل سیکرٹری کے ساتھ۔ میرا ایسا نمبر تو شاید ہی ہو آپ کے پاس۔" ان کے لہجے میں ایک نامحسوس سا جلاپا تھا۔

"اوہو۔" فرقان جیسے کچھ سمجھ کے ہنسے۔

"تو اس بات کی جلن ہے کب۔"

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔" وہ تڑپ اٹھی تھیں۔ ان کے لہجے میں چھپی طنزیہ ہنسی کا ماخذ جان کر۔

"میری بلا سے تم دس بار جاؤ۔ چاہے اپنی سیکرٹری کے ساتھ، چاہے اپنی تیسری بیوی کے ساتھ۔ جلتی ہے میری جوتی۔"

گو کہ فرقان کی ادھوری بات سے ان کا انگ انگ جل اٹھا تھا۔ اور ان کے انداز سے واضح بھی تھا۔ لیکن زبان سے کوئی اعتراف کرنا، جنگ ہار جانے کے برابر تھا۔

"اور ایک بات کان کھول کر سن لو۔ آئندہ اپنے کہیں آنے جانے کی اطلاع مجھے دینے کی ضرورت نہیں تم کہاں جاتے ہو۔ کس سے ملتے اور کس کے ساتھ کیا کیا کرتے پھرتے ہو۔ مجھے کوئی پروا نہیں سن لیا۔"

بالآخر بات مکمل کرتے کرتے، قوت برداشت جواب دے جانے پر وہ چیخ اٹھی تھیں فرقان پیرزادہ قہر آلود نگاہوں سے انہیں گھورتے رہے۔ جی تو چاہتا تھا اس حسین مورتی کی نازک گردن مروڑ کے رکھ دیں۔ جس کی زبان کی تلخی نے ان کی زندگی کو کڑوا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ یہ بات ہمیشہ بھول جاتے تھے کہ اپنی زندگی میں یہ کڑواہٹ انہوں نے خود گھولی تھی۔

"کیا سمجھتی ہو تم نیلم بیگم۔ اس طرح چیخ و پکار مچا کے تم مجھے زیر کر لو گی۔ مجھ پر اپنا تسلط جما لو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔"

انہوں نے دھیرے سے آگے بڑھ کر ان کا بازو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ نیلم جو اس حرکت کے لیے تیار نہیں تھیں۔ بھونچکا رہ گئیں۔

"میں ایک نہیں۔ دو نہیں۔ دس شادیاں کر سکتا ہوں۔ اس طرح کہ تمہارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں

[illegible]

عمران ڈائجسٹ
Emale: id@khawateendigest.com

2011
[illegible]

سحر رات کے مسافر
[illegible]

سحر زادی
[illegible]

کارواں
[illegible]

ایکس ۸۸
[illegible]

کھیل
[illegible]

شام کے بعد
[illegible]

[illegible]

ہو گی۔"

بات مکمل کر کے انہوں نے ایک جھٹکے سے ان کا بازو چھوڑا۔ وہ دھیرے سے پیچھے کی طرف ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرا کے لڑکھڑا گئیں۔

فرقان ان کا رد عمل دیکھنے کے لیے رکے نہیں تھے۔ بلکہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکلتے نکلتے اتنی ہی قوت سے بند بھی کر گئے تھے۔

چند ثانیے صرف بیڈ روم کے اندر ہی نہیں بلکہ باہر بھی دور دور تک دروازہ بند ہونے کی "دھاڑ" گونجی۔ پھر جیسے وہ ایک دم ہوش میں آگئیں۔

"گو۔ یو۔ باسٹرڈ۔"

ہاتھ میں آئی پہلی نازک و نفیس بلوریں شیشی ایک امپورٹڈ پرفیوم کی تھی۔ جو انہوں نے اٹھا کے دروازے پر دے ماری تھی۔

مغلظات کا ایک طوفان "مجازی خدا" کی شان میں ان کے لبوں سے جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ بولتے بولتے ہانپ گئیں۔ اور قدرے بے دم سی ہو کر ڈریسنگ ٹیبل سے ٹک گئیں۔

بے مقصد خالی نظریں ادھر ادھر دوڑانے کے بعد ان کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ ان کی نظریں اپنے سیل پہ تھیں۔ کسی کی کال آرہی تھی۔ جیسے ان کے دکھ کا مداوا ہو رہا تھا۔ اپنی کال کی "سیٹنگ" فون پہ ڈسکس کر کے وہ شانت سی ہو گئیں۔

چند لمحوں پہلے ان کا پارہ کس قدر ہائی تھا۔ اب ان کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔ وہ ایک دم ہی اپنے آپ کو بہت کمپوزڈ محسوس کر رہی تھیں۔ سیل فون بند کر کے اسے ہونٹوں سے لگایا۔

سنہری بالوں کو کیچر کی قید سے آزاد کر کے، برہنہ شانوں پر پھیلایا اور ہنستے ہوئے نرم و گداز بستر پہ گر سی گئیں۔

کمرے میں امپورٹڈ پرفیوم کی تیز خوشبو بکھری جارہی تھی۔ جو کمرے کی دہلیز پہ ٹوٹی کرچیوں کے بیچ پڑا اپنی ناقدری پر نالاں گداز قالین میں جذب ہوتا جارہا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر انہوں نے اس مسحور کن خوشبو کو اپنی سانسوں میں اتارا۔ اور سائیڈ لیمپ آف کرنے سے پہلے جو آخری چیز دروازے کی طرف پھینکی، وہ بزنس سے متعلق وہی کتاب تھی۔ جسے فرقان پڑھتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

عام طور پر وہ اتنی رات گئے تک نہیں جاگا کرتی تھی۔ لیکن آج بات دوسری تھی۔ اس کی پیاری دوست کی برتھ ڈے تھی۔ اور بارہ بجے اسے سب سے پہلے حسب روایت اسی نے وش کیا تھا۔ جب سے اب تک تقریباً "دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ لیکن ان کی باتیں ختم ہونے کے کوئی چانسز نہیں تھے۔ دراصل یہ سالگرہ کا موقع تو ایک بہانہ تھا۔ ورنہ وہ اتنی ڈھیر ساری باتیں، ہنسی مذاق صرف اس سرد مہر رویے کی تلافی کے لیے کر رہی تھی۔ جو پچھلے دنوں اس نے لیلیٰ کے ساتھ روا رکھا تھا۔

گھر کی ٹینشن، ممّا کا رویہ، ڈیڈی کی غفلت، بھائی کی یاد مل کر کچھ اس طرح حملہ آور ہوئی تھیں کہ ہر کام سے اس کا دل اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ لیلیٰ کے ساتھ اس کا روکھا پھیکا رویہ اسی ٹینشن کا نتیجہ تھا۔ جس کا فی الحال کوئی حل اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اور یہ مسئلے اتنے چھوٹے تھے بھی نہیں۔ کہ وہ اکیلی اپنے زور بازو سے حل کر لیتی وہ جانتی تھی۔ وہ اپنی ذہنی الجھنوں میں گھر کے لیلیٰ کو مسلسل اگنور کر رہی تھی۔ اور عین ممکن تھا کہ اس کا رویہ دیکھتے ہوئے اس بار لیلیٰ اس سے سچ مچ ناراض ہی ہو جاتی۔ لیکن وہ اپنی اتنی اچھی دوست کی ناراضی، کم از کم دوستی، محبت اور خلوص کے اس قحط میں قطعی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

اس وقت بھی جب اس نے رات کے بارہ بجے فون کر کے، سب سے پہلے لیلیٰ کو اس کے جنم دن کی مبارکباد دی تو خوشی اس کے لہجے میں عیاں تھی۔

نیہاں کو کچھ اور شرمندگی ہوئی۔ لیلیٰ نے ایک بار بھی اس کے پچھلے رویے کا حوالہ دیا تھا اور نہ ہی اب اچانک پہلے کی طرح واپس پلٹ آنے کی وجہ پوچھی تھی۔

وہ بس خوش تھی کہ اس کی دوست خوش ہے۔ اور نیہاں خوش تھی کہ اس نے اپنی دوست کو کھونے نہیں دیا تھا۔

"تو پھر کل آؤ گی نا۔ کالج جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ تھکن ہو جائے گی۔" لیلیٰ اسے اپنے گھر اپنی سالگرہ سیلیبریٹ کرنے کے لیے بلا رہی تھی دوسرے دن اس نے خوشدلی سے ہامی بھری۔ بھلا اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

لیلیٰ کا چند اور دوستوں کو بھی بلانے کا ارادہ تھا۔ نیہاں ارینجمنٹ اور اس کے ڈریس کے متعلق ہدایات دے رہی تھی کہ لیلیٰ کو اس کے ذوق اور پسند پہ بہت بھروسہ تھا۔ اور یہ بھروسہ یوں بھی غلط نہ تھا کہ اکثر محفلوں میں وہ نیہاں کی پسند کے لباس زیب تن کر کے تعریف سمیٹ چکی تھی۔

اس وقت بھی وہ خوشی خوشی اس کی ہدایات سنتی اور ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔ یہ اپنی دوست پہ حد سے بڑھا ہوا اعتبار اور اعتماد تھا تو اور کیا تھا۔

باہمی مشاورت سے سفید اور گلابی کنٹراسٹ پر معاملہ طے ہوا۔

لیلیٰ کو بتاتے ہوئے اس نے گلاس وال کے پردے ہٹ کے ذرا کی ذرا سمیٹے، یہاں سے باہر لان کا منظر واضح نظر آتا تھا۔ اور باہر نظر پڑتے ہی دل دھک سے رہ گیا۔

ڈیڈی باہر لگی بینچ پہ بیٹھے تھے۔ اس کا دھیان لیلیٰ سے ڈیڈی کی طرف کب چلا گیا۔ اسے پتا تک نہیں چلا۔ ہنستے ہوئے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس کے کانوں میں لیلیٰ کی ہیلو، ہیلو کی آواز آنا بند ہو گئی۔ شاید اس نے خاموشی سے اکتا کر فون بند کر دیا تھا۔

نیہاں نے بے جان سیل کان سے ہٹا کے اس پہ ایک خالی نظر ڈالی اور اسے بیڈ پر اچھال دیا۔ اور خود ذرا اوٹ میں ہو کے ڈیڈی کو دیکھنے لگی۔

الجھی بکھری سوچوں کی آماجگاہ ان کا چہرہ اب اکثر ہی بے [illegible] نظر آتا تھا۔

سگریٹ کا پتا دیتا سرخ شعلہ انگلیوں کے نزدیک پہنچا، جل بجھنے کو تھا۔ جو انہوں نے ایک بار بھی منہ سے نہیں لگایا تھا۔ بس اپنی سوچوں میں غلطاں وہ کبھی کبھی شہادت کی انگلی اس پر رکھ کر راکھ جھاڑ دیتے۔

یوں جیسے کوئی پژمردہ دل نہایت نرمی سے، بیتی یادوں سے چند لمحوں کے لیے پیچھا چھڑا لے۔

"شاید نہیں، یقیناً" ممی اور ڈیڈی کے بیچ ہوا جھگڑا۔ یا تلخ کلامی۔"

دل میں کسی دکھ نے چٹکی لی۔ تیمور کی یاد ستانے لگی۔

ڈیڈی کی بارعب شخصیت نے ان دونوں ہی بہن بھائی کو بھی اپنے اتنے نزدیک آنے کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ اس وقت "اتنی رات گئے جا کے ان سے تنہائی کا سبب پوچھتی۔

دل میں کچھ دیر پہلے جاگتا نئی تازگی بھری خوشی کا احساس خاک ہو گیا تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے بستر کی طرف پلٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

فرقان پیرزادہ جنیوا جانے کے لیے ایئرپورٹ روانہ ہو چکے تھے۔ سلمیٰ اپنے بڑے سے بیڈ پر اکیلی بیٹھی، بیڈ ٹی کے ہلکے ہلکے سپ لیتی سوچ رہی تھیں کہ آج کا دن کیسے اور کہاں گزارنا ہے۔

ان کے پروگرامز میں سرفہرست "شاپنگ" کا وہ ارادہ تھا جو انہیں بختیار آفندی کی معیت میں پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ ان کا باقی ماندہ دن بھی بختیار کی سنگت میں گزرنا تھا۔ وہ پہلے سے جانتی تھیں۔ آج انہیں جی بھر کے بختیار کو خوش کرنا تھا۔

بختیار آفندی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ ملک کے مایہ ناز صنعتکاروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ جس چیز کو چھو لیتا سونا بن جاتی تھی۔ اور بقول خود اس کے وہ سلمیٰ کے سونے جیسے جسم کو کندن میں ڈھالنے کی خواہش رکھتا تھا۔

اس کی بات یاد آتے ہی نیلم کے ہونٹوں کو ایک مسکراہٹ نے چھوا۔

"آپ کی خواہش سر آنکھوں پہ سرکار۔"

ایک ادا سے ترچھی نگاہ وہ اس سیل فون پہ پھینک کر تیار ہونے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جس پر کل رات گئے تک انہوں نے بختیار آفندی کے ساتھ میٹھی محبت بھری در حقیقت مکاری بھری بناوٹی باتیں بگھاری تھیں۔

* * *

ڈیڑھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد اسے اپنا مطلوبہ لباس ایک مہنگی ترین شاپ سے ملا تھا۔ ابھی شوز اور جیولری باقی تھی۔ وہ تیزی سے جیولر شاپ کی طرف جارہی تھی۔ جب اپنے نام کی پکار پہ ٹھٹک کے رکی۔

"علی!" ایک خوشگوار حیرت اس کے چہرے پہ جھلکی۔

"تم یہاں اسلام آباد سے کب آئے؟"

"کل۔ آپ کی بیسٹ فرینڈ نے خاص الخاص فون کرکے وہاں سے بلوایا ہے۔" وہ بات کرتے کرتے اس کے ساتھ ہی چل پڑا۔

"تو ابھی یہاں؟"

"اسی کا گفٹ لینے آیا ہوں۔"

نیہاں اسے بتانے لگی کہ اس نے ابھی لیلیٰ کی کلر میچنگ کا سوٹ لیا ہے۔

"تم دونوں کی دوستی بھی خوب ہے۔"

کرسٹل کے نفیس شوپیسز سے سجی ایک شاپ میں قدم رکھتے ہوئے اس نے تبصرہ کیا۔

"کیوں بھئی؟"

"بس!" اس کی نظریں دکان میں یہاں سے وہاں بھٹک رہی تھیں۔

"کہاں ملتی ہے آج کل اتنی سچی اور خالص دوستی"

"ہوں ہوں۔ ملتی نہیں ڈھونڈنی پڑتی ہے۔"

"مجھے تو نہیں ملی۔ بہت ڈھونڈا میں نے۔" اس کی آواز بتدریج دھیمی ہوگئی۔ لیکن نیہاں اس کی بات سن چکی تھی اور ملامتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ بھی رہی تھی۔

علیان نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دم ہنس پڑا۔

"فضول کی بکواس کرنے کی عادت کب جائے گی تمہاری۔"

"کبھی نہیں۔" کمال اطمینان تھا اس کے لہجے میں۔

"اوکے اوکے یہ دیکھو کیسا ہے۔" اس نے بات سمیٹ کر اسے ایک خوبصورت شوپیس کی طرف متوجہ کیا۔ کرسٹل ڈول مدھر موسیقی پر رقص کررہی تھی۔

"بہت پیارا ہے۔" اس کی آواز میں خلوص تھا۔ محبت تھی۔

"بالکل لیلیٰ آنٹی جیسی ہے نا۔"

وہ بچوں کی طرح آواز بنا کے خوش ہوکے بولا۔

نیہاں نے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں ہنس پڑے۔

واپسی میں وہ اپنی کار لاک کرکے علیان کے ہمراہ گھر جارہی تھی۔ اس نے زبردستی نیہاں سے ایک کپ چائے کی تواضع وصول کرنی تھی۔

* * *

مسلسل تیسری بار اس کے سیل فون پہ لیلیٰ کا نام جگمگایا تھا اور اس بار اس نے سامنے پھیلی فائلوں کو ایک طرف ہٹا کر فرصت سے کال ریسیو کی تھی۔

"میں کب سے فون کررہی ہوں، کہاں ہیں آپ؟"

"کہیں نہیں۔ یہیں بالکل آپ کے پاس، آپ کے دل میں۔"

اس کی گمبیر بھاری آواز نے لیلیٰ کے کانوں میں امرت جل ٹپکایا۔

"میرے دل میں۔" اس نے گڑبڑا کے اپنا سیل دیکھا۔

"آپ بولیں، ہمیں کیسے یاد کرلیا؟"

"میں تو آپ کو یاد کرتی رہتی ہوں۔ آپ ہی کے پاس نہیں ہے ٹائم۔"

اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"ارے نصیب! چلو کوئی تو ہے جو ہمیں یاد کرتا رہتا ہے۔"

"آج میرا برتھ ڈے ہے۔" اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں کو سنبھال کر وہ جلدی سے مطلب کی بات پہ آئی۔

"او ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

وہ دھیرے سے اپنی بھاری آواز میں گنگنایا اور لیلیٰ ایک بار پھر اس کے طلسم میں جکڑی گئی۔

"آپ بولیں بھی چپ کیوں ہوگئیں۔"

"آپ۔۔۔ آپ کی آواز بہت خوبصورت ہے۔" دھیمی آواز میں بولتے ہوئے اس کی ہتھیلیاں نم ہوگئیں۔

"تھینکس فار دی کمپلیمنٹ میم۔ لیکن آپ سے تو ہم بھی ہار گئے نا۔ آپ تو مجسم خوبصورتی ہیں۔"

لیلیٰ نے اپنی اصل میں بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالا۔

"اور میں آج آپ کو اپنی برتھ ڈے پارٹی میں انوائٹ کررہی ہوں۔"

اس کی جادو اثر آواز کے سحر سے آزاد ہونا اتنا بھی آسان نہیں تھا اس نے بدقت بات مکمل کی۔

"بے بی کم آن بے بی میں کیا کروں گا وہاں۔ آپ جانتی ہو مجھے اس ٹائپ کی ینگ پارٹیز سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہیو نو انٹرسٹ۔" اس کا لہجہ ایک دم ہی بدلا لیلیٰ نے بہت محسوس کیا۔

"پلیز آئم ناٹ آ بے بی اوکے۔ اور آپ کو آنا ہے میں نے کہہ دیا۔ ورنہ میں پاپا سے آپ کی شکایت کروں گی۔" وہ لاڈ سے ٹھنک کر بولی۔

"او ہو! دھمکی تو بہت اسٹرونگ ہے۔ اوکے پرامس نہیں کرتا۔ لیکن کوشش کروں گا۔"

"چلیں آپ نے کوشش کا تو کہا۔ ورنہ اگر منع کردیتے تو میں کیا کرلیتی۔ ایکچوئلی میں آپ کو کسی سے ملوانا چاہتی ہوں۔"

اس کے دماغ میں گھنٹی سی بجی۔

"کس سے؟" اس نے معنی خیز انداز میں دہرا کے اپنی کہنیاں میز کی چکنی سطح پر ٹکائیں۔

"لیٹ می گیس۔ کون ہے یہ لکی۔ آپ کا بوائے فرینڈ۔"

"ارے نہیں بھئی۔" لیلیٰ زور سے ہنس پڑی۔

"تو پھر؟"

اس نے کہنے کے ساتھ ایک بٹن پش کرکے اپنی سیکریٹری کو اندر بلایا۔ وہ اب بات سمیٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"میری ایک فرینڈ ہے بیسٹ فرینڈ۔ وہ۔۔۔" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اوکے بے بی۔ آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ۔ ٹیک کیئر اوکے۔"

"اوکے۔" لیلیٰ کے جوشیلے لہجے پر اوس سی پڑ گئی۔

"بٹ ڈونٹ کال می بے بی اگین۔"

"اوکے۔" اس نے ہنستے ہوئے فون بند کرکے اپنی ہوران بیوٹیفل سیکریٹری کو دیکھا۔ جو اس کی اجازت پا کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ چکی تھی۔

"جانتا ہوں بے بی۔ تم بچی نہیں ہو۔ بڑی ہوگئی ہو۔"

دل ہی دل میں کہتا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے اس چیئر کے پاس ہی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ جہاں اس کی سیکریٹری مس نایاب بیٹھی تھیں۔

"واٹ ہیپنڈ ٹو یا ڈیئر۔ آج بہت بجھی بجھی لگ رہی ہو۔"

اب وہ بڑی اپنائیت سے اس کے شانوں پر بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

* * *

شہنام حسن اعوان اپنے خوبصورت بارعب نام کی طرح، اس کی شخصیت بھی اتنی ہی خوبصورت، اور بارعب تھی۔ مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ۔ گو کہ کاروباری دنیا میں قدم رکھے بہت زیادہ عرصہ

نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی وہ کوئی ایسا جدی پشتی رئیس تھا کہ ڈھیروں ڈھیر سرمایہ یونہی کھڑے کھڑے کسی بھی کاروبار میں لگا دیتا۔ ابھی اسے قدم جمانے کے لیے لمبا عرصہ اور ہر لحاظ سے مکمل حکمت عملی کی ضرورت تھی۔

مکمل شخصیت اس کے پاس تھی۔ روپے پیسے کی ریل پیل نہ سہی لیکن کوئی ایسی کمی بھی نہ تھی۔ اور ذہانت خدا کی دین۔ جس پر وہ جتنا بھی شکر ادا کرتے کم تھا۔

فوری طور پر کوئی بھی بزنس شروع کرنے اور اسے اپنے پیروں پہ کھڑا کرنے کے لیے اگر اس کے پاس کسی چیز کی کمی تھی تو وہ تھا تجربہ۔ اور یہی تجربہ حاصل کرنے کے لیے اس نے کسی بھی قسم کے ذاتی کاروبار کے بجائے لیلیٰ کے والد' آصف علی خان کے ساتھ پارٹنرشپ کو ترجیح دی تھی۔

پھونک پھونک کے قدم رکھنے کے باوجود اپر کلاس کی رنگینیوں نے بہت جلد نا صرف اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا' بلکہ اب وہ بڑی عمدگی اور احتیاط کے ساتھ اس کلاس کی بے باکی کے مزے لوٹ رہا تھا۔

وہ جانتا تھا اس کی پرکشش شخصیت اور گمبھیر آواز اس کی خود کو اور زیادہ نمایاں کرنے کی کامیاب کوششیں' صنف مخالف کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ وہ مقابل کو منٹوں میں زیر کرنے کی صلاحیتوں سے واقف تھا اور اپنے وجود کی اس مقناطیسی کشش سے بھی۔

لیلیٰ بھی اس پہ پہلی نظر میں نثار ہو جانے والی لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ جو کردار کی پختگی سے زیادہ ظاہری چمک دمک اور خوبصورتی سے متاثر تھی۔ اور وہ کوئی اکیلی متاثرہ نہیں تھی اس کے حلقہ احباب میں اسے بے انتہا پسند کرنے والے' دونوں اصناف کے مختلف عمر کے لوگ شامل تھے۔

خود اسے بھی کبھی کبھی آصف علی خان بھی اپنی شخصیت اور بہترین قائدانہ صلاحیتوں سے متاثر نظر آتے وہ برملا اسے اپنے سرکل کے دوسرے کاروباری حریفوں اور دوستوں سے فخریہ متعارف کرواتے۔

دل ہی دل میں شاید وہ اسے اپنا داماد بنانے کا ارادہ بھی رکھتے تھے۔ لیلیٰ ان کی اکلوتی نہ سہی لیکن بے حد لاڈلی اولاد تھی۔ اور اس کے لیے انہیں ایسے ہی ہر لحاظ سے مکمل شخص کی ضرورت تھی۔ حالانکہ لیلیٰ اور شہنام کی عمروں میں فرق بہت واضح اور نمایاں تھا لیکن اس پر غور کرنے کی انہوں نے کبھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ جہاں اتنے سارے ایڈوانٹیجز حاصل ہوں۔ وہاں یہ معمولی سا عمر کا فرق کوئی قابل غور عذر نہ تھا۔ لیلیٰ اور شہنام کے درمیان بتدریج بڑھتی ہوئی بے تکلفی میں بھی بڑی حد تک ان کا اپنا ہاتھ تھا اور ان کی بیگم جو ان کے ہر قدم پہ شانہ بشانہ ہوتی تھیں۔ یہاں بھی مکمل رضامندی اور آمادگی کے ساتھ اس عمل میں شامل تھیں۔

لیلیٰ کی اپنی مرضی سے ارینج کی گئی برتھ ڈے پارٹی میں آنے والے مہمان صرف اس کی فرینڈز تک محدود تھے شہنام کی شمولیت اس کی ماما کی مشاورت سے عمل میں لائی گئی تھی۔ اپنی بیٹی کی نظروں سے جھلکتی پسندیدگی ان سے چھپی نہ تھی۔ وہ دل و جان سے اپنی بیٹی کی پسند پہ راضی تھیں۔

اور جس کی پسندیدگی سب سے زیادہ ضروری تھی یعنی خود شہنام حسن اعوان کی تو اس کی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ وہ ان کے بزنس میں چالیس پرسنٹ شیئرز کا پارٹنر تھا۔

شہر کی جانی مانی معروف کاروباری شخصیتوں میں اگر اس کا نام تھا۔ جان پہچان تھی تو صرف آصف علی خان کی مہربانی سے جنہوں نے اسے نام دیا تھا پہچان دی تھی۔

اور وہ اپنے تئیں سوچے بیٹھے تھے کہ وہ ان کی بات ٹھکرانے کی ہمت بھی کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ جس شخص کو وہ اپنے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا سمجھتے تھے وہ اتنا بھی دبا ہوا نہیں تھا۔

بلکہ بزنس سرکل میں اپنی الگ حیثیت کا تعین کرنے اور آصف علی خان کی فیملی میں ایک مخصوص

ٹائم پیریڈ گزرنے اور کچھ "کام" نکل جانے کے بعد وہ آصف علی خان اور ان کے بزنس دونوں ہی سے علیحدگی اختیار کر لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

شکاری بے شک گھاگ تھا۔ لیکن شکار بھی اتنا معصوم اور نادان نہ تھا۔ جتنا وہ سمجھتے تھے اسے جکڑنے والے جال کو کترنے کا ہنر بخوبی آتا تھا۔

* * *

ماحول میں پھیلی خوشگوار ٹھنڈک اور کانچ کی نفیس کٹلری اور کراکری کا استعمال' دھیمی موسیقی کے پس منظر کے ساتھ مل کر ایک الگ ہی ساز تخلیق کر رہا تھا۔ ہوٹل کے پرتکلف ماحول میں انتہائی بے تکلفی سے نوش جاں کیے جانے والا مشروب [illegible] حواس پہ پوری طرح غالب آ رہا تھا۔

بختیار آفندی کی ہمراہی میں شاپنگ پہ ہزاروں روپے برباد کر کے بھی انہیں سکون نہ ملا تھا تو وہ اس شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں کھانے کا نام پر جانے کیا کچھ منگوا کر ڈھیر کر چکی تھیں اور اب بھی کوئی چیز ان کے دل کو بھا نہیں رہی تھی۔ بس ذرا سا چکھ کر وہ ڈشوں کے ڈھیر پر ڈھیر لگوائے جا رہی تھیں۔ کئی طرح کے کھانے سرونگ کے بعد ٹیبل پر سے واپس بھجوائے جا چکے تھے۔ دو گھنٹے اسی طرح ہو گئے تھے۔ آسمان کے پار سورج ڈوب چکا تھا۔

صبح سے پانی کی طرح پیسے کی بارش کرنے والا بختیار آفندی اب کچھ اکتایا ہوا سا لگ رہا تھا آج کا پورا دن ضائع کرنے کی پلاننگ اس نے یونہی تو نہیں کی تھی۔

نیلم پیرزادہ جیسی موٹی مچھلی کو چھونے کے خیال سے ہی۔ صبح سے اس کی انگلیوں کے پوروں سے کرنٹ سا نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اور اب جبکہ کئی بار وہ ان کے بازو' رخسار' ہونٹ بہانے بہانے سے چھو کر اپنے ہیجان کو انتہا کی حد تک پہنچا چکا تھا اس ہیجان پہ [illegible] تھا

نیلم اس کی نیت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اور یہ بھی جانتی تھیں کہ کوئی بھی بزنس مین بلاوجہ بھی کسی ایسی جگہ سرمایہ کاری نہیں کرتا جہاں سے نفع ملنے کا امکان نہ ہو۔

اس خنک ماحول میں بھی اداسی کی ایک سرد لہر نے دھیرے سے ان کے دل کو چھوا۔ انہوں نے سر جھٹک کے سامنے سے آتے ویٹر کو دیکھا۔

اس نے ٹرے میں خاص ڈیزائن کی بوتل اور بلوریں نازک گلاس سجا رکھے تھے۔

بختیار آفندی نے سوالیہ نظروں سے ویٹر کو دیکھا۔

"میں نے آرڈر کیا ہے۔" وہ کمال اطمینان سے اپنی سوئی مخروطی انگلیوں میں گلاس تھامے بولیں۔ اور گھونٹ گھونٹ اس مشروب کی تلخی اپنے اندر اتارنے لگیں۔

بختیار آفندی کی اکتاہٹ ختم ہونے لگی۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں کی عیار چمک جو مدھم پڑنے لگی تھی پھر سے دو آتشہ ہو گئی۔

"ایک بات تو بتاؤ بختیار۔"

کئی پیگ چڑھا لینے کے بعد نشے کا خمار آنکھوں کے گلابی ڈوروں سے چھلک رہا تھا۔ لیکن جب بولیں تو ان کی آواز ایک دم صاف تھی۔

"مگر میں تم سے یہ کیوں کہوں کہ میرا [illegible] تو۔"

سپ لیتے ہوئے بختیار آفندی کو ایک دم ہی کھانسی آ گئی' گلاس سے تھوڑا سا مشروب چھلک کر قیمتی شرٹ کو داغدار کر گیا۔

"الو کی بچی۔" دل سے بے اختیار گالی نکلی' جسے انہوں نے ہونٹ بھینچ کے روکا۔

چہرے کے تاثرات کو ٹشو میں بدقت تمام لپیٹا۔ ایک لمحے کو انہیں اپنا آج کا سارا ایفرٹ بے کار ہوتا محسوس ہوا۔ یہ تو طے تھا کہ اگر نیلم کی مرضی نہ ہوئی۔ تو وہ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈال سکتے تھے کہ یہ بات بہت ہی بیڈ مینرز کے زمرے میں آتی۔

انہوں نے دل کی کیفیت سے چھپا کر بمشکل ہونٹوں کو دائیں بائیں پھیلایا۔ اور نیلم کے چہرے کی طرف دیکھا۔

ان کے ہونٹوں پر بڑی محظوظ مسکراہٹ تھی۔

"تو... تو ڈارلنگ، [illegible]۔"

اس نے دل ہی دل میں انہیں ایک اور موٹی سی گالی سے نوازا۔

نیلم جیسے ان کے دل کے اندر تک جھانک چکی تھیں۔ ایک دم سے ہنس پڑیں۔

"کیوں کیا ہوا؟" اس نے بظاہر مسکرا کے پوچھا۔

"تھینک ڈارلنگ۔" انہوں نے گلاس پھر ہونٹوں سے لگا لیا۔

درمیان میں گزرنے والے خاموشی کے چند لمحے بہت بوجھل اور بھاری تھے۔ آنے والے جس وقت کا تصور کر کے بختیار آفندی اپنے آپ کو پھر سے جوان محسوس کرنے لگا تھا۔ اب ہاتھوں سے نکلتا ہوا لگ رہا تھا۔ بے تابی کی جگہ دھیرے دھیرے مایوسی اپنے پر پھیلا رہی تھی۔

اور اس سے پہلے کہ وہ نیلم کی مسلسل خاموشی سے مکمل طور پر مایوس ہو کر انہیں خود ہی گھر چھوڑنے کی آفر کر دیتا۔ انہوں نے گلاس میز پر لڑھکا دیا۔ خالی گلاس میز پر رکھنے کے بجائے [illegible] فرش میں جلترنگ سا بکھیر گیا۔ بختیار آفندی نے چونک کر انہیں دیکھا۔

وہ قدرے مشکل سے ٹیبل کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کھڑی ہوئیں ان کے اس انداز پر ارد گرد موجود بہت سے لوگوں نے ان کی طرف دیکھا اور ان میں سے کتنے ہی ایسے تھے۔ جن کی نظریں ان کی طرف اٹھ کے پلٹنا بھول گئیں۔ اس میں ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔

بختیار آفندی نے نا چاہتے ہوئے بھی دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

نیلم پیرزادہ کا پوری طرح "کھیلا کھایا" حسن آج بھی بہت سی نوخیز کلیوں کی چمک ماند کر سکتا تھا۔ خصوصاً "اتنی زیادہ "تیز دھار" لینے کی وجہ سے مزید دو آتشہ ہو گیا تھا ان کی آنکھوں میں جو سرخی اور قدموں میں جو لڑکھڑاہٹ آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر بھانپ کر کوئی بھی انہیں سہارا دینے کے لیے اپنا کندھا پیش کر سکتا تھا۔

نیلم نے ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف دیکھا اور وہ ان کا اشارہ سمجھ کر سرعت سے اٹھ کر ان کے نزدیک ہو گئے۔

"تم نے روم کی بکنگ تو کروالی تھی نا جان۔" اب کی بار لڑکھڑاہٹ ان کے لہجے سے بھی عیاں تھی۔

"اوہ یس ڈارلنگ، ہاؤ کین آئی فارگیٹ۔"

بختیار آفندی کا بازو ان کی سڈول کمر کے گرد حائل ہو گیا۔

"تو چلو پھر۔"

ہائی ہیل سینڈل پر بمشکل قدم جماتے، ڈولتے بختیار کے بازو کا سہارا اور گلے کا ہار بنی، وہ آگے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

* * *

پارٹی پورے اہتمام سے جاری و ساری تھی۔

کیک اور کینڈل کی عدم موجودگی کی وجہ سے بہرحال یہ پارٹی کم اور ویک اینڈ پارٹی زیادہ لگ رہی تھی۔ کیک کاٹنے کا پروگرام اس نے خود ہی کینسل کر دیا تھا۔ بقول اس کے۔

"میں کیک کاٹتے وقت اتنی اسٹوپڈ نہیں لگوں گی، جتنی نہال کلیپنگ کرتے وقت لگے گی۔ اور علیان تم پر برتھ ڈے کیپ بہت سوٹ ہوگا۔"

بیس سال کی عمر میں بچوں کی طرح سالگرہ منانے کا خیال بھی کتنا بچکانہ تھا۔ اسے خود بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ آج کے چیف گیسٹ شہشام حسن اعوان کے سامنے بچی نہیں بننا چاہتی تھی۔ اسے اپنی جوانی، خوبصورتی اور بھرپور سراپے پر بہت ناز تھا اور اگر وہ اپنے لیے کوئی اپنے جیسا ہی ڈیزلنگ پارٹنر چاہتی تھی تو یہ کوئی بے جا خواہش نہیں تھی۔

کافی دیر انتظار کے بعد، جب اس کے چہرے پر مایوسی کے رنگ چھانے لگے تب اس نے بیرونی گیٹ

سے داخل ہوتی شہشام کی گاڑی کو دیکھا۔

اس کے دل سے خوشی کی ایک تیز لہر اٹھ کر پورے وجود کو سرشار کر گئی۔

اس نے ذرا سنبھل کے ایک طائرانہ نگاہ لان پر ڈالی۔ جہاں پارٹی ارینج کی گئی تھی۔ آرائشی لائٹوں کی چکاچوند روشنی میں کچھ دور نہال کھڑی اپنی اور اس کی مشترکہ دوستوں سے باتوں میں مصروف تھی۔ علیان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

چہرے کو دھیرے سے ہاتھوں سے تھپتھپا کے اس نے جیسے بے ساختہ خوشی کے تاثر کو مٹانا چاہا۔ ایک ایسا رنگ، جو سب کو اندر کا حال سنانے والا ہو۔ اسے اپنا چہرہ اور آنکھیں اسی رنگ میں رنگے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"خوب! ایسی بھی کیا بے اختیاری۔" خود کو ڈپٹ کر وہ ان کی طرف بڑھی۔

وائٹ شرٹ اور ڈارک گرے جینز میں وہ نیلی کو سیدھا دل میں اترتا ہوا محسوس ہوا۔

اس کے ہاتھ میں ایک بکے تھا۔ اور خوبصورت گفٹ پیپر میں لپٹا تحفہ بھی۔ "اس کے لیے" گفٹ اس کے قدم تیز ہوئے۔

"ہیلو بے بی ہاؤ آر یو۔"

اس کے قریب پہنچتے ہی وہ بولا۔ پھر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہنستے ہوئے ———— بکے اور گفٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"میں سمجھی تھی کہ آپ نہیں آئیں گے۔ شاید بھول جائیں گے۔"

خوبصورت وائٹ روز سے سجا بکے تھامتے ہوئے، اس کی انگلیاں شہشام کی انگلیوں سے ذرا سا مس ہو گئیں۔ اس کی پلکیں لرز گئیں اور آواز دھیمی پڑ گئی۔

"اور اگر میں واقعی بھول جاتا تو۔"

اس کی بھاری آواز اتنی دھیمی تھی کہ صرف وہی سن سکی وہ دونوں ابھی تک ان کی گاڑی کے پاس ہی کھڑے تھے۔

"تو... تو..." اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"تو شاید مجھے بہت دکھ پہنچتا۔" دل میں آئی بات زبان تک لانی مشکل تھی سو بس دل میں کہہ کر رہ گئی۔ وہ چپ رہ گئی لیکن مقابل بھی کوئی بچہ نہیں، زمانہ شناس مرد تھا۔

وہ آگے بڑھا اور دھیرے سے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

"کنٹرول یور سیلف بے بی، آئی ایم ہیئر۔"

اپنی بات کہہ کے وہ رکا نہیں تھا۔ اس کے اندر اتنا کانفیڈنس تھا کہ میزبان کی موجودگی کا سہارا لیے بغیر محفل میں آپ اپنا تعارف بن سکے۔

نیلی جیسے پتھر کی ہو گئی اور کتنی دیر اپنے سلگتے رخسار پر اس کے بھاری نرم ہاتھ کی گرمی محسوس کرتی رہی۔ اس کی بات کی گہرائی میں جانے کی ضرورت محسوس کرنے کے بجائے اس کے لمس کی حدت سے محظوظ ہوتی رہی۔

* * *

وہ پارٹی کو انجوائے کر رہی تھی۔ قدرے غائب دماغی کے ساتھ بات کرتے کرتے کھو جاتی، کبھی حال میں لوٹ آتی۔ کبھی دوستوں کے جھرمٹ میں زوردار قہقہے لگاتی اور کبھی سب کو ہنستا دیکھ کر بھی صرف مسکرا کے رہ جاتی۔

اسی غیر حاضر دماغی کی کیفیت میں وہ محسوس نہیں کر سکی کہ وہ مسلسل کسی کی نظروں کے حصار میں ہے۔ وہ کتنی ہی دیر سے اسے دیکھ رہا تھا اور اتنی ہی دیر سے اس کی کیفیت کو پوری طرح محسوس بھی کر رہا تھا۔

"نیلی!" جب صبر نہیں ہوا تو پاس آ کے دھیرے سے پکار بیٹھا۔

"ہوں۔" وہ جو ماحول سے ایک لمحہ بھر بے خبر ہو چلی تھی ایک دم چونک سی گئی۔

"کہاں ہو؟" اس عجیب سے سوال پر اس نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

"کہیں بھی لیکن کم از کم یہاں نہیں۔" "اپنی بات کا

http://www.paksociety.com

خود ہی جواب دے کر اس نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"آئیم آئی رائٹ؟"

نیہاں سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ بس ایک گہرا سانس لے کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ علیان نے بغور اسے دیکھا۔

گلابی اور سفید رنگوں کے سنگم سے بنا لباس اس پہ خوب جچ رہا تھا اور سورج ڈوبنے سے قبل اپنے چہرے کے سنہری پن کے ساتھ وہ اسی گلابی شام کا ایک حصہ دکھائی دے رہی تھی۔

بیش قیمت ڈائمنڈ جیولری اس کے نازک جسم پر دمک رہی تھی۔

جذبات اور خیالات کے مزید بھٹکنے سے پہلے اس نے دانستہ اس پر سے نظریں ہٹا کے اس کی نگاہوں کے مرکز کو دیکھا۔

وہ سامنے آنٹی کو دیکھ رہی تھی۔

جو ابھی ابھی لان میں آکے کھلی اور اس کی مشترکہ دوستوں سے مل رہی تھیں۔ نیہاں کی پرسوچ نظروں میں کیا تھا۔ کوئی خواہش، کوئی حسرت یا ناممکن سی چیز، اس سے پہلے وہ کوئی اندازہ کر پاتا۔

ممی دور سے انہیں پکارتی ان کے پاس چلی آئیں اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔

"نیہاں علیان ان سے لو۔ یہ ہیں شہنام حسن اعوان، پاپا کے بزنس پارٹنر اور میری آج کی پارٹی کے چیف گیسٹ۔"

علیان نے خوشدلی سے ہاتھ بڑھایا۔ جسے انہوں نے تھاما ضرور لیکن ان کی نظروں کا مرکز وہ نہیں نیہاں تھی۔ نیہاں فرقان پیرزادہ۔

* * *

کمرے میں اے سی کی لطیف سی ٹھنڈک تھی اور خوشبودار "امپورٹڈ سگریٹ" کا ہلکا ہلکا دھواں اس نے گہری سانس لے کر کمبل میں دبے گئے سفید پیروں سے ملائم چادر کو ذرا سی ذرا سرکا اور انگلیوں میں دبا سگریٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے میں مسل دیا۔

بائیں ہاتھ سے موبائل اٹھا کے دیکھا اور جیسے کسی مایوس کن سوچ کے زیر اثر ہلکے سے پرے پھینک دیا مسلسل دو گھنٹے کی اسموکنگ سے کمرے کی فضا کثیف سی ہو رہی تھی۔ اس نے کمبل ایک طرف ہٹا کے پیر زمین پر رکھے۔

دبیز قالین میں دھنسے پیروں کی رنگت پہلے سے زیادہ صاف نظر آئی۔ وہ غور سے انہیں دیکھتا رہا۔ تخیل کے پردے پر کسی کے نرم و نازک گلابی پٹیوں میں مقید پاؤں لہرا گئے۔

اس نے مسکرا کر سر جھٹکا اور اٹھ کے طویل و عریض گلاس ونڈو کے پردے سمیٹے رات کافی سے زیادہ بھیگ چکی تھی۔ اوائل تاریخوں کا چاند رات کے گھور اندھیرے ہٹنے میں ناکام تھا۔ اور لان میں لگے اونچے اونچے ناریل کے درخت آرائشی لائٹس کے بجھ جانے کے بعد رات کی تاریکی میں ہیبت ناک سے لگ رہے تھے۔

لیکن یہ ڈراؤنا ماحول، تخیل کی خوبصورتی پر ذرا بھی اثر انداز نہ تھا۔

وہاں کیا تھا بھلا اس کے تصور میں، جس نے لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں روشنی بھر دی تھی۔

اس نے ایک بار پھر پلٹ کر اپنا موبائل اٹھایا اور اسکرین پر ایک نگاہ ڈال کر ٹھوڑی سے ٹکایا۔ وہ جانتا تھا کہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ جس ہستی کو مسلسل سوچ رہا ہے۔ اس کا کانٹیکٹ نمبر اس کے سیل فون میں نہیں ہے۔ اور کہاں سے مل سکتا ہے "اسے" باخوبی علم تھا۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے دل کی بے قراری کسی پر عیاں ہو۔

ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی چہرہ یوں دل کو بھایا تھا کہ گویا دنیا کی تمام خوبصورتیاں اس کے آگے ماند سی پڑ گئی تھیں۔

اس نے دانستہ ایک ہفتے پہلے کا منظر اپنی نگاہوں میں ایک بار پھر تازہ کیا۔

پوری محفل میں صرف دو ہی لڑکیاں سفید اور گلابی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس تھیں۔ ایک تھی لیلیٰ جو اس کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔ بلاشبہ ظاہری خوبصورتی میں وہ کسی سے کم نہیں تھی۔ لیکن اس کے انداز شہنام کے لیے بہت حامیانہ تھے۔

زبردستی اپنے آپ کو ڈی ویلیو کرنا۔ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششیں کرنے پر جاتے ہوئے بھی کہ تمہارے اندر کسی شے کی کوئی کمی نہیں۔ اور دوسری تھی وہ جسے لیلیٰ نے نیہاں کہہ کے پکارا تھا۔

اپنے نام کی طرح ستارہ آنکھیں، چاند چہرہ، رنگت جیسے چاندی، بال جیسے سونا۔ میدے کی لوئی جیسے ہاتھ پیر۔

اس وقت شہنام کا دل چاہا، بے اختیار ہی اس کا ہاتھ تھام کے اس موم جیسے کی نرمی اپنی پوروں میں جذب کر لے اس وقت اپنی بے اختیاری کے آگے بند باندھنا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔ اور بے بسی کی جس شدید لہر نے اس کے اندر اس وقت جنم لیا تھا۔ وہی کیفیت ایک بار پھر اس کے اندر بل کھا کے رہ گئی۔

ایک گہرا سانس لے کر اس نے اپنے سینے پہ ہاتھ پھیرا اور نائٹ گاؤن کی کسی ہوئی ڈوریاں ڈھیلی کر کے ریزن کمبل کے پیچھے پھیلا لیا۔

اگلے ہی پل وہ پھر سوچ میں ڈوبا اپنے موبائل کی کانٹیکٹ لسٹ کھنگال رہا تھا۔

* * *

وہ بہت دیر سے لاؤنج میں ایک زاویے پہ بیٹھی تھیں۔

صوفے پر استادہ ان کے پر تمکنت وجود سے ہلکی سی تھکن جھلک رہی تھی۔ سنہرے بال بے ترتیب تھے اور کرنجی آنکھیں خالی خالی۔

بظاہر سوچ میں پوری طرح غرق ہونے کے باوجود خیالوں میں کوئی ایک بھی رنگ ٹھیک سے جم نہیں پا رہا تھا۔ بہت سارے چہرے گڈمڈ تھے۔

ان کی بیٹی نیہاں، جس کا کھلتا ہوا قد ان کے برابر آن لگا تھا۔ ایک جوان بیٹی کی ماں ہونے کے احساس کو انہوں نے کبھی در خور اعتنا نہ جانا تھا۔

بختیار آفندی، جس نے ان کے اوپر نوٹوں کی بارش کی تھی۔ اور جواب میں انہوں نے ایسے ہی بارش کی طرح اپنا التفات اور وجود کی گرمی ان پر برسائی تھی۔

اور اب اس عمل پہ وہ بالکل شرمندہ نہیں تھیں فرقان پیرزادہ بھی رہ رہ کر خیالوں میں آجاتے تھے، جو کل رات کسی پہر آکے ان کے برابر میں سوئے تھے۔ اندازہ لگانا مشکل تھا۔

بائیں ہاتھ میں تھامے کافی کے مگ سے بھاپ نکلنا بند ہو چکی تھی۔

انہوں نے ایک گھونٹ بھرا کافی تلخ تھی۔ لیکن ٹھنڈی ہو کر بے مزا لگنے لگی تھی۔

"ثروت!" برا سا منہ بنا کر انہوں نے اپنی ذاتی ملازمہ کو دھیرے سے آواز دی۔ اشارے سے لاؤنج کی گلاس وال کے پردے سرکانے کو کہا اور کافی کا مگ ٹیبل پر یونہی رکھ دیا۔

بھاری پردے ہٹاتے ہی روشن دن کا اجالا لاؤنج میں بھرنے لگا۔ وسیع و عریض لاؤنج کی قیمتی اشیاء پر روشنی جھلملانے لگی۔

دائیں ہاتھ میں دبے سگریٹ کا آخری کش لے کر انہوں نے ایش ٹرے میں مسل دیا اور ناک سے دھواں نکالتے ہوئے، پیر سیدھے کرنے کے انداز میں انگڑائی لی۔

پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی گلاس وال کے پاس آکھڑی ہوئیں۔

شیشے کے پاس آکے، جسم و جاں میں اترتی معمولی سی گرمائش طبیعت کی کسلمندی پر حاوی ہو کے اچھی لگ رہی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر وہیں کھڑی لاؤنج کا جائزہ لیتی رہیں۔ کچھ سال پہلے تک گھر کے ساتھ ساتھ لان کی دیکھ بھال بھی ان کے فرائض اور روزمرہ کے معمولات میں شامل تھی۔ وہ نت نئے رنگوں اور خوشبوؤں کے پھولوں کی پنیریاں خرید کر لاتی رہتی تھیں۔ مالی سے اپنی نگرانی میں پرانے پودوں کی چھانٹی کرواتیں ان کی ہدایت تھی کہ لان میں اور درختوں کے آس پاس

سونگھنے سے بھی پڑے ہوئے دکھائی نہ دیں۔

گھاس کی کٹائی اور تازہ گھاس کی بوائی بھی اسی باقاعدگی سے جاری رہتی۔

لان ابھی بھی بہت اچھی حالت میں تھا۔ وہاں کسی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں مل رہا تھا۔ لیکن انہیں کچھ اداس سا لگا۔ جیسے اپنے مالک کی عدم توجہی نے اسے کملا سا دیا تھا۔

پھول تھے لیکن بہت کم' اور وہی پرانے انداز کے' سرخ گلاب اور سورج مکھی' کہیں کہیں کونے میں موگرے کی بہار بھی تھی۔

"ابھی جاکے سفید گلاب خرید کے لاؤں گی' پورا لان بھروں گی وائٹ روز سے۔"

انہوں نے اسی وقت ارادہ باندھا اور ایک دم سے چونک سی گئیں۔

"سفید گلاب؟" حیرانی سے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"سفید گلاب ہی کیوں۔ کس کو پسند ہیں سفید گلاب۔"

ذہن پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کسی کی شبیہہ بہت واضح ہو کر نگاہوں میں لہرائی تھی۔

ان کے لبوں کو بے اختیار مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

ایک گہرا تازگی بھرا سانس انہوں نے لاؤنج کی روشن فضا کے سپرد کیا۔

کسی کی آواز سننے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

"ثروت میرا موبائل لاؤ۔"

پلٹ کر آواز دیتے ہوئے انہوں نے نہال کو سیڑھیاں اتر کے نیچے آتے دیکھا۔

ایک پل کے لیے دھیان جیسے کہیں دور سے پلٹ کے آیا تھا۔

"وہ کوئی نوعمر لڑکی نہیں' بلکہ ایک نوعمر لڑکی کی ماں ہیں۔"

انہوں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو تنبیہہ کر کے نہال کے سراپے کو بڑی جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

ٹخنوں سے اونچا آف وائٹ ٹراؤزر اور بیلو لانگ شرٹ کے ساتھ ہی گلے میں وائٹ اسکارف جھول رہا تھا۔ کانوں میں بڑے بڑے وائٹ ایئر رنگز اور وائٹ کیچر میں مقید پونی ٹیل۔

کلائی میں وائٹ پرل کا بریسلیٹ اور وائٹ آرام دہ سلیپرز' جن میں قید نرم ملائم پنجوں کو دیکھ کے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ' سلیپرز زیادہ سفید ہیں' یا یہ بگلے جیسے پاؤں۔

وہ کہیں جانے کے لیے بڑی تیزی سے تیار ہوئی تھی۔ اور شاید پونی ٹیل کی وجہ سے اپنی عمر سے کہیں کم ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"سوئٹی ویئر آر یو گوئنگ۔"

وائٹ کلر کی اس قدر "تکرار" سے جانے کیوں انہیں ہلکا سا خوف محسوس ہوا۔ اور وہ اپنے "گڈ مارننگ" والے ویل مینرڈ اسٹائل کو بھول کر ڈائریکٹ سوال کر بیٹھیں۔

"گڈ مارننگ ماما۔"

سیڑھیاں اتر کے مسکراتی ہوئی وہ ان کی طرف آئی تھی اس کا لہجہ نارمل ہی تھا لیکن انہیں جتاتا ہوا محسوس ہوا۔

"مارننگ۔" اب کے وہ سنبھل کے بولیں۔

"کہاں جا رہی ہو۔" وہ گلاس وال سے ہٹ کے واپس صوفے پر بیٹھ چکی تھیں۔

"کالج۔" وہ تھوڑا رکی' ان کی سوالیہ نظریں ہنوز اس پہ جمی ہوئی تھیں۔

"ایکچوئلی آج فیسٹیول ہے۔"

اس نے جواب دیتے ہوئے بغور انہیں دیکھا۔

آج وہ کسی الٹے سیدھے بے ہودہ لباس کے بجائے کاٹن کی آرام دہ قمیص اور پنڈلیوں تک ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر میں ملبوس تھیں۔

اس نے بے ساختہ اپنی نظریں ان کی سڈول پنڈلیوں سے ہٹائیں۔

"ماما ایک بات پوچھنی تھی آپ سے۔"

بات مکمل ہوتے ہوتے اس کے حلق میں اٹک گئی۔

"ہوں۔" ملازمہ ان کا سیل انہیں تھما چکی تھی۔ اور اب نہال کی طرف ان کا دھیان نہیں تھا۔ اسی لیے انہوں نے بے توجہی سے ہنکارا بھرا اور اس کا جھجکتا ہوا انداز دیکھ نہیں سکیں۔

"وہ مجھے یہ پوچھنا تھا۔"

وہ ذرا کی ذرا رکی۔ اب کی بار نیلم نے سر اٹھا کے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آر یو آل رائٹ ماما۔"

"یس آف کورس' وائے آر یو آسکنگ۔"

"تھینک گاڈ اوکے میں شام تک آجاؤں گی۔"

وہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں۔

نیلم نے پرسوچ نظروں سے کچھ دیر اس کا پیچھا کیا وہ بھانپ چکی تھیں کہ بات کچھ اور تھی جو نہال کچھ اور بتا گئی۔ لیکن اس کے بارے میں سوچنے کا وقت ان کے پاس پہلے بھی کم ہی ہوتا تھا اور اب تو بالکل نہیں تھا۔

موبائل پہ کسی کی کال آرہی تھی۔

"شبنم کالنگ"

"ہیلو ڈارلنگ گریٹ۔" انہوں نے بہت خوش ہو کے سیل کان سے لگایا۔

"ابھی ابھی میں تمہیں ہی فون کرنے والی تھی۔" ان کی آواز میں خوشی کی رمق بہت واضح تھی۔

* * *

"اف توبہ!" گاڑی گیٹ سے نکل چکی تھی۔ لیکن اس کی سانسیں ابھی تک ناہموار تھیں۔

"کیا پوچھنے چلی تھی میں۔ پاگل ہو گئی تھی۔ اف!"

ابھی ڈرائیونگ سیکھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے وہ بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہی تھی لیکن اس وقت اس کا دھیان ڈرائیونگ کی طرف نہیں مما کے رویے کی طرف تھا۔

اسے احساس ہو رہا تھا کہ مما اس کی اور ڈیڈی کی طرف سے کتنا غافل رہتی ہیں اور اس بات کو تو شاید وہ بھول ہی گئی تھیں۔ کہ ان کا ایک بیٹا بھی ہے جو کتنے عرصے سے ملک سے باہر ہے۔

"مما کو کیا کبھی اپنے بیٹے کی یاد نہیں ستاتی۔ کیسی ماں ہیں یہ؟ کیا مائیں اتنی سنگدل بھی ہوتی ہیں۔" اس نے بے دلی سے موڑ کاٹا۔

"اور میرا بھی کیا خیال انہیں' جو میں نے کہہ دیا انہوں نے یقین کر لیا۔" اس کے دل میں از سر نو دکھ جاگا۔

"کیا ہو گیا ہے ماما کو۔ کیوں ہو گئی ہیں وہ ایسی۔"

سوالیہ نشان جو اول روز سے اس کے سامنے یونہی قائم و دائم تھا۔ اس وقت تو اس کا ٹھیک ٹھاک منہ چڑانے لگا۔ یہاں تک کہ ریسٹورنٹ تک پہنچتے پہنچتے اس کا ٹھیک ٹھاک موڈ خراب ہو گیا۔ جہاں علیان پہلے سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"جھوٹ بول کے آئی ہوں مما سے۔"

مطلوبہ ٹیبل تلاش کر کے اس پہ بیٹھتے ہی اس نے کہا۔

"وہ مما کو کچھ یاد نہیں' ڈیئر کہ ایک بجے کون جاتا ہے کالج چاہے فیسٹیول ہو یا میلاد۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ اس کی زبان سے نکل گیا۔

"تو تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

علیان نے اس کی چلتی زبان کو بریک لگا دیا۔ واقعی اسے کیا ضرورت تھی یوں جھوٹ بولنے کی۔ مما تو اس کی کسی بھی ایکٹیوٹی پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کرتی تھیں۔ تو پھر علیان سے ملنے کے لیے آتے وقت اس نے جھوٹ کیوں بولا۔ یہ دل کا چور تھا یا کچھ اور......

"آئی ڈونٹ نو۔"

اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ بس کندھے اچکا کے رہ گئی۔

"شاید میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ تمہارے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم کریں۔ یا پھر میرے فرینڈز کے سرکل میں ایک بھی 'میل فرینڈ' شامل نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تیمور کے بارے میں ہی کچھ سوچتیں۔"

دل ہی دل میں دلائل اور وضاحتوں کے ڈھیر میں سے کوئی ایک تلاش کرنا فضول کام تھا۔ وہ جانتی تھی مما کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"او کے جسٹ لو۔ کیا کھاؤ گی؟"

وہ اس کے چہرے سے دل کی کشمکش کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اسی لیے موضوع بدل کے بولا۔

"پہلے یہ بتاؤ یہاں کیوں بلایا ہے اور مجھے ہی کیوں بلایا ہے۔" اس نے مجھے پر خاص زور دیا۔

"یہاں ایک گڈ نیوز شیئر کرنے کے لیے بلایا ہے۔ میرا رزلٹ آچکا ہے۔ اور میری فورتھ پوزیشن آئی ہے۔"

"واؤ گریٹ۔" نہال کو بے ساختہ خوشی ہوئی۔

"اور تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ میں یہ خبر سب سے پہلے تمہیں سنانا چاہتا تھا۔" اس کی آواز دھیمی اور لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"اگر میں کراچی میں نہ ہوتا تو شاید سب سے پہلے تب بھی تمہی کو فون کرتا۔"

نہال اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ جانتی تھی علیان اسے پسند کرتا ہے۔ لیکن اتنی امپورٹنس اس کے لیے ہے یہ کبھی نہیں سوچا تھا۔

"اب آگے کیا کرو گے۔" اس کے لہجے کی معنی خیزی کے سحر سے نکل کر وہ بہت کمپوزڈ ہو کے بول رہی تھی۔

"اپنے پاپا کا ہاتھ بٹاؤ گے۔"

"نہیں اگر تم کہو تو میں تمہارے ڈیڈی کا بازو بننے کے لیے بھی تیار ہوں۔" وہ چیئر کی بیک سے بڑی فرصت سے ٹکا بیٹھا تھا۔ اور اس کی نیم وا آنکھیں نہال کے سرخ پڑتے چہرے پر جمی تھیں۔

نہال نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ لائٹ گرے ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں، بکھرے بکھرے بالوں کے ساتھ وہ ہمیشہ سے بہت مختلف نظر آرہا تھا۔

بلاشبہ جاذب نظر، کسی بھی لڑکی کا دل جیت لینے والے تمام ہتھیاروں سے لیس، لیکن وہ کسی بھی لڑکی کوئی بھی لڑکی ہو سکتی تھی۔ نہال پیرزادہ نہیں۔

"علی پلیز۔" اس کے منہ سے بے ساختہ ہی نکل گیا۔

"او کے جسٹ ریلیکس۔"

وہ سیدھا ہو بیٹھا اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر کے ویٹر کی طرف اشارہ کیا۔ نہال اب گلاس وال سے باہر دیکھ رہی تھی۔ دھوپ کی جھلملاتی شعاعوں کا عکس براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔

علیان کتنی ہی دیر بنا کچھ بولے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اسے ہمیشہ ہی نظر ہٹانے میں مشکل پیش آتی تھی۔

* * *

"ہیلو ڈارلنگ ڈیئر آرزو۔"

اس کے لہجے میں خفگی کا ہلکا سا عکس تھا۔ نیلم کو خوشی کا احساس ہوا۔

"اوہ جانو! کیا بتاؤں اب۔ فرقان اپنے ٹرپ پر سے کل ہی واپس آئے ہیں اور کل سے اب تک اتنی بزی تھی کہ بتا نہیں سکی۔ تمہارا نمبر ٹرائی کیا تھا۔ بٹ۔ آف جا رہا تھا۔" وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔

"ہاں وہ بھی تھی پرابلم لیکن تم تھیں کہاں ایک ہفتے سے۔ تم تو خود فرقان کے جانے کا ویٹ کر رہی تھیں۔ سو وہ ہو کر بھی آگیا اور تم۔۔۔"

"اوہو جانو! سو واٹ۔ یہ اس کا پہلا اور آخری بزنس ٹور تو نہیں تھا نا۔ اور کیا بتاؤں وہ آفندی کا بچہ خبیث!"

انہوں نے کہتے کہتے اپنے ہونٹ بھینچے جیسے نادیدہ غصے کو کنٹرول کر رہی ہوں۔ شہتام ان کی یہ مصنوعی مکارانہ ادائیں خوب پہچانتا تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا کہ ان کی مہربانی میں صرف شہتام اور بختاور آفندی ہی نہیں اور بھی بہت سے نام شامل ہیں۔

"اوہ پلیز ڈونٹ ٹیل می یور شیڈول اینڈ اپائنٹمنٹس او کے۔"

اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری جھلکی۔ نیلم چپ سی ہو گئیں۔

"آج آؤ گی۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"آج تو جانو۔ یو نو۔ کل ہی تو فرقان۔۔۔"

"آئی ڈونٹ وانٹ اینی آفٹر ٹیں اور نو۔ ٹیل می فل اینڈ فائنل۔"

نیلم ایکدم پھنس سی گئیں۔

"تو۔" نہ چاہتے بھی ان کے منہ سے نکلا اور ایک گہری سانس خارج ہوئی۔

"او کے۔"

"پلیز شہنو پلیز۔ ڈونٹ بی اینگری۔"

ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ لائن کٹ چکی تھی۔ انہوں نے حیرت اور بے یقینی سے موبائل کو دیکھا۔

"سارے کس بل نکال دوں گی۔ سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔"

زیر لب کئی ایک گالیوں سے اسے نوازتی وہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھتی اپنے بیڈ روم میں داخل ہو گئیں۔ بیڈ پر فرقان پیرزادہ دنیا جہاں سے بے خبر ہو کے خراٹے لے رہے تھے۔

انہوں نے ان کے وجود سے ایک دم ہی بے پناہ نفرت محسوس کی۔

"ہمیشہ میرے دل کے سکون اور خوشی کی بربادی کا سبب بنتے ہو۔"

دل کا سکون اور خوشی تلاشنے کے لیے وہ کس راہ پر چل رہی تھیں۔ اور یہ راستہ کہاں اختتام پذیر ہوتا تھا۔ اس بات سے قطعی بے خبر ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے نفرت سے دل ہی دل میں کہہ رہی تھیں۔

* * *

"ہیلو لیلی اٹس می شہتام ہیئر۔"

دوسری طرف کا رد عمل اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"کیسے ہیں آپ۔ اور مجھے کیسے یاد کیا؟"

لیلی سے اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں لیلی۔"

لیلی حیرت سے چپ رہ گئی۔ اس کا فون آنا جتنا حیرت انگیز تھا اگلی بات اس سے بھی زیادہ۔

"کیوں۔ کوئی غلط بات کہہ دی میں نے۔"

"آ۔ نہیں تم کچھ جوگی۔۔۔" وہ ایک دم سے ہنس دی۔

"او کے تو۔ آپ مل سکتی ہیں مجھ سے۔"

"ہاں۔ لیکن ابھی نہیں۔"

"او نو پرابلم۔ اینی ٹائم۔ اینی ویئر۔"

اس کی آواز لیلی کی سماعتوں میں جذب ہوئی۔ خوشی کے جلترنگ بجا رہی تھی۔ اتنی مہربانی، اتنی اچانک اس نے جلدی جلدی آنے والے چند دنوں کی مصروفیت اپنے ذہن میں دہرائی۔

"ڈونٹ مائنڈ۔ تم آج شام میں نہیں مل سکتیں مجھ سے۔"

اس کا انداز بے حد سرسری تھا۔ جیسے اس کے آنے نہ آنے ملنے نہ ملنے سے اسے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

"او یس۔ آپ گھر آجائیں۔"

"او کے بے بی آئی ایم کمنگ ایٹ سیون او کلاک۔"

"میں میں انتظار کروں گی۔"

فون بند کر کے وہ کتنی ہی دیر فون پہ ہونے والی گفتگو کو دل میں دہراتا رہا۔ اسے قطعا" امید نہیں تھی کہ نیلم آج اس سے ملنے سے انکار کر دے گی۔ اگر وہ ایسا کرتی بھی تو وہ لیلی کو یقینا" خود سے فون کرنے کی غلطی نہیں کرتا۔ لیکن یہ عورت۔۔۔

اس نے جزبز سا ہو کر پہلو بدلا۔

وہ مسلسل کئی ہفتوں سے ٹال رہی تھی اسے۔

اس کی اور شہتام کی ملاقات ایک ایسی ہی بزنس پارٹی میں ہوئی تھی۔ جہاں فیملی ٹرمز کے نام پر اپنی اپنی بیگمات کے ذریعے رکے ہوئے کام اور پھنسی ہوئی فائلیں سرکائی جاتیں کاروبار کو ترقی اور اپنے سود مند لوگوں سے روابط بڑھائے جاتے۔

یہ ایک انتہائی رشوت تھی۔ جو بڑے عاجزانہ انداز میں پیش کی جاتی۔ کچھ "قناعت پسند شرفاء"

لفافہ دیکھ کر ہی راضی ہو جاتے۔ کچھ کو اندرونی مال کی جھلک بھی دکھانی پڑتی۔

انتہائی مہذب انداز میں معاشرے کی سب سے تیز دار کلاس کا یہ روپ سب سے گھناؤنا تھا۔ جہاں گناہ و ثواب کا تصور نہ تھا۔ حرام اور حلال کی تمیز نہ تھی۔

وہ خود کون سا بہت پارسا اور نیک تھا۔ بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے والوں کی کمی نہ تھی۔ اور خود بھی ان ہی میں سے ایک تھا۔

لیکن لیلیٰ، نہال آکر اس کی سوچ میں تبدیلی کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی تھی۔

وہ بہت معصوم لڑکی تھی۔ ابھی زمانے کی گرد آلود نگاہوں سے اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ بھی آگے چل کر ایسے ہی کسی رئیس زادے کی بیوی بن جاتی۔ تو مکمل طور پر بھی کاروباری میدان میں مصروف عمل ہوتی اور اس طرح کی خدمات میں بھی پیش پیش ہوتی۔ کہ یہ تو یہاں کا دستور ہی تھا۔

لیکن وہ اسے ابھی سے گندگی کی اس دلدل میں گھسیٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے لیے دوسری لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ پھر وہ کیوں اپنے سے کئی سال چھوٹی اس لڑکی کو نشانہ بناتا۔ وہ تو صرف اس سے کھیلنا چاہتا تھا۔ تھوڑے سے دن تھوڑی سی دیر۔ آنکھ مچولی جتنے دن چل سکتی آخر میں پورے [illegible] سے ہاتھ جھاڑ کر الگ ہو جانے میں اسے ملکہ حاصل تھا۔

آج بھی اس نے نہال سے رابطے کی پہلی اور آخری صورت لیلیٰ کو ٹھہرا کر ہی اسے فون کیا تھا۔ نہال کا کانٹیکٹ نمبر اسی سے مل سکتا تھا۔

وہ کون تھی۔ اس کے ماں باپ کون تھے اور اس کا نمبر لے کر اسے آگے کیا کرنا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ جانتا تھا تو صرف یہ کہ نہال وہ پہلی لڑکی تھی۔ جس نے پہلی نظر میں ہی اس کے دل کو چھو لیا تھا اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ باقی رہ گئی لیلیٰ تو وہ اس کے فون سے کیا سمجھ رہی تھی اسے اچھی طرح علم تھا۔ علم تو لیلیٰ کو بھی تھی اور اسے ابھی لاعلم ہی رہنا تھا۔

* * *

گھپ اندھیرے کمرے میں کوئی آواز نہیں تھی۔ بھاری پردوں کی موجودگی میں اندازہ لگانا مشکل تھا کہ باہر ابھی دن ہے یا ڈھل گیا۔

کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا۔ لیکن کسی ملازم کو اندر آنے یا دروازہ ناک کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور اس کا یہ دورہ ایک دو گھنٹے نہیں تین دن سے چل رہا تھا۔ جب اس کا دل چاہتا۔ وہ باہر نکل کر جو ہاتھ میں آتا کھا پی کر واپس بند ہو جاتی۔

ماما اور پاپا نے اسے طبیعت کی خرابی پر محمول کیا۔ یوں بھی ان دونوں کی اپنی مصروفیات تھیں ورنہ اس سے اس روٹین کی بابت سوال جواب تو ضرور ہی ہوتے۔

موبائل مستقل آف تھا گویا باہر کی دنیا سے رابطہ قطعی طور پر بند تھا۔

اس نے ایک بار پھر اس شام کو یاد کیا جب وہ تک سک سے تیار ہو کر لان میں بیٹھی شہتام کا انتظار کر رہی تھی۔ اور وہ خود تو نہیں آئے تھے ان کا فون ضرور آ گیا تھا۔

"لیلیٰ۔ بے بی۔ سوری میں آج نہیں آ سکتا۔"

"کیوں؟" اس کے اوپر اچانک ہی اوس سی گر گئی تھی۔

"ایک بزنس ڈیلیگیشن آ گیا ہے یار۔ مجھے پہلے سے پتا نہیں تھا او کے۔"

انہوں نے بہت مختصر سی بات کر کے فون رکھ دیا تھا۔ اور وہ بھی فون بے دلی سے بیگ میں ڈال کے نہال کی طرف جانے کے لیے نکل گئی تھی۔

ایگزامز نزدیک تھے۔ کالج کی کلاسز تقریباً ختم ہو چکی تھیں۔ بس چند ایک پروفیسرز ایکسٹرا کلاسز لے کر کورس کمپلیٹ کروا رہے تھے۔

"چلو۔ ایک دو ٹاپکس ہی ڈسکس کر لوں گی۔"

بے دلی اس کی ایک ایک رگ میں سرایت کر رہی تھی۔ اور وہ اپنا دل بہلانے کی ناکام کوششوں میں جتی تھی۔

سگنل پر گاڑی رکی تو اس نے یونہی بے خیالی سے ادھر ادھر نظر دوڑائی تھی۔ لیکن وہاں جو منظر اس کا منتظر تھا۔ وہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

دائیں طرف قدرے دور کھڑی گاڑی میں یقیناً وہ شہتام ہی تھے۔ اور فرنٹ سیٹ پر کوئی نسوانی وجود وہ چہرہ نہیں دیکھ سکی۔ لیکن یہ ضرور دیکھ لیا تھا کہ وہ دونوں مکمل طور پر ایک دوسرے میں گم تھے۔ کہ آس پاس کی بھیڑ کی موجودگی کا احساس تک نہ تھا۔

سگنل گرین ہو چکا تھا اور لیلیٰ کی نظریں وہیں گڑی رہ گئی تھیں۔

شہتام نے اپنا بازو اس کے شانوں پر پھیلایا اسے اپنی طرف جھکا کر ایک ادائے دلبرانہ سے کچھ کہا اور پھر ہنستے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"تو یہ تھا بیرون ملک سے آنے والا ڈیلیگیشن۔"

اپنے بستر پر گر کر موبائل آف کرتے ہوئے اس نے [illegible] آنکھوں [illegible] سوچا تھا۔

تین دن گزر چکے تھے وہ کمرے سے نکلی تھی نہ ہی موبائل آن کیا تھا۔ اور دکھ کی بات یہ تھی کہ کسی نے پلٹ کے خبر بھی نہ لی تھی۔ ماما اور پاپا کو اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کے مطمئن کر رکھا تھا۔ لیکن اور لوگ بھی تھے جنہیں اس کی پروا ہونی چاہیے تھی خصوصاً——

"لیلیٰ۔" کمرے کا دروازہ کھٹک سے کھلا تھا۔

کسی نے اسے پکار کے تمام لائٹس آن کر دیں۔

اس نے کمبل کے ڈھیر سے سر نکال کے دیکھا کون ہو سکتا تھا سوائے نہال کے۔

"کیا ہوا لیلیٰ۔ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔"

وہ تیزی سے اس کی طرف آئی۔ لیلیٰ کسلمندی سے سیدھی ہو کر بال سمیٹنے لگی۔

"اور سیل کیوں آف ہے کچھ بولتی کیوں نہیں ہو۔" اس نے ادھر ادھر ہاتھ مار کے موبائل برآمد کیا۔ اور آن کر کے دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہوں یار۔ بس ایسے ہی۔"

"کیا ایسے ہی۔ ایسے ہی اس طرح پڑی ہوئی ہو۔ ایسے ہی موبائل آف کر رکھا ہے سب کیا ہے؟" وہ اتنی آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھی۔

لیلیٰ نے زبردستی چہرے پر بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کہ اتنی قریبی دوست سے جان چھڑانا اتنا بھی آسان نہ تھا اور پھر بتانے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔

"سر میں درد تھا۔"

"تین دن سے؟" نہال نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"ہاں تین دن سے۔ میں نے کئی بار چیک کر لیا لیکن۔۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کے کشنز پر سے پردے سمیٹنے لگی۔ نہال اس کے اس طرح چہرہ موڑ لینے سے سمجھ گئی تھی کہ بات جو بھی ہو وہ بتانے کے موڈ میں نہیں اس لیے اس نے پوچھنے سے گریز کیا۔ کہ اس طرح تین تین دن سر کا درد پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔

"ارے۔" اس نے سہولت سے بات بدلی۔

"اب میں آ گئی ہوں نا سارا درد یوں۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"ہوا ہو جائے گا۔"

لیلیٰ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ اس کا دعوا بالکل صحیح نہیں تو کچھ خاص غلط بھی نہ تھا۔ منٹوں میں کوکنگ اور آئس کریم کا پروگرام بن گیا۔

"حلیان بھی ہو تو اور مزا آئے گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد لیلیٰ واش روم سے نکل کر آئی۔ طبیعت پر چھائے بوجھل پن میں خاطر خواہ کمی آئی تھی۔

"تو کیا وہ چلا گیا اسلام آباد۔"

لیلیٰ سے پوچھتے ہوئے اسے اپنی بے خبری پر افسوس ہوا۔

اس نے تو کہا تھا لیلیٰ اور دوسرے دوستوں کو ایک ساتھ بعد میں ٹریٹ دے گا۔ لیکن وہ تو جا چکا تھا نہال

کے نزدیک ایک دم ہی اپنی اہمیت کا احساس کچھ اور اجاگر ہوا۔

* * *

وہ بہت احتیاط، دھیان اور نہایت تیزی سے اپنا لائحہ عمل طے کر رہی تھیں۔

فرقان کا فی الحال ملک سے باہر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ان سے بظاہر جتنی بھی لاپروا سہی۔ لیکن معمولات شب و روز طے کرنے کے لیے انہیں فرقان کے شیڈول کا خاص حساب رکھنا پڑتا تھا۔

اب ایسے میں شہنام کا اصرار۔ وہ چاہنے کے باوجود اس کی حوصلہ افزائی اپنے مخصوص گرم جوش انداز میں نہیں کرپا رہی تھیں۔ حالانکہ دل تو بہت چاہتا تھا کہ اس کی بے تابی کو ٹھنڈا کردیں اس کے اندر کی آگ پر اپنے حسن دو آتشہ کا پانی ایسے ڈالیں کہ وہ سلگتا رہ جائے بجھے نہ بھڑک ہی سکے۔

اس دن بھی اس کی خفگی کا خیال انہیں یوں بے چین سا کر گیا کہ وہ خود بے اختیار کھو سی گئیں۔ اور فرقان کی غیر موجودگی کو مکمل طور پر فراموش کرکے سیدھا اس کے آفس جا پہنچیں۔ یوں بھی وہ اپنے آنے جانے کی اطلاع فرقان پیرزادہ کو دینے میں اپنی بے عزتی خیال کرتی تھیں۔

شہنام کو ان کے آنے کی امید نہیں تھی ان کو یوں اچانک سامنے پاکر جہاں ذہن پر چھائی کدورت دھلتی رہی بلکہ دل کو اپنی اہمیت کے احساس سے عجیب سی خوشی بھی ملتی رہی۔ پھر رات دیر گئے وہ اکٹھے رہے۔

سمندر کے کنارے ساحل پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے۔ کبھی کسی نیم تاریک چٹان کے پیچھے "اماوس" کے چاند سے اٹھکیلیاں کرتے۔ ایک دوسرے کے وجود کے لمس سے مہکتے ہوئے، تھکے ماندے جسم اور تر و تازہ اعصاب لیے۔ رات گئے تک آوارہ گردی میں مشغول رہے۔

اس دن وہ کتنی مشکل سے اسے گھر جانے کے لیے راضی کرپائی تھیں یہ تو بس وہ خود ہی جانتی تھیں۔

حالانکہ اس کا بڑھتا ہوا اصرار دست درازیاں بہکی بہکی نظریں۔ اپنی حسین صورت اور سانچے میں ڈھلے جسم یقین کچھ اور بھی پختہ ہوگیا تھا۔ جس کے بل بوتے پر وہ کسی بھی مرد کو زیر کرسکتی تھیں۔ اپنا غلام بنا سکتی تھیں۔

ایسا سوچتے ہوئے۔ ان کے ذہن سے فرقان پیرزادہ یکدم ہی غائب ہوگئے تھے۔ جو یقیناً "ان کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔

* * *

زندگی ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی۔

نہ وہ ہمیشہ سے سوسائٹی میں اتنی چلتی پرزہ قسم کی حیثیت سے جانی جاتی تھیں۔ نہ ہی ان کے اور فرقان کے درمیان اتنے فاصلے تھے۔ نہ گھر سے ان کی لاپروائی اتنی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔

بلکہ کچھ سال پہلے تک صورت حال بالکل الٹ تھی۔

گو کہ فرقان پیرزادہ اس وقت بھی مصروف ہی رہتے تھے کہ کاروباری مصروفیات انہیں گھر والوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے نہیں دیتی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ ایک وفادار شوہر تھے۔ دوستیاں اپنی جگہ کہ یہ ان کی کلاس اور لائف اسٹائل کا تقاضا تھا۔ لیکن صنف نازک کے ساتھ کبھی ان کا افیئر نہیں رہا تھا نہ ہی وہ کبھی کسی اسکینڈل کی زد میں آئے۔

کچھ یہی حال نیلم کا بھی تھا۔ اللہ نے حسن دیا تھا تو دل کھول کے اور اللہ جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آہی جاتی ہے اس پر روپے پیسے کی ریل پیل، لیکن دولت اور حسن کی فراوانی نے بھی ان کا دماغ خراب نہیں کیا تھا اس طرح کہ وہ اپنی سیدھی سادی زندگی کو چھوڑ کر اس بدنام راستے کا انتخاب کرلیتیں۔

جہاں ہر دوسرا مرد ان کی اداؤں پر نثار ہونے کو تیار اور انہیں اپنی ذاتی چیز سمجھ کر "استعمال" کرنے میں حق بجانب ہوتا۔

تیمور پیرزادہ کے بعد منال پیرزادہ کی آمد نے جہاں ان کی زندگی میں خوشیوں کے مزید دروازے کھولے

وہیں انہیں محسوس ہوا کہ اب زندگی میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔ فیملی مکمل تھی اور زندگی بھی ہر طرح سے، بچے بہترین تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم تھے بزنس ترقی کی راہوں پر گامزن تھے۔ دوست احباب، رشتے دار سبھی ان کی قسمت پر رشک اور ان کی اور فرقان کی جوڑی کو پرفیکٹ میچ قرار دیتے تھے۔

یہ ان ہی دنوں کی بات ہے جب وہ بڑے اہتمام اور شوق کے ساتھ لیٹ نائٹ پارٹیز اور گیٹ ٹو گیدرز میں کبھی اکیلے تو کبھی فرقان کے ساتھ شرکت کرتیں۔ خوش طبع اور بذلہ سنجی کے باعث مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول تھیں۔ اور اوپر سے ان کی شاندار پرسنالٹی کہ وہ کہیں سے دو بچوں کی ماں نہیں لگتی تھیں۔

ایسی ہی ایک بزنس پارٹی میں جہاں فرقان بھی شریک تھے نیلم کی ملاقات اپنی ایک بہت پرانی اسکول فرینڈ سے ہوئی۔

نیلم اور وہ ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ فون نمبرز اور ایڈریس کے تبادلے ہوئے اور کچھ ہی دنوں میں ان کا گھروں میں آنا جانا بڑھنے لگا۔ کبھی فرقان گھر میں ہوتے تو ان کے ساتھ ہی شریک ہوتے۔ ورنہ عام طور پر انہیں سب سے بڑی شکایت وقت کی کمی کی ہی تھی۔

نیلم کی یہ دوست "اولاد نہ ہونے کے باعث خاوند سے علیحدگی اختیار کرکے اکیلی ہی رہتی تھیں۔ اور کسی بینک میں جاب کرکے اخراجات پورے کرتی تھیں۔ اس کے اور نیلم کے اسٹیٹس میں واضح فرق تھا۔ لیکن نیلم کو کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کیونکہ نیلم نے اپنی دوست کو ہمیشہ عمدہ لباس مہنگی جیولری اور ذاتی گاڑی استعمال کرتے دیکھا۔

انہیں سوچنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ اکیلی عورت تن تنہا کیسے رہتی ہوگی۔ اور گزارا کیسے کرتی ہے ان کے اطمینان کے لیے یہ بات بہت کافی تھی۔ کہ روبی ان کی دوست ہے۔ اور بزنس سرکل اور ویل آف سوسائٹی کے مصنوعی ماحول میں

بہت عرصے بعد دوست کا ساتھ میسر آیا ہے خود روبی بھی ایک عرصہ تنہائی کا عذاب جھیلنے کے بعد ان سے ملی ہے۔ اس لیے ان سے اتنی اٹیچڈ ہوگئی ہے لیکن یہ اٹیچمنٹ صرف دوستی کی وجہ سے نہیں تھی۔ اصل بات کچھ اور تھی اور نیلم کے علم میں آنے تک یقیناً "دیر ہوجاتی تھی۔

* * *

"تمہاری یہ دوست کچھ عجیب سی نہیں ہے نیلم؟"

شام سے ہی روبی ان کے گھر آئی بیٹھی تھی۔ اور رات کے نو بجے بھی واپسی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس وقت نیلم کے کچھ مہمان آگئے۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لائیں۔ تو ان میں سے ایک خاتون بول پڑیں۔

"کیوں کیا ہوا۔"

وہ مسکرائیں۔ انہیں پتا تھا روبی کے اکیلے پن کی وجہ سے لوگ ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔

"کتنی بے تکلفی سے وہ فرقان بھائی کے برابر میں بیٹھی قہقہے لگا رہی ہے عجیب سا لگ رہا ہے۔"

اس وقت تو نیلم نے ہنس کے ٹال دیا۔ لیکن بعد میں یہ بات انہیں بھی محسوس ہونے لگی۔

روبی زیادہ تر فرقان کے آفس واپسی کے ٹائم پر آتی۔ ان کی واپسی کا کوئی ایک وقت مقرر نہیں تھا۔ اس لیے اگر انہیں آنے میں دیر ہوتی "تو وہیں رک جاتی اور کھانا کھائے بغیر واپس نہیں جاتی۔

دھیرے دھیرے فرقان اور اس کے مابین جھجک کھلنے لگی۔ بچوں کو اس نے مانوس کرلیا نیلم ہمیشہ ہی اس کی بے تکلفی کو بچپن کی دوستی پر محمول کرتی رہیں لیکن آس پاس سے ملنے والی اطلاعات اور بڑھتی ہوئی چہ میگوئیوں نے اس کے دل میں شک کا کانٹا چبھو دیا۔

اب وہ اکثر فرقان اور روبی کو باتیں کرتا دیکھ کے الجھ جاتیں۔

روبی آتی تو گھر میں داخل ہوتے ہی کھانے پینے کی

http://paksociety.blogspot.com

قربتیں شروع ہو جائیں۔

روبی نیلم سے کم اور فرقان سے زیادہ باتیں کرتی اور تو اور فرقان کو بھی کچھ برا نہ لگتا۔ شروع میں نیلم کو یہ باتیں اتنی بری نہیں لگتی تھیں۔ لیکن آہستہ آہستہ جب یہ بے تکلفی بڑھنے لگی۔ تو انہیں الجھن نے گھیر لیا۔

اب حال یہ تھا کہ وہ کمبل کو چھوڑنا چاہتی تھیں۔ کمبل انہیں نہیں چھوڑ رہا تھا۔

شب و روز اسی کشمکش میں گزر رہے تھے۔ جب ایک شام وہ گھر میں اکیلی تھیں۔ بچے لان میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ اور وہ وہیں چیئر پہ بیٹھی سوچ میں غلطاں تھیں۔ کہ ان کے برابر والے بنگلے کی رہائشی مسز انصاری ان کی پڑوسن ملنے چلی آئیں۔

مسز انصاری اچھی ملنسار عورت تھیں۔ نیلم ان کو اور وہ نیلم کو بہت پسند کرتی تھیں۔

"کیا بات ہے نیلم! تم نے تو آنا جانا ملنا جلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"نہیں تو بھابھی۔ بس آج کل فرقان ذرا بزی ہیں۔" وہ تو اب میزبانی نبھانے کو فوراً" ہی کھڑی ہوئی تھیں۔ کہ انہوں نے واپس بٹھا لیا۔

"کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔ چائے ابھی پی کے آ رہی ہوں اور ہاں وہ تمہاری دوست نہیں آئی آج۔"

"ہاں آج نہیں آئی۔ ویسے تو روز ہی آجاتی ہے۔" نیلم کے لہجے میں بے زاری سی بھر گئی۔

"فرقان کہاں ہیں کچھ معلوم ہے۔" ان کا لہجہ غیر معمولی سا تھا۔ نیلم نے چونک کے انہیں دیکھا۔

"آفس سے آئے نہیں تو ظاہر ہے آفس میں ہی ہوں گے اور کہاں۔"

ان سے بات مکمل نہیں کی گئی وہ مسز انصاری کو دیکھ کے رہ گئی۔ بات ان کے لبوں میں رہ گئی تھی جانے کیوں۔

"میں آج شاپنگ کرنے گئی تھی طارق روڈ وہاں میں نے فرقان اور تمہاری دوست کو ایک جیولری شاپ پر دیکھا تھا۔" مسز انصاری کیا کہہ رہی تھیں۔

نیلم کو اپنی ہاتھ پیروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"دال میں کچھ کالا ہے۔ میں تو کہتی ہوں اپنی دوست سے صاف صاف بات کرو اور چلتا کرو اسے، معلوم نہیں کس قماش کی عورت ہے۔" وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں۔ نیلم کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کے چلی گئیں۔

ان کا سالوں کا اعتماد مٹی میں مل گیا تھا۔

"تو کیا فرقان اور...... روبی۔"

دل کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔ دونوں ہی رشتے ان کے دل سے تھے۔

ایک محبت کا، دوسرا دوستی کا، دونوں ہی رشتے اعتماد کے تھے کچا اور مضبوط دھاگہ۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ فرقان اور روبی ایسے میرے اعتماد کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ میرے سامنے، میری آنکھوں میں دھول جھونک کر۔

"نہیں روبی کو کوئی کام بھی تو پڑ سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے فرقان اسے یونہی مل گئے ہوں سرراہ، جیسے کوئی کسی کو مل جاتا ہے۔ اتفاقاً لیکن۔"

انہیں یاد آیا صبح گھر سے نکلتے وقت فرقان نے انہیں بتایا تھا کہ آج انہیں ایک بہت امپورٹنٹ بزنس میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ اس لیے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ اور دن میں انہیں فون کر کے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

"تو اتنی اہم میٹنگ چھوڑ کر فرقان طارق روڈ کیا کرنے گئے ہوں گے وہاں، وہاں تو ان کا کوئی واقف کار بھی نہیں۔"

ہزاروں دلیلیں، تاویلیں خود ہی گھڑتے، خود ہی رد کرتے، وہ وہاں بیٹھے بیٹھے پتھر کی ہو چکی تھیں انہیں ہوش نہیں تھا شام ڈھل چکی تھی۔

بچوں کے ٹیوٹر آچکے تھے۔ وہ کب آئے، کون انہیں اندر لے کر گیا۔ بچے کہاں گئے انہیں دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔

"بچوں کو کھانا کھلاؤ اور ان کے بیڈ روم میں لے جاؤ۔"

وہ ایک فیصلہ کر کے اٹھیں اور ملازمہ کو ہدایت دے کے باہر آگئیں۔

ان کے پاس ذاتی گاڑی بمعہ ڈرائیور کے ہمہ وقت موجود رہتی تھی۔ اس وقت بھی ڈرائیور انہیں باہر آتا دیکھ کے مودب سا ہو کے ان کے پاس آگیا۔

"صاحب کے آفس چلو۔"

"جی!" وہ تابعداری سے مڑ کے پچھلا دروازہ کھولنے لگا۔

دل ہی دل میں اس وقت ایسے عجیب و غریب حکم پر وہ حیران تو تھا۔ لیکن مالکوں کے حکم کے آگے تابعداری سے سر جھکانے کی عادت بچپن سے ہی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

آفس کی چہل پہل آفس ٹائمنگ ختم ہو جانے کی وجہ سے قدرے ماند پڑ چکی تھی سوائے چند ایک ورکرز کے تقریباً" سبھی جا چکے تھے۔ اور جو موجود تھے وہ انہیں اس وقت آفس میں دیکھ کے متعجب تھے۔ تو ان کے حلیے سے قدرے پریشان بھی۔ وہ اس وقت گھر کے سادہ سے کپڑوں اور چپل پہنے ہوئے تھیں۔ فرقان کی سیکرٹری اپنی سیٹ پر موجود تھی انہیں دیکھ کے ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

"وئیر از یور باس۔" ان کے لہجے میں حاکمانہ حکم تھا۔

"ڈونٹ ٹیل می لائی۔"

"وہ آج لنچ ٹائم سے پہلے ہی کہیں چلے گئے تھے ابھی تک نہیں آئے۔" اس کا لہجہ گھبرایا ہوا تھا۔

"اینڈ یو؟"

"مجھے گھر جانے کے آرڈرز نہیں تھے جب تک باس خود نہ کہیں۔" نیلم کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ایسا حفظ ماتقدم کے طور پر کیا گیا۔ سیکرٹری کی موجودگی ان کے لیے الارم کا کام دیتی۔ وہ فرقان کو گھر سے فون کر بھی لیتیں۔ تو ٹرینڈ سیکرٹری یقیناً" انہیں سنبھال لیتی۔

"اوکے۔" اندر کی کیفیت کے برعکس، ان کا لہجہ ایک دم سے ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ مڑیں اور جس طرح آئی تھی اسی طرح واپس نکلتی چلی گئیں۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی آنسو، بے تابی سے آنکھوں سے ابل پڑے۔

انہوں نے اتنی دیر جس طرح ضبط کیا تھا۔ وہ خود ہی جانتی تھیں ابھی بھی ان کا دل کسی انجانے خوف سے پھٹا جا رہا تھا۔ گھٹ گھٹ کے اپنی سسکیاں دباتی۔ وہ مشکل سے خود پر ضبط کیے بیٹھی تھیں۔

"اتنا بڑا دھوکہ میری محبت کے ساتھ۔"

اتنی بڑی دشمنی، میری سچی، پر خلوص دوستی کے ساتھ۔

روبی اور اپنے ساتھ گزرا اک اک پل کسی فلم کی طرح آنکھوں میں چل رہا تھا۔ انہیں یاد آرہا تھا۔ روبی کس کس طرح فرقان سے فری ہونے کی کوشش کرتی اور کتنا کھلا ڈلا لباس پہنتی تھی۔

اس سے پہلے انہوں نے کبھی غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ لوگ روبی اور اس کی دوستی کو کیا معنی پہناتے ہیں، روبی کو کس قسم کی بلکہ کس قماش کی عورت گردانتے ہیں۔ انہیں پروا ہی نہیں تھی۔

"کیا ہے میں دوستی نبھانے کے چکر میں اتنی اندھی ہو گئی کہ کسی کی نہیں سنی۔ بے چین ایک بدکردار عورت اور اپنی دوست کے کردار میں تمیز نہیں کر سکی کیوں؟" انہیں اپنا آپ بھی کسی مجرم کی طرح لگا۔

"میں جانتی تھی کہ وہ اکیلی ہے۔ بے سہارا ہے مجبور ہے۔ تو میں یہ کیوں بھول گئی۔ کہ وہ اکیلی بے سہارا مجبور ایک عورت بھی تو ہے۔ اسے مرد کا سہارا چاہیے۔ مرد کا ساتھ چاہیے۔ ادھوری زندگی مکمل کرنے کے لیے اور وہ مرد فرقان بھی ہو سکتے ہیں۔"

آنسو ایک تواتر سے ان کا چہرہ بھگو رہے تھے جنہیں صاف کرنے کی انہیں ضرورت بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"میرے اللہ!"

گزرتی گاڑی میں موجود اے سی کی خنکی میں بھی انہیں اپنا وجود پسینے میں بھیگا ہوا لگا۔ گھر آ کے وہ کسی سے بات کیے بغیر بیڈ روم میں بند ہو گئیں۔

لیکن دنیا سے منہ چھپا کر، کمرہ بند کر لینے سے سوچیں تو بند نہیں ہو گئی تھیں نا۔

اندھیرے کمرے میں وہ اور بھی زہریلی ہو گئیں۔ پہلے دل و دماغ میں اودھم مچا تھا اور اب ان کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھیں۔

"کب سے چل رہا تھا یہ سلسلہ اور کہاں تک پہنچ چکا تھا۔"

سوچ سوچ کے سر پھٹا جا رہا تھا اور کوئی حل کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا تھا۔

اور اگر آج مسز انصاری انہیں دیکھ نہ لیتیں۔ تو وہ دونوں مل کے ان کی آنکھوں میں کتنی اور کہاں تک دھول جھونکتے۔

وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھیں۔ جن کے شوہروں کے لو افیئرز اور اسکینڈل ہر تیسرے مہینے منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔

ان کے ساتھ تو پہلی بار ایسا ہوا تھا۔ دل میں پکڑ دھکڑ کا عالم ہی عجیب تھا غصے اور طیش کے مارے ان کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی وہ دونوں کے ان سامنے آجائیں اور وہ دونوں کا گلا دبا دیں۔

جانے کتنی دیر گزری تھی۔

رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں۔ سر بے حد بھاری اور بوجھل ہو رہا تھا۔ اور آواز گھوٹتے گھوٹتے ان کا گلا بری طرح دکھنے لگا تھا۔ تب دروازہ کھول کر فرقان اندر داخل ہوئے انہوں نے لائٹس آن کیں اور نیلم کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"کیا ہوا نیلم! تم ٹھیک تو ہو۔"

* * *

لیلیٰ کے گھر سے اسے واپسی پر کافی دیر ہو گئی تھی۔

کالج کلاسز آف ہو جانے کے بعد ان کو اکٹھا ہونے کا موقع کم ہی ملتا تھا۔ زیادہ تر فون پر بات ہو جاتی یا پھر چیٹنگ سے کام چل جاتا۔

وہ جانتی تھی لیلیٰ پریشان ہے۔ لیکن یہ اس کے لیے پریشانی کی بات نہیں تھی بلکہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس نے اپنی پرابلم تین گھنٹے ساتھ رہ کے بھی نیناں سے شیئر نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہو سکتی ہے۔"

منہ پر پانی کے دو تین چھپاکے مار کے اس نے واش بیسن کے مرر میں اپنا چہرہ دیکھا کھلا کھلا تر و تازہ چہرہ اس کے تصور کے پردے میں کسی اور کا چہرہ ابھر آیا۔

وہ بے ساختہ چونک گئی۔ یہ چہرہ ملیان کا نہیں تھا کسی اور کا تھا۔

"کون۔"

"مشہام حسن اعوان" اس کے کانوں میں لیلیٰ کی شوخ آواز گونجی۔ اور ساتھ ہی ایک خوبصورت، تر و تازہ چہرہ، چمکتی آنکھیں پرکشش مسکراہٹ۔

"ہاں۔ وہ بہت ہی خاص چہرہ تھا۔ یاد رکھے جانے کے قابل۔"

اس نے چپکے سے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ اور یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس کی آواز کیسی تھی پتا نہیں۔ شاید؟۔

موبائل کی مدھر ٹون نے اس کا دھیان بانٹ لیا۔

"تیمور" اسکرین پہ چمکتا نام دیکھ کے اس نے بے تابی سے کال ریسیو کی تھی۔

"کہاں ہو تم۔ کیسے ہو کتنے دن میں فون کیا۔ میں کب سے تمہیں یاد کر رہی ہوں لیکن تمہیں تو شاید میں یاد ہی نہیں آئی۔"

ایک ہی سانس میں وہ رکے بغیر کئی باتیں کہہ گئی۔ دوسری طرف وہ ہنس رہا تھا اسے یقین دہانی کروا رہا تھا کہ وہ بھی ہر روز اسے یاد کرتا ہے۔ بس وقت کی کمی اور مصروفیت کی وجہ سے فون نہیں کر سکا۔

"تم۔ تم آ کیوں نہیں جاتے یہاں۔ جانتے ہو ڈیڈی کتنے کمزور اور اکیلے ہو گئے ہیں۔ انہیں تمہاری ضرورت ہے بہت۔"

وہ کہتے کہتے روہانسی ہو گئی۔ نظروں میں کچھ دن پہلے رات کا وہ منظر گھوم گیا جب اس نے ڈیڈی کو تنہا اداس اور افسردہ دیکھا تھا۔

"تم کتنی معصوم ہو نین کیا تم ابھی بھی یہ سمجھتی ہو کہ وہاں کسی کو میری ضرورت ہو گی۔"

"ابھی ہی تو ہے۔ ابھی ہی تو ہے تمہاری ضرورت ڈیڈی۔۔۔۔ ڈیڈی بوڑھے ہو رہے ہیں۔ تیمور وہ تھک رہے ہیں۔"

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی۔

"ڈیڈی بوڑھے ہو رہے ہیں تو کیا ہوا۔ مما تو ابھی جوان ہیں۔"

اب کی بار وہ بولا تو اس کے لہجے میں زہریلے سانپ کی سی پھنکار تھی۔

"تیمور۔" وہ چیخ ہی تو پڑی۔

"شٹ اپ۔ اینڈ شیم آن یو۔ اپنی ماں کے بارے میں ایسی بات۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے انہیں میری ماں کہنے کی مائیں ایسی ہوتی ہیں یہ کرتی ہیں اپنی اولادوں کے ساتھ جو انہوں نے کیا۔"

"ان کے کیے کی سزا تم ڈیڈی کو اور مجھے کیوں دے رہے ہو۔ ان کو نہ سہی۔ ہمیں تو تمہاری ضرورت ہے۔ تم ان کے بارے میں نہیں میرے بارے میں، ہمارے بارے میں ہی سوچ کے آجاؤ۔ پلیز تیمور۔"

وہ احساس بے بسی سے رونے لگی۔

"مجھ سے ڈیڈی کا اکیلا پن نہیں دیکھا جاتا۔"

"یہ اکیلا پن، یہ تنہائی خود ان کی اپنی چوائس ہے۔ نیناں جانو۔ اور تمہیں میری نہیں ایک اچھے لائف پارٹنر کی ضرورت ہے۔"

وہ اس کی بات سن کے چپ سی ہو گئی۔

"تو کیا تم کبھی پاکستان نہیں آؤ گے تیمور۔" اس کی مایوسی انتہا کو چھو رہی تھی۔

"میں کیا کروں گا آ کے نیناں۔" اس کا اپنا لہجہ بھی افسردہ تھا۔

"تو پھر آئندہ مجھے فون مت کرنا۔" اس نے آنسو پونچھ کے قطعی لہجے میں کہا۔

"کیوں ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔"

"کیونکہ مجھے اس بے نام ٹیلیفونک رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے تم نے مما اور ڈیڈی کو ان کی زندگی میں ہی مردہ تصور کر لیا ہے ویسے ہی میں بھی سمجھ لوں گی کہ میرا بھائی اس دنیا میں نہیں رہا۔"

دل پہ پتھر رکھ کے اس نے بات مکمل کی۔ اور وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

* * *

"کہاں! کہاں کمی تھی میری محبت میں۔ میری وفا میں کیا کمی تھی۔ میرے وجود میں میرے کردار میں بولو۔"

وہ چیخ رہی تھیں۔ فرقان پیرزادہ کا گریبان تھامے، ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا فرقان پیرزادہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی۔ برداشت کی طنابیں ڈھیلی پڑ گئیں۔

"کیوں بھول گئی میں تمہیں، تمہاری وفا شعار بیوی کیا نہیں کیا میں نے تمہارے لیے وہ کون سا جذبہ تھا جو میں نے کسی اور کے لیے سنبھال رکھا اور تمہیں نہیں دیا۔ ایسی کیا کمی تھی مجھ میں، جو تم اس آوارہ عورت کی جھولی میں جا گرے بولو۔"

ان کی آواز بیٹھ رہی تھی۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔ لیکن آج وہ چپ ہونے والی نہیں تھیں۔

"میرا نہیں تو اپنے معصوم بچوں کا ہی خیال کیا ہوتا۔ کیا اثر پڑے گا ان کے معصوم ذہنوں پر کیا ان کی کچی عمر اور ناداں سوچ تمہاری اس بھول کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا سکے گی۔ جواب دو نا فرقان، چپ کیوں کھڑے ہو۔"

روتے روتے وہ ان کا گریبان چھوڑ کے ان کے قدموں میں بیٹھتی چلی گئیں۔

ان کے خوبصورت لمبے گھنے بال کندھوں پر بکھر گئے تھے۔ کلائیوں میں پڑی چوڑیاں ٹوٹ کر ہاتھوں میں چبھ گئی تھیں۔ اور سونے کے بیش قیمت کنگنوں سے موتی ٹوٹ کے بکھر گئے تھے۔

وہ سنجیدہ اور معاملہ فہم عورتوں کی طرح چپ رہ کر تحمل اور عقل کی دھار دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتی

تھیں۔ ان کی ہمت تو اسی وقت ٹوٹ گئی تھی۔ جب فرقان نے ان کی چیخ و پکار کے جواب میں 'کچھ کہنے' کوئی بہانہ بنانے کے بجائے چپ سادھ لی تھی۔ اور سر جھکا دیا تھا۔

گویا اتنا یقین ہونے کے باوجود دل کے کسی تاریک گوشے میں یہ خیال خوش گماں ابھی بھی موجود تھا کہ یہ سب کچھ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ مسز انصاری کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے' فرقان بھی کسی مجبوری کے تحت من سے سچ نہ بول پائے ہوں۔

وائے محبت۔ تیرے کھیل نرالے

جب خوابوں کے ست رنگے جہاں میں سیر کرواتی ہے۔ تو حقیقت کی ہولناکی کا احساس تک کم ہو جاتا ہے۔ اور جب حقیقت اپنا آپ باور کروانے کو عریاں ہو کر سامنے تن جاتی ہے۔ تب بھی خوش فہمی کے ہوائی قلعوں میں سمیٹے جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ خود ہی ذلیل و خوار ہو کے 'اپنا ہاتھ چھڑائیں اور انھی کے تحت ہاتھوں سے طمانچہ کھانے کو تیار نہ ہو جائیں۔

انہوں نے سر جھکا کے سامنے بیٹھی قدموں میں سر دیے روتی 'اپنی عزیز از جان بیوی کو دیکھا جو ان کی محبت کے دم بھرتے تھکتی نہ تھی آج کس اجاڑ اور ویران حلیے میں 'اپنی بربادی پر ماتم کناں تھی۔ انہوں نے پنجوں کے بل بیٹھ کر ان کے بکھرے بال سمیٹے۔

"نیلم مجھے! مجھے معاف کر دو۔"

الفاظ ٹوٹ کے ان کے لبوں سے نکلے اور نیلم نے شدید بے یقینی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں نیلم مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔ میں ایک خام چیز کی نقلی چمک دمک دیکھ کر اسے سونا سمجھ بیٹھا تھا۔ نیلم! میں بھول گیا تھا۔ کہ پتھر کو کتنا بھی تراش خراش لو۔ وہ سونے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" دل کے زخموں پہ ان کی ندامت سے چور آواز ٹھنڈی پھوار بن کے برسی۔

گو کہ اتنی جلدی ان کی بات پر یقین کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن وہ صرف ایک مرد تو نہیں ہے۔ ان کے شوہر بھی تو تھے۔ جنہوں نے کئی سال بغیر کسی جھول کے ان کی وفاداری کا بدلہ اپنی محبت کی صورت میں دیا تھا۔

نیلم کی سسکیاں مدھم ہوتی گئیں اور وہ یہ بھول گئیں کہ وہ نیلم ہیں۔

اور نیلم بھی تو ایک پتھر ہے۔ جیسے روبی ویسے نیلم۔

* * *

خوبصورت' قیمتی آرائش' بیش قیمت اشیاء سے مزین یہ ایک انتہائی لگژری ڈرائنگ روم تھا۔

وہ ایک ایک ڈیکوریشن پیس کو بغور دیکھتی دل ہی دل میں مکینوں کی خوش ذوقی کی داد دے رہی تھی۔ پردوں کے ڈیزائن اور کلر سے لے کر' کارپٹ تک اور دیواروں کے پینٹ سے لے کر فرنیچر تک ہر چیز ایک خصوصی تھیم کے کلر کی تھی۔ وال پینٹنگز بھی کسی باکمال شخص کے ہنر مند ہاتھوں کا شاہکار تھیں۔ اور لکڑی سے بنے پرانے طرز کے چھوٹے چھوٹے آرائشی کھلونے' کسی کے عمدہ ذوق کے آئینہ دار۔

ماحول پر کسی سحر انگیز خوشبو کے ساتھ ساتھ سگریٹ کے دھوئیں کا ہلکا سا اثر تھا۔ جیسے کوئی کچھ دیر پہلے یہاں بیٹھ کے اسموکنگ کرتا رہا ہے۔

"اور وہ کوئی اور شہنام کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

لیلیٰ نے دل میں ابھرتی ہلکی سی گھبراہٹ کو اندر دبا کے کانفیڈنٹ نظر آنے کی کوشش کی۔ تبھی 'بے آواز قدموں سے چلتا شہنام اس کے قریب آن رکا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

پرائے گھر میں' تنہائی میں ان سے ملنے کا یہ اتفاق پہلی پہلی بار ہوا تھا اس کی ہتھیلیاں نم پڑتی جا رہی تھیں۔

"گڈ ایوننگ۔" اس نے مسکراہٹ لبوں میں دبا کے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ لیکن شرارت لہجے میں کہیں جھلک دکھا ہی گئی۔

"جی۔" اسے ایک دم سے بہت شرمندگی محسوس

ہوئی۔

"کیا سوچتے ہوں گے یہ' میں تو بالکل ہی حواسوں میں نہیں ہوں۔"

گردن جھکا کے وہ سوچ گئی۔ شہنام اسے دیکھتا رہا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کے یوں دیکھنے سے پزل ہو رہی ہے پھر بھی۔

"کھڑی کیوں ہو' بیٹھو۔" بے حد عام سے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بہت ہی خاص حرکت کی۔ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کے دباؤ ڈالا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں پیچھے ٹک گئی۔

اس نے سینٹر ٹیبل پر رکھے ٹشو باکس میں سے دو تین ٹشو کھینچ کے اس کی طرف بڑھائے اس کے حلق سے "تھینک یو" کی ہلکی سی آواز نکلی جسے بمشکل سن کے وہ مسکرا دیا۔

"کیا لو گی' ٹھنڈا' گرم۔" وہ پلٹ کر ہموار قدموں سے چلتا سامنے صوفے پر جا کے بیٹھ گیا۔ اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے گھر آنے کے لیے اتنا کنفیوز کیوں ہو۔ جسٹ ریلیکس' اپنا ہی گھر سمجھو اسے۔ [illegible] میں نے تمہیں بلایا تھا۔"

بہت سہولت سے اسے اپنی مرضی کا سبق پڑھا رہا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ من و عن اس کی بات کا حرف حرف دل و ذہن پر نقش کر رہی ہے۔ اور یہ یقین کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔

"اس عام تو تم یوں بھی آؤٹنگ کے لیے جاتی ہو گی باہر' کیا نام ہے اس کا' وہ تمہاری فرینڈ۔" اس نے جان بوجھ کر نام لینے میں دیر لگائی۔ حالانکہ یہ نام پچھلے ایک ہفتے سے اس کی نوک زبان پر مچل رہا تھا۔

"تہنال۔" وہ اب قدرے سنبھل چکی تھی۔

"ہاں تہنال۔" اسے لگا زبان کو دھیمی سی مٹھاس نے چھوا۔

"اس کے ساتھ۔" لوازمات سے بھری ٹرالی لیے ایک نو عمر ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

"اتنا کچھ' اس سب کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت کیوں نہیں تھی۔ پہلی بار تم میری دوست کی حیثیت سے میرے گھر آئی ہو کیا میں تمہیں ایسے ہی جانے دیتا۔"

وہ کمال بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا اٹھ کے اس کے برابر آن بیٹھا۔

لیلیٰ کو اپنا پہلو سلگتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

بظاہر اس کی کیفیت سے انجان' لیکن حقیقتاً دل ہی دل میں بے انتہا حظ اٹھاتے ہوئے اس نے کولڈ ڈرنک کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"تھینک یو۔" اس نے جھجکتے ہوئے تھام لیا۔

"نو سوری' نو تھینکس' دوستی میں یہ سب نہیں چلتا ناں بے بی۔"

اس نے پلیٹ میں کچھ اسنیکس ڈال کر اس کی طرف بڑھائے۔

لیلیٰ بہت دھیرے دھیرے پلیٹ میں سے دانہ چگنے لگی۔

شہنام گہری' گرم نگاہوں سے اس معصوم نادان چڑیا کو دیکھتا رہا۔ جو شوق ملاقات میں خود ہی شکاری کے جال تک چلی آئی تھی۔

"ایک بات کہوں' پلیز تم مائنڈ مت کرنا۔"

بات کرتے کرتے اس کی ٹون اچانک ہی بدلی۔

"جیسے میں نے بلایا اور تم چلی آئیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں اس طرح اکیلے کسی کے گھر نہیں آنا چاہیے۔ اب تمہیں کیا پتا میں نے تمہیں کس نیت سے بلایا ہے۔ کیوں؟"

وہ بہت اطمینان سے ٹرالی میں سے چیزیں اٹھا اٹھا کے ٹونگ رہا تھا۔

وہ اپنی بات کے ردعمل سے واقف تھا۔ حسب توقع لیلیٰ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا تھا۔ اور چہرے پر سفیدی سی چھا گئی تھی۔

وہ دھیرے سے ہنس پڑا۔

"جسٹ ریلیکس' کچھ نہیں کر رہا میں تمہارے ساتھ یار' صرف ایک اچھے دوست کی طرح سمجھا رہا

ہوں۔ زمانے کی اونچ نیچ یو نو واٹ یو آر سو انوسنٹ جسٹ لائیک اے بے بی۔"

لیلیٰ ابھی بھی ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی بدقت مسکرائی۔

"ڈر رہی ہو۔ اوکے جسٹ لیو۔ یہ ختم کرو تو میں تمہیں اپنا بیڈ روم اور ٹیرس دکھاؤں۔"

"اٹس اوکے۔ آپ کیا کہہ رہے تھے۔ وہ 'اکیلے میں ایسے۔'"

لیلیٰ سے بات مکمل نہیں کی گئی۔ شہنام نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں بس یہی کہ آئندہ میں بلاؤں تو بھی مت آنا میرے گھر۔ تمہیں یوں اتنے قریب دیکھ کر ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جاؤ۔"

دھیمی گمبھیر آواز میں اس کی طرف جھک کر کہتے ہوئے وہ اس کے رخسار چھوتی ایک لٹ کو کان کے پیچھے کرنے لگا۔ اس کی گرم گرم سانسیں لیلیٰ کے چہرے سے ٹکرائیں۔ امپورٹڈ مردانہ پرفیوم کی مسحور کن خوشبو سے اس کی حواس مختل ہونے لگے۔ اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔ اسے لگا وہ ہلنے جلنے کے بھی قابل نہیں رہی۔

مقابل کی شخصیت کو اتنا بھی زور آور نہیں ہونا چاہیے کہ بے بسی انتہا کو پہنچ جائے۔ شہنام نے پلیٹ اور گلاس اس کے ہاتھ سے لے کے رکھ دیے۔ وہ جانتا تھا اب وہ کچھ کھا پی نہیں سکے گی۔

معصوم ننھی چڑیوں کو یونہی ذرا سا سہما کر 'مزا لینے' کا اپنا ہی ایک لطف تھا۔ اور وہ بہت بار یہ لطف حاصل کر چکا تھا۔

"چلو اوپر چلیں۔"

اس نے لیلیٰ کا نازک ہاتھ اپنی مضبوط گرم گلابی ہتھیلی میں رکھ کے دبایا۔

اور لیلیٰ کسی سحر میں قید اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

اس کا ننھا سا ہینڈ بیگ شہنام کے ہاتھ میں تھا۔ اور اسی میں وہ سیل فون تھا جس میں اس کا مطلوبہ نمبر اسے تلاش کر رہا تھا۔

* * *

پیپرز ختم ہونے کے بعد بھی ان کا ملنا روز کا معمول تھا۔ نیناں کو ڈرائیونگ آتی تھی۔ وہ اکثر ہی لیلیٰ کے گھر چکر لگا لیتی۔ کبھی اسے ساتھ لے کر آؤٹنگ پر نکل جاتی۔

ایک دو دن پہلے ہی لیلیٰ نے اسے بتایا تھا کہ وہ مما کے ساتھ اسلام آباد جا رہی ہے۔

علیان کے گھر کوئی تقریب تھی۔ اس نے تفصیل نہیں بتائی۔ نیناں کو کوئی مطلب بھی نہ تھا۔

بس فکر تھی تو یہ کہ لیلیٰ کے بغیر اس کے شب و روز بہت بوریت بھرے گزرنے تھے۔

وہ بڑے صبر اور سکون کے ساتھ اس کی واپسی کے دن گن رہی تھی۔ جب ایک دن ایک فون کال نے اسے تھوڑا سا پریشان کر دیا۔

"شہنام حسن اعوان! لیکن وہ کیوں ملنا چاہتے ہیں مجھ سے۔"

ڈھیروں اندازے تھے اور ہزاروں قیاس۔

"لیکن ان کا اور میرا تعلق ہی کیا ہے۔ انہوں نے مجھے دیکھا ہی کتنا ہے۔ بس ایک بار ہی تو۔" سارے مفروضے سوال بن کے آگے بیٹھ سے جاتے۔

"اب یہ تو ان سے مل کے ہی پتا چل سکتا ہے۔ اف لیلیٰ کی بچی۔ کتنے غلط ٹائم پر گئی ہو تم۔"

کیونکہ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ ان سے ملنے کے لیے جانا۔ لیکن وہ لیلیٰ کے علم میں لائے بنا یہ قدم اٹھانے سے گریز کر رہی تھی۔

لیلیٰ کو بتانے کا ارادہ کیا۔ تو پتا چلا وہ سب کے ساتھ مری گھومنے کے لیے گئی ہوئی ہے۔ اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔ یوں ہے تو یونہی سہی۔"

مما اور ڈیڈی سالوں بعد پہلی بار اکٹھے دبئی جا رہے تھے۔ جانے کیسے ان کے درمیان یہ معاملہ طے پایا تھا۔ لیکن وہ خوش تھی۔ اور آنے والے وقت کے لیے خوش گمان بھی۔

* * *

فائیو اسٹار ہوٹل کے پرتکلف ماحول میں جس بے تکلفی سے انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ وہ جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی۔

"کیا آپ کو میری بات بری لگی مس نیناں۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" اس نے ایک دم چونک کر گہری سانس لی۔

"ہیو یور ڈرنک۔"

وہ جانتا تھا اس کی بات نیناں کے لیے کتنی غیر متوقع اور حیرت انگیز ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ اس کا رد عمل سمجھ بھی رہا تھا۔ اور دل سے چاہتا تھا کہ نیناں اس کے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم نہ کرے۔

"نو، اشیور تھینکس۔" اس نے سوفٹ ڈرنک کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ بظاہر سرسری لیکن درحقیقت بڑی گہری نظروں سے وہ اس کا سراپا اور حرکات و سکنات جانچ رہا تھا۔ لیلیٰ کے مقابلے میں اس کی ہم عمر ہونے کے باوجود وہ اس سے کہیں زیادہ کانفیڈینٹ تھی۔ اور یہ بات شہنام کے لیے خوشی کا باعث تھی۔

"دیکھیے نیناں! میری بات آپ کے لیے بہت ان ایکسپکٹڈ ہے۔ اور آپ کو اور زیادہ فیل اس لیے ہوگی۔ کیونکہ اس سے پہلے میں صرف ایک ہی بار آپ سے ملا ہوں۔ لیکن آپ یقین کریں۔ جس دن سے میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ میں اسی دن سے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ بڑے سبھاؤ اور طریقے سے اپنی متوازن شخصیت کے وقار کو سامنے رکھ کے اپنی بات نیناں کے گوش گزار کر رہا تھا۔

اور نیناں کو سو فیصد یقین ہو چلا تھا کہ ابھی تو نہیں لیکن اگر آنے والا ایک گھنٹہ اس نے یونہی اس شخص کے سامنے بیٹھ کے گزارا تو ضرور اس سے بری طرح متاثر ہو جائے گی۔ حالانکہ اس وقت تو وہ خود اپنے متاثر ہو جانے کی کہانی دھیمے لہجے میں سنا رہا تھا۔

اور یہ سچ ہی تھا کہ اسے نیناں سے پہلی نظر میں محبت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن کچھ تو ایسا تھا۔ اس میں کہ وہ اسے بھلا نہیں پایا تھا۔ بلکہ بہت جلدی۔ بہت بڑا فیصلہ کر کے اسے سنانے آن پہنچا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ میری اور آپ کی ایج میں کافی ڈیفرنس ہے۔ بٹ آئی تھنک 'دِس ناٹ این ایشو۔'" بڑے آرام اور سہولت سے وہ 'انکار' کے امکانات کو ایک ایک کر کے رد کر رہا تھا۔

"میرے اسٹیٹس کا اندازہ مجھے دیکھ کے ہو رہا ہو گا آپ کو۔"

ایک انجانا سا تفاخر اس کے لہجے میں لاشعوری پر اتر آیا جو کہ... بے جا نہ تھا۔

"اور رہی تعلیم تو وہ آپ جب تک چاہیں۔۔۔"

"میں۔" وہ اس کی باتوں سے گھبرا کے ایک دم ہی بول پڑی۔

"میں کچھ ٹائم لینا چاہتی ہوں سوچنے کے لیے۔"

جس رفتار سے وہ ایک ایک کر کے تمام معاملات نبٹا رہا تھا۔ اسے لگا کہیں ایجاب و قبول کے مراحل بھی یہیں بیٹھے بیٹھے پہلی ملاقات میں اس محفل پر ہی سامنے نہ آ جائیں۔

"او یس وائے ناٹ، ٹیک یور ٹائم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس انتظار بہت لمبا نہ ہو اور اختتام مایوس کن اور اداس نہ ہو۔"

"آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکل گیا۔

"آئی ایم ویری تھینک فل ٹو یو۔"

وہ جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر گہرے جادو اثر لہجے کا سحر پھونکا۔

نیناں نے اس کی پرکشش شخصیت کے سحر میں اپنے وجود کو جکڑتا ہوا محسوس کیا۔

* * *

وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جو حالات بالکل ہی ہاتھوں سے نکلتے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔ ایک دم

ہی اس طرح راہ راست پر آجائیں گے۔

کچھ دن سخت ترین ناراضی اپنی مکمل خاموشی کی صورت میں فراہم کرنے کے بعد انھوں نے فرقان کو پورے دل سے معاف کر دیا تھا۔

انھوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا تھا کہ وہ غلطی پر تھے۔ بھٹک گئے تھے۔ لیکن شکر ہے۔ انھیں بہت جلد عقل آگئی تھی۔ اور وہ روبی جیسی غلط عورت کو پہچان گئے تھے۔

روبی اس دن کے بعد ان کے گھر نہیں آئی تھی۔ فرقان نے اس سے کیسے پیچھا چھڑایا۔ نیلم کو اس سے سروکار نہیں تھا۔ ان کے لیے یہی بہت تھا کہ ان کا شوہر، ان کے بچوں کا باپ بھٹکتے بھٹکتے پھر سے ان کے پاس واپس آگیا تھا۔

دن اپنی پرانی روش پر آگے پیچھے دوڑتے۔۔۔ آگے نکل گئے۔ بچے شعور کی حدود کو چھونے لگے۔ فرقان کا بزنس بھی پر پھیلانے لگا۔ وہ اور فرقان ایک دوسرے کے شانہ بشانہ قدم سے قدم ملا کے اپنے گھر اور بزنس کی ترقی کے لیے دن رات کوشاں رہتے تھے۔

ان ہی دنوں فرقان نے اپنے بزنس کا بڑا حصہ، نیلم اور بچوں کے نام کر دیا۔

نیلم ان کے اس اچانک فیصلے پر حیران بھی تھیں اور خوش بھی۔

"اس سب کی کیا ضرورت ہے فرقان' بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں انھیں بڑے ہو کر آپ کا ہاتھ ہی تو بٹانا ہے۔ پھر ان حصوں کی کیا ضرورت۔"

"ہماری ویڈنگ اینور سری آرہی ہے۔ اس کا گفٹ سمجھ لو جانو!"

فرقان کے لہجے میں ان کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

انھوں نے لاڈ سے اپنا سر ان کے کاندھے پر ٹکا دیا۔

"پگلی' دبئی والی برانچ کے لیے جب تک کوئی تجربہ کار بندہ نہیں مل جاتا' مجھے خود وہاں لک آفٹر کرنا ہوگا۔ بزنس رننگ میں لانے اور پی آر بڑھانے کے لیے یہ ضروری ہے۔ تو میری غیر موجودگی میں یہاں کراچی اور اسلام آباد کی برانچ کو خود تم ہینڈل کرو گی۔"

"میں اکیلے کیسے۔۔۔" وہ کچھ پریشان سی ہو گئیں۔

"تم سب کر سکتی ہو نیلم' مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ ڈونٹ وری۔"

فرقان نے پیار سے ان کے بال سہلائے۔

"اور پھر میرا آنا جانا تو لگا ہی رہے گا۔"

"اور میرا بھی تو۔۔۔" وہ لاڈ سے ٹھنک کر بولیں تو فرقان کچھ چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا۔"

"کچھ نہیں۔" وہ ایک بار پھر کاغذات پر جھک گئے۔

* * *

پلکوں پہ مسکارے کا آخری ٹچ دے کے انھوں نے اپنی تیاری کو آخری ناقدانہ نظروں سے جانچا اور مطمئن ہو کے پرس اٹھائی باہر نکل گئیں۔

وہ فرقان کے ساتھ دبئی گئی ضرور تھیں لیکن اپنی عادت سے مجبور ہو کر بہت دن تک ان کے ساتھ رہ نہیں پائی تھیں اور تیسرے ہی دن کسی معمولی بات پر زور و شور سے لڑ جھگڑ کے واپس پاکستان آگئی تھیں۔

یوں بھی یہاں کے مقابلے میں' وہاں ان کی "دلچسپی" کا سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور انھیں دوسرے ہی دن' ہوٹل کے روم میں اکیلے بیٹھے یہ احساس ستانے لگا کہ ابھی اگر وہ پاکستان میں ہوتیں تو فرقان کی غیر موجودگی میں بڑے آرام سے اپنے "دیرینہ دوستوں" سے ملاقات کر سکتی تھیں ان کے دیرینہ دوستوں میں آج کل ایک نیا نام بڑے زور و شور سے داخل ہوا تھا۔

اور وہ اپنے نئے دوست سے روابط بڑھانے' دوستی نبھانے ہی فرقان سے پہلے پاکستان چلی آئی تھیں۔ ان کے دن رات کے معمولات ویسے ہی تھے۔ جاگتی راتیں۔ اونگھتے دن' سرمگیں سہانی شامیں۔

* * *

"فصل گل ہے شراب پی لیجیے۔"

کرسٹل کے جھلملاتے گلاس میں بھرا مشروب ان کی طرف بڑھاتے ہوئے' وہ مخمور لہجے میں مخاطب

ہوئے تھے۔

"تصدق نہ کیجیے جناب پی لیجیے۔"

رنگ برنگی انگوٹھیوں بھرے ہاتھ میں گلاس تھامے' وہ ان کے لبوں سے لگا کر بولے۔ نیلم کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"آگے چل کر حساب ہوتا ہے۔

اس لیے بے حساب پی لیجیے۔"

ایک ادا سے پلکیں گراتی اٹھاتی' وہ عزیز درانی کے پہلو سے لگی بیٹھی تھیں۔

انھوں نے گلاس ان کے لبوں سے لگایا' انھوں نے بڑی نزاکت سے ایک گھونٹ بھر کے' سفید مخملیں ہاتھوں میں تھام لیا۔

عزیز درانی نے گلاس انھیں پکڑا کے اپنا بازو ان کے شانوں پہ پھیلایا' وہ کچھ اور ان کی طرف سمٹ گئیں۔

بلیک ریشمی ساڑھی سے جھلکتا ان کا ریشم ایسا جسم' مکمل خود سپردگی کے عالم میں' عزیز درانی کی گرفت میں تھا۔

"دونوں قطرے ہیں جام کے اندر
کر کے زیر نقاب پی لیجیے"

بہت دھیرے سے عزیز درانی ان کے کان میں گنگنائے۔ وہ ہنس پڑیں۔ کھنکتی ہوئی ہنسی۔ عزیز درانی مسحور ہو کے رہ گئے۔

امر الجانٹ کا خمار آنکھوں پہ چھا رہا تھا آنکھوں کی سرخی گہری ہوتی جا رہی تھی اور رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔

* * *

گھنٹہ بھر سے وہ بے مقصد گاڑی سڑکوں پر دوڑا رہی تھی۔

دل و ذہن میں اس وقت صرف اور صرف شہشام کی باتیں اور ان کی شخصیت پوری آب و تاب کے ساتھ چھائی ہوئی تھی۔

بظاہر دیکھنے میں تو کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی۔ بلکہ ان کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے قابل فخر ہو سکتا تھا۔

خود وہ بھی جتنا ان کے بارے میں سوچتی اپنے دل کو ان کی طرف اور مائل ہوتے محسوس کرتی۔

"بھلا ایسا کیا دیکھا مجھ میں!"

کبھی حیرت سے خود سے سوال کرتی اور کبھی خوشی کی موہوم سی لہر جسم و جاں میں لہراتی اس کے ہونٹوں پر ایک شرمگیں مسکراہٹ سجا دیتی۔

ان کی ملاقات کو کافی دن گزر چکے تھے اس دوران انھوں نے متعدد بار اسے فون کیا اس کا جواب جاننے کے لیے نہیں۔ بس یونہی خیریت' حال چال۔

وہ جانتی تھی وہ اس کا جواب جاننے کے لیے بے چین ہیں اور اسے ان کی یہ بے چین کیفیت بہت مزا دے رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایسی صورت حال سے واسطہ پڑا تھا۔ ورنہ پرپوز تو اسے علیان نے بھی کیا تھا۔ لیکن ایسی بے قراری اس کی باتوں اور انداز سے نہیں جھلکتی تھی۔ نہ ہی اس نے کبھی اپنی مرضی کے فیصلے کے لیے نہال پر معمولی سا بھی دباؤ ڈالا نہ اپنی امید خواہشوں کا ذکر کیا۔

اس کی تو بات ہی اور تھی کہ وہ وقت بے وقت دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے اسے دیکھنے بھی نہیں آسکتا تھا۔ ایک صرف فون کا رابطہ تھا۔ وہ بھی نہال کی رائے جان لینے کے بعد سے بہت کم ہو گیا تھا۔

نہال نے اپنے دل میں کبھی ایسے جذبات علیان کے لیے محسوس نہیں کیے تھے۔ جیسے وہ آج کل شہشام کے لیے فیل کر رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا وہ بہت جلدی موم ہو گئی ہے۔ یا پھر اسے ان ہی کے جیسے "مسٹر پرفیکٹ" کی ضرورت تھی جو خوش قسمتی سے نا صرف اس تک آپہنچا تھا۔ بلکہ بہت جلدی اسے پانے کی خواہش کا اظہار بھی کر بیٹھا تھا۔

"لیلی تو سن کے خوشی سے پاگل ہی ہو جائے گی۔"

اپنے آپ میں' اپنی خوش گمان سوچوں میں مگن اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا۔ لیکن وہاں سامنے صوفے پر براجمان شخصیت کو دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

"تیمور۔" اس کی بے یقین سوالیہ نظریں' اس

ہیولے پر جم سی گئی تھیں اور قدم وہیں کے وہیں تھم گئے تھے۔ لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

"تیمور۔" ایک بار پھر پکارتے ہوئے اس کی آواز میں خواب ٹوٹ جانے کی سی بے یقینی تھی۔ سو وہ اٹھ کے دو قدم اس کی طرف بڑھا اور جیسے طلسم ٹوٹ گیا۔

"تیمور۔" اب کی بار اس کی آواز کسی چیخ سے مشابہہ تھی اور بلاشبہ اتنی تیز تھی کہ اتنے بڑے گھر میں دور دور تک سنی گئی تھی۔

اگلے ہی پل وہ زور زور سے روتی ہوئی اس کے سینے سے لگ چکی تھی۔

* * *

ماما اور بابا واپس کراچی آگئے تھے۔ لیلیٰ کو علیان نے اسلام آباد میں روک لیا تھا۔ اسے اپنے کام کے سلسلے میں دبئی جانا تھا اس نے لیلیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے دبئی میں ایشین کلچرل فیسٹیول دکھانے لے جائے گا۔

"تم کب آؤ گی میرے پاس تمہارے لیے دو سرپرائز ہیں زبردست قسم کے۔" نہال کی آواز میں ایک دبا دبا سا جوش تھا۔

"اگر اتنے ہی زبردست ہیں تو فون پہ بتادو نا۔ دیکھو کب تک آنا ہو۔ ویسے علیان کو کام تو صرف دو دن کا ہے۔ اگر شاپنگ کا پروگرام بن گیا تو دو دن اور لگ جائیں گے اور میں فیسٹیول دیکھنے بھی جاؤں گی نا۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے تم آرام سے انجوائے کرو۔ میں بھی یہاں بور نہیں ہو رہی بہت مزے آرہے ہیں۔"

وہ ہنس پڑی۔

"تو ہوا کیا قارون کا خزانہ مل گیا ہے۔" اپنی دوست کو خوش دیکھ کر اسے بھی خوشی ہو رہی تھی۔

"اب تم آؤ گی تو بتاؤں گی۔"

وہ فون بند کرکے مسکرادی۔

* * *

فرقان پیرزادہ نے تیمور کی آمد کو اپنے لیے خوش قسمتی گردانتے ہوئے کھلے دل سے اسے معاف کرکے سینے سے لگالیا تھا۔

وہ بہت دیر تک نم آنکھوں سے اس کا جوان خوبصورت چہرہ دل میں اتارتے رہے۔ گو کہ لہجے میں جتاتے رہے تھے کہ وہ اسے کتنا یاد کرتے تھے۔ اس کی کمی کتنی محسوس کرتے تھے۔

نیلم بھی اتنے سالوں بعد بیٹے کو سامنے دیکھ کر خود پر سے قابو کھو بیٹھیں۔ دیر تک گلے لگا کر روتے ہوئے ان کی پیاسی ممتا کو جیسے قرار آتا رہا۔

تیمور کا رویہ البتہ ناقابل فہم سا تھا۔ اتنے عرصے بعد ماں باپ سے ملنے کے بعد بھی اس کے لہجے اور رویے میں ایک سرد مہری سی تھی۔ لیکن نہال کے ساتھ وہ ان سے قطعی مختلف تھا پرجوش محبت بھرا اور مشفق بھی۔

کچھ دن وہ مکمل طور پر نہال کے ساتھ ہلے گلے اور بے مصرف کے سیر سپاٹوں میں مصروف رہا۔ ممّا اور ڈیڈی نے اس کی واپسی کی خوشی میں پارٹی ارینج کرنا چاہی جسے اس نے سہولت سے منع کردیا۔ انہوں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔

اس نے ڈیڈی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان کا آفس جوائن کرنے کی خواہش کا اظہار کردیا۔ ڈیڈی نے بے تحاشا خوشی اور فخر محسوس کیا۔ انہیں بھلا اعتراض ہو بھی کیا سکتا تھا۔

ان کو اس کے آجانے سے جیسے ایک ڈھارس سی ہوگئی تھی۔ ان کا ادھیڑ عمری کی طرف مائل وجود بیٹے کو شانہ بشانہ دیکھ کر پھر سے جوان ہوا تھا۔ نہال کو بہت اچھی طرح اندازہ تھا کہ ڈیڈی اکلوتے بیٹے کی عدم موجودگی کو خاص طور پر ماما کی غلط روش کے باعث کتنا محسوس کرتے ہوں گے۔

ڈیڈی اب پہلے سے کہیں زیادہ چاق و چوبند اور ہشاش بشاش نظر آتے تھے ان کی چڑچڑی طبیعت پر ایک بہت واضح خوش گوار اثر غالب آگیا تھا۔

تیمور کی آمد گھر بھر کے لیے خوشیوں کا پیامبر بن کے آئی تھی۔ یہاں تک کہ کچھ دن کے لیے تو ممّا بھی اپنی مصروفیات ترک کرکے تیمور کے کمرے کی سیٹنگ اور اس کی پسند کے کھانے بنوانے میں لگ گئیں۔

یہ ان کے اندر آنے والی ایک بہت بڑی مثبت اور خوش آئند تبدیلی تھی۔ نہال اکثر سوچتی شاید اسی طرح ممّا اور ڈیڈی کے بیچ کے فاصلے بھی کسی دن سمٹ جائیں گے۔

* * *

"کہاں تھیں اتنے دن سے۔ نہ کوئی فون نہ میسج، میں تو مایوس ہی ہو گیا تھا۔" شہام کا لہجہ اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھیر رہا تھا۔ وہ اسے تیمور کی اتنی اچانک واپسی کی بات بتانے لگی۔

"اور میں نے جو بات پوچھی تھی۔ اس کا کیا ہوا۔ اس بارے میں بھی کچھ سوچا یا پھر....." وہ اس وقت شہام کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر موجود تھی۔ شاپنگ کرکے نکلی تو اس کا فون آگیا۔ اور نہال ہی کی خواہش پر اس نے اسے شاپنگ سینٹر سے پک کرلیا تھا۔

"اس کا جواب دینے کے لیے بلایا ہے۔"

"اوہ! آئی سی۔" اس کے چہرے پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ چمکی۔

"تو آپ مجھے بتانا پسند کریں گی یا کسی خاص جگہ، خاص موقع پر۔"

"نہیں بس یہیں!"

وہ گاڑی ایک سائیڈ پہ روک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کی بات کا جواب ہے یہ!"

اس نے ہینڈ بیگ میں سے ایک خوبصورت سفید گلاب نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ جو شہام کا فون آنے کے بعد اس نے قریبی فلاور شاپ سے خریدا تھا۔

شہام کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ مجھے سفید گلاب پسند ہے۔"

اس نے تم پر خاص زور دے کر پوچھا۔ اس کے حلقہ احباب میں بے شمار لوگ تھے جو جانتے تھے کہ اسے سفید گلاب پسند ہیں۔ لیکن نہال بھی یہ بات جانتی تھی۔ اسے سوچ کر خوشی ہوئی۔

"آپ نے لیلیٰ کی برتھ ڈے پر اسے بکے لاکے دیا تھا۔ وہ میں نے دیکھا تھا۔ وائٹ روز لیلیٰ کو تو پسند نہیں پھر ظاہر ہے وہ آپ کی پسند کے تھے اس لیے۔"

وہ اپنے گلابی ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے شہام کی پرشوق نگاہوں کے سامنا کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔ جب شہام نے اچانک ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اس کی نس نس میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔

"تھینک یو۔" بھاری آواز شکر گزاری کے جذبات سے بوجھل تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام کے دبایا۔ نہال کے رخسار تپنے لگے۔ ہتھیلیوں سے پھوٹتی حرارت نے پیشانی تر کردی۔

"کہاں چلو گی؟" وہ اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو کر بولا۔ اور ہاتھ چھوڑ کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"کہیں نہیں بس گھر جاؤں گی، تیمور میرا ویٹ کر رہا ہوگا۔"

شہام اس کا گریز بھانپ گیا تھا ہولے سے ہنس دیا۔

دل میں ایک بے نام سی خوشی ہلکورے لے رہی تھی۔ اور آنے والے وقت سے بے خبر وہ اپنے آپ کو بڑا ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا۔

* * *

"کب آئے گی لیلیٰ۔ آنٹی میں تو انتظار کر کر کے تھکنے لگی ہوں۔"

وہ آج لیلیٰ کی طرف آئی تھی۔ اس کی ماں سے ملنے۔

"خوب دل لگا ہے اس کا وہاں پہ" "آنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ میں نے اسے فون پہ تیمور کے آنے کا نہیں بتایا تھا۔ آپ بھی مت بتائیے گا۔"

اس نے ایک ایئر ٹائٹ ٹفن ان کی طرف بڑھایا۔

"اس میں آپ کی پسند کے نٹو کیز ہیں، کوکونٹ کے ساتھ۔ میں نے خود بنائے ہیں۔"

وہ ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بولی تھی۔ اسے پتا تھا لیلیٰ کی ماما یاسمین آنٹی کو نٹو کیز پسند ہیں۔

وہ خاص کرن کے لیے خود بیک کر کے لائی تھی۔

یاسمین آنٹی بہت خوش ہوئیں انہیں زنفال کی یہ بھی کوکنگ کر لینے کی عادت اچھی لگتی تھی۔ خاص طور پر کسی کی پسند کا خیال کر کے کچھ بنانا۔ اور لیلی سے یہ ہی شکایت تھی کہ وہ کچن کے پاس پھٹکتی تک نہ تھی۔

حالانکہ ان دونوں کو ہی عام گھریلو لڑکیوں کی طرح کچن میں چولہے کے آگے جلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دونوں گھروں میں خانساماں موجود تھے اور آگے بھی یقیناً" انہیں 'اپنے ہی جیسے کسی پر تعیش اور ملازمین سے بھرا ہوا گھر ہی ملنا تھا۔ لیکن بقول یاسمین آنٹی کے لڑکیوں کو تھوڑی بہت کوکنگ تو آنی چاہیے۔

"سچ کہتی ہوں۔ اتنی مزے کی کوکنگ' بیکنگ کرنے والی لڑکی کو میں کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتی اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا۔"

وہ بڑی خوشدلی سے زنفال کو چھیڑ رہی تھیں۔

"فوراً" بہو بنا لیتی" تاکہ مزے مزے کی چیزیں کھانے کو ملتیں۔"

انہوں نے ایک بسکٹ اٹھا کے منہ میں ڈالا۔

وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

لیکن زنفال کا دھیان وہاں سے ہٹ کے کہیں اور جا چکا تھا۔

"کمال ہے مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔"

"لیلی اور تیمور...... گریٹ۔" ان کے گھر سے اٹھتے اٹھتے وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

* * *

دبئی میں آفس کی نئی برانچ کا افتتاح ہو چکا تھا۔ فرقان کا زیادہ تر وقت دبئی میں گزرتا۔ اسلام آباد اور کراچی کے آفسز کا کام نیلم بخوبی سنبھال رہی تھیں۔

ان ہی دنوں فرقان کے ایک دوست کی گھر میں آمدورفت بڑھنے لگی۔ وہ زیادہ تر فرقان کی پاکستان میں موجودگی کا یقین کر کے ان کے گھر آتا۔ کبھی کبھی فرقان کی غیر موجودگی میں بھی آیا۔ لیکن صرف کام کے وقت اور کوئی بھی غیر ضروری بات کیے بغیر جلد ہی لوٹ گیا۔

نیلم دل ہی دل میں اس کی شرافت کی قائل ہو گئیں کیونکہ نیلم خود بے پناہ ملکوتی حسن کی مالک تھیں۔ اس لیے اپنے سامنے انہوں نے اچھے اچھوں کا ایمان ڈولتے دیکھا تھا۔ لوگ کھلے عام انہیں آفرز کرتے تھے۔ انہیں زمانے کے چلن سے بڑا دکھ پہنچتا تھا۔ اور اپنی خوبصورتی پر بھی کبھی وہ ذہنی طور پر پریشان ہو کر۔ خدا کے سامنے ناشکری کی بھی مرتکب ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن اس شخص کی شرافت نے انہیں بہت متاثر کیا۔ اسی شرافت پہ بھروسا کر کے وہ ان سے میل جول بڑھا بیٹھیں۔ گو کہ یہ بے تکلفی بھی حد سے بڑھی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی ایک دن 'ان' کی بے تکلفی پر شہ پا کر' وہ خدا جانے کیا سمجھا کہ معمولی سی دست درازی کر بیٹھا۔

نیلم صدمے سے گنگ ہو کے رہ گئیں۔

"میں تو تمہیں بہت شریف اور سیدھا سادا سمجھتی تھی اور تم کیا نکلے۔"

وہ غصے کے عالم میں اپنے بیڈ روم میں ٹہل رہی تھیں۔ ایک تو ورکنگ وومن اور اوپر سے شوہر میلوں دور' پہلی بار انہیں گھر میں اپنی تنہا حیثیت اور چھوٹے بچوں کے ساتھ خوف محسوس ہوا۔

"رات کے اس پہر سناٹے میں اگر کوئی میرے کمرے میں گھس آئے تو میں کیا کر لوں گی۔

یا میری کنپٹی پر بندوق رکھ دے اور...... اور......"

سوچیں تھیں یا زہریلے ڈنک' وہ اتنی رات گئے پریشانی اور گھٹن سے چور اعصاب کے ساتھ فرقان کو فون ملانے لگیں۔

ان کا موبائل مسلسل آف جا رہا تھا۔

"ہو ہوا کیا مصیبت آ گئی۔ فرقان کا سیل تو کبھی آف نہیں ہوتا۔"

پریشانی ایک نیا رخ اختیار کر کے پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔

"اللہ کرے فرقان خیریت سے ہوں۔"

وہ دل ہی دل میں فرقان کی زندگی کی سلامتی کی دعائیں مانگتی۔ بے بسی سے اپنے موبائل کو دیکھ رہی تھیں۔ جو لو بیٹری کا سگنل دیتا آف ہو چکا تھا۔

انہوں نے ایک بار' پھر لینڈ لائن سے فون ملایا' اور پھر غصے میں پٹخ دیا۔

تھوڑی دیر وہیں غائب دماغی سے بیٹھے رہنے کے بعد کچھ خیال آنے پر وہ ان کی سیکریٹری کا نمبر ملانے لگیں۔ دوسری طرف فون ریسیو کرنے والی آواز کسی اجنبی کی تھی۔

"مس رائمہ کہاں ہیں۔"

ان کا لہجہ بڑا سرسری سا تھا۔ اصل مطلب انہیں یوں بھی فرقان سے تھا۔ رائمہ سے نہیں۔

"وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر ہیں۔"

"اینڈ ویئر از یور باس۔"

"وہ ایک ہفتے کے لیے اپنی وائف کے ساتھ سوئٹزرلینڈ گئے ہیں۔"

"واٹ" گویا بم تھا جو ایک زوردار دھماکے کے ساتھ ان کی سماعت پر پھٹا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو جانتی ہو کس سے بات کر رہی ہو۔" وہ بے قابو ہو کے چلائیں۔

"مس سوری میم"

وہ شاید کوئی نئی ورکر تھی۔ جو انجانے میں ایک بہت بڑا بھانڈا ان کے سامنے کھول چکی تھی۔

"تم سب لوگ اپنی خیر مناؤ اچھی طرح' کہاں ہے زیدی' بلاؤ اسے میں پوچھوں۔" غصے کے مارے ان کے منہ سے کف اڑنے لگا۔

زیدی صاحب آفس میں سینئر ایڈمن آفیسر کی حیثیت سے جاب کرتے تھے۔ وہ انہیں جلدی جلدی' سوئٹزرلینڈ کے اس ہوٹل کا نام اور ایڈریس بتانے لگے۔ جہاں فرقان کا قیام تھا۔

"اور تم الو کے پٹھے' اس کے وفادار کتے' دم ہلاتے اس کے پیچھے اس کی واپسی کا انتظار کر رہے ہو۔ بے غیرت۔"

وہ مغلظات پر اتر آئیں' زیدی صاحب عمر میں ان سے اتنے بڑے تھے کہ وہ ہمیشہ انہیں ایک بزرگ کی طرح عزت دیتی آئی تھیں۔ آج جس انداز میں انہیں بے عزت کر رہی تھیں' فون رکھتے ہوئے زیدی صاحب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہیں یقین تھا آج بہت ساری چیزوں کا آخری دن ہے۔

ان کی نوکری کا' عزت کا۔

فرقان کے اعتبار کا' اعتماد کا۔

* * *

آج صبح نو بجے کی فلائٹ سے وہ کراچی پہنچی تھی۔ اور دوپہر تین بجے شہام کے آفس میں موجود تھی۔ پاپا کا بزنس پارٹنر ہونے کے باوجود ان کے آفسز کراچی میں دو مختلف جگہوں پر اسٹیبلش کیے گئے تھے۔

"کیسے آئیں آپ۔"

"ڈرائیور چھوڑ کے گیا ہے۔" وہ بڑے اطمینان اور فرصت سے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

بے انتہا نکھری نکھری صبح کی طرح تروتازہ اسے دیکھتے ہی تازگی کا احساس ہو اٹھا۔

شہام فرصت سے اسے دیکھے گیا۔ وہ یہاں بیٹھی بھی اسی لیے تھی۔ اس کے ہر انداز سے خلوص کا استحقاق پکار رہا تھا۔

"میں اس لیے نہیں آئی ہوں کہ میں یہاں بیٹھوں اور آپ بس مجھے دیکھیں۔" اس کی نظروں کے ارتکاز سے چڑ کر وہ بول اٹھی۔ اور وہ ہنس پڑا۔

"اچھا تو پھر کس لیے آئی ہو۔"

"آپ کے ساتھ لنچ کرنے۔" شہام نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو کہاں چلو گی۔"

"آپ کے گھر۔"

شہام نے ٹھٹک کر تعجب سے اسے دیکھا۔

اس کے گھر جانے کا کیوں کہہ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پایا۔

"او کے ایز یو وش۔" اس نے کندھے اچکا کے آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

* * *

نیلم پیرزادہ کے روز و شب معمول کی سرگرمیوں کی طرف لوٹ آئے تھے۔ ہاں ایک فرق ضرور پڑا تھا۔ انہوں نے رات دیر گئے تک گھر سے باہر رہنا چھوڑ دیا تھا وہ اب بھی رات کو گھر سے باہر ہوتی تھیں لیکن آدھی رات گزرنے سے پہلے لوٹ آتی تھیں۔

تیمور ان کی اسی روش سے نالاں و ناراض ہو کر امریکہ بھاگ گیا تھا۔ اور اب واپس آ کر بھی انہیں ان کی ڈگر پہ دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔

انہیں بدلنا یا ان کے ارادے سے باز رکھنا گھر کے کسی فرد کے بس میں نہ تھا۔

خود نیلم کے ساتھ ساتھ اگر تیمور بھی فرقان کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا تو کچھ عجیب نہ تھا وہ اسموکنگ کرتی تھیں۔

یہ بات بھی تیمور کے لیے از حد دکھ کا باعث بنی تھی۔ بلکہ پہلی بار انہیں لاؤنج میں بیٹھے سگریٹ پیتے اور اچھے خاصے لوفرانہ انداز میں ناک سے دھواں چھوڑتے دیکھ کے وہ دنگ رہ گیا تھا۔ اور شدید دکھ کی بات یہ تھی کہ وہ تیمور کو دیکھ کر نہ گھبرائیں نہ شرمندہ ہوئیں بلکہ اطمینان سے بیٹھیں فون پر اپنے بیوٹیشن سے اپنے حسن کو نکھارنے کے لیے ٹپس لیتی رہیں۔

تیمور کا دل چاہا ان سے پوچھے۔

"کس کے لیے کرتی ہیں اتنا اہتمام، کس کو دکھاتی ہیں، اتنی سج دھج، جو حق دار ہے وہ تو برسوں سے پیاسا ہے۔"

لیکن اس کی کبھی اتنی ہمت نہیں ہوئی برسوں پہلے اپنے باپ کی دوسری شادی کی خبر سننے پر اس نے اپنی ماں کا جو روپ دیکھا تھا وہ پوری آب و تاب کے ساتھ یادداشت پر قابض تھا۔

* * *

"وہ تہس نہس کر دوں گی میں، آگ لگا دوں گی۔ اس گھر کی ایک ایک چیز کو۔"

وہ دیوانوں کی طرح کمرے کی موجود ہر چیز کو فرش کی دھول چٹا رہی تھیں ایک دیوانگی کا عالم ان پر طاری تھا۔ سائیڈ ٹیبل پہ رکھے لیمپ سے لے کر نکارس اور کمرے کی دیواروں پر سجے شوپیس پینٹنگز تک زمین بوس ہو چکی تھیں قیمتی کرسٹل کے شوپیس تو سب ہی چکنا چور ہوئے، ساتھ میں ڈریسنگ کا شیشہ اور پرفیومز کی نازک شیشیاں بھی اپنی اوقات پر آ گئیں۔ کمرے کے فرش پر پڑا دبیز قالین جب بہت دیر تک چھناکے دباتا رہا تو انہوں نے ایک ایک کرکے ہر چیز دروازہ کھول کے باہر سیڑھیوں پر پھینکنا شروع کر دی تھی۔

جاہل گنوار عورتوں کی طرح وہ فرقان پیرزادہ اور اس کی نسلوں، پشتوں کو انتہائی سنگین گالیوں سے بلا تکان نواز رہی تھیں پورے گھر میں صرف نیلم کی گونجتی آواز تھی یا چیزیں گرنے اور ٹوٹنے کا شور۔

ملازم کونوں کھدروں میں دبکے پڑے تھے۔

بچے اپنی آیا کے پیچھے سے چھپے خوف و ہراس بھری آنکھوں سے اپنی ماں کا یہ روپ اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے دیکھ رہے تھے۔ اور دھیمے لب و لہجے میں بات کرنے والی ماں کی چنگھاڑتی آواز بے یقین سماعتوں سے سن رہے تھے۔ جب کمرے کی چیزوں کو برباد کر چکیں تو باقی گھر کی باری آئی اور گھر کے سامان میں شاید کوئی چیز ایسی بچی ہو جو ان کے عتاب سے محفوظ رہ سکی ہو۔

وہ ہانپ گئی تھیں۔ چیختے چیختے بے حال ہو چکی تھیں پھر وہ وقت آیا جب وہ چکرا کر بکھرے سامان پہ ہی ڈھیر ہو گئیں۔

* * *

وہ محبت پاش نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے۔" تیمور کی نظروں سے اس کا ارتکاز چھپا نہیں رہ سکا۔ وہ ہنس پڑی۔

"نہیں بھئی، خدا نہ کرے جو میں تمہیں نظر لگاؤں، ایک بات بتاؤ تیمور۔" اس نے اس کے مگ میں سے کافی کا گھونٹ بھرا۔

"مت پوچھو۔" تیمور اسے گھور کے پھر سے فائل پر جھک گیا۔

"تم نے یہاں آنے کا اتنا بڑا فیصلہ۔ اتنی اچانک کیسے کر لیا؟"

"اچانک نہیں کیا۔"

"تو پھر۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر سامنے رکھی فائل بند کرکے صوفے کی بیک سے ٹیک لگا لی۔ آج اسے نہال نے فون کرکے آفس سے جلدی گھر بلا لیا تھا۔

"بہت سالوں کی تنہائی تھی۔ اس فیصلے کے پیچھے، اکیلے پن کا غم، پرائے دیس اجنبی زبان بولنے والوں کے بیچ اپنوں کی دوری کا بہت درد سہا ہے میں نے ہر دن تنہا، ہر رات خوفزدہ اندھیری تاریک۔"

وہ بات کرتے کرتے کھو سا گیا تھا۔ نہال دکھ سے اس کا چہرہ تک رہی تھی۔

"آپا بچپن، مما اور ڈیڈی کی محبتیں، تمہارا ساتھ، سب کچھ چھوڑ کر بلکہ کھو کر گیا تھا میں وہاں۔ پھر کیسے جی پایا۔ جو چیزیں یہاں کھو گیا تھا۔ وہ مجھے تلاشتی تھیں اور انہیں تلاش کرنے کے لیے مجھے ایک نہ ایک دن یہاں آنا ہی تھا۔ یہاں میری جڑیں، میرا خاندان، میری پہچان ہے۔ اور وہاں ان سب کے بغیر، مما ڈیڈی اور تمہارے بغیر، بہت بکھرا بکھرا، ٹوٹا ٹوٹا ادھورا اور سوکھے پتے سے بھی ہلکا وجود تھا میرا۔"

گئے دنوں کی تلخی یاد کرکے اس کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ آنکھوں میں سرخی ابھرنے لگی۔

"آئی ہاؤ۔" نہال نے پیار سے اس کے بال بکھرائے۔

"اب تم آ گئے ہو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس کی آنکھوں میں، لہجے میں، آواز میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ اور تیمور کی مسکراتی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیں۔

"مجھے نہیں لگتا کہ سب کچھ ٹھیک ہونا اتنا آسان بھی نہیں۔" اسے دیکھتے ہوئے نہال کو ایک بار پھر نیلم کا خیال آیا تھا اور یہ بھی کہ آج اسے واپس آنا تھا اس نے اسی وقت اپنے موبائل پر اس کا نمبر ملایا۔ بیل گئی پھر سیل آف ہو گیا۔

* * *

کھانا بہت بے تکلف ماحول میں کھایا گیا۔

درحقیقت تو یہ سب کچھ اس کے لیے ایک خواب سے کم نہ تھا۔

کھانے کے ڈھیروں لوازمات، کانٹی نینٹل، اٹالین اور چائنیز، تھوڑی سی دیر میں ایک وسیع رینج تیار کر لی گئی۔ جس سے گھر کے خانساماں کی صلاحیتیں اور اپنی اہمیت دونوں ہی واضح ہو رہی تھیں۔

اور اس پہ میزبان کا اتنا اصرار۔

"میرا پیٹ فل ہو چکا ہے۔ اب میں مزید کچھ نہیں لوں گی شمشام پلیز۔"

اس نے آئس کریم باؤل بڑھاتے شمشام کو دیکھ کر عاجزی سے کہا۔

"کیوں نہیں کھاؤ۔ تمہیں بہت شوق ہو رہا تھا نا۔ گھر کے کھانے کا، اب کھاؤ۔"

"پلیز شمشام۔" وہ بے بسی سے ہنس پڑی۔

"تب بس۔"

"ٹیرس پر چلیں مجھے وہاں سے لان کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔" اس نے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے۔

"او کے۔ تم چلو میں بات کرکے آتا ہوں۔"

اس کے موبائل پر کال آ رہی تھی۔ لیلیٰ اسے بات کرتا چھوڑ کر ٹیرس پر جانے کے بجائے اس کے بیڈ روم میں آ گئی۔

اس نے یہ حرکت قطعی طور پر جان بوجھ کے کی تھی۔ اور اسے یہ قبول کرنے میں قطعی کوئی عار نہیں تھا کہ اسے شمشام کی قربت اچھی لگی تھی۔ وہ اس کے منہ سے اپنے لیے اظہار محبت سننے کو تیار بھی تھی اور بے چین بھی، مزید انتظار فضول بھی لگ رہا تھا اور مشکل بھی۔

"اور رومانٹک پرپوزل کے لیے ایسا ہی رومانٹک ماحول ہونا چاہیے۔"

اس نے شہنام کے بیڈ پر بیٹھ کر ملائم اور گداز بیڈ شیٹ پر ہاتھ پھیرا گویا اس کے جسم کی نرمی اور گرمی کو محسوس کیا۔

ادھ کھلے دروازے کے باہر' اس کے قدموں کی آہٹ ہوئی۔

اس نے کندھے پر لیا ہوا اسکارف اتار کے بیڈ پر ڈال دیا۔ اور تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی۔

موبائل کی بیل ہو رہی تھی' اس نے چمکتا اسکرین دیکھا۔ نیہاں کالنگ' چند لمحے سوچا' پھر سیل آف کر دیا۔

کمرے میں داخل ہوتا شہنام ٹھٹک گیا۔ اس کا خیال تھا لیلیٰ یہاں سے ٹیرس پر جا چکی ہو گی' لیکن وہ تو اس کے کمرے میں اس کے بستر پر بیٹھی میٹھی نظروں سے اسے تکتی ہوئی ۔۔۔ شہنام کو بے ساختہ گڑبڑ کا احساس ہوا۔ لیکن اس کے اعصاب اتنے کچے نہیں تھے۔

"لیلیٰ! ۔۔ واٹ ہیپنڈ۔"

وہ بے حد مضبوط' لیکن انجان لہجہ لیے اس کے سامنے تھا۔

"واٹ ہیپنڈ۔" اس نے معصومیت سے اس کا سوال دہرایا۔

وہ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ بے حد سنجیدہ' لیلیٰ کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ دونوں ہاتھ بڑھا کے اسے چھو لے۔

"کسی مرد کی شخصیت بھی اتنی سحر انگیز ہو سکتی ہے بھلا۔"

وہ حیرانی اور محبت سے اسے تکتے ہوئے سوچ کے کسی اور ہی جہاں میں جا نکلی۔

"لیلیٰ ۔۔۔ بی کم آن۔"

اس نے پینٹ کی سائیڈ پاکٹ سے ہاتھ نکال کر اسی سنجیدگی سے اس کی طرف بڑھا دیا۔

"چلو گھر چلیں۔ مجھے واپس آفس پہنچنا ہے دیر ہو رہی ہے۔"

لیلیٰ نے اس کا سفید مضبوط ہاتھ تھاما' اور ایک زوردار جھٹکا دے کر جھکانے کی کوشش کی۔ شہنام جانتا تھا وہ یہ حرکت کرے گی۔ اس کے انداز تیار بیٹھے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ لیلیٰ کھسیا کے ہنس پڑی۔

"بیٹھیں نا۔ ابھی چلیں گے۔ اتنے دن بعد آئی ہوں۔ تھوڑی باتیں نہیں کریں گے۔" اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن شہنام کی گرفت مضبوط تھی۔

"آج نہیں۔ اٹھو مجھے کام ہے کچھ۔ جانا ہے۔"

اب کی بار اس نے لیلیٰ کا ہاتھ کھینچا' وہ کسی نازک سی گڑیا کی طرح کھنچتی اس کے کندھے سے آن لگی۔ یہ بھی اس کا ایک انداز تھا۔ وہ براہ راست شہنام کی آنکھوں میں دیکھتی۔ اسے شدید ترین الجھن کا شکار کر رہی تھی۔

"کیوں' آج کیوں نہیں۔ میرا دل کر رہا ہے۔ آپ کے پاس بیٹھنے کا' باتیں کرنے کا۔" اس کی بے باکی شہنام کے لیے بالکل انوکھی تھی۔ کل تک جو لڑکی اس کے سامنے پلکیں نہیں اٹھاتی تھی آج اسے اتنی ۔۔۔۔

شہنام نے سختی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے سامنے کیا اور اس نے دیکھا۔ وہ اس کے آنے سے پہلے اپنے گریبان کے بٹن بھی کھول چکی تھی۔

"جو تم کر رہی ہو۔ اور جو تم کرنا چاہ رہی ہو۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہے لیلیٰ۔" اس کے خشک اور سخت لہجے کے برعکس لیلیٰ کے انداز ہی اور تھے۔

"کیوں ٹھیک نہیں ہے۔ کیا میں اچھی نہیں لگ رہی۔"

اس کے لہجے میں کیا تھا۔ پیار' مان' محبت' لاڈ ۔۔۔ شہنام کے اندر غصے کی ایک تیز لہر آئی' بے ساختہ' بے اختیار۔

"تم اچھی لگنے کا یہ مطلب نہیں' جو تم سوچ رہی ہو۔ فولش گرل! بند کرو یہ بٹن اور فوراً" سے پیشتر نیچے آؤ۔ میں گاڑی میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔"

وہ دھڑ دھڑ کرتا سیڑھیاں اتر گیا۔ لیلیٰ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کے بعد کی کہانی بڑی مختصر تھی۔

نیلم نے فرقان کے سارے بزنس پر سے ہاتھ اٹھا لیا۔

وہ اکیلے ہی سارا بزنس دیکھنے لگے۔ وہ چاہتیں تو بزنس میں سے اپنے شیئرز الگ کر کے بیچ سکتی تھیں۔ فرقان کے بزنس کو یقیناً" کافی نقصان پہنچتا۔ لیکن یہ دھچکا ان کے خیال میں وقتی ہوتا۔ وہ انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتی تھیں۔ ایسی کہ جو کبھی پوری نہ ہو۔ ایسا نقصان' جس کا اس کی زندگی میں بھی ازالہ نہ ہو سکے۔ اور فرقان سے انتقام لینے کے چکر میں وہ خود اپنے ساتھ دشمنی کر بیٹھیں۔ اور سوسائٹی نے کچھ ہی دنوں کے بعد ایک نئی نیلم کو دیکھا۔

بولڈنس کے نام پر بے باکی کی انتہاؤں کو چھوتی ہوئی۔

نیم عریاں' ناکافی لباس۔

بے ہودگی سے پر۔ معنی خیز گفتگو۔ مکارانہ ادائیں۔ اور سخت قابل اعتراض حرکتیں۔

فرقان کو جب ان کے اندر آئی اس تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ دنگ رہ گئے۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یوں بھی ہو گا۔ انہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔

نیلم نے ایک بار بھی ان سے طلاق لینے کے بارے میں نہیں سوچا۔

خود فرقان مجبور تھے۔ وہ اپنے بزنس کا آدھے سے زیادہ حصہ بچوں اور ان کے نام کر چکے تھے انہیں آج بھی عزت و ساکھ سے زیادہ دولت سے پیار تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایک بدنام زمانہ عورت سے دوسری شادی نہ کرتے۔

نیلم کا خیال درست تھا۔

یہ انہیں ذہنی اذیت دینے کا ایک انوکھا لیکن کامیاب طریقہ تھا۔ لیکن اس طریقے نے انہیں خود کتنا نقصان پہنچایا۔ وہ اس حقیقت سے چشم پوشی دانستہ اختیار کر بیٹھی تھیں۔

ان کے دن رات' فرقان کے اسی دوست کے ساتھ بسر ہو رہے تھے۔ جن کی دست درازی سے خوفزدہ ہو کر وہ ایک دن فرقان کی رفاقت کی چھاؤں تلاش کرنے چلی تھیں۔

چند سال اور آگے سرکے تو ربابی کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو کے چل بسیں۔ انہوں نے شادی کے بعد کے جو سال فرقان کے ساتھ گزارے' انہیں خوشیاں دینے کی ہی کوشش کی۔ وہ فرقان کی احسان مند تھیں۔ ان کی موت کا فرقان کو صدمہ پہنچا۔ لیکن اس بار کوئی اپنا انہیں سہارا دینے کے لیے موجود نہیں تھا۔ اور جو سب سے زیادہ اپنی تھیں۔ وہ خود سب سے بڑھ کر غیر بن چکی تھیں۔

بچے سمجھ دار ہو چکے تھے۔ ماں باپ کے بیچ موجود سالوں کی چپقلش اور دوری کا احساس کرتے تھے۔

تیمور اور نیہاں کی عمروں میں دو سال کا فرق تھا۔ نیہاں میٹرک اور تیمور انٹر کے ایگزامز سے فارغ ہوئے تھے۔

نیلم کی بے باکیاں اور مزاج کی رنگینیاں عروج پر تھیں۔ وہ کہیں سے بھی جوان بچوں کی ماں نہیں لگتی تھیں۔ نیہاں لڑکی تھی۔ وہ ماں کی ڈگر کا اندازہ رکھتے ہوئے بھی اتنا محسوس نہیں کر پائی تھی۔ لیکن تیمور جیسے جیسے سمجھ دار ہوتا گیا۔ ماں کا کردار اس کی ذات کے لیے شرمندگی کا باعث بنتا گیا۔

اس نے ایسی پارٹیز اور فنکشنز میں شرکت کرنا بہت پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ جہاں مما کے پائے جانے کا امکان ہوتا۔

اسے ان کے لباس' ان کے بے ہودہ اسٹائل' باتوں کے بے باکانہ انداز سے وحشت ہوتی۔ اور اس وحشت نے اسے اتنا بے کل کیا کہ ایک دن وہ چپ چاپ اپنا گھر' اپنا وطن چھوڑ کے۔ ایک دوست کے ساتھ چھٹیاں گزارنے کا بہانہ کر کے امریکہ گیا۔ اور وہیں رہ گیا۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے نیہاں نوکروں کی فوج اور ایک دوسرے سے ناراض' ماں باپ کی چپقلش میں پسنے کے لیے اس بڑے سارے گھر میں اکیلی رہ گئی' بالکل اکیلی۔

* * *

موڑ کاٹتے ہوئے اس نے ایک ترچھی نظر اس پر ڈالی۔

شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ آنکھوں کے گوشوں سے آنسو چھلکنے کو بے تاب تھے۔ اس نے ایک سنسان سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ اور اس کی طرف قدرے ترچھا ہو کے بیٹھ گیا۔ اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف دیکھنا ہی کافی تھا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

"لیلیٰ!" شہنام نے اس کی کلائی تھامنی چاہی تھی۔ اس نے ایک دم ہاتھ جھٹک دیا۔ اس نے دو ایک لمحے سوچا' پھر دونوں ہاتھوں سے کلائیاں تھام کے چہرے سے ہٹایا۔

سرخ آنکھیں' جڑی ہوئی پلکیں' کپکپاتے ہونٹ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔

"تم بہت انوسینٹ ہو لیلیٰ۔"

"آئی۔ ایم نٹ اے بے بی۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کیا۔

"تم بہت انوسینٹ ہو۔ یہ بھی نہیں پتا تمہیں۔ بے بی صرف بچی کو نہیں' پیار سے اپنی فرینڈ کو بھی کہا جاتا ہے۔" وہ جھک کر سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"بٹ یو آر ناٹ مائی گرل فرینڈ' او کے۔" اس نے گرل فرینڈ پر زور دیا اور ہاتھ چھوڑ دیے۔ لیلیٰ نے فوراً کلائی پر ہاتھ پھیر کے اس کے لمس کو محسوس کیا شہنام نے بغور اس کی حرکت ملاحظہ کی۔

"دیکھو لیلیٰ! میں جانتا ہوں تم مجھے پسند کرتی ہو۔ لیکن جو امیدیں تم مجھ سے لگا بیٹھی ہو۔ میں انہیں پورا نہیں کر سکتا سوری۔"

اب کے اس کا لہجہ قطعی سنجیدہ تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ میری کس بات سے تمہیں لگا کہ میں تمہیں اس طرح پسند کرنے لگا ہوں۔ آئی ڈونٹ نو یہ اس طرح پیار سے بات کرنا۔ میرا اسٹائل ہے۔ شاید تم نے سمجھنے میں غلطی کر دی۔"

وہ اب بہت احتیاط اور دھیان سے اپنا معاملہ کلیئر کر رہا تھا۔ یوں کہ لیلیٰ کو شروع سے آخر تک اپنا آپ غلط اور قصور وار نظر آئے۔ کم از کم اپنے اوپر وہ کوئی آنچ لینے کو تیار نہ تھا۔ اور لیلیٰ آنکھوں میں جس طرح بے یقینی اور حیرانی سمیٹے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس سے چشم پوشی کرنا ہی بہترین حکمت عملی تھی۔

"میں نے تمہیں۔ آئی لو یو نہیں کہا۔ ہاں تم خوبصورت ہو۔ جوان ہو۔ کسی بھی مرد کا دل دھڑکا سکتی ہو۔ دھیان اپنی طرف لگا سکتی ہو۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا اور میں نے کھل کے اپنی فیلنگز کا اظہار کر دیا۔ لیکن میں نے کیا غلط کیا۔ اگر تم سے یہ کہا کہ تم اکیلے میں مجھ سے مت ملا کرو۔ بتاؤ۔ ایم آئی رانگ۔" لیلیٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

یہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس انداز میں تو اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا۔

"ٹھیک ہی تو کہا تھا میں نے ایک جوان' خوبصورت نو عمر لڑکی اکیلے میں میرے گھر مجھ سے ملنے چلی آئے تو ... اور میرا ایمان ڈول جائے۔ میں کچھ کر بیٹھوں تو قصور کس کا ہے۔"

"لیکن ... لیکن آپ نے مجھے بلایا تھا۔"

"ہاں بلایا تھا۔ میں نے ہی بلایا تھا۔ لیکن میں نے گھر آنے کا تو نہیں کہا تھا نا۔ اور تم اکیلی کیوں آئیں کسی فرینڈ کو ساتھ لے کر آتیں۔ یا تم اپنی مما کے ساتھ ہی آ جاتیں۔ کم سے کم انہیں بتا ہی دیتیں۔ اب تم خود بتاؤ۔ میں نے غلط تو نہیں کہا تھا نا۔ میں نے تو تمہیں اسی وقت وہاں بیٹھ کے بھی یہی بات کی تھی لیکن تم آج پھر چلی آئیں۔ میرے گھر۔"

لیلیٰ کو لگا' شرمندگی کے مارے وہ سر اٹھانے کے بھی قابل نہیں رہی۔

شہنام نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب رہا ہے۔ گھر آ چکا تھا۔ شہنام گاڑی روک کے اس کے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔

لیلیٰ نے کچھ کہے بغیر فرنٹ ڈور کھولا۔ اور پھر ٹھہر گئی۔ شہنام نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ڈونٹ مائنڈ بے بی۔ تم آج کے واقعے کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ اپنی فرینڈ نیناں سے بھی نہیں۔ او کے۔" اس نے مڑ کر ایک الوداعی نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"او کے۔"

"گڈ۔ ٹیک کیئر۔" وہ ایک بار پھر اپنے مخصوص انداز میں اس کا گال چھو کے بولا۔

لیلیٰ اتر کے اندر جا رہی تھی۔ اور وہ انگلی کی پوروں پر اس کی شفاف جلد کی نرمی کو سراہ رہا تھا۔ بیڈ روم میں آ کے اس نے موبائل آن کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اور بے آواز آنسو بہاتے ہوئے۔ بستر پر گر سی گئی تھی۔

* * *

"بس جس دن آئی تھی۔ اسی دن رات سے اسی طرح پڑی ہے۔ تین دن گزر گئے ہیں حاجم تو اب کہہ رہے تھے کل ایڈمٹ کروانا پڑے گا۔"

بیگم ناعمہ' عاصم' اس کے سرہانے بیٹھی ہلکے ہلکے اس کا سر دبا رہی تھیں۔ نیناں اس کے پیروں کے پاس بیٹھی۔ فکر مند نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھی بھلی تو تھی اس دن دوپہر تک ہم سے کوئی بات تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں آنٹی میں تو آج پہلی بار..." وہ کہتے کہتے رک سی گئی۔

"مجھ سے بھلا کیا بات ہو گی۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"بس شام میں تمہارے گھر سے آ کے جو یہ کمرے میں بند ہوئی ہے تو' صبح دروازہ کھلا اور اس کا یہ حال ہے۔ علیان کئی بار فون کر چکا ہے۔ وہ بھی پریشان ہو گیا اور ناعمہ بھی آئی تھی دیکھنے کے لیے۔"

بیگم جہاں نے علیان کی بڑی بہن کا نام لیا۔ وہ شادی کے بعد کراچی شفٹ ہو گئی تھی۔ اس کے شوہر کی جاب تھی کراچی میں۔

"تم بیٹھو اس کے پاس' میں ذرا کھانے کا دیکھوں۔"

بیگم ناعمہ کے کمرے سے جاتے ہی نیناں نے دروازہ لاک کر دیا۔ اور لیلیٰ کو دیکھا جو شدید نقاہت کے باوجود اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لیٹی رہو نا۔ کیا ضرورت ہے۔"

اس نے سہارا دیتے ہوئے کہا۔ لیلیٰ نے اتنی دیر جانے کیسے ضبط کیا' وہ ایک دم اس کا ہاتھ تھام کے رو پڑی۔ نیناں چپ چاپ اسے روتا ہوا دیکھتی رہی۔

"اب روتی ہی رہو گی یا کچھ کہو گی بھی۔"

"مجھ سے "ایک غلط حرکت ہو گئی نیناں بہت ہی غلط حرکت۔"

وہ اور زیادہ رونے لگی۔ اور اس کے الفاظ۔ نیناں دھک سے رہ گئی۔

"کیا غلط ہو گیا۔ تم پرسوں میرے پاس تو نہیں آئی تھیں۔"

"ہاں میں ... میں تمہارے پاس جانے کا کہہ کر شہنام سے ملنے چلی گئی تھی۔"

"شہنام ... وہ تمہارے پاپا کے ..."

نیناں سے بات مکمل نہیں کی گئی۔ ایک لمحے میں اس کے قیاس کے تیر میلوں کا فاصلہ طے کر گئے۔

لیلیٰ کی حالت' اس کے آنسو' اعتراف جرم کا سا بیان' نیناں کو لگا وہ کوئی بہت غلط بات بتانے والی ہے۔ شہنام کی شخصیت اور خوبصورتی کا بھرم ابھی اس کی سامنے پاش پاش ہونے والا ہے۔

"میں ... میں ان سے ملنے ان کے آفس ..."

لیلیٰ آنسو پونچھ کر رندھے ہوئے گلے سے اسے سب بتاتی چلی گئی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ اور نیناں۔

اسے لگ رہا تھا جو بات جو سرپرائز اسے بتانے کے لیے وہ اس سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔ وہ شاید ساری عمر اسے نہیں بتا سکے گی۔

اسے کیا پتا تھا۔ اس کی اتنی قریبی دوست' اتنا بڑا راز دل میں چھپائے' چوری چوری کتنی آگے نکل چکی

http://www.paksociety.com

تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔

وہ اور لیلیٰ ایک ہی شخص کی ہمراہی کی متمنی تھیں۔ ایک ہی منزل کی چاہ میں ایک ہی راستے کی مسافر۔ فرق اتنا تھا کہ منزل اس کے حصے میں آئی تھی۔ اور لیلیٰ بے نیل و مرام رہ گئی تھی۔

لیلیٰ اپنی بات مکمل کر کے رو رہی تھی۔ اور نیہاں کے پاس اس کی تسلی کے لیے ایک حرف بھی نہیں تھا اس نے یہاں آنے سے پہلے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا کہ لیلیٰ اس سے کیا بات کرنے والی ہے۔ اپنی عزت نفس کی پامالی کا قصہ سنانے والی ہے۔ وہ بھی اس شخص کے ہاتھوں جو اس کے دل کی سب سے اونچی مسند پر براجمان تھا۔

"انہوں نے" انہوں نے پہلے بھی مجھے وارن کیا تھا پر میں سمجھی ہی نہیں۔"

کچی عمر کے کچے خواب دیکھنے والی نادان لڑکی۔ ایک گھاگ شکاری کے دام سے اگر بچ نکلی تھی تو سو فیصد اس کی اپنی مرضی سے۔ لیکن اس مرضی کے پیچھے اصل حقیقت کیا تھا۔ سمجھنے کے لیے اسے بہت عمر چاہیے تھی۔ اور آگہی کا تلخ شعور۔

نیہاں کے دل میں شہنام کے لیے موجود عزت میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

* * *

"مام!" وہ بے حد نک سک سے تیار، سرمئی شام میں سرمستی کے رنگ بھرنے کسی اور کی شام رنگین بنانے کی نیت سے گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جب اپنے پیچھے تیمور کی آواز سن کر ٹھٹک گئیں۔

"کہیں جا رہی ہیں آپ۔" وہ پیچھے سے کہتا ہوا ان کے سامنے آیا۔

"ہاں بس یونہی۔ کچھ دوستوں سے ملنا، گپ شپ۔ یو نو آل دیٹ۔"

وہ مزید تفصیل میں جاتے ہوئے جھجک سی گئیں۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے کھڑا، جوانی کی سرحدوں میں قدم جماتا وہ مرد ان کی اپنی اولاد تھا۔ جس کا قد ان کے سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اور وہ کسی سایہ دار، چھتنار درخت کی طرح ان کے وجود کو ڈھانپے کھڑا تھا۔

"اگر آج میں آپ سے کہوں کہ یہ شام اپنے دوستوں کے بجائے آپ ہمارے ساتھ گزاریں تو۔"

اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور بات کرتے سمے۔ ان کے شانوں سے پیچھے کچھ دیکھ رہا تھا نیلم کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہیں۔ اس سے پہلے اتنے سالوں میں بھی کسی نے گھر میں ان کو نہ روکا تھا۔ نہ ہی اس طرح کی کوئی بات کی تھی۔ انہوں نے گردن گھما کے پیچھے دیکھا۔

نیہاں سیڑھیاں اتر کے لاؤنج میں قدم رکھ چکی تھی۔

انہوں نے ایک گہرا سانس لے کے تیمور کو دیکھا۔

"پلیز مام! پلیز جوائن اس۔"

وہ ایک ادا سے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ اس کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ نیلم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ چمکی۔ انہوں نے دایاں ہاتھ تیمور کے ہاتھ میں لے کر بائیں بازو کے گھیرے میں نیہاں کو سمیٹا۔

وہ اس التفات پر کھل سی گئی۔

ساحل سمندر پہ بنے فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں کھاتے پیتے انجوائے کرتے نیہاں اور تیمور دونوں نے ایک گہرا سکون اپنے اندر اترتے محسوس کیا۔

ان کی مما نے اپنی "میٹنگ" صرف ان دونوں کی خاطر کینسل کر دی تھی۔ یہ ان کے لیے حالات کی بہتری کی طرف ایک بہت بڑا قدم تھا۔

"ہماری مما جو سالوں پہلے ایک حادثے کا شکار ہو کر ہم سے دور کہیں انجانے راستوں پر کھو گئی تھیں۔ ایک دن ہمیں ضرور واپس مل جائیں گی۔"

محبت سے انہیں تکتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں مستقبل کی امید جھانک رہی تھی۔ بڑی لگن سے یقین سے۔

* * *

"آئی ایم سوری۔ میں جانتی ہوں۔ آپ نے مجھے مس کیا۔ لیکن میں پچھلے دنوں کچھ بزی تھی۔ اتنی کہ۔۔۔"

"آئی نو۔۔۔ ڈونٹ یو وری۔" شہنام شائستگی سے اس کی بات کاٹ کے مسکرایا۔

"مجھے آپ کی یہ عادت بہت پسند ہے۔ کسی چیز کو زیادہ ایکسپلین نہیں کرنا پڑتا۔ آپ جلدی سے سمجھ لیتے ہیں۔"

"جب آپ میری عمر کو پہنچو گی تو آپ بھی سمجھ جایا کرو گی۔"

"آپ کون سا اتنے ایجڈ ہو گئے ہیں۔"

"بٹ یو آر جسٹ لائیک آ بے بی۔"

شہنام نے دھیرے سے اس کا رخسار چھوا۔ وہ ٹھنڈی سی پڑ گئی۔ اس کی یہ بے اختیاری حرکتیں اسے ہراساں کر دیتی تھیں۔

اب اس کا نرم گداز ہاتھ شہنام کے ہاتھ میں تھا۔ جسے وہ کبھی کبھی اسٹیئرنگ چھوڑ کے ہولے سے سہلاتا۔ نیہاں کی پلکیں جھک گئیں۔

شہنام نے ایک معنی خیز نظر ڈالی۔

"بے بی۔ جسٹ ریلیکس۔" وہ اس کے ہاتھ پر ہلکا سا دباؤ ڈال کے ہنس دیا۔ اس کے چھوڑتے ہی نیہاں نے جلدی سے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ میں دبا لیا۔

"کچھ کھاؤ گی یا ڈائریکٹ گھر۔"

"کچھ بھی نہیں۔ مجھے جلدی گھر جانا ہے۔ پلیز۔"

شہنام نے گاڑی ایک کولڈ کارنر کے سامنے روکی۔

"آئس کریم چلے گی۔"

"شیور!" وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

وہ جانتی تھی کہ اب وہ اسے بنا کچھ کھائے پیے یونہی تو جانے نہیں دے گا۔ نیہاں دور تک اس کی پشت کو تکتی لیلیٰ کی باتوں اور اس کی شخصیت کو سوچتی رہی۔ اسے اکثر لیلیٰ کی جلد بازی اور نادانی پر افسوس سا ہوتا تھا۔

اس نے سر جھٹک کے شہنام کا سیل فون اٹھا لیا۔

"امپریسو۔" اس کے ہونٹ تعریفی انداز میں سکڑ گئے۔

وہ بہت انہماک سے فون کے فنکشنز چیک کر رہی تھی۔

"زبردست شہنام سے کہوں گی۔ مجھے بھی ایسا سیل چاہیے۔ لیکن ابھی نہیں شادی کے بعد اور اگر ابھی کہہ دوں تو شاید ابھی یہ سیٹ میرا ہو جائے۔"

بے حد رشک بھرے انداز میں اس نے سوچا۔ خود اس کے پاس بہترین موبائل فون سیٹ تھا لیکن شہنام کے سیل کے آگے وہ اسے ایک دم بے کار، ہلکا پھلکا سا لگنے لگا تھا۔

بے حد لگاوٹ بھرے انداز میں اسے الٹ پلٹ کر کے اس نے کیمرہ آن کیا اور اپنی ایک تصویر لی۔ پھر اپنی اس حرکت پر خود ہی ہنس دی۔

اس کے دھیان میں دور دور تک بھی یہ بات نہیں تھی کہ جس فون کو بہت شوق اور عقیدت سے دیکھ رہی ہے۔ وہ چند ہی لمحوں میں اس کی خوشیوں کا قاتل ثابت ہو گا۔

بے حد مدھر سی رنگ ٹون تھی۔ جو گاڑی کی خاموش خنک فضا میں گونجی تھی۔ اس نے ایک لمحے سوچا پھر فون کی اسکرین دیکھی۔

"میں کون سا ریسیو کروں گی۔" سوچتے ہوئے اسے علم نہ تھا کہ کال کس کی ہے۔

اسکرین پر نظر ڈالتے ہی وہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔

"نیلم ڈارلنگ۔" کے ساتھ ہی چمکتی اس کی مما کی تازہ ترین تصویر تھی۔

ہنستا مسکراتا چمکتا چہرہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

وہی مختصر بلاؤز گہرا گلا عریاں شانے۔

رنگ ٹون بند نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون ڈیش بورڈ پر رکھنے کی کوشش کی۔ کچھ اس [illegible] کپکپاہٹ اور کچھ اس کی وائبریشن، وہ [illegible] کچھ دیر پہلے جو سیٹ اس کے لیے

تھی تھا اب کسی زہریلے بچھو کی مانند اسے ڈسنے کو تیار کھڑا تھا۔ وہ دونوں سیٹوں کے بیچ پڑے سیل کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ماما نے اسے وہاں بیٹھا دیکھ لیا ہے۔ اور وہ فون سے باہر آ کر زندگی بھر کے لیے اسے ناقابل تلافی ذلت سے دوچار کرنے والی ہیں۔

اور ذلت تو تھی۔ اور تھی بھی ناقابل تلافی۔

اچانک رنگ ٹون بند ہو گئی۔ شاید ادھر سے مایوس ہو کر فون بند کر دیا گیا تھا۔

گاڑی میں ایسی موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ گویا زندگی یہاں کبھی تھی ہی نہیں۔ اس نے سیل اٹھانے کی غلطی نہیں کی۔ بس ہاتھوں سے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کر کے سیدھی بیٹھ گئی۔

شہنام آئس کریم لے کر آ ہی رہا تھا۔ جب پیچھے سے کسی نے اسے آواز دی۔ وہ آتے آتے واپس پلٹ گیا۔

نہال نے اسے دیکھتے ہوئے، اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھرتے ہوئے محسوس کیا۔ سیل فون پر دوبارہ سے کسی کا فون آ رہا تھا۔ شہنام کہاں رہ گئے تھے۔ پھر ماما کا نام

”نیلم ڈارلنگ۔“ ان کی وہ بے ہودہ پکچر۔

”اف!“ شدت بے بسی اسے رونا آ گیا۔

اس نے بمشکل تمام فون اٹھا کر لائن ڈس کنکٹ کر دی۔

لیکن اس بار وہ پہلے کی طرح فون ڈیش بورڈ پر نہیں ڈال سکی۔

اس نے فون آن کر کے کانٹیکٹ لسٹ چیک کی۔ پھر مسیجز، اس کے بعد ویڈیو کلپس پکچرز آ گئی کے در ایک کے بعد ایک بڑی بے دردی سے وا ہوتے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

”کیا بات ہے جان۔“ لیلیٰ نے اس کے ماتھے پر بکھرے بال سمیٹے۔

اس نے سرخ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

”مجھے نہیں بتاؤ گی۔“ وہ دوستوں والے مان کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

نہال کو ایک بار پھر ٹوٹ کے رونا آیا۔

”تمہیں تو ساری زندگی نہیں بتا سکتی۔“

”کیا بتاؤں میں تم کو۔ اپنے ماں کی کردار کشی کروں خود سے۔ تمہیں بتاؤں جس مرد کو اپنا آئیڈیل سمجھ کر جیون ساتھی بنانا چاہتی تھی۔ اس کے میری ہی ماں کے ساتھ... ناجائز...“ نہال کو لگا کسی نے اس کے پیٹ میں زوردار لات رسید کی تھی۔ اب رہ رہ کر درد اٹھتا ہے۔

”کس کس کا سامنا، کس کس انداز میں کروں میں، کیا کروں کہاں جاؤں۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

لیلیٰ ہکابکا رہ گئی۔ تیمور پائنتی کے پاس بیٹھا تھا۔ اٹھ کے ایک دم نزدیک آ گیا۔ فرقان پیرزادہ گھر پہ نہیں تھے اور نیلم اس وقت محو استراحت تھیں اس نے آنسو بھری آنکھوں سے تیمور کو دیکھا۔

”کیا میں اسے بھی بتا سکوں گی۔ کیا میں ایسا لیلیٰ کو بتا سکتی ہوں۔ جو اپنی ایک ذرا سی لغزش سے گھبرا کر مجھے رازداں بنانے چلی آئی تھی۔

کیا میں اب شہنام کا سامنا کر سکتی ہوں۔

اور... اور شہنام میں نے آپ کو کیا سمجھا۔ اور آپ... کیا نکلے۔“

اس کا سانس گھٹنے لگا۔ سینے میں درد۔ آنسوؤں میں روانی۔

تیمور اور لیلیٰ بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

”کون ہے جو سمجھے میرا درد۔ کس کو بتاؤں، کتنا نقصان ہو گیا میرا۔ یا اللہ اور اگر اس وقت شہنام آ جاتے۔ مجھے دیکھ لیتے۔ میری حالت دیکھ کے سمجھ جاتے تو اف! کتنی بے شرمی۔ ذلت، خواری۔

کیا میں۔ شہنام کو بتا سکتی ہوں کہ یہ نیم عریاں لباس میں ڈارلنگ کے نام سے چمکنے والی تصویر میری ماں کی ہے۔

کیا میں، میں پوچھ سکتی ہوں ان سے، تمہیں کس نے حق دیا۔ کہ تم ان کو ڈارلنگ کہو۔ انہیں چھوؤ۔ ان کی تصویریں کھینچو۔ اور موویز بنا کے اپنے سیل فون میں اس لیے سیو کرو تاکہ ”بوقت ضرورت“ نفس کی تسکین کر سکو۔

کیسے پوچھوں میں۔ جب مجھے معلوم ہے وہ جواب میں میری ماں کا ہی نام لے گا۔ اور کیا؟

دل کو جیسے کوئی تانکا تانکا ادھیڑ رہا تھا۔ دھاگہ دھاگہ کھینچ رہا تھا۔

شاید آج سے پہلے اس نے کبھی اس بات کو اتنی گہری نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ جس نظر سے چھ سال پہلے تیمور جناب کے یہاں سے چلا گیا تھا۔

اسے ایک دم محسوس ہوا اس نے تیمور کو واپس بلا کے بھی تو کتنی بڑی غلطی کر دی ہے۔

”اور، اور جب شہنام کو پتا چلے گا کہ میں، کس کی بیٹی ہوں تو... تو شہنام پہ کیا گزرے گی۔ تیمور کیا سوچے گا۔

ممی کیسا فیل کریں گی۔ اور ڈیڈی تو پہلے ہی دل کے مریض ہیں۔“

اس کے دل میں رہ رہ کے تڑپ اٹھتی۔

وہ اٹھی۔ لیلیٰ کو سنبھل کے دیکھا۔

”لیلیٰ پلیز۔ میری حالت بالکل بھی ایسی نہیں کہ میں تمہاری کسی بھی بات کا جواب دے سکوں میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کچھ نہیں۔ اور پلیز۔“

وہ تیمور کی طرف مڑی۔

”آپ دونوں چاہتے ہیں ناکہ میں ٹھیک ہو جاؤں پہلے کی طرح تو پلیز، پلیز۔“ لہجہ بھر آ گیا۔ آنکھیں امڈ آئیں۔ اور آواز حلق میں گھٹ گئی۔

”تیمور الون، پلیز۔“ تیمور اور لیلیٰ نے صرف لبوں کی جنبش سے اس کی بات سمجھی۔ اس نے سرخ چہرا رگڑا۔

”پلیز میں تم لوگوں سے ضرور بات کروں گی مگر ابھی نہیں۔“

وہ ان دونوں میں سے کسی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں اتنی التجا، لجاجت اور عاجزی تھی۔ کہ دونوں کو اس کی بات ماننی ہی پڑی۔

تیمور اور لیلیٰ دونوں نے ہی کمرہ چھوڑتے ہوئے سخت بے بسی محسوس کی۔

☼ ☼ ☼

اسے آئس کریم لانے میں کچھ دیر ہو گئی تھی۔ پھر ایک دوست مل گیا تھا۔

لیکن یہ دیر کی کوفت نہال کے ساتھ سے حاصل ہونے والی خوشی سے بہت کم تھی۔ وہ بڑے مگن سے انداز میں اندر بیٹھا تھا۔ پھر ایک دم ٹھٹک گیا۔

نہال وہاں نہیں تھی۔ بلکہ کہیں بھی نہیں تھی۔ ہاں اس کا سیل فون سیٹ پر پڑا تھا۔ اس نے اٹھا کے ناسمجھی کے سے انداز میں دیکھا۔

وہ ایک عام سی ویڈیو تھی جس میں نیلم پیرزادہ اپنے مخصوص انداز میں اس کی شرارتوں سے محظوظ ہوتی اسے مووی بنانے سے منع کر رہی تھیں۔

وہ ہاتھ سے بار بار ان کی ساڑھی کا پلو گراتا۔ اور وہ مصنوعی غصے سے گھورتیں۔ سر جھٹک کر واپس ڈال لیتیں۔

دل کو جیسے ایک دم ہی کوئی خیال چھو کے گزرا۔ ویڈیو ایک دم ہی سے خاص ہو گئی۔ اسے نہال کی غیر موجودگی کا سبب اب سمجھ میں آیا تھا۔

اسے لگا جیسے نہال ناراض ہو کر یہاں سے چلی گئی ہے اور اس کی ناراضی کی وجہ یہ مووی ہے۔ لیکن اصل وجہ کیا تھی اس کے فرشتوں کو بھی ابھی تک علم نہ تھا۔

اس کے تو گمان میں دور دور تک یہ بات نہیں تھی کہ نہال صرف ناراض ہو کر نہیں۔ بلکہ ماضی اور مستقبل میں جڑنے والا ہر تعلق توڑ کے گئی ہے۔

”وحشت یار۔“ اس نے بہت بے زاری اور نفرت سے اپنا موبائل ڈیش بورڈ پر پھینک دیا۔ اور اپنے من پسند فلیور آئس کریم کے کپ اٹھا کے باہر۔

جہاں سڑک کنارے پڑی خوش رنگ خوش ذائقہ آئس کریم اپنی بے قدری پر پگھل پگھل کے بہہ رہی تھی۔

* * *

سوچ سوچ کے دماغ کی رگیں پھٹنے والی تھیں۔ رو رو کے آنکھیں شدید جلن اور سوزش کا شکار ہو گئی تھیں۔

سر بھاری، چہرہ متورم۔

موبائل کی بیپ ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل اسکرین دیکھا لیلیٰ کا نمبر تھا اس نے لائن کاٹ کے "ٹھیک ہوں" کا میسج سینڈ کر دیا۔

یہ لیلیٰ کی ہدایت تھی جو وہ تین دن پہلے اسے بہت سختی سے کر کے گئی تھی کہ اپنا سیل کسی صورت آف نہیں کرنا۔ کم سے کم اپنی خیریت کی اطلاع ایک میسج سے ہی دے دینا اگر بات نہ کرنا چاہو تو۔

ان تین دنوں میں اس کے پاس کئی بار شہنام کی کال آئی کئی طرح کے وضاحتی معذرتی پیغامات، صبح سے ابھی تک سلسلہ جاری تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کس طرح اسے جتائے کہ اس کی زندگی میں آنے والا وہ شخص شہنام تو ہرگز نہیں ہو سکتا کبھی نہیں۔ بے حد سست قدموں سے اس نے واش روم کا رخ کیا تھا۔

نہا کے بوجھل طبیعت ذرا سنبھلی تو آنسو پھر سے بے قابو ہونے لگے۔ پچھلے تین دن میں وہ اتنے آنسو بہا چکی تھی کہ اب ہلکی سی نمی بھی آنکھوں میں مرچیں بھر دیتی تھی۔ اس نے بڑی دقت سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ یوں رو رو کے تو بس وقت اور انرجی ہی ضائع ہوتی تھی۔ جلد ہی فیصلہ کر لینا چاہیے۔

سیل ایک بار پھر بج رہا تھا۔ اس نے کوفت سے دیکھا۔ یقیناً "یہ شہنام کی کال تھی۔ اس کا ریسیو کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ بپ بند ہوئی تو وہ اٹھ کے پاس آئی۔

"او علیان۔" خالی دل میں خوشی کی ایک بے نام سی رمق سی جاگی۔ بہت سارے رشتوں کے بیچ ایک برائے نام دوست۔ وہ کتنی دیر سیل ہاتھ میں پکڑے اس کا نام اور نمبر دل ہی دل میں دہراتی رہی۔ خالی پن سے سوچتی رہی اسے پہلے علیان کا خیال کیوں نہیں آیا۔ کیا مجھے اسے فون کرنا چاہیے۔ جب کہ اب سے بہت پہلے میں اسے مایوس کر چکی ہوں۔ اس کی امیدوں کو توڑ کر اس کی خواہشوں کے آگے اپنے انکار کا بند باندھ کر۔

موبائل اسکرین پر پھر سے علیان کا نام جگمگا رہا تھا۔

"آئی ایم ان کراچی کین یو میٹ می۔ پلیز۔ آئی وانا میٹ ٹو یو۔"

میسج لکھتے ہوئے اس نے پھر آنکھوں کو بھیگتا محسوس کیا۔

* * *

"واٹ ہیپنڈ نہال کیا ہو گیا ہے، تمہیں یہ کیا حال بنایا ہوا ہے؟"

علیان اسے دیکھ کے پریشان ہو گیا۔ حالانکہ گھر سے نکلتے وہ اپنے تئیں کافی اہتمام کر کے نکلی تھی۔ میچنگ جیولری، ہینڈ بیگ، گلوری لپ اسٹک، یہاں تک کہ رسٹ واچ بھی میچنگ کی تھی۔ لیکن وہ اپنے ستے ہوئے چہرے پہ وہ تازگی اور آنکھوں میں وہ چمک لانے سے قاصر تھی۔ جو اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔ اور جسے شہنام جیسے بندے نے محسوس کر کے نہال کو اپنا بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ اسے لگا اسے اس وقت علیان جیسے ہی کسی اپنے کی ضرورت تھی۔

جس سے بظاہر کوئی رشتہ نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اپنا پن تھا اس کے انداز میں، اس کی آنکھوں میں اس کی باتوں میں۔

اور ایسا شاید اس لیے تھا کیونکہ وہ نہال کو اپنا جیون ساتھی بنانے کی خواہش رکھتا تھا اور برملا اس کا اظہار بھی کر چکا تھا۔

وہ ضبط نہیں کر پائی باوجود کوشش کے بھی آنسو چھلکنے سے رک نہ سکے۔

"سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔ نہال کیا سوچیں گے۔" اس نے تیزی سے آنسو صاف کیے۔ علیان پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسی کیا بات ہو سکتی ہے جو اسے صرف مجھ سے شیئر کرنی ہے۔"

نہال اسے بتا چکی تھی کہ وہ کچھ شیئر کرنا چاہتی ہے۔ اور وہ یہ بات صرف اسی کو بتا سکتی ہے اور کسی کو نہیں۔

"مجھے کچھ دن پہلے کسی نے پرپوز کیا تھا تم انہیں جانتے ہو۔ شہنام حسن اعوان، عاصم انکل کے بزنس پارٹنر ہیں۔"

"اوہ۔" علیان کے دل میں کہیں اوس سی گرنے لگی۔ لیکن اس کے ارتکاز میں فرق نہیں آیا۔ نہال کے انداز بتا رہے تھے کہ بات صرف اتنی نہیں ہے۔

"اور میں نے انہیں پرپوزل کا پوزیٹو رسپانس بھی دے دیا تھا۔"

علیان نے ایک گہری سانس لے کر اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھا۔

نہال کے نرم ہاتھوں کی گرمائش ان ہتھیلیوں میں جذب کرنے کی خواہش بھی بڑی شدت سے سر اٹھاتی تھی اب بھی۔

"لیکن، لیکن پھر علیان۔ پتا ہے کیا ہوا۔"

علیان نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی چہرے پر زلزلے کے سے آثار تھے۔

وہ ایک ایک کر کے سارے واقعات، تیمور کی آمد، مما اور ڈیڈی کا رویہ ان کی سابقہ روش، شہنام کا ملنا اور پھر مما کا فون کرنا۔ اس کے سامنے کہتی چلی گئی۔

اسے لگ رہا تھا۔ سامنے کوئی دوسرا انسان نہیں، آئینہ رکھا ہے جو اس کے عکس کے سارے رنگ اپنے اندر جذب کر لے گا۔ کبھی رو پڑتی، کبھی گلا رندھ جاتا۔ کبھی آواز ختم ہو جاتی علیان اسے بازو سے پکڑ کے ریسٹورنٹ کے باہر کھڑی اپنی گاڑی میں لے گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔ ایک طرف شہنام ہیں فون کر کر کے مجھے عاجز کر دیا ہے انہوں نے۔ میں ان کو کیسے بتاؤں؟ میں کیا کروں۔ مما کو تو خبر ہی نہیں کہ ان کی وجہ سے ان کی بیٹی کیسی ذلت سے دوچار ہوئی۔ میں ان سے کوئی بات نہیں کر سکتی۔ میں لیلیٰ سے کیا کہوں۔ اس بے چاری کو تو سرے سے کوئی بات پتا ہی نہیں۔ علیان میں۔ میں۔" وہ بات ختم کرتے کرتے رو پڑی۔ علیان بھی چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

لیلیٰ کے ساتھ گزرنے والا واقعہ جو حادثے میں بدلتے بدلتے رہ گیا تھا۔ وہ علیان کو بتانے کی ہمت نہیں کر سکی۔ پتا نہیں وہ اپنی کزن کے بارے میں کیا سوچے ابھی اس کی مما کے بارے میں جو سوچ رہا ہو گا اسے ذلت کی پستیوں میں دھکیلنے کے لیے وہی کافی تھا۔

"تم نہیں جانتے میں نے کیسا فیل کیا اس وقت اس شخص کے ساتھ مما کے شولڈرز اور واف، اگر میں اسے پہلے بتا دیتی کہ میں نہال پیرزادہ ہوں تو وہ مجھے ان کی بیٹی سمجھ کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے؟ اور میں، میں ان کی ظاہری شخصیت اور چند چٹخارے دار باتوں سے اتنی متاثر ہو گئی کہ کسی کو بتائے بغیر ہی اتنی آگے چلی گئی۔ میں۔ کبھی وہ ذلت نہیں بھلا سکتی جو میں نے اس دن گاڑی میں محسوس کی۔ گاڑی سے اتر کر چلنا میرے لیے دشوار ہو گیا تھا قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جانے کس طرح میں گھر پہنچی مجھے خود یاد نہیں۔" اس کے تصور میں وہ منظر تازہ ہو گیا اس نے ہونٹوں کو دانتوں سے کچل کر اس اذیت کو جیسے برداشت کیا ایک بار پھر۔

علیان کو خود پر ضبط کرنا مشکل لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کے آنسو صاف کیے نہال نے ایک نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد اس کا حل نکل آئے گا۔ ڈونٹ وری میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تم، تم علیان۔" وہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام کے رو رہی تھی۔

وہ پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتا۔ اس کا سر تھپک رہا تھا۔

* * *

زندگی میں آنے والے آئندہ موڑ بہت تیزی سے یکے بعد دیگرے آتے چلے گئے۔ وہ جس مرحلے کو بہت مشکل اور بہت ذلت آمیز سمجھ رہی تھی۔ وہ دراصل اس کے لیے نہیں ان لوگوں کے لیے ذلت آمیز تھا جو سر سے پیر تک اس گندگی میں لتھڑے ہوئے تھے۔

علیان کے والدین نے اس کی خواہش پر بہت جلد نہال کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ ظاہر کر دیا فرقان پیرزادہ کو کوئی اعتراض نہ تھا۔

شہنام حسن اعوان کو بھیجے گئے انویٹیشن کارڈ ایک نہیں تین تھے۔ ایک نیلم پیرزادہ کی طرف سے وہ اپنے خاص دوستوں کو اس تقریب میں بلانا چاہتی تھیں۔ ایک نہال پیرزادہ کی طرف سے خاص طور پر اپنے بارے میں انہیں بتانے کا اس سے آسان اور سیدھا راستہ اس کی نظر میں اس انویٹیشن کارڈ کے سوا کوئی نہ تھا۔ جس میں اس کا نام سنہرے موٹے حروف میں جگمگا رہا تھا۔

سنہرے حروف میں چمکتا نام نہال پیرزادہ ان کے منہ زور جذبوں کو روندتے چلا گیا۔ وہیں اپنی ظاہری شخصیت کی خوبصورتی کے پیچھے چھپا بھیانک کردار بھی بیان کر گیا تیسرا دعوت نامہ انہیں بیگم یاسمین عاصم اور لیلیٰ کے والد عاصم جہانگیر کی طرف سے موصول ہوا کیونکہ لیلیٰ اور تیمور اسی دن نکاح کے بیک وقت پکے اور مضبوط دھاگے میں بندھ گئے کہ یہ نہال کے ساتھ ساتھ خود تیمور کی بھی خواہش تھی اور لیلیٰ کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔

وہ دونوں بشمول 'فرقان اور نیلم پیرزادہ کے اس حقیقت اور آگہی کے کرب سے ناآشنا ہی رہے جو شناسائی دے کر زندگی بھر کے لیے نہ ختم ہونے والی شرمندگی اور ذلالت کی کالک ان کے منہ پر تھوپ جاتا۔ درحقیقت اس بات کا گمان تو خود نیلم نے بھی کبھی نہیں کیا ہوگا کہ ان کے کرتوت یہ گل کھلائیں گے کہ ہونے والے داماد سے ان کے کبھی ناجائز اور غیر شرعی تعلقات رہ چکے ہوں گے۔

ایک کڑا مرحلہ اور فیصلے کی گھڑی باقی تھی۔ جب شہنام حسن کا ان سب سے سامنا ہوتا نہال اور نیلم لیلیٰ اور نہال ایک ساتھ آتے سامنے کھڑی ہوتیں اور شہنام حسن سے ان کا سامنا ہوتا۔ نہال کی ہتھیلیاں سوچ سوچ کر ہی بھیگ جاتیں۔

لیکن اللہ کو اس کی کون سی نیکی بھائی تھی جو شہنام حسن اعوان اس تقریب میں شریک نہیں ہوئے۔ علیان کے لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ نہال نے بھی شکر ادا کیا اب تو بس وہ دعا کرتی رہتی کہ بات جو بھی تھی۔ قصہ پارینہ ہی بن جائے شہنام سے بڑھ کر محرما تک نہ پہنچے اور شہنام نے بہت معاملہ فہمی کا ثبوت دیا کہ اپنے اور نہال کے تعلق کو زبان زد عام کرنے کے بجائے دل ہی دل میں دبا لیا۔

"اللہ آپ کو اس نیکی کا اجر دے گا اگر آپ ایسا نہ کرتے تو میرا گھر اور زندگی دونوں ہی بکھر جاتے۔ اور شاید کوئی بھی فرد زندگی بھر ایک دوسرے سے نظر نہ ملا پاتا۔ آپ نے خاموشی اختیار کر کے دائمی ذلت اور شرمندگی سے بچا لیا۔"

کمرے میں حبس ہو رہا تھا اس نے اٹھ کر دریچے کے پردے سمیٹے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے بال بکھیر گیا۔

اس نے ایک سچا باکردار اور مخلص ساتھی ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا بلاشبہ وہ شہنام کی شخصیت کو بہت مضبوط خیال کرتی تھی اور اس کی معترف اب بھی تھی۔ لیکن مضبوط کردار کے بغیر مضبوط شخصیت کتنی بے وزن ہوتی ہے اس کا ادراک بہت اچھی طرح ہو گیا تھا۔

زندگی میں بہت سے مسائل ابھی بھی اپنی جگہ سر اٹھائے کھڑے تھے لیکن وہ پرسکون تھی کیونکہ وہ اکیلی نہیں تھی۔ بہت سے محبت بھرے رشتوں اور پرخلوص رفاقت کا ساتھ مل گیا تھا۔

* *

ام ثمامہ

کتھا رس

"ہو وے اس کا بھی بھلا جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔" کشکول ہاتھ میں تھامے پھٹی ہوئی چنری کو اپنے گرد پھیلا کر لپیٹے ہوئے صابو چلچلاتی دھوپ اور گرمی میں سگنل پر کھڑی صدا لگا رہی تھی۔

"اے بابو بچہ کل سے بھوکا ہے کوئی خیرات دے جا اللہ تیرے بچوں کا بھلا کرے گا۔" وہ جلدی سے ایک گاڑی والے کی طرف لپکی۔

"اگر میں تجھے خیرات دوں گا تو بدلے میں کیا دے گی۔" بابو نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے سوال کیا۔

"جا بابو سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔" صابو اپنے کشکول سمیت جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹی اور پھر آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتی ہوئی سگنل کے فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

صابو کا نام اماں نے اپنی پسندیدہ فلمی ہیروئن صبیحہ خانم پر رکھا تھا جو بگڑ کر صابو ہو گیا تھا وہ کچی بستیوں کے پار بنی جھگیوں میں رہتی تھی گداگری اس کا آبائی پیشہ تھا مگر جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اسے ابا اور اماں کا مانگ کر لانا اور اسے کھلانا ذرا نہ بھاتا تھا وہ ذرا بڑی ہوئی تو اماں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور اس کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گئی ان کی سات پشتوں میں کسی نے بھیک مانگنے کو عیب نہیں جانا تھا یہ تو ان کا کام تھا لاڈلی کہتی ہے۔

"بھیک نہیں مانگوں گی یہ برا کام ہے کوئی محنت والا کام کروں گی تم نے اس کا نام صبیحہ کیا رکھا یہ تو خود کو بڑی ہیروئن سمجھنے لگی۔" رات کو ابا آیا تو اماں نے صابو کی بات ان کے سامنے دہرا دی۔

"اماں مجھے پتا ہے کسی کے جیسا نام رکھ لینے سے ہمارے ہاتھوں میں اس جیسی لکیریں نہیں آجاتیں مگر مجھے یہ سب نہیں کرنا۔" اس نے دکھی دل سے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر کیا کرے گی تو۔" ابا نے مانگ کر لائی ہوئی روٹی مزے لے لے کر کھاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کپڑے سینے سکھا دو میں کپڑے سی لیا کروں گی۔" یہ مبہم سا جواب اس کے ذہن میں آیا سو کہہ دیا۔

"لو سن لو بات کس کے کپڑے سیا کرے گی تو ہم تو کپڑے مانگ کر پہنتے ہیں اور کوئی بیگم صاحب تو جھگیوں میں تجھ سے کپڑے سلوانے آنے کی نہیں۔" اماں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا وہ بنا بحث کیے جھگی سے باہر نکل آئی۔

http://paksociety.blogspot.com

باہر آسمان بادل کے چھوٹے بڑے ٹکڑے ان تک جا پہنچنے کی خواہش دل میں لیے اونچی اڑانیں بھرتے پنچھی درختوں کے پتوں کے کانوں میں سرگوشیاں کرتی ہوا اور ہوا کی شرارت سے زمین پر گرتے پھول سب کچھ ایک جیسا ہی تھا مگر قسمتوں کے پھیرے یہ سب ہر ایک کے لیے الگ الگ تھا اسے اب کوئی رستہ نہیں سوجھ رہا تھا وہ کہاں جائے کیا کرے یہاں تو چاروں طرف یہی کام تھا اور یہی لوگ تھے۔ اس کے انکار کے سبب کچھ مہینے تو سکون سے گزر گئے مگر ایک دن پھر ابا نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا۔

"صابو اب تو اپنی اماں کے ساتھ کام پر جایا کر تھوڑے دنوں میں تجھے رستے سمجھ آجائیں گے تو پھر اکیلی آنا جانا تیری عمر کی ساری چھوریاں کام پر جاتی ہیں۔" ابا نے غصے سے کہا۔

"ابا میں تمہاری ایک ہی اولاد ہوں تم لوگ مجھے گھر بٹھا کر نہیں کھلا سکتے۔" اس نے دبی دبی زبان میں احتجاج کیا۔

"ہماری برادری میں برا سمجھا جاتا ہے جوان جہان چھوری کو گھر میں بٹھا کر کھلائیں گے تو برادری میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔" صابو اپنی برادری کے انوکھے رواجوں پر رو سکتی تھی سو زور زور سے رونے لگی پھر تھوڑے دن بعد اسے پتا چلا کہ برادری کے ایک لڑکے سے اماں ابا نے اس کی بات طے کر دی ہے اس کا سسرال شہر سے دور ایک پوش علاقے کے پچھواڑے بنی ایسی ہی جھگیوں پر مشتمل تھا جس میں وہ ابھی رہتی تھی گھر بٹھا کر برادری میں اپنی ناک کٹوانے سے بہتر اماں ابا کو اس کو بیاہنا لگا انہیں پتا تھا کہ وہاں جا کر اس کے سارے کس بل نکل جائیں گے اور اس کا مرد خود اس سے کام کروائے گا پھر وہ اماں کی جھگی کی دہلیز پار کر کے ویسی ہی ایک اور جھگی میں بیاہ کر آگئی اندر کا منظر ویسا ہی تھا مگر صابو نے سوچا تھا کہ وہ اب گھر بیٹھ کر کھانا پکائے گی اپنے شوہر کا انتظار کرے گی بچے پالے گی مگر ایک دن میں ہی سارے خواب بھکاری کے خالی کشکول میں گرتے سکوں کی چھن چھن کی طرح ٹوٹ کے بکھر گئے۔

اس کا شوہر فیکا ان پیشہ ور بھکاریوں میں شامل تھا جو چھوٹے موٹے جرائم سے وابستہ ہوتے ہیں اور نشہ بھی کرتے ہیں وہ اسے کیا کما کر دیتا بلکہ جو کچھ خود کماتا وہ بھی نشے میں پورا کر دیتا اور پھر آئے دن تھانے کچہریوں کے چکر الگ لگاتا صابو نے ایک دو کوٹھیوں میں کام کرنے کا سوچا مگر جب صاحب لوگوں نے اس کے بارے میں معلوم کروایا تو اسے یہ کہہ کر جواب دے دیا کہ

"نا نا تم پیشہ ور بھکاری کہاں کام کر سکتے ہو اور پھر چوری چکاری کے معاملے میں بھی تم لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" صابو جب تک اکیلی تھی روکھی سوکھی کھا کر بھوکی رہ کر گزارہ کرتی رہی مگر جب وہ بیاہی ہوئی تو پالا تھا اسے برادری روایات اور فیکے کے آگے سر جھکانا پڑا اور پھر وہ چوک کے ایک سگنل پر آ کھڑی ہوئی رنگ روپ اس کا قدرتاً کافی صاف اور اچھا تھا اور جسم بھی شادی کے بعد کافی بھر گیا تھا ہر آتی جاتی ہوس زدہ نظر اسے اندر تک چیر کر رکھ دیتی تھی فیکا اس کے کام پر جانے سے بہت خوش تھا کیونکہ اب اسے اپنے نشے کی لت کو پورا کرنے کے لیے بھیک مانگنے کی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی تھی صابو جو تھی پھر دن گزرتے گئے اور منا اس دنیا میں آگیا اور صابو دن رات اس کی اچھے طریقے سے دیکھ بھال کرتی اس نے ٹھان لی تھی کہ وہ اسے ضرور ایک اچھا انسان بنائے گی۔

گرمیوں کی ایک طویل اور سنسان دوپہر تھی صابو اپنے کام سے واپس آرہی تھی ہر طرف ہو کا عالم تھا تارکول کی گرم سڑک کی تپش ٹوٹی چپلوں کے اندر تک محسوس ہو رہی تھی کوٹھیوں کے قریب صابو کی نظر اچانک اس پر پڑی وہ سر جھکائے سڑک کے کنارے کھڑا تھا صابو بے اختیار اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی منا اس کی گود میں ہی تھا اس نے وہیں بیٹھ کر منے کو روٹی کھلائی اور پیٹ کے بھر جانے کے بعد وہ اس کی گود میں سو گیا تو وہ جھگیوں کی طرف واپس لوٹ آئی اب یہ اس کا روز کا معمول بن گیا کام سے واپس آتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے اس کے پاس چلی جاتی دھیرے دھیرے اس نے اپنے دل کی ہر بات کہی اور وہ چپ چاپ سنتا صابو کو لگتا اس کے دل پر رکھا سارا بوجھ دھیرے دھیرے وہ اپنے کاندھوں پر اٹھاتا جا رہا ہو۔

منا بھی اس کے پاس جا کر خوش ہوتا ہاتھ پیر مارتا اور اس کی جانب ہمکتا وہ عمر میں صابو سے کافی بڑا تھا مگر اپنے اندر کے دکھ کسی کے پاس رکھنے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی منے کا بخار لوگوں کی چبھتی بولتی نظریں فیکے کا نشے میں چور ہو کر اسے "ذلیل کرنا" منے کو پڑھا لکھا کر ایک اچھا انسان بنانے کی سوچ غرض وہ ہر چھوٹی بڑی بات اسے بتاتی صابو کو لگتا دنیا میں اب وہ اکیلی نہیں ہے اس کے دکھ درد بانٹنے والا کوئی ہے اور ایک دکھی اور تنہا عورت کے لیے یہی آسرا بھی بہت ہوتا ہے کہ اس کے غموں کا اگر کوئی مداوا نہیں کر سکتا تو کیا ہوا انہیں وہ کسی کو بتا کر ہلکی تو ہو سکتی ہے اور وہاں جھگیوں میں کس کے پاس ٹائم تھا کہ اس کی فضول بکواس سنتا۔

"اے صابو تو آج کل کوٹھیوں کے پار والی سڑک پر بہت نظر آتی ہے کیا چکر ہے تجھے پتا ہے فیکا بہت عزت والا مرد ہے اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو چیر کر رکھ دوں گا۔" کپڑے دھوتی صابو کا رنگ یکدم زرد ہو گیا اسے لگا اس کے جیون کی واحد خوشی بھی کوئی اس سے چھیننے لگا ہے۔

"نہیں تو فیکے سب ٹھیک ہے بس کوٹھیوں سے آتے جاتے بابو اور میم صاحب اچھی خیرات دے جاتے ہیں اور سگنل کے رش سے منا گھبراتا ہے۔" اس نے کپڑے کوٹنے والا ڈنڈا رکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے بات بنائی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے چل ایک لال نوٹ نکال مجھے کام ہے آج کل دھندا ذرا مندا ہے پولیس کی کڑی نگرانی ہے۔" فیکے نے دانت نکالتے ہوئے پاس آ کر کہا۔

"میرے پاس تو پیسے نہیں ہے۔" صابو منمنائی۔

"کیوں کیا کرتی ہے وہ ساری دولت جو کوٹھیوں کے بابو اور میم صاحب آتے جاتے دیتے ہیں۔" وہ اس کے بال مٹھی میں پکڑ کر دھاڑا۔

"وہ میں جمع کر رہی ہوں۔" صابو نے روتے ہوئے کہا۔

"کس بیار کے لیے۔" سوال کے ساتھ ساتھ گال پر انگلیوں کے نشان بھی چھپ گئے۔

"وہ ان پیسوں سے میں منے کو اچھے اسکول میں بھرتی کرواؤں گی۔"

"اچھا بڑے بڑے شوق ہیں تیرے' سنا تھا شادی سے پہلے تو کہتی تھی کہ بھیک مانگنے نہیں جاؤں گی سب کس بل نکل گئے نا اس طرح منا بھی وہی کرے گا جو ہم سب کرتے ہیں چل جلدی پیسے نکال میرے پاس تیری بک بک سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔" صابو نے روتے ہوئے تکیے میں سے پیسے نکال کر دے دیے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ انکار کی صورت میں لاتوں گھونسوں اور ڈنڈوں کی صورت میں ایک قیامت اس پر اور اس کے بچے پر ٹوٹ پڑتی تھی بس یہی فرق تھا فیکے میں اور اس میں [illegible] اظہار نہیں کیا تھا وہ منے کو اٹھا کر کوٹھیوں والی سڑک کی طرف چل دی شکر ہے دوپہر کا وقت تھا مگر اس کے پاس جا کر اسے جلتا بلتا سورج بھی ٹھنڈا میٹھا لگنے لگتا تھا اس کا کیا پاگل پن جانے اور کب تک چلنے والا تھا اس کا اور صابو کا رشتہ درد کو لفظوں میں لپیٹ کر دینے اور لینے کا تھا اس کے پاس جا کر وہ خود کو صحیح سمجھنے لگتی تھی ابھی وہ کوٹھیوں والی سڑک کا موڑ مڑی ہی تھی کہ سامنے کے منظر نے اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی سامنے چند لوگ اسے گھیرے کھڑے تھے پھر ایک شخص سامنے بڑھا اور مطلوبہ جگہ پر نشان لگا کر بڑی سی کٹر مشین اٹھا کر اپنا کام شروع کرنے لگا سامنے کھڑا زرد پھولوں سے بھرا املتاس کا بوڑھا درخت کندھے جھکائے الوداعی نظروں سے صابو اور منے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆

روشنی بخاری

ادھورے خواب

جیسے ہی فضا میں اللہ اکبر کی گونج سنائی دی‘ راجو نے ماہین کی پیشانی پر حسب معمول الوداعی بوسہ دیا اور ماہین سے الگ ہو گیا۔ ماہین بھی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی تو راجو نے زمین پر بچھا ہوا کپڑا اٹھا کر جھاڑا اور کندھے پر رکھ لیا۔ دونوں ایک بار پھر بچھڑنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ اگلی رات کو پھر سے ملنے کے لیے۔

حالانکہ دونوں جانتے تھے کہ وہ دونوں مل کر بھی نہیں مل سکتے کبھی بھی نہیں۔ بھلا کبھی چاند اور زمین کا ملاپ بھی ہوا ہے؟ دونوں دریا کے وہ الگ الگ کنارے تھے جو ایک ساتھ بہہ تو سکتے ہیں لیکن کبھی مل نہیں سکتے۔ بقول شاعر۔

ناولٹ

اس لیے اپنا ملن ہو بھی نہیں سکتا تھا
ایک دریا کے کبھی دونوں کنارے نہ ہوئے

لیکن وہ دونوں شاید اس بات سے متفق نہیں تھے‘ کیونکہ دونوں نے ہی علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور معاشرے کے اس قانون کے خلاف عمل پیرا ہو گئے تھے جسے دنیا امیری اور غریبی کے نام سے جانتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگ سکتا‘ دونوں کے دلوں میں محبت کی مخملیں ریشمی کونپلیں پھوٹ چکی تھیں جو رفتہ رفتہ تناور درخت بنتی جا رہی تھیں۔ اس امر سے بے نیاز کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟

شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے اور محبت کرنے والے انجام کی پروا کرتے ہی کب ہیں؟ اگر انجام کی پروا ہوتی تو لیلیٰ مجنوں‘ سوہنی مہینوال‘ ہیر رانجھا اور انار کلی جیسی داستانیں کیسے جنم لیتیں؟ سو یہ داستان بھی اپنے انجام کی طرف رواں دواں تھی اور راجو اپنے گھر کی طرف۔

گندم کے کھیتوں کے بیچوں بیچ ایک پتلی پگڈنڈی راجو کو گاؤں سے لمحہ بہ لمحہ قریب لے جا رہی تھی۔

”اشہد ان لا الہ الا اللہ۔“ مولوی محمد شفیع کی پر اثر آواز فضا پر سحر طاری کر رہی تھی۔ ٹھیک اسی وقت قریبی درختوں کے جھنڈ سے چہچہاتی ہوئی چڑیوں کا ایک غول فضا میں بلند ہوا۔ شاید وہ بھی اپنے مالک کی حمد و ثنا کرتے ہوئے تلاش رزق کے لیے عازم سفر ہو رہی تھیں۔

کھیتوں کا طویل سلسلہ ختم ہوا تو سامنے ہی ایک نہر نظر آنے لگی جس کے دونوں اطراف میں اونچے اور گھنے درختوں کی لمبی قطاریں نظر آ رہی تھیں جن پر موجود مختلف قسم کے پرندوں کی رنگ برنگی آوازیں ماحول کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے راجو نے پل کو کراس کیا تو قریب ہی موجود کسی کتے نے بھونک کر اپنی بے داری اور فرض شناسی کا احساس دلایا لیکن راجو پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ بدستور چلتے ہوئے اب ایک گلی میں داخل ہو چکا تھا اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد وہ ننگی اینٹوں سے بنے ہوئے ایک مکان کے دروازے پر کھڑا تھا۔ دروازہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور خستہ ہونے کے باوجود راجو کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ سے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا لیکن بے سود دروازہ اندر سے بند تھا۔

راجو نے سر کو جھٹکتے ہوئے چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا اور پھر شاید وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا۔ اس نے کندھے اچکائے اور دروازے کی لٹکتی ہوئی زنجیر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دونوں پاؤں دروازے کے دونوں پٹوں کے درمیان لگے ہوئے لکڑی کے ڈنڈوں پر جمائے اور پھر اچھل کر دروازے کے اوپر سے ہوتے ہوئے دیوار پر پہنچ گیا۔ ایک لمحہ توقف کرنے کے بعد اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ اندر کود چکا تھا۔ دھم کی آواز بلند ہوئی اور وہ دونوں پیروں کے بل زمین پر آ رہا۔ پاؤں زمین سے لگتے ہی وہ بے ساختہ دو چار قدم آگے کی طرف گیا اور پھر دونوں گھٹنوں کے بل تیزی سے جھکتا چلا گیا۔

زہرہ کی آنکھ حسب معمول مولوی محمد شفیع کی تاثر انگیز آواز ہی سے کھلی تھی۔ اس نے چارپائی سے اٹھ کر ایک انگڑائی لی اور پھر دوسری چارپائی پر موجود کھیس میں لپٹے ہوئے وجود کا کندھا پکڑ کر آہستہ سے ہلایا؟

"امی جان! امی جان! اٹھیے، نماز پڑھ لیجیے۔" امی جان نے چہرے سے تکیہ ہٹایا تو زہرہ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر پھر اس نے وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر اپنے معبود کے حضور سجدہ ریز ہو گئی۔ جب نماز پڑھ کر اس نے سلام پھیرا تو وہ سرِ جائے نماز امی جان موجود تھیں۔ اس نے جائے نماز اٹھا کر رکھی اور حسبِ معمول جھاڑو اٹھا کر گھر کی صفائی میں جت گئی۔ دونوں کمروں کے بعد صحن کی صفائی مکمل کی اور پھر باورچی خانے میں داخل ہو گئی جہاں امی جان لکڑیاں جلانے کے بعد چولہے پر توا رکھے روٹی بنانے میں مصروف تھیں۔ صبح کے ملگجے اندھیرے میں جلتی ہوئی آگ کی سرخ سرخ روشنی امی جان کے چہرے سے منعکس ہو رہی تھی اور ان کے بالوں میں کثرت سے موجود چاندی جیسے بال بھی چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ زہرہ اس منظر کو دیکھ کر کچھ اداس ہو گئی۔ کچھ ہی عرصہ تو گزرا تھا جب امی جان، ابو اور بھائی سب ایک ساتھ بیٹھ کر ناشتا کر رہے ہوتے تھے لیکن اب ـــــ اب وہ موجود نہیں تھے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا چکے تھے ایک ایسے سفر، ایک ایسی منزل کی جانب جہاں جانے والے کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتے تھے۔

زہرہ کی آنکھیں بھر آئیں اور حلق میں جیسے گولہ سا اٹک گیا۔ امی جان نے روٹی بیلتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تو زہرہ کو یوں خاموش گم سم کھڑا پایا۔ وہ اس کے احساسات پڑھ چکی تھیں۔ انہوں نے روٹی توے پر چھوڑی اور اٹھ کر بے اختیار زہرہ کو سینے سے لگا لیا۔

"زہرہ میری جان! بیٹا دیکھو صبر سے کام لو، ایسا نہیں کرتے۔ تم تو سمجھ دار ہو نا؟" اس دلاسے پر تو زہرہ کی آنکھوں سے جیسے ساون کی جھڑی لگ گئی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی اور امی جان اپنے آٹے سے لتھڑے ہوئے ہاتھوں سے مستقل اس کے آنسو صاف کر رہی تھیں مگر وہ چپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی اور پھر وہ توے سے اٹھنے والا دھواں ہی تھا جس نے یہ سلسلہ ختم کروایا۔ امی جان جلدی سے چولہے کی طرف بڑھیں۔

"دیکھو روٹی جل گئی نا، بیٹا! جاجا کر آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مار، تو میری بہت بہادر بیٹی ہے۔"

امی جان ٹوٹی ہوئی آواز میں اپنے لہجے میں در آنے والے بے اختیار کرب کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے روٹی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اور زہرہ باورچی خانے سے باہر نکل کر ایک مرتبہ پھر غسل خانے کی طرف چل دی۔ منہ ہاتھ دھو کر اندر کمرے میں داخل ہو گئی۔ اتنی سی دیر میں ہی اس کی خوب صورت موٹی موٹی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ شاید قدرت نے اس کو رونے کے لیے پیدا نہیں کیا تھا۔ حسن کی جس دولت سے اسے سرفراز فرمایا گیا تھا اسے تو راج کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس کے ماں باپ نے اس کا نام زہرہ رکھا تھا تو کیا غلط تھا؟ وہ تھی بھی تو زہرہ جمال و زہرہ جبیں ـــــ! لمبے گھنے سیاہ بال، سرخ و سپید رنگت، لمبی صراحی دار گردن، متناسب وجود، سرو قد، کیا نہیں تھا اس کے پاس؟ سب کچھ تو تھا۔ ہاں اگر نہیں تھا تو نصیب نہیں تھا۔ وہ محلوں کی رانی نہیں تھی۔ ایک غریب کی بیٹی تھی۔ غریب جس کا نصیب ہی غربت کی چکی میں پسنا ہوتا ہے۔ لیکن اب تو وہ غریب باپ بھی اس کے سر پر نہیں رہا تھا۔ بقول شاعر،

خود اپنے شورِ تنفس سے چونک اٹھتا ہے
جوان بیٹیوں کا باپ سو نہیں سکتا

لیکن یہ بھی قدرت کی ستم ظریفی ہی تھی کہ اس کا باپ سو چکا تھا اور وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کی نیند ـــــ کبھی نہ بیدار ہونے کے لیے!

* * *

موٹر سائیکل لاک کرنے کے بعد وہ اندر داخل ہوا تو ڈسپنسری میں موجود اکلوتے کمپاؤنڈر نے اسے سلام کیا، وہ سر کے اشارے سے جواب دیتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا اور پھر اپنی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

ڈاکٹر عدیل احمد تھا، گاؤں کی اس ڈسپنسری کا اکلوتا ڈاکٹر، معقول شکل و صورت کا مالک اور کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ بھرا بھرا سڈول اور توانا جسم، دراز قد، چوڑی پیشانی اور سیاہ چمکدار آنکھیں اسے ایک ذہین انسان ظاہر کرتی تھیں۔ ایم بی بی ایس اس نے نوٹ چھاپنے یا کمانے کے لیے نہیں کیا تھا کیونکہ اللہ کا دیا سب کچھ تو تھا اس کے پاس۔ اس کے دل و دماغ میں تو بس ایک ہی دھن سمائی ہوئی تھی، "دکھی انسانیت کی خدمت" اور اسی جذبے کے تحت وہ ڈاکٹر بنا تھا۔ اگر آج وہ پنجاب کے اس دور دراز دیہات میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔

دنیا کے اس عجائب خانے میں، جہاں بھانت بھانت کے لوگ پائے جاتے ہیں، وہاں کبھی کبھار آپ کو ایسے عجیب اشخاص بھی مل ہی جاتے ہیں جو تن، من، دھن سے صرف اور صرف حب الوطنی اور خدمت انسانیت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ موجودہ بے حس معاشرے اور نفسا نفسی کے اس دور میں لوگوں کو یہ تصور شاید عجیب لگے لیکن یہ حقیقت ہے کہ خال خال ہی سہی لیکن ایسے لوگ اب بھی موجود ضرور ہیں اور شاید انہی لوگوں کی وجہ سے یہ دنیا قائم ہے۔

عدیل ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ گھبرائی ہوئی سی اندر داخل ہوئی۔

"ڈاکٹر صاحب! جلدی میرے ساتھ چلیں، وہ امی جان ـــ امی جان کی طبیعت خراب ہے، بہت خراب۔ ڈاکٹر صاحب جلدی کریں۔" اور پھر اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ عدیل ہڑبڑا کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن جو منظر اسے نظر آ رہا تھا اس نے اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ واقعی ہی خوب صورت تھی کہ کوئی بھی صاحب دل اسے دیکھے تو دل تھام کر رہ جائے لیکن اس وقت وہ سہمی ہوئی معصوم ہرنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی جھیل سی گہری آنکھوں سے اشکوں کی برسات کا منظر بہت دلکش تھا مگر عدیل کے [illegible] ہوتے ہوئے دل کو یہ آنسو اچھے نہیں لگے۔ ان خوب صورت آنکھوں میں آنسو نہیں شرارت کی چمک ہونی چاہیے۔ اس نے سوچا۔ بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کے آنسو پونچھ ڈالے اور اس سے کہے۔

"مت رو، کبھی رونا نہیں۔ کبھی بھی نہیں، تمہاری یہ خوب صورت آنکھیں قدرت نے رونے کے لیے نہیں بنائیں۔ ان میں تو خوشیوں کے دیپ جگمگانے چاہئیں۔ سدا زندہ رہنے والے خوشیوں کے دیپ، ہمیشہ روشن رہنے والی خوشیوں کے دیپ ـــــ" لیکن وہ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اس لڑکی کو وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ اسے افسوس تھا اس لڑکی کو پہلے کیوں نہیں دیکھا؟ اور پھر اس نے بمشکل اپنے آپ کو اس بے خودی سے نکالا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کسی مصیبت میں ہے، اس کی امی جان کی طبیعت خراب ہے، اس کا دل اس لڑکی کے لیے ہمدردی سے لبالب بھر گیا اور پھر احساس فرض شناسی بھی بیدار ہو گیا پھر جب وہ بولا تو اپنے آپ کو مکمل طور پر سنبھال چکا تھا۔

"دیکھو پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو تمہاری امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی، میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ۔" اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد میڈیکل باکس اٹھائے وہ اس پری وش کے ساتھ ڈسپنسری سے باہر نکل رہا تھا۔

* * *

اس نے گھٹنے سیدھے کیے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن سامنے نظر پڑتے ہی وہ ساکت ہو گیا۔ دونوں کولہوں پر ہاتھ رکھے کھڑی ہوئی وہ اسے کڑی نظروں سے گھور رہی تھی۔ ایک لمحہ ٹھٹکنے کے بعد وہ اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا، دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر شہد آگیں مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

لیکن اس کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا اور پھر اس کی غصیلی آواز بلند ہوئی۔

"بھائی! تم باز نہیں آؤ گے اپنی حرکتوں سے؟ کہاں تھے ساری رات؟ کیوں اپنی جان کے دشمن ہو رہے

ہو۔ "تمہیں پیر اور اس کا ذرا بھی خیال نہیں۔"

اس کی غصیلی اور کاٹ دار آواز جملے کے اختتام تک آنسوؤں میں بھیگ چکی تھی۔

"اوہو زہرو اب رونا دھونا اسٹارٹ نہ کردینا اچھا یہ بتاؤ اپی جان تو نہیں اٹھیں نا ابھی؟" اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اٹھ چکی ہیں اور نماز پڑھنے کے بعد اب ناشتا بنا رہی ہیں۔"

"اوہو تو انہیں پتا چل گیا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔" اس نے گھبرا کر سوال کیا۔

"پتا نہیں میں انہیں اٹھا کر نماز پڑھنے چلی گئی تھی۔ نماز پڑھ کر آئی تو وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس دوران میں صفائی کرنے لگی۔ صفائی سے فارغ ہوئی تو وہ ناشتا بنا رہی تھیں۔ اگر پتا چل بھی گیا ہو گا تو بھی انہوں نے مجھ سے نہیں پوچھا۔" زہرو نے جواب دیا۔

"ارے باپ رے باپ' اگر پتا چل گیا تو؟" راجو نے پریشانی سے کہا۔

"چل بھی گیا تو کیا ہو گا چلا کر خود ہی چپ ہو جائیں گی۔ بھائی وہ ماں ہیں ماں' دنیا کی سب سے عظیم ہستی' سب سے عظیم رشتہ' وہ ماں جس کے قدموں تلے جنت ہے' ماں تو دنیا میں خدا کا روپ ہے' وہ تمہیں کہیں گی بھی کیا؟ وہ کسی شاعر نے کہا ہے نا کہ۔

خالق کو اپنی خلق سے الفت تھی اس لیے
جنت اتار ڈالی ہے ماؤں کے روپ میں

شعر پڑھتے ہوئے اس کا لہجہ نرم ہو گیا وہ ابھی کچھ دیر پہلے والی زہرو نہیں لگ رہی تھی۔

"لیکن بھائی تمہیں سدھر جانا چاہیے' میں جانتی ہوں کہ تم ماہین کے چکر میں پڑے ہوئے ہو لیکن بھائی چوہدری جہانگیر کوئی معمولی آدمی نہیں' ایم این اے ہے ایم این اے' تم نے دیکھا جب وہ باہر نکلتا ہے تو اس کے آگے پیچھے کتنے بندوق بردار ہوتے ہیں؟ اور پھر بھائی ماہین کے پانچ بھائی ہیں اور پانچوں کے پانچوں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور خطرناک' تم کیوں اپنی جان کے دشمن ہو رہے ہو اپنے آپ کو اپنی حیثیت تو پہچانو تم ایک چوکیدار کے بیٹے ہو۔ ہمارا اور ان لوگوں کا کوئی جوڑ نہیں ہے' خدا کے لیے بھائی باز آجاؤ اپنی حرکت سے۔"

زہرو نے روتے ہوئے جب اپنی بات ختم کی تو اس کے دونوں ہاتھ اپنے بھائی کے سامنے جڑے ہوئے تھے۔ راجو نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"رو مت پگلی' چوہدری جہانگیر ہو گا جو ہو گا لیکن میں نے محبت کی ہے' کوئی جرم نہیں کیا اور پھر ماہین بھی تو مجھے چاہتی ہے۔" راجو نے جیسے خود کو تسلی دی۔

"اچھا اس موضوع پر پھر بات ہو گی ابھی چلو ناشتا کر لو۔" اس نے بھائی کی بھوک کے پیش نظر بات سمیٹی وہ جانتی تھی کہ رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا ہے۔

* * *

دبلی پتلی دھان پان سی یہ خوبصورت لڑکی جو اپنے آپ کو ایک سیاہ چادر میں چھپائے رات کی تاریکی میں حویلی کے پچھلے دروازے سے برآمد ہوئی' ماہین کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی اس نے رک کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر آہستہ آہستہ دبے قدموں چوروں کی طرح ایک طرف روانہ ہو گئی۔

وہ بار بار کن انکھیوں سے ارد گرد کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی لیکن اپنی تمام تر احتیاط کے باوجود وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ ایک ہیولہ مسلسل اس کے تعاقب میں تھا۔ جو اسی عقبی دروازے سے باہر نکلا تھا جہاں سے چند لمحے قبل ماہین نکلی تھی۔ ہیولہ بڑی ہوشیاری اور چابکدستی سے ماہین کا تعاقب کر رہا تھا جبکہ ماہین آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک ایک کھٹکے کی آواز سن کر ماہین ٹھٹک کر رک گئی اور پھر تیزی سے اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا لیکن ہیولہ بجلی کی سی تیزی سے بڑی مہارت کے ساتھ ایک درخت کے پیچھے غروب ہو چکا تھا۔ نتیجتاً ماہین کو اپنے عقب

میں کچھ نظر نہ آسکا۔ چند لمحے ہراساں نظروں سے ماحول کا جائزہ لینے کے بعد آخر کار ماہین ایک مرتبہ پھر چلنے لگی۔ ہیولہ ایک مرتبہ پھر اس کے تعاقب میں تھا لیکن اب وہ پہلے سے زیادہ محتاط تھا۔

نہر کا پل کراس کرنے کے بعد اب ماہین گندم کے کھیتوں کے درمیان ایک پتلی پگڈنڈی پر چل رہی تھی۔ ہر طرف گہرا سکوت اور سناٹا طاری تھا البتہ کبھی کبھی گونج اٹھنے والی کسی نہ کسی جھینگر کی آواز رات کے اس سکوت کو مجروح کر دیتی تھی لیکن ماہین ان سب باتوں سے بے نیاز دل کے ہاتھوں مجبور اور محبت کے نشے میں ڈوبی چلی جا رہی تھی۔ بلاشبہ رات کی اس تاریکی اور سکوت کے عالم میں ایک تن تنہا لڑکی کا اکیلے اتنی دور تک کا سفر کرنا خاصا حیرت ناک تھا لیکن یہ پیار ایسی ہی حیرت ناک بیماری ہے جس کا مریض کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا کچے گھڑے پر دریا پار کر جاتا ہے۔ دودھ کی نہریں بہا دیتا ہے' یہ روگ لا دوا ہے اگر اس کی دوا کوئی ہے تو وہ ہے یار کا دیدار۔ بقول شاعر۔

کہیں بجا ہے کہ مجھے عشق ہوا ہے
نسخے میں لکھی ان سے ملاقات زیادہ

اور یہاں تو ماہین کو بھی یار کا دیدار ہو گیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے کپڑا بچھائے بیٹھا انتظار کی گھڑیاں شمار کر رہا تھا اور آخر کار اس کا انتظار بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازو پھیلائے تو ماہین کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اڑتی ہوئی اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار تک آپہنچی۔ کتنی ہی دیر تک دونوں خاموش رہے لیکن وہ دونوں خاموش کب تھے؟ ان کی تو دھڑکنیں ایک دوسرے سے مخاطب تھیں۔ جو ایک دوسرے کو اپنی محبت کا یقین دلا رہی تھیں۔ پھر راجو نے آہستگی کے ساتھ ماہین کو خود سے الگ کیا اور دونوں نیچے بیٹھ گئے۔ ایک امیرزادی ایک غریب کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر بھی بہت خوش نظر آرہی تھی۔

"تمہیں عجیب نہیں لگتا اس طرح زمین پر بیٹھنا؟" راجو نے سوال کیا۔

"یہ چاہت ہے' یہ تو محبت ہے جو اونچ نیچ' ذات پات امیری غریبی کی چیز کو نہیں مانتی۔ میرے دل میں بسنے والا جذبہ انمول ہے جو دوسرے کو ہمیشہ کے لیے خرید لیتا ہے۔" ماہین نے والہانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

لیکن پیار' محبت' خلوص' سندر جذبے ساری باتیں اپنی جگہ ایک اور چیز بھی تو ہوتی ہے نا جس کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا' وہ ہے تقدیر۔ راجو اور ماہین دونوں آپس میں دنیا جہان کی باتیں کر رہے تھے' خوش ہو رہے تھے۔ لیکن تقدیر۔ تقدیر ان پر ہنس رہی تھی' قہقہے لگا رہی تھی مگر راجو اور ماہین دونوں نے اس کی طرف سے اپنے کان بند کر رکھے تھے' وہ دونوں تو ایک دوسرے میں گم تھے' ہر چیز سے بے نیاز انہیں ایک دوسرے کے علاوہ کسی سے کوئی غرض نہیں تھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ لیکن وقت آخر ان کو کتنی مہلت دے سکتا تھا؟

"ملاقات کا وقت ختم ہوا۔" یہ اعلان فضا میں بلند ہونے والی مولوی محمد شفیع کی آواز نے کیا۔ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ راجو نے زمین پر بچھایا کپڑا اٹھا کر جھاڑا اور کندھے پر رکھ لیا۔ ماہین بھی اٹھ کھڑی ہوئی دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر دونوں ایک بار پھر ایک دوسرے میں سما گئے جیسے کہہ رہے ہوں۔

دلوں میں پھوٹتے جذبے
تناور ہو گئے اب تو
ہمارے واسطے
جاناں!
انہی جذبوں کی
ہر چوٹی
کو سر کرنا
ضروری ہے!
گلے ملنا
ضروری ہے!!!

دونوں آہستگی سے الگ ہوئے اور پھر اپنے اپنے راستے پر ہولیے۔ چند ہی لمحوں کے بعد ایک ہیولہ

جہانگیر ہال کمرے میں داخل ہوا۔ بالکل کسی مغل بادشاہ کی طرح اکڑا ہوا‘ وہ سیدھا اپنی نشست کی طرف بڑھا تو "السلام چوہدری صاحب" کی آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ چوہدری جہانگیر سر کے اشارے سے جواب دیتا ہوا سیدھا جا کر اپنی نشست پر براجمان ہوگیا اس طرح کہ اس کی کرسی کی دائیں جانب رحیم داد نریل تو اٹھائے مستعد کھڑا تھا اور بائیں جانب ریوالور اٹھائے دلاور کھڑا تھا۔ چند لمحوں تک ڈرامائی سکوت طاری ہوا‘ پھر چوہدری جہانگیر کی آواز نے اس پُر سکوت کو توڑا اور اس کی ٹھہری ٹھہری پُر سکون مگر بھاری اور بارعب آواز کمرے میں گونجی۔

"آپ سب لوگ یہاں آئے اس کے لیے شکریہ! بات دراصل یہ ہے کہ میں کوئی ایسا فیصلہ ہرگز نہیں کرنا چاہتا جس سے کوئی یہ سمجھے کہ میں نے کسی کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی کی ہے۔ کرنے کو میں سب کچھ بنا کسی پنچ بٹھائے خود بھی کر سکتا تھا‘ لیکن چوہدری جہانگیر کمزور نہیں ہے۔ میری رگوں میں دوڑنے والا خون آج بھی لاوے کی طرح ابلتا ہوا ہے‘ وہ خون سرد نہیں ہوا ہے اور کوئی ہماری غیرت کو للکارے تو یہ بات میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک گھٹیا‘ کمینے اور نیچ انسان نے یہ جرات کی ہے۔"

"بابا جانی! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں‘ کس میں اتنی ہمت ہے کہ ہمارے باپ کی غیرت کو للکارے‘ آپ نام بتائیں‘ ہم اس کا سر کاٹ دیں گے۔" چوہدری یاسر نے کھڑے ہو کر کہا جو چوہدری جہانگیر کا چھوٹا بیٹا تھا۔

"اوئے تم چپ کرو‘ یہ سب کچھ میں خود بھی کر سکتا تھا لیکن یہ میرا مقصد نہیں۔ میں ساری بات سارے گاؤں والوں کے علم میں لانا چاہتا ہوں تاکہ یہ لوگ مجھے ظالم بھی نہ کہیں اور آئندہ کسی کی ایسی جرات بھی نہ ہو‘ سمجھا؟ بیٹھ جا نیچے۔" اور چوہدری یاسر دل ناخواستہ نیچے بیٹھ گیا۔

"چوہدری صاحب! آخر ہوا کیا ہے اور کس نے ایسی جرات کرلی جس کے نتیجے میں آپ کو پنچایت بلانی پڑی۔" چوہدری نظام جو قریبی گاؤں کا زمیندار تھا‘ چوہدری جہانگیر سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا تو چوہدری جہانگیر نے دلاور کی طرف دیکھا‘ دلاور نے اپنا کان چوہدری جہانگیر کے چہرے کے قریب کیا چوہدری جہانگیر نے اس کے کان میں دھیرے سے کچھ کہا۔ دلاور نے سر ہلایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہال کمرے سے باہر نکل گیا۔ چوہدری جہانگیر نے سب لوگوں پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور سلسلہ کلام دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا۔

"میں نے مجرم کو بھی بلوایا ہے تاکہ فیصلہ بھی ساتھ کے ساتھ ہی ہو جائے۔"

"مجرم آخر ہے کون چوہدری صاحب‘ کچھ پتا تو چلے؟" سرور جٹ نے سوال کیا جو گاؤں کا ایک زمیندار لیکن نسبتاً "چھوٹا زمیندار" تھا۔

"اسماعیل چوکیدار کو تو سب جانتے ہیں نا؟" چوہدری جہانگیر نے استفہامیہ نظروں سے مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں‘ لیکن چوہدری صاحب وہ تو مر چکا ہے۔" مجاہد قادری نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں مر چکا ہے لیکن اس کا کیا زندہ ہے۔ جو گندگی مرنے سے پہلے پھیلا گیا ہے وہی گندگی اب بساند مارنے لگی ہے۔ اس کا فوری تدارک ضروری ہے۔" چوہدری جہانگیر نے کہا‘ ٹھیک اسی وقت ایک بوڑھی عورت اور ایک چادر پوش لڑکی جو مکمل طور پر ایک سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی‘ ہال کمرے میں داخل ہوئیں اور ان کے پیچھے پیچھے دلاور بھی کمرے میں داخل ہوا جو سیدھا چوہدری جہانگیر کے پاس آکر رکا اور بولا۔

"چوہدری صاحب وہ لوفر گھر پر نہیں تھا‘ اس کی ماں اور بہن کو لے آیا ہوں۔"

"چل ٹھیک ہے‘ یہ بھی ٹھیک ہے۔" چوہدری جہانگیر نے کہا اور گہری نظروں سے ان دونوں کا جائزہ لیا جو مجرموں کی طرح سر جھکائے کمرے کے وسط میں کھڑی تھیں اور تقریباً اس وقت سبھی کی نظریں ان پر مرکوز تھیں۔

* * *

ماہین اور راجو حسب معمول گندم کے کھیتوں کے بیچوں بیچ ایک درخت کے نیچے بیٹھے راز و نیاز میں مصروف تھے اور رات دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے میں گم تھے دو محبت بھرے دل محبت کی اس دھن پر دھیمے سروں میں رقص کناں تھے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر تقدیر کی ہر کروٹ سے بے نیاز جیسے انہیں کسی کی کوئی پروانہ ہو‘ نہ دنیا کی‘ نہ سماج کی‘ نہ وقت کی اور نہ شاید تقدیر کی۔ لیکن تقدیر کے آگے تو کسی کی بھی نہیں چلتی۔ ہونی تو ہو کر رہتی ہے اور اس وقت بھی ہونی نے اپنے ہونے کا اعلان کر دیا تھا‘ تقدیر نے ایک انوکھی‘ خطرناک اور بے رحم کروٹ لی تھی لیکن وہ دونوں اس سے لاعلم تھے۔

مولوی محمد شفیع کی سحر انگیز آواز کو انہوں نے معمول کی طرح سنا‘ دونوں ہی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے‘ راجو نے زمین پر بچھا کپڑا اٹھا کر جھاڑا اور پھر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ اس کے بعد راجو نے بازو پھیلائے اور ماہین اس کے بازوؤں کے قلعے میں سما کر اس کے چوڑے سینے پر اپنا سر رگڑنے لگی۔ راجو نے ماہین کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر دونوں الگ ہوگئے۔

وہ دونوں سہانے خوابوں میں ڈوبے اپنے اپنے راستے پر جا رہے تھے‘ وہ مختلف راستوں پر۔ راجو نے روزانہ کی طرح اسی پتلی پگڈنڈی کا انتخاب کیا جس پر سے ہوتا ہوا وہ اپنے گھر کی طرف جاتا تھا اور ماہین نے اس راستے کا انتخاب کیا جو نہر کے دوسرے پل پر سے ہوتا ہوا اس کے گھر کی طرف جاتا تھا۔ راستے میں آنے والی نہر ایک ہی تھی لیکن دونوں الگ الگ پل کراس کر کے یہاں تک پہنچتے تھے کیونکہ راجو کا گھر اگر مشرق تھا تو ماہین کا مغرب اور وہ دونوں مشرق اور مغرب کو ملانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔

راجو نے جونہی پتلی پگڈنڈی عبور کی‘ کھیتوں کا سلسلہ یکلخت ختم ہوگیا۔ اب سامنے ہی نہر نظر آرہی تھی جس کے دونوں اطراف میں گھنے اور قد آور درختوں کا سلسلہ دور تک پھیلا نظر آرہا تھا۔ محبت کے نشے میں سرشار راجو کشاں کشاں ان درختوں کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ جونہی اس نے درختوں کے سلسلے کو کراس کیا‘ ایک درخت کے عقب سے وہ برآمد ہوا‘ وہی ہیولا۔

رات کی تاریکی میں چلتے ہوئے پانچ افراد مکمل طور پر سیاہ لباس میں ملبوس تھے اور ان کے چہرے بھی چھپے ہوئے تھے۔ پانچوں سیاہ پوش آگے پیچھے چلتے ہوئے خاموشی سے گاؤں سے باہر جانے والے راستے کی طرف گامزن تھے۔ انہوں نے نہر کا پل کراس کرتے ہوئے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ ہر طرف مکمل خاموشی اور سناٹا تھا۔ ماحول پر عجیب ہو کا عالم طاری تھا۔ پانچوں سیاہ پوش اب اونچے لمبے خاموش آسیب کی صورت گھنے درختوں کے نیچے نہر کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ اور پھر شاید وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ کچھ ہی فاصلے پر نہر کا ایک اور پل نظر آرہا تھا لیکن وہ اس پل کی طرف جانے کی بجائے مختلف درختوں کی اوٹ میں غائب ہوتے گئے اور اب یہاں کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ بالکل یوں جیسے جیتے جاگتے پانچ آدمیوں کو ان آسیبی درختوں نے زندہ نگل لیا ہو۔ وقت اپنا سفر طے کرتا رہا اور پھر مولوی محمد شفیع کی آواز نے ہی اس گہری خاموشی اور سناٹے کا دامن تار تار کیا۔ "نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ" اور پھر کھیتوں کی طرف سے آتی ہوئی پگڈنڈی نے ایک سایہ اگل دیا۔ وہ سایہ لمحہ بہ لمحہ درختوں کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور پھر آخر کار وہ درختوں کے قریب پہنچ ہی گیا۔ یہ راجو تھا جو اپنی ماہین سے مل کر گاؤں واپس آرہا تھا۔ جونہی وہ ایک درخت کے پاس سے گزرا‘ درخت کے عقب سے ایک سیاہ پوش برآمد ہوا جس کے ہاتھوں میں ایک گن تھی جسے سیاہ پوش نے نال کی طرف سے پکڑا ہوا تھا۔ سیاہ پوش کے دونوں ہاتھ بلند ہوئے اور پھر جس طرح بجلی کوند جاتی ہے‘ ٹھیک اسی طرح گن کا دستہ راجو کے سر سے ٹکرایا اور راجو زمین بوس ہو گیا۔ اب وہ بے حس و حرکت تھا۔ سیاہ پوش کی آواز بلند ہوئی۔

جہانگیر کی کرخت آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔

"مولوی صاحب اس بڑھیا کے غلیظ بیٹے نے اس لڑکی کے کمینے بھائی نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ میری پھول جیسی بچی کو۔"

چوہدری جہانگیر کی آواز پھٹنے لگی تو وہ خاموش ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس کے نتھنے بری طرح پھول اور پچک رہے تھے اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا جس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت شدید غصے میں ہے۔

چوہدری جہانگیر کی یہ بات سن کر وہاں موجود سب لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا اور مولوی محمد شفیع کا چہرہ یوں سفید پڑ گیا کہ کاٹو تو بدن سے لہو نہ نکلے۔ جبکہ چوہدری جہانگیر کے پانچوں بیٹوں کی کیفیت بھی اس وقت باپ سے کچھ مختلف نظر نہیں آ رہی تھی۔ ان کے چہرے بھی لال بھبھوکا ہو رہے تھے اور وہ وحشیانہ نظروں سے دونوں خواتین کو گھور رہے تھے۔ پھر چند لمحوں کے توقف سے چوہدری جہانگیر کی ہڈیوں کو ٹھٹھرا دینے والی کرخت لیکن سرد آواز بلند ہوئی۔

"آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، جان کے بدلے جان تو عزت کے بدلے عزت ہی ہوئی نا مولوی صاحب!" لیکن مولوی صاحب کوئی جواب نہ دے سکے، ہاں یہ ضرور ہوا کہ تسبیح کے دانوں پر ان کی انگلیاں مزید تیزی سے چلنے لگیں۔

"یاسر، قیصر لے جاؤ اس لڑکی کو اور اس کی عزت کی دھجیاں اڑا دو تاکہ آئندہ کسی بھی نیچ انسان کو اپنے سے بڑی حیثیت کے آدمی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ ملے، لے جاؤ۔" چوہدری جہانگیر کی زوردار دھاڑ بلند ہوئی۔ جس کے نتیجے میں چوہدری جہانگیر کے پانچوں بیٹے بھوکے بھیڑیوں کی طرح چادر میں لپٹی ڈری سہمی زہرہ پر ٹوٹ پڑے۔

"لیکن چوہدری صاحب!" مولوی صاحب کی پھنسی پھنسی آواز بلند ہوئی تو رحم داد اور دلاور کی بندوقوں کا رخ پنچایت کے حاضرین کی طرف ہو گیا۔ نتیجتاً مولوی صاحب اس سے آگے کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ چوہدری جہانگیر کے پانچوں بیٹے وحشی درندوں کی طرح روتی بلکتی زہرہ کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ شیطان دل کھول کر قہقہے لگا رہا تھا لیکن اسلام مولوی صاحب کے روپ میں، بندوقوں کے سامنے خاموش تماشائی بنا بیٹھا حوا کی بیٹی پر ہونے والے ظلم کی انتہا کو دیکھ رہا تھا۔ زہرہ کی ماں دوڑ کر چوہدری جہانگیر کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"چوہدری یہ ظلم نہ کر تو بھی ایک بیٹی کا باپ ہے، دیکھ میری زہرہ بھی تیری بیٹیوں جیسی ہے، تجھے خدا کا واسطہ چوہدری یہ ظلم نہ کر، زہرہ کو چھوڑ دے، میں زہرہ اور راجو کو لے کر یہ گاؤں ہی چھوڑ دوں گی پھر کبھی نظر نہیں آئیں گے ہم لوگ، اللہ اور رسولؐ کے واسطے میری بچی کو چھوڑ دے۔"

وہ بلک بلک کر رو رہی تھی لیکن چوہدری جہانگیر تو جیسے بہرہ ہو چکا تھا اور چوہدری کے پانچوں بیٹے زہرہ کے ساتھ کمرے سے جا چکے تھے۔ زہرہ کی ماں اب چوہدری کے سامنے سے اٹھ کر وہاں موجود ایک ایک شخص کے پاؤں پکڑ پکڑ کر فریاد کر رہی تھی۔

"ارے کوئی تو میری بچی کو بچاؤ، تمہیں رب کا واسطہ۔" پھر وہ بھاگ کر مولوی محمد شفیع کے قدموں سے جا لپٹی۔

"مولوی صاحب میری بچی کو بچاؤ ورنہ اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔" لیکن مولوی صاحب منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے اور تسبیح پر ان کی انگلیاں مزید تیز رفتاری سے چل رہی تھیں۔ ٹھیک اسی وقت زہرہ کی ایک دلخراش چیخ سنائی دی، طویل اور کربناک چیخ۔ زہرہ کی ماں تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن وہ کھڑی نہ رہ سکی، ایک ہاتھ سینے پر رکھے وہ تیورا کر نیچے گری اور ساکت ہو گئی۔ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ شاید اس سے زیادہ ذلت، اس سے زیادہ رسوائی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اس کی کھلی ہوئی مردہ آنکھیں اب بھی فریاد کناں تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔

"ارے کوئی تو میری بچی کو بچاؤ۔ کوئی تو۔"

* * *

زہرہ کے گھر کا وہ کمرہ اس وقت کسی چھوٹے موٹے اسپتال کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک چارپائی پر زہرہ لیٹی ہوئی تھی جو شاید ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ اسے گردن تک سفید کپڑے سے ڈھانپا گیا تھا۔ قریب ہی ایک اسٹینڈ پر لٹکی ہوئی ڈرپ تھی، ایک چھوٹی تپائی کے اوپر میڈیکل باکس کھلا ہوا پڑا تھا۔ ڈاکٹر عدیل ڈرپ میں کوئی انجکشن انجیکٹ کر رہا تھا اور اس وقت اسے کہیں پڑھا ہوا یہ شعر یاد آ رہا تھا۔

شکستہ منظروں کے کرچیاں آنکھوں میں چبھتی ہیں
کہ دیوانوں کے خوابوں کی کہاں تعبیر بنتی ہے

خواب ہی تو دیکھے تھے اس نے، سندر نازک اور محبت بھرے خواب۔ ابھی تو صرف اس کے دل نے دھڑکنا سیکھا تھا، ابھی تو اس کی پلکوں نے خواب پرونا سیکھے تھے کہ۔ ٹھیک اسی وقت زہرہ کے کراہنے کی آواز پر عدیل کی سوچوں کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور وہ چونک کر زہرہ کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن زہرہ کی آنکھیں بدستور بند تھیں لیکن اب اس کا زرد اور کملایا ہوا چہرہ عدیل کی آنکھوں کے سامنے تھا اور وہ خاموش چہرہ جیسے عدیل کی محبت کا اس کے جذبوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔

یہ تو پہلے ہی کہا تھا کہ مرے خواب نہ چھین
میں ستاروں کی طرح قابل تسخیر نہیں

عدیل نے سر جھٹکتے ہوئے اپنے آپ کو سنبھالا اور ڈرپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے ڈرپ کی اسپیڈ ہلکی سی بڑھائی اور پھر تپائی کے ساتھ رکھی کرسی پر ڈھے سا گیا۔ وہ گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں سے یہیں موجود تھا۔ اس دوران راجو کی لاش بھی دریافت کی جا چکی تھی اور زہرہ کی امی اور راجو کی تدفین بھی کی جا چکی تھی۔ جب مولوی محمد شفیع نے ڈسپنسری آکر ڈرتے ڈرتے جھجکتے ساری بات عدیل کو بتائی تھی تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا، اس کے اندر کوئی چیز جیسے چھن سے ٹوٹ گئی تھی، کرچی کرچی ریزہ ریزہ ہو گئی تھی اور وہ بے بسی سے مولوی محمد شفیع کا چہرہ تکتا رہ گیا تھا۔

مولوی محمد شفیع ہی نے بتایا تھا کہ زہرہ کی ماں کا انتقال ہو گیا اور زہرہ کے روپ میں حوا کی بیٹی لٹ گئی جس کو زخم زخم بے ہوشی کی حالت میں ماں کی میت کے ساتھ اس کے گھر پہنچایا گیا تھا۔ عدیل نے اپنی مری مری شکستہ آواز میں صرف ایک جملہ کہا۔

"مولوی صاحب! یہ سب کچھ آپ کی موجودگی میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوا اور آپ کچھ نہیں بولے؟" لیکن مولوی صاحب کے جواب کے بعد عدیل نے ان سے ایک لفظ نہیں کہا۔

مولوی صاحب کہہ رہے تھے اور ساتھ ساتھ زار و قطار رو رہے تھے۔

"بیٹا میں بہت شرمندہ ہوں، اللہ کو جان دینی ہے، میری اس چشم پوشی پر بیٹا نہیں اللہ بھی مجھے معاف کرے گا یا نہیں لیکن میں بوڑھا ناتواں آدمی کر بھی کیا سکتا تھا۔ ان درندوں کے سامنے مجھ جیسے انسان کی حیثیت ہی کیا بیٹا اور پھر میری بھی چار جوان بیٹیاں ہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ شیطانیت آمیز انسانیت سوز گھناؤنا کھیل کھیلا گیا لیکن میں کچھ نہیں کر سکا بیٹا، کچھ بھی نہیں۔ میرا اللہ مجھے معاف کرے۔"

مولوی صاحب روتے ہوئے ڈسپنسری سے باہر نکل گئے لیکن عدیل، اسے تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔

چند لمحوں کے بعد عدیل نے جھرجھری سی لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ضروری دوائیں سمیٹ کر بیگ میں رکھیں۔

ماں بیٹے کے جنازے میں بہت کم لوگ شریک ہوئے تھے۔ پتا نہیں چوہدری جہانگیر کا خوف تھا یا ان

لوگوں کو گاؤں والے زیادہ پسند نہیں کرتے تھے جو بھی ہو' دونوں کی تدفین بہرحال ہو گئی تھی۔ عدیل گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں سے مسلسل جاگ کر زہرہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا' اس دوران دو مرتبہ زہرہ کو ہوش آچکا تھا۔ پہلی مرتبہ تو بری طرح سے چیختے ہوئے اور اپنے آپ کو کسی غیر مرئی گرفت سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے عدیل کے لاکھ کوشش کرنے پر بھی جب اس کی حالت نہ سدھری تو مجبوراً" عدیل نے اسے بے ہوشی کا انجکشن دے دیا۔ البتہ دوسری مرتبہ ہوش آنے پر اس کی کیفیت قدرے بہتر تھی۔ اس مرتبہ اس نے جنونی حرکات تو نہیں کیں' البتہ وہ دل کھول کر روئی تھی اور عدیل نے بھی اسے رونے دیا۔

پھر بہت دیر کے بعد عدیل نے ہمت کی اور اٹھ کر زہرہ کی چارپائی پر جا بیٹھا اور زہرہ کی اشکبار آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"زہرہ! راجو اور تمہاری امی جان اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" اور زہرہ ایک مرتبہ پھر بلک بلک کر روئی۔ عدیل نے مزید کچھ دیر تک اسے رونے دیا۔ پھر دونوں ہاتھوں کے پیالے میں زہرہ کا چہرہ تھام کر بولا۔

"لیکن زہرہ تم تنہا نہیں ہو' میں ہوں نا تمہارے ساتھ؟ تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی اور پھر میں تمہیں یہاں سے' اس گاؤں سے بہت دور لے جاؤں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ زہرہ تم یقین کرو میں تمہیں اتنی محبت دوں گا' اتنی محبت دوں گا کہ تم اپنے یہ دکھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ گی۔" عدیل بول رہا تھا اور زہرہ کے آنسو منجمد ہو گئے تھے۔

"جب میں نے پہلی مرتبہ تمہیں دیکھا تھا' یہ جذبے اسی وقت میرے دل میں جاگ گئے تھے کاش میں تم سے اسی وقت کہہ دیتا لیکن افسوس کہ۔۔۔ خیر چھوڑو پہلی مرتبہ میں تمہاری امی جان کا علاج کرنے آیا تھا اور آج دوسری مرتبہ تمہارا ڈاکٹر ہوں نا؟ لیکن اب ایسی نوبت ہی نہیں آئے گی کیونکہ میں ہمیشہ کے لیے تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا' میں تمہیں یہاں رہنے ہی نہیں دوں گا۔"

عدیل اپنی ہی دھن میں بے تکان بولے چلا جا رہا تھا اور زہرہ اپنی طرز کے اس انوکھے انسان کو اک ٹک یاس بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی' کتنی محبت' اپنائیت' دیوانگی' والہانہ پن تھا اس کے انداز میں' کیسا دیوانہ شخص تھا یہ بھی۔ زہرہ کی بے بس' اداس آنکھیں اس منفرد انسان کا طواف کر رہی تھیں لیکن بڑی ہی درد بھری سی چمک تھی ان آنکھوں میں جیسے کہہ رہی ہوں کہ

میرے زخموں کی کہیں کوئی بھی اکسیر نہیں
میں ہوں وہ خواب کہ جس خواب کی تعبیر نہیں

لیکن اس کی زبان عدیل سے ایسا بھی نہ کہہ سکی۔ عدیل نے اسے نیند کا انجکشن لگا دیا اور اس کی پلکیں جھکتی چلی گئیں۔

جس دن عدیل اسے لے کر شہر کی طرف جا رہا تھا' اس دن وہ سب کچھ بھول چکا تھا' گاؤں' گاؤں کی ڈسپنسری' دکھی انسانیت کی خدمت' سب کچھ۔ بھلا اس خدمت نے اسے دیا ہی کیا تھا' دکھ' اذیت اور ایسا کرب جس نے اس کی روح تک زخمی کر ڈالا تھا اور زہرہ! زہرہ اس کی روح ہی تو تھی جسے بنا کسی جرم کے زخم زخم کر دیا گیا۔

ایک وہ تھا کہ جس نے خواب ہی تو دیکھے تھے لیکن اس کے خواب چکنا چور کر دیے گئے تھے' ریزہ ریزہ کر دیے گئے تھے' لوٹ لیے گئے تھے اور اب وہ مزید اپنے خوابوں کے لٹنے کا' ان کے ٹوٹ کر بکھرنے کا دکھ نہیں جھیل سکتا تھا' اس لیے زہرہ کے ساتھ ساتھ آج عدیل نے بھی اس گاؤں کو خیرباد کہہ دیا تھا' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ دونوں قدم سے قدم ملائے چلے جا رہے تھے' کسی نئی دنیا' نئی منزل کی طرف۔

وہ اس گاؤں میں انسانیت کی خدمت کرنے آیا تھا مگر وہاں کے لوگ بے حس تھے۔ انہیں خود اپنے انسان ہونے کا احساس نہیں تھا تو وہ دوسروں کا کیا خیال کرتے' سو اس نے اس گاؤں کو چھوڑ دیا تھا' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

* * *

چوہدری جہانگیر کی حویلی اس وقت دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی' رنگ برنگی جھنڈیاں' غبارے' رنگ برنگی جھلمل جھلمل کرتی لائٹیں' حویلی کے باہر کیلے کے درختوں کو کاٹ کر دروازے سے بہت پہلے ایک اور دروازہ بنا دیا گیا تھا۔ بے شمار گاڑیاں قطار در قطار کھڑی ہوئی تھیں جبکہ حویلی مہمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ بہت سے باوردی ویٹر ادھر سے ادھر گردش کرتے پھر رہے تھے اور ایک عجیب ہاؤ ہو کا سماں تھا جسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا کہ آج حویلی میں کوئی رنگا رنگ تقریب منعقد کی جا رہی تھی۔

ادھر مہمان انواع و اقسام کے کھانوں سے ضیافت اڑا رہے تھے' ادھر حویلی کے اندرونی حصے میں لڑکیاں بالیاں گھیرا ڈالے ماہین کے ارد گرد بیٹھی تھیں جو اس وقت دلہن کے لباس میں بنی سنوری بیٹھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ سب خوش تھے' ہر طرف قہقہے تھے لیکن ماہین کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ اس کے خوابوں کا حکمران' اس کا شہزادہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ زہرہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی ماں کا جو انجام ہوا' سب اس کے علم میں آ گیا تھا' اس کی کسی ہمدرد نے تو یہ تک خدشہ ظاہر کر دیا تھا کہ راجو کی موت نہر میں ڈوبنے سے نہیں ہوئی' ایسا لگتا ہے کہ اسے بھی مروا دیا گیا ہے اور ماہین' ماہین کو بھی تو بری طرح زدوکوب کیا گیا تھا' اس کے واویلا کرنے پر' شور مچانے پر اس کے بھائیوں نے باپ کے سامنے اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔ تھی تو آخر ایک کمزور لڑکی' نا کہاں تک مقابلہ کرتی؟ اور کس کے لیے کرتی؟ جس کے لیے پوری دنیا سے ٹکرا جانے کا عزم کیا تھا' ساتھ جینے ساتھ مرنے کا عہد کیا تھا' وہی نہ رہا تو کیا کر سکتی تھی وہ؟ ساتھ جی نہ سکی تو ساتھ مر کیسے سکتی تھی؟ اور پھر حقیقت کتنی کڑوی کتنی تلخ ہوتی ہے' اس کا اندازہ تو حقیقت میں رہتے ہوئے ہی لگایا جا سکتا ہے نا' فلموں' ڈراموں اور کہانیوں کی بات اور ہے' حقیقت بڑی مختلف ہوتی ہے اور اس نے حقیقت سے سمجھوتا کر لیا تھا' کرنا ہی تھا اور کر بھی کیا سکتی تھی؟ خواب کتنے ہی سہانے کیوں نہ ہوں' ایک دن آنکھ تو کھلتی ہی ہے اور جب آنکھ کھلتی ہے تو ان سندر خوابوں کے ٹوٹنے کا بڑا دکھ ہوتا ہے' بڑی اذیت ملتی ہے۔ خواب دیکھنا بری بات نہیں' ہاں خوابوں میں رہنا بہت بری بات ہے اور ہمیشہ یہی ہوا ہے جب بھی کسی نے اپنے خواب کو تعبیر دینے کی کوشش کی تو پاؤں لہولہان ہو گئے ہیں اور دامن میں پچھتاووں کی دھول' خسارے کی راکھ اور ندامت کے آنسوؤں کے علاوہ کچھ باقی نہیں بچتا۔

ماہین کے خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب ایجاب و قبول کا وقت آیا۔ ماہین کو رخصت کر دیا گیا وہ بہت سی یادیں' بہت سے دکھ دامن میں سمیٹے اس گھر' اس گاؤں' اس خونی نہر سے' گندم کے ان کھیتوں سے دور' بہت دور ایک نئے سفر پر جانے کے لیے اپنے جیون ساتھی کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ گاڑیاں اسٹارٹ ہوئیں اور اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گئیں۔ ماہین کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹے' آنسو ٹپکے جو اس کے گالوں پر سے ہوتے ہوئے کہیں غائب ہو گئے۔ شاید اپنی زندگی' شاید راجو کی زندگی یا شاید اپنے خوابوں کے اس ادھورے پن پر۔ ان آنسوؤں کے گرتے ہی اس نے خود سے ایک عہد کیا' راجو کو بھولنے کا عہد۔

ادھورے خواب!
آنکھوں میں سجا کر
جئیں کیا؟
مر نہیں سکتے
کبھی ہم!
حدوں کے درمیاں
پابند رہ کر
محبت کر نہیں
سکتے کبھی ہم!
چلو اک دوسرے کو
بھول جائیں

* *

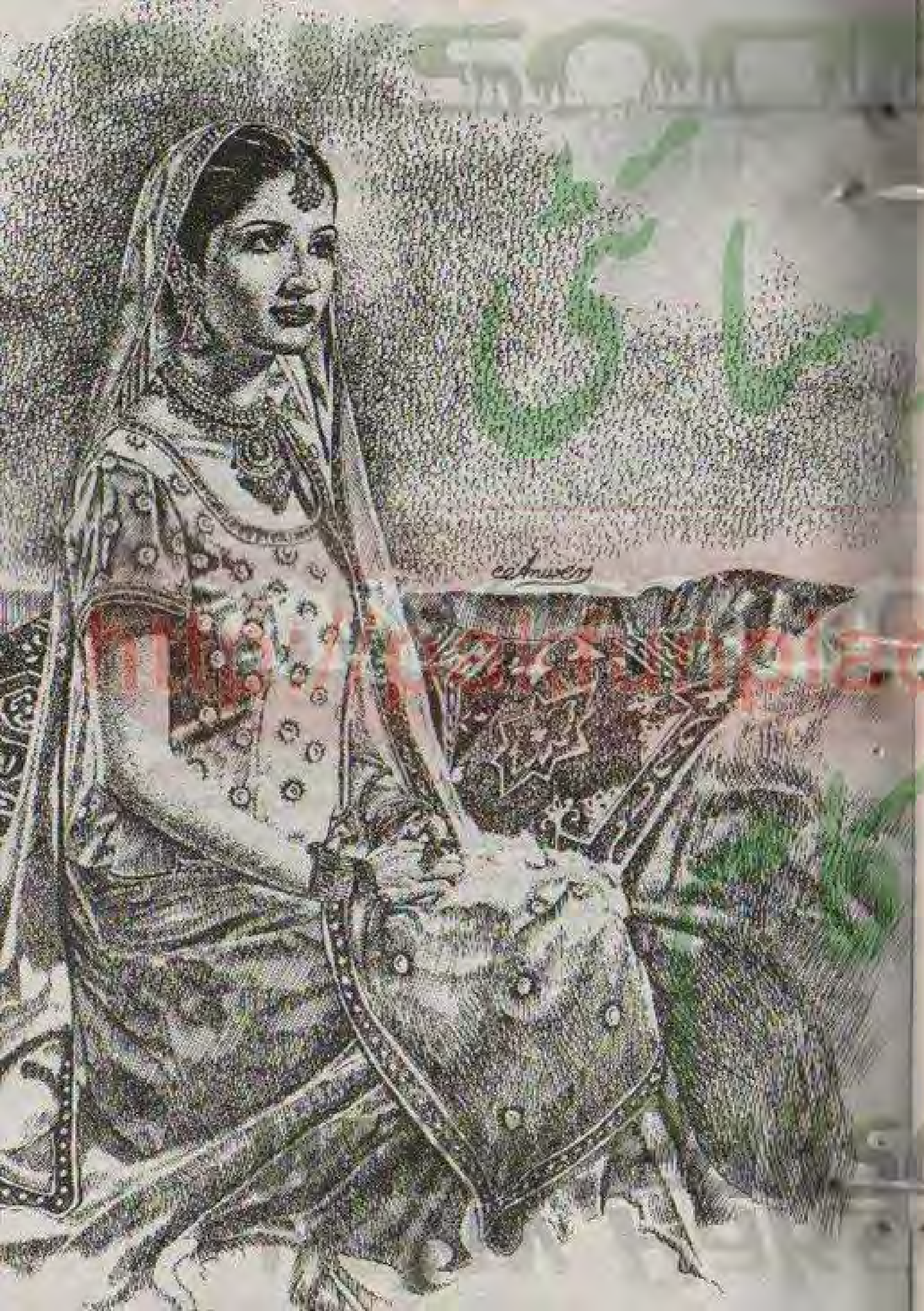

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدیحہ اور نبیل حیات دونوں بہن بھائی ہیں۔ مدیحہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے جس کے پیش نظر فائزہ بیگم نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں لیکن مدیحہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصے سے نوکری کی تلاش میں ہے مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے جو اسے کام کی آفر کرتا ہے جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے۔ اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے۔ وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دل آور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے۔ اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا۔ اس کی ماں مغل شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور دیانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین دوسروں کو بھی دلاتی ہیں۔

SOCIETY
society

۵

پانچویں قسط

بڑے سے ڈائننگ ہال میں سولہ کرسیوں کی طویل ڈائننگ ٹیبل کی بالکل سامنے والی کرسی وقار آفندی کے لیے مخصوص تھی اور روزانہ صبح کے وقت وہ اسی کرسی پہ بیٹھے نیوز پیپر پڑھتے یا پھر ناشتا کرنے میں مصروف نظر آتے تھے۔ آج ان کے سامنے ناشتا بھی رکھا ہوا تھا اور نیوز پیپر بھی 'لیکن وہ خود سر تھامے بیٹھے پریشان حال نظر آ رہے تھے۔ دائیں طرف کی کرسیوں پہ اسرار آفندی اور انصار آفندی براجمان تھے جبکہ ان کے بالکل مقابل والی کرسیوں پہ ثروت بیگم اور شمو بیگم بیٹھی ہوئی تھیں البتہ آئی (آسیہ آفندی) اس وقت کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔

آذر اندر قدم رکھتے ہی ماحول کی سنگینی بھانپ گیا تھا کسی انہونی کا احساس اسے ان سب کے چہروں سے ہی ہو چکا تھا وہ لب بھینچے وقار آفندی کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

"آذر! تم نے نیوز پیپر پڑھا؟" دانیال پریشانی کے عالم میں نیوز پیپر ہاتھ میں پکڑے خاصے تیز قدموں سے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تھا اور آذر کا انداز الجھا ہوا تھا۔

"یہ دیکھو۔" اس نے نیوز پیپر کا ہیڈ لائنز والا پیج آذر کے سامنے کر دیا اور جیسے ہی آذر کی نظر ہیڈ لائن پہ گئی اس کی کنپٹی کی رگیں ابھر آئی تھیں اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں اس کا خون کھول اٹھا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ اخبار والے اس کے ساتھ اس طرح دھوکا کریں گے 'کل اس نے پورا دن اسی بھاگ دوڑ کی نذر کر دیا تھا لیکن حاصل کیا ہوا؟ وہی بدنامی اور رسوائی؟ وہی وقار آفندی کی بیٹی کے نام کا چرچا۔۔۔؟ وہی لوگوں کی کریدتی ہوئی سوالیہ نظریں اور چٹخارے؟

"میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے ڈیلیوں کو لاکھوں روپے صرف ایک دن میں کھلایا ہے میں ان پہ کیس کر دوں گا' آخر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟" آذر دوبارہ نیوز پڑھتے ہوئے بھڑک اٹھا اور پھر نیوز پیپر وہیں ہاتھ میں دبوچے وہ پلٹا اور ڈائننگ ہال سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔

"آذر! رکو پلیز بات سنو۔" دانیال اس کے پیچھے لپکا۔

"آذر! واپس آؤ۔" اسرار آفندی بھی بیٹے کے پیچھے باہر آئے تھے لیکن وہ ان سے کافی فاصلے پہ تھا۔

"دانیال! روکو اسے۔" انہوں نے دانیال کو اشارہ کیا اب کی بار دانیال بھاگنے کے سے انداز میں اس کے پیچھے آیا تھا۔ آذر اپنی گاڑی کا دروازہ کھول ہی رہا تھا کہ دانیال نے اسے جیکٹ سے پکڑ کر روک لیا۔

"پلیز دانیال چھوڑو مجھے 'مجھے پتا کرنے دو کہ ان پریس والوں نے یہ بے غیرتی کیوں کی ہے؟ ایک حملہ کل ان لوگوں نے کیا تھا اور ایک حملہ آج ان لوگوں نے کیا ہے' انہوں نے ہماری عزت اچھالی ہے' ہمیں بدنام کر کے رکھ دیا ہے' انہوں نے غداری کی ہے میرے ساتھ۔" آذر بری طرح بھڑک رہا تھا یہ خبر اس کے لیے کسی تازیانے سے کم نہیں تھی۔

وہ رات کو مطمئن ہو کر گھر لوٹا تھا کہ ایسی کوئی بھی حرکت نہیں کی جائے گی لیکن پریس والوں نے تو اس کا سارا اطمینان غارت کر کے رکھ دیا تھا۔

"یہ غداری کروائی گئی ہے میری جان۔" اسرار آفندی کی آواز پہ وہ ان کی طرف پلٹا ان کی بات ہی ایسی تھی۔

"کیا کہا آپ نے؟" وہ ان کو استفہامیہ انداز سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ غداری کروائی گئی ہے' جس طرح تم نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اس خبر کو روکا' اسی طرح اس خبر کو پھیلانے والے نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اس خبر کو پھیلایا ہے۔ تم نے اگر لاکھوں روپے ایک دن میں کھلایا ہے تو اس نے لاکھوں روپے ایک گھنٹے میں کھلایا ہو گا۔ تو پھر اسی چیز سے اندازہ لگا لو کہ مخالف پارٹی کمزور یا پھر حیثیت میں ہم سے کم نہیں ہے' جہاں ہماری پہنچ ہے وہاں پہنچنا اس کے لیے مشکل نہیں ہے اور ایسے حالات میں غصے اور جذباتی انداز سے کام لینے کی بجائے عقل اور تحمل سے کام لینا پڑے گا' سوچو' سمجھو' غور و فکر کرو' تب کوئی قدم اٹھاؤ۔" انہوں نے بیٹے کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تھپکا وہ ان کی بات تقریباً" سمجھ چکا تھا۔

"تم اگر اس طرح مشتعل ہو کر اخبار والوں سے الجھو گے تو سمجھو اپنے آپ کو اور بھی رسوا کرو گے' میڈیا والوں سے دشمنی مول لینا حکومت کے بس کی بات نہیں ہم تو پھر ایک عام سے شہری ہیں۔ تم اس معاملے کو سمجھو لیکن ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ۔ ہمیں پتا ہے کہ یہ معاملہ ہماری عزت اور غیرت کا ہے لیکن عزت اور غیرت کے معاملے میں ہمیشہ قدم پھونک پھونک کے اٹھانا پڑتے ہیں۔ ہمیں تم پہ پورا بھروسہ ہے تم سب حل کر لو گے بس صبر سے چلو' سکون سے رہو۔" انہوں نے اسے ہر اونچ نیچ سے آگاہ کیا تھا آذر چپ ہو گیا۔

اس کے ذہن میں رات وقار آفندی کے سیل پہ آنے والا میسج پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔

"ہونہہ! تو گویا اس نے اپنی دوسری جھلک دکھا ہی دی؟" وہ اخبار دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا دانیال اور اسرار آفندی اسے تھوڑا قائل کرتے ہوئے اندر لے آئے تھے لیکن اس کا ذہن ہنوز الجھا ہوا تھا۔

وہ برٹش لائبریری سے باہر نکلی تو یکدم ٹھٹک گئی' اچھا خاصا دن' رات میں ڈھل چکا تھا۔ صرف ایک گھنٹے میں موسم ایسی کروٹ لے لے گا اسے ہرگز امید نہیں تھی ہلکی ہلکی بارش کے ساتھ برف بھی گر رہی تھی روش پہ دور تک برف کی تہہ جم چکی تھی سبز درختوں اور گھاس پہ سفید برف کا غبار اترا ہوا لگ رہا تھا اور درختوں کے پتے برف کے بوجھ سے جھکے جا رہے تھے بارش اور برف باری میں وقتاً "فوقتاً" ہوا کا زور بھی شامل ہو جاتا تھا اور پہلے ہی برف کا بوجھ کندھوں پہ اٹھائے زمین کی طرف جھکنے والے درخت ہوا کے زور سے لرز کے رہ جاتے تھے اور ان کا یوں رک رک کر تھرتھرانا ان کی تھکن کا پتا دے رہا تھا۔ اور ان درختوں جیسا حال اس کا اپنا بھی تھا۔

وہ اتفاقاً" گرم اونی ٹوپی پہنے ہوئے تھی لیکن جیکٹ گاڑی میں ہی رکھی ہوئی تھی' ہاتھوں پہ گلوز بھی نہیں چڑھائے تھے اور لائبریری کے احاطے سے نکل کر اپنی گاڑی تک جانا اتنی ٹھنڈ میں آسان بھی نہیں تھا لیکن اسے یہ مشکل کام کرنا ہی تھا آخر وہ کتنی دیر یہاں کھڑی ٹھٹھر سکتی تھی؟ اس نے اپنے جینز کی پچھلی پاکٹ میں اڑسا سیل نکال کر اپنے بڑے سے سلور کلر کے بیگ میں رکھا اور زپ بند کرنے کے بعد اطمینان سے میدان میں اتر آئی وہ روش پہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی تقریباً" بھاگ رہی تھی اور اس کے جوگرز کے نیچے برف کی تہہ چرمرا رہی تھی وہ بھاگتے بھاگتے بھی اچھی خاصی بھیگ گئی تھی یخ ہوا کے تھپیڑوں اور برف کی بوچھاڑ نے کسی آسیب کی طرح اسے اپنے شکنجے میں لے کر اس پہ کپکپی اور لرزا طاری کر دیا تھا گاڑی کے پاس پہنچ کر اس نے بمشکل سرد ہاتھوں سے گاڑی کی چابی نکالی اور لاک کھول کر اندر بیٹھ گئی اس نے بیگ کندھے سے اتار کر فرنٹ سیٹ پہ پھینکا اور گاڑی کے کیبنٹ سے ٹشو نکال کر اپنا چہرہ اور ہاتھ پونچھے پھر ساتھ ہی ہیٹر بھی آن کر دیا۔

گاڑی میں ہیٹنگ ہوئی تو اس کے سردی سے تنتے ہوئے اعصاب نارمل ہوئے تب جا کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گھر کا رخ کیا تھا۔ آج شام آٹھ بجے ان کی "لندن گیٹ وک" سے پاکستان روانگی تھی اس نے تمام ضروری کام نمٹا لیے تھے بس یہ لائبریری کا تھوڑا کام رہتا تھا سو آج وہ نمٹانے آگئی تھی۔ اب اسے کچھ نہیں کرنا تھا اس لیے اطمینان سے گھر کی طرف گامزن تھی۔ تقریباً" آدھے گھنٹے میں وہ گھر پہنچی تھی۔ ڈور بیل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے پلٹ کر سارے ایریا میں نظر دوڑائی اور پھر طائرانہ نظر کی پرواز کرسٹینا کے کاٹیج پہ آکر رک گئی۔ وہ چند سیکنڈ یونہی دیکھتی رہی اور ایک لمحے کو سوچا "کیا وہ واقعی سب کچھ چھوڑ کے جا رہی ہے؟ کیا وہ پاکستان جانے کے لیے ان

گئی ہے؟ کیا وہ واقعی مشرقی لڑکیوں کی طرح ہتھیار ڈال چکی ہے؟"

"مدحیہ! کیا دیکھ رہی ہو؟" فائزہ بیگم کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا وہ آج اپنی آواز اپنے لہجے سے ہی بہت ریلیکس اور پرسکون محسوس ہو رہی تھیں۔

"کچھ نہیں۔" وہ کہہ کر اندر آ گئی۔

"عبداللہ آیا ہوا ہے اپنی فیملی کے ساتھ۔" انہوں نے پیچھے سے اسے اطلاع دی' مدحیہ کے قدم ٹھٹک گئے۔

"زری بھی؟"

"ہاں! زری بھی آئی ہے۔" انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

"ہوں!" وہ محض ہوں میں جواب دے کر اوپر آ گئی۔

وہ لوگ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے اس لیے مدحیہ کو نہ دیکھ سکے۔

"کون تھا؟" نبیل نے عبداللہ سے بات کرتے کرتے فائزہ بیگم سے استفسار کیا تھا۔

"مدحیہ"

"اچھا آ گئی؟ کہاں ہے اب؟" زری نے فوراً اپنے انداز سے اس کے انتظار کا اظہار کیا تھا۔

"اوپر کپڑے چینج کرنے گئی ہے' بارش میں بھیگے ہوئے تھے۔" انہوں نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا اور دوبارہ آ کر نگارش کے پاس بیٹھ گئیں' سلسلہ کلام جہاں سے منقطع ہوا تھا وہیں سے پھر شروع ہو گیا۔ وہ نگارش کو کسی ڈاکٹر پاس جانے کا مشورہ دے رہی تھیں اور نگارش ان کے مشورے پہ اچھی خاصی متفق تھی وہ بھی آج کل اپنی شادی شدہ لائف کے اسی پہلو پہ سوچ رہی تھی۔

"ہیلو ایوری باڈی' ہاؤ آر یو؟" اس نے خاصی اونچی آواز سے سب کو متوجہ کیا تھا۔

"ہیلو' تم کیسی ہو؟" نگارش نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا اور مدحیہ کے گلے مل کر باقاعدہ اس کے رخسار پہ پیار کیا تھا۔

"فٹ این فائن' آپ سنائیں' آج آپ کو فرصت کیسے مل گئی؟" حیرت کی بات تھی آج مدحیہ کسی سے شکوہ کر رہی تھی۔

"ہمیں تو فرصت مل گئی' لیکن تمہیں تو وہ بھی نہیں ملی۔"

"ارے نہیں اب ایسی بھی بات نہیں ہے' میرا پکا ارادہ تھا کہ جانے سے پہلے آپ سے مل کر جاؤں گی' آپ نہ بھی آتیں تو میں خود آ جاتی۔"

"ماشاءاللہ ہم سے زیادہ لکی تو نگارش ہے' بہن کا مدحیہ کو احساس یا قدر تو ہے۔" عبداللہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"بھابھی کی قدر ہے تو بھائی کی کیوں نہیں ہوگی؟" مدحیہ ان کی چوٹ پہ مسکرائی۔

"سنا ہے اصل سے سود پیارا ہوتا ہے؟" عبداللہ نے توجیہ پیش کی۔

"لیکن پھر بھی دیکھا جائے تو اصل' اصل ہی ہوتا ہے انسان دونوں چیزوں سے ہاتھ کھینچ سکتا ہے اصل سے اور نہ ہی اصل کے ساتھ ملنے والے سود سے۔" مدحیہ کا کہا بھی سو فیصد درست تھا عبداللہ کو مانتے ہی بنی۔

"پاکستان جانا کیسا لگ رہا ہے؟" عبداللہ کے سوالوں کا رخ مدحیہ کی طرف تھا اور وہاں موجود باقی افراد بھی انہی کی طرف متوجہ تھے۔

"میرے جواب نہ دینے کو گستاخی میں شمار تو نہیں کیا جائے گا؟" اس کی اوروں کے ساتھ ایسی تمیز اور ایسی شائستگی نبیل کو حیرانی اور رشک میں ڈال جاتی تھی۔

"جواب نہ دینے کی وجہ؟" عبداللہ نے بھنویں اچکائیں۔

"میں اس طرح سب کے درمیان اپنی فیلنگز کا اظہار کروں گی تو میرے گھر والوں کو گراں گزرے گا۔" وہ بات واضح نہ کر کے بھی کر گئی تھی۔

"اوکے ڈیئر ہم سوال بدل دیتے ہیں' تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے بھائی ول اور کے پاس جانا کیسا لگ رہا ہے؟" عبداللہ کے دام سے بچنا اتنا آسان نہیں ہوتا تھا۔

"اچھا لگ رہا ہے' بہت اچھا۔" وہ محبت سے مسکرائی۔

"ہوں! یہ کی ہے نا کام کی بات۔" عبداللہ خود بھی مسکرایا تھا بلکہ باقی سب کے چہروں پہ بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کس سے بات ہوئی؟"

"جی آج صبح ہی ان کی کال آئی تھی۔"

"وہاں جا کر سب سے پہلا کام کیا کرو گی؟"

"شادی..." وہ بے ساختہ بولی۔

"کیا؟" وہ سب ہی چونکے۔

"اپنی نہیں ول اور بھائی کی۔" اس نے تصحیح کی۔

"او اچھا' ویسے ول اور صاحب کے ساتھ ساتھ اگر اپنے نبیل سائیں پہ بھی نظر ڈال لو تو کیا ہی کہنے ہیں؟"

عبداللہ خود شادی کر چکا تھا اس لیے اسے باقی دونوں کی آزادی اور بیچلر لائف ہضم نہیں ہوتی تھی وہ وقتاً فوقتاً بتول شاہ اور فائزہ بیگم کو مشورے دیتا رہتا تھا کہ وہ اپنے اپنے بیٹوں کے لیے لڑکی ڈھونڈنے کی مہم شروع کریں' لیکن وہ دونوں مائیں اس معاملے میں بالکل ہی ٹھنڈی تھیں' جبکہ اس کی اپنی ماں جو اس کی شادی کے لیے اکثر بے چین رہتی تھیں اس نے شادی کر کے ان کو خود ہی ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ دونوں دوست شادی کے معاملے میں اس کی عجلت پہ اکثر اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

"جس روز ہماری شادیاں ہوں گی اس روز تم اپنے بچوں کے پیمپر بدل رہے ہو گے' تمہیں شادیاں اٹینڈ کرنے کی بھی فرصت نہیں ملے گی۔" ول اور کی کہی ہوئی بات اس کے ذہن میں جاگی تو بے اختیار ہنس دیا۔

"کیا یاد کر کے ہنس رہا ہے؟" نبیل متجسس ہوا۔

"ول اور کی بات کو۔" عبداللہ کا لہجہ محبت پاش تھا۔

"وہی پیمپر والی؟" نبیل ہنسا۔

"ہاں..." عبداللہ نے اعتراف کیا' وہ اب اپنی باتوں میں لگ چکے تھے' زری اور نگارش کی گفتگو مدحیہ کے ساتھ شروع ہو چکی تھی ساتھ ساتھ فائزہ بیگم بھی شامل ہو جاتی تھیں' اتنے میں لینڈ لائن فون کی بیل بجی تو فائزہ بیگم اٹھنے لگیں لیکن مدحیہ خود کھڑی ہو گئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ کہہ کر لاؤنج سے نکل گئی اور ڈرائنگ روم میں فون اسٹینڈ کے پاس آ گئی رنگ متواتر بج رہی تھی۔

"ہیلو۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر فوراً فون اٹھا لیا کہ کہیں کال بند نہ ہو جائے۔

"کون مدحیہ؟" دوسری طرف کا بھاری بارعب لہجہ اور آواز مدحیہ کو خاموش کرنے کے لیے کافی تھے۔

"ہیلو۔" وہ سختی سے ہیلو کہتے ہوئے اس کی موجودگی کا یقین چاہ رہے تھے۔

"سن رہی ہوں۔" مدحیہ کا لہجہ سرد تھا۔

"ماں کہاں ہے تمہاری؟" ان کا لہجہ بھی کچھ کم نہیں تھا کھرا اور خشک۔

"یہ پوچھیں کہ آپ کی بیوی کہاں ہے۔"

"ہاں ہاں جو بھی ہے بلاؤ اس کو۔" وہ بے زاری سے بولے۔

"بلاتی ہوں آپ کی رعایا کو۔" وہ کہہ کر ریسیور ایک سائیڈ میں ڈال کر واپس لاؤنج میں آگئی۔

"آپ کے مالک کا فون ہے۔" وہ ماں کے قریب آکر کچھ اس طرح بولی کہ صرف فائزہ بیگم ہی سن اور سمجھ سکی تھیں۔

"حیات کا فون ہے؟" وہ فوراً کھڑی ہو گئیں مدیحہ نے جواب دینے کی بجائے لاتعلقی سے رخ پھیر لیا تھا وہ وہاں سے چلی گئیں۔

"کھڑی کیوں ہو بیٹھو نا؟" زری نے مدیحہ کو ہاتھ سے پکڑ کے متوجہ کیا۔

"ہوں... تم سناؤ تم پاکستان کب آؤ گی؟" مدیحہ زری کے پاس صوفے پہ ٹک گئی۔

"ظاہر ہے اسٹڈی کمپلیٹ ہو گئی تو میں بھی پاکستان آجاؤں گی۔ بہت رہ لیا یہاں بھی۔" زری نے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔ نگارش نے دو معنی نظروں سے زری کو دیکھا تھا وہ ان کی نظروں سے انجان بن گئی اتنے میں نبیل پہلو بدل کر بیٹھا تو نظر سامنے بیٹھی زری کی طرف اٹھ گئی وہ شاید مدیحہ یا نگارش کی بات پہ کچھ کترا رہی تھی پنک سوٹ کے ساتھ پنک بڑا سا دوپٹہ سینے اور کندھوں پہ پھیلائے سر پہ بلیک اسکارف لپیٹے وہ بہت ہی مہذب اور پردے میں لگ رہی تھی اس کا خوب صورت گول چہرا بلیک اسکارف کے ہالے میں دمک رہا تھا کسی بھی قسم کے میک اپ سے عاری چہرا گلابیاں بکھیر رہا تھا چمکدار جلد اس کی فریش نیس کا منہ بولتا ثبوت تھی کوئی اسے دیکھ کر پہلی نظر میں ہی فدا ہو سکتا تھا۔

"تم بیٹھو میں فون سن کے آتا ہوں۔" عبداللہ اپنے سیل پہ آنے والی کال اٹینڈ کرتا وہاں سے اٹھ گیا اور نبیل اپنی نظر کی محویت پہ آج پھر کنفیوز ہو گیا تھا۔

"اگر عبداللہ دیکھ لیتا تو...؟" اور اس "تو" کے آگے اسے شرمندگی ہی شرمندگی نظر آئی تھی وہ سر جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

"اب آپ کہاں جا رہے ہیں نبیل بھائی؟" نگارش نے رفتہ رفتہ سب کو اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

"آپ لوگ آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں ہم کمرے میں چلے جاتے ہیں۔" نبیل نے نرمی سے جواب دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

اب وہ لڑکیاں ہی رہ گئی تھیں سو کھل کر بات چیت کر سکتی تھیں۔ ان کی آج شام آٹھ بجے کی فلائٹ تھی اس لیے وہ لوگ ان سے ملنے اور ان کے ساتھ گزارنے کی غرض سے صبح ہی آگئے تھے۔ فائزہ بیگم فون سن کر جبھی ہی کچن میں آگئیں اور عبداللہ وغیرہ کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کا انتظام کرنے لگیں پزا اور باقی فاسٹ فوڈز کے لیے نبیل نے ہوم ڈیلیوری کا آرڈر کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نگارش بھی آکر ان کی ہیلپ کروانے لگی حالانکہ انہوں نے منع بھی کیا تھا۔

* * *

وہ کچن سمیٹ کر گھر کے باقی کاموں کی طرف آئی تو سارے کام نبٹاتے نبٹاتے دن کے بارہ بج گئے اور اسے ابا کے لیے یخنی بنانے کا خیال آیا تو سر پیٹ لیا۔

"اف! میں اتنی لاپروا ہو گئی تھی؟ ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا انہوں نے صبح بھی کچھ نہیں کھایا؟" وہ دل ہی دل میں اپنے کاموں کو کوستی ہوئی ابا کے کمرے میں چلی آئی۔

"ابا... ابا..." اس نے ذرا ٹھہر کر انہیں دوبارہ پکارا تھا۔ وہ اس کے پکارنے پر متوجہ نہ ہوئے تو وہ ان کے قریب آگئی۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کا دل بری طرح دھڑکا۔

"ابا!" اس نے کان لگا کے سنا اور تسلی ہوئی۔ ان کی سانسوں کا ارتعاش اس کے لیے ڈھارس بن گیا تھا وہ سو رہے تھے۔ پہلے اس کے دل میں خیال آیا کہ ان کو جگا دے پھر سوچا پہلے کھانے کے لیے کچھ بنا لوں پھر انہیں جگاتی ہوں۔ اور اپنے دوسرے خیال پہ عمل کرتی وہ باہر نکل آئی۔ گوشت پہلے سے صاف کر کے رکھا ہوا تھا اسے ایک بار پھر تسلی سے اچھی طرح دھویا اور یخنی کے لیے چڑھا دیا ساتھ ساتھ ان کے لیے تازہ سلاد، روٹیاں اور ان کا رات کا بچا ہوا پرہیزی سالن گرم کر کے رکھ لیا تھا کہ جانے کب ان کا کیا کھانے کو دل چاہ رہا ہو۔

یخنی تو آج ان کے لیے اضافی خوراک بلکہ اضافی نعمت تھی حالانکہ ڈاکٹرز نے یہ نعمت اس کے لیے ڈیلی چارٹ میں سب سے پہلے تجویز کی تھی۔ مگر...! وہ یخنی وغیرہ تیار کر کے دوبارہ کمرے میں پہنچی تو اتنے میں وہ واقعی بیدار ہو چکے تھے فاروق نیازی کی آنکھوں میں بیٹی کے لیے محبت چمکی 'وہ حقیقتاً' اس وقت بھوک ہی محسوس کر رہے تھے۔

"السلام علیکم آپ اٹھ گئے؟ میں تھوڑی دیر پہلے آئی تھی، لیکن آپ سو رہے تھے۔" اس نے بشاشت کا اظہار کرتے ہوئے ٹرے ٹیبل پہ رکھی اور پھر ان کو انتہائی مضبوطی سے تھام کر ذرا سا اٹھایا اور سنگل بیڈ کے بیڈ کراؤن کے ساتھ تکیوں کے سہارے نیم دراز سا بٹھا دیا پھر پانی لے کر ان کو کلی کروائی اور کھانا کھلانے کے لیے بیٹھ گئی۔

یخنی کا پیالہ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں استفسار جاگا۔ گویا وہ پوچھنا چاہ رہے تھے کہ گوشت کہاں سے آیا؟

"وہ کل عدیل بھائی لے کر آئے تھے۔ امی نے کہا گوشت کا سالن بنا دوں بھائی کے لیے مگر بھائی نے منع کر دیا وہ کہنے لگے کہ یہ گوشت ابا جی کے لیے یخنی بنانے کے لیے لایا ہوں اسے رکھ دو اور گوشت لایا تو پھر بریانی بنائیں گے میں اور ایان وغیرہ کو بہت پسند ہے۔" مریم کافی کم گو لڑکی تھی لیکن جب بھی فاروق نیازی کے پاس بیٹھتی وہ خود بخود بولنا شروع ہو جاتی تھی شاید وہ انہیں ان کی خاموشی ان کی کمی کا احساس نہیں ہونے دینا چاہتی تھی تاکہ وہ اسے سنتے ہوئے اپنی محرومی اپنی بے بسی کو بھول جائیں۔

اب بھی وہ عدیل کی بات سن کر خوش ہوئے تھے۔ اور ساتھ ساتھ مریم کے ہاتھ سے نوالے کھانے لگے۔ چند نوالے لینے کے بعد ان کا جی اچاٹ ہو گیا تو مریم نے ان کی بے زاری محسوس کرتے ہوئے یخنی پلانا شروع کر دی۔

"مزے دار ہے نا؟" اس نے ان کے چہرے کے تاثرات نوٹ کیے وہ اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے لیکن صرف آنکھوں کی جنبش سے۔

"کل بھی بنا کر دوں گی تھوڑا گوشت بچا کے رکھ دیا ہے۔" اس نے اپنے سگھڑاپے اور کفایت شعاری کا ثبوت پیش کیا فاروق نیازی ان دیکھی مسکراہٹ سے مسکرائے تھے وہ واقعی ان کے لیے ہر وقت فکر مند رہتی تھی اور سب سے زیادہ خیال بھی وہی رکھتی تھی۔ ان کا دل مریم کے لیے دعاؤں سے بھرا ہوا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" مریم نے اندازہ لگایا تھا لیکن وہ مزید کوئی استفسار نہ کر سکی باہر دروازے پہ دستک ہونے لگی۔

"ابا آپ ایک منٹ انتظار کریں میں ابھی آئی۔" وہ پیالہ رکھ کے چھوٹے تولیے سے ان کا منہ پونچھ کر باہر گئی۔

"ارے کون ہے؟ صبر تو کرو۔" وہ تیز تیز قدموں سے دروازے تک پہنچی۔

"فاطمہ؟" مریم اپنی دوست کو دیکھ کر کھل اٹھی۔

Minto
بدل دے زندگی کا ہر انداز
نیو ٹچ می
منٹو
ٹوتھ پیسٹ
Calcium + Fluoride
SUPER FRESH
Minto
کیلشیم اور فلورائڈ سے دانت مضبوط
Extra Whitening سے دانتوں پر انوکھی چمک اور سفیدی
مکمل Tartar کنٹرول
ماؤتھ واش سے مہکتی سانس
Extra Whitening

"اندر آؤ نا یار۔" مریم نے پیچھے ہٹتے ہوئے اسے راستہ دیا اور پھر اس سے ہاتھ ملایا۔

"کیسی ہو؟" فاطمہ نے مریم کے سراپے پہ تنقیدی نگاہ ڈالی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ تم اندر آجاؤ میں ابا کو یخنی پلا رہی تھی۔" مریم اسے اشارہ کرتی خود بھی فاروق نیازی کے پاس آگئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے احتراماً ذرا سا سر جھکا کر کہا۔

"وعلیکم السلام بیٹھ جاؤ۔" جواب مریم نے دیا تھا۔

"انکل کی طبیعت اب کیسی ہے؟" فاطمہ ان کی طبیعت کو بخوبی جانتی تھی پھر بھی فارملٹی نبھا رہی تھی محض چند دن ہی تو ہوئے تھے اسے یہاں آئے ہوئے اور چند دنوں میں بھلا کیا فرق آسکتا تھا؟

"ان شاءاللہ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔" مریم شکر گزاری سے کام لے رہی تھی۔

"باقی سب کہاں ہیں؟ آنٹی نظر نہیں آرہیں؟" اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"ہمارے محلے کی ایک جاننے والی بیمار ہیں امی ان کی عیادت کے لیے ہسپتال گئی ہوئی ہیں اور باقی سب اپنے اپنے اسکول کالج۔" مریم ساتھ ساتھ جواب بھی دیتی جا رہی تھی۔

"یمن کا کالج کب ختم ہو رہا ہے؟ ایگزام ہو گئے کیا؟" فاطمہ جان بوجھ کر ادھر ادھر کے سوال کر رہی تھی۔

"نہیں آج شاید اس کی ڈیٹ شیٹ آئے گی تب ہی کچھ پتا چلے گا۔" وہ برتن سمیٹ کر سیدھی ہوئی تو نظر فاروق نیازی کی نظروں سے ٹکرائی وہ انہیں ساتھ والے کمرے میں جانے کا کہہ رہے تھے شاید۔

"جی ابا! چلی جاتی ہوں آپ آرام کریں میں کچھ دیر بعد پھر آجاؤں گی۔" وہ نرمی سے کہہ کر ٹرے اٹھاتے ہوئے فاطمہ کے ساتھ باہر چلی گئی برتن کچن میں رکھے اور دوسرے کمرے میں اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"جناب عدیل عمر صاحب کیا کر رہے ہیں آج کل؟" فاطمہ نے کمرے کا بغور جائزہ لیا یہ کمرا عدیل کا تھا اور باقی دونوں کمروں کے مقابلے میں کچھ بہتر اور قابل حالت میں تھا اس لیے جب بھی کوئی مہمان آتا اسے اسی کمرے میں بٹھایا جاتا تھا۔

"عدیل بھائی؟" مریم ذرا سا رکی۔

"جی ہاں! آپ کے عدیل بھائی۔" فاطمہ طنزیہ بولی۔

"انہوں نے بھلا کیا کرنا ہے؟" مریم بات گول کر گئی۔

"وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا میں تو صرف جاب کا پوچھ رہی ہوں۔"

"او جاب ہاں جاب تو وہ کر رہے ہیں۔" مریم بتاتے ہوئے کترا رہی تھی۔

"واقعی؟" فاطمہ کو حیرانی ہوئی۔

"ہاں چند دن ہوئے ہیں۔"

"اچھا! تو کہاں جاب ملی اسے؟"

"یار کمپنی کا نام بتا رہے تھے وہ مگر اب نام میرے ذہن میں نہیں رہا۔"

"سیلری کتنی ہے؟"

"یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔"

"ہونہہ! کچن سے فرصت ملے گی تو کچھ پوچھو گی نا؟" فاطمہ خفگی سے گویا ہوئی۔

"پلیز فاطمہ! اتنی خفا تو مت ہو۔"

"خفا؟ تمہارے بھائی نے اتنی اچھی جاب ٹھکرا دی آخر کیوں؟ صرف اس لیے نا کہ وہ جاب مجھ سے ریلیٹڈ

http://paktunplace.blogspot.com

تھی؟" فاطمہ مزید خفا ہوئی۔

"ارے نہیں یار! ایسی بات نہیں ہے وہ دراصل خود کچھ کرنا چاہتے تھے' وہ رشوت اور سفارش کے بغیر چلنا چاہتے تھے۔" مریم نے خود سے بات بنائی کیونکہ عدیل نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا بلکہ وہ صرف یہ کہتا تھا کہ کسی اپنے یا دوست کا' اور کسی جاننے والے کا احسان بھی مت لو' وہ احسان ہمیشہ کے لیے ہمارے گلے پڑ جاتا ہے اور ہمیں نظر جھکانے پر مجبور کرتا ہے بلکہ اس کے مقابلے میں کسی انجان اور اجنبی شخص کا احسان لے لو تو وہ بہتر ہے وہ کم از کم بار بار احسان جتانے کے لیے آپ کے گھر تو نہیں آئے گا نا؟

"بس ایک تو یہ مڈل کلاس لوگوں کی نام نہاد خودداری نہیں جاتی گردن کٹ رہی ہوگی پھر بھی کہیں گے' سر تو نہیں جھکانا؟" فاطمہ آج شاید اپنی بھڑاس نکالنے ہی آئی تھی۔

"فاطمہ یار پلیز میں اس وقت تم سے کوئی بھی بحث نہیں کرنا چاہتی' اتنے دنوں بعد آئی ہو' آرام سے بیٹھو کوئی بات کرو' بلکہ ایسا کرو تم یہ کتاب دیکھو میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔" مریم اٹھنے لگی۔

"نہیں چائے رہنے دو میں زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

"کیوں آج میرے ہاتھ کی چائے بھی کڑوی ہوگی؟" مریم نے فاطمہ کو ناراضی سے دیکھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسی بات ہے؟"

"او کے یار جاؤ لے آؤ چائے۔" فاطمہ نے ہار مانی۔

"ٹھیک ہے' تم بس پانچ منٹ ویٹ کرو۔" مریم مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی اور اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

جب فاطمہ آئی تو مریم گھر کا دروازہ بند کر کے آنا بھول گئی تھی اسی لیے دروازے کی کنڈی کھلی ہوئی تھی عدیل نے دستک دینا چاہی مگر دروازہ کھلتا چلا گیا تھا جس پہ وہ حیران ہوتا اندر آ گیا۔

"مریم!" اس نے صحن اور برآمدہ خالی دیکھ کر پکارا۔

"جی بھائی؟" وہ فوراً" کچن سے نمودار ہوئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ دروازہ کیوں کھلا چھوڑ رکھا ہے؟" اس نے ہاتھ میں پکڑے شاپر اسے تھمائے۔

"پتا نہیں شاید یاد نہیں رہا۔" وہ شاپروں میں جھانکنے لگی کہ شاید کوئی ایسی چیز مل جائے جو وہ چائے کے ساتھ فاطمہ کو پیش کر سکے۔

"تمہارے لیے برگر اور باقی سب کے لیے سموسے لایا ہوں اور رات کی ہنڈیا کا سامان بھی ہے۔"

"برگر؟" مریم کو خوشی ہوئی کہ چلو فاطمہ کے لیے تو کچھ مل ہی گیا۔

"ہاں تمہیں برگر پسند ہے نا؟"

"جی اچھی بات۔"

"امی کہاں ہیں؟" عدیل اپنے کمرے کی سمت بڑھتے ہوئے بولا۔

"امی خالہ کنیز کا پتا کرنے گئی ہیں' ابا اپنے کمرے میں ہیں اور میں فاطمہ کے لیے چائے بنا رہی ہوں۔" اس نے ساری تفصیل بتائی۔

"فاطمہ؟" عدیل کے کمرے کی طرف اٹھتے قدم تھم گئے۔

"جی' وہ اندر کمرے میں ہے۔" اس نے اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے تم چائے بناؤ میں ابا کے پاس بیٹھتا ہوں۔" وہ وہیں سے پلٹ گیا۔

"السلام علیکم۔" فاطمہ اس کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی عدیل کے قدم رک گئے۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہیں آپ؟" اس نے فاطمہ کو سرسری نظروں سے دیکھا۔

"خیریت سے ہوں' آپ اپنی سنائیں کیسی گزر رہی ہے؟" فاطمہ نے اسے سر تا پا دیکھا کافی تھکا تھکا لگ رہا تھا۔

"جو گزر رہی ہے وہ اچھی ہی گزر رہی ہے۔"

"یہ اچھی مجھے تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہی؟" فاطمہ نے طنز کیا۔

"تو پھر اتنی اچھی بھی نہیں ہے کہ آپ جیسے صاحب حیثیت لوگوں کو نظر آ سکے' بس اتنی اچھی ہے کہ ہم لوگ رات کو پیٹ بھر کے سوتے ہیں اور صبح سکون سے اٹھتے ہیں بھوک کی بے چینی سے وقت سے پہلے ہی بے دار نہیں ہونا پڑتا اور ہمارے لیے آج کل پوری نیند اور بھوک کے مطابق کھانا ملنا ہی اللہ کی ان نعمتوں میں سے ہے جن کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔" عدیل نے مطمئن سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"لیکن یہ اچھی بہت اچھی بھی ہو سکتی تھی اگر آپ جناب میری بات مان لیتے تو۔" فاطمہ کا دبا دبا غصہ طنز و تمسخر میں ڈھل چکا تھا۔

"اگر آپ کی بات مان لیتا تو اس وقت سر اٹھا کر اپنے حالات کا تذکرہ نہ کر رہا ہوتا بلکہ آپ کی عنایت پہ سر جھکا کر مشکور و ممنون ہو رہا ہوتا۔" عدیل کی بات بھی جھٹلانے والی نہیں تھی لیکن وہ مزید کچھ کہہ نہ سکی کیونکہ ابھی کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ مریم ٹرے اٹھائے چلی آئی۔

"ارے! تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟ چلو اندر چائے پیو۔" فاطمہ کا دل چاہا انکار کر کے چلی جائے لیکن پھر مریم کے خیال سے باز آ گئی تھی عدیل پلٹ کر اباجی کے پاس چلا گیا تھا مریم اسے بھی چائے کا کپ دے گئی تھی۔

* * *

"سنو!"

"جی صاحب؟" وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے ٹھہر گئی اور فوراً" پلٹ کر نور کو دیکھا۔

"علیزے کہاں ہے؟" اس نے اپنی آستین کا بٹن بند کرتے ہوئے پوچھا وہ ابھی ابھی اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلا تھا۔

"جی اپنے کمرے میں ہیں۔"

"جاگ رہی ہے؟"

"جی صاحب' کافی دیر سے۔"

"ہوں! جاؤ تم۔" وہ سر ہلا کر کچھ سوچتا ہوا اوپر آ گیا دائیں طرف آخری والا بیڈ روم علیزے کا تھا اس نے دروازے پہ ٹھہرتے ہوئے ہلکی سی دستک دی۔

"یس کم ان۔" اس کی مدھم سی آواز سنائی دی کیونکہ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا تو دروازہ دھکیل کر اندر آ گیا۔

"گڈ مارننگ۔" نور نے اپنی آواز اور لہجے کو قدرے فریش رکھا تھا۔

"نور بھائی؟" علیزے اپنے بیڈ پہ کمبل میں کافی کسلمندی سے دبکی ہوئی تھی اسے دیکھ کر فوراً" اٹھ بیٹھی۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ کافی نرمی اور رسان سے پوچھ رہا تھا۔

"کافی بہتر ہوں۔" علیزے آہستگی سے بولی۔

"ناشتا نہیں کیا ابھی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر اٹھو ایک ساتھ کرتے ہیں۔"

"نہیں ابھی دل نہیں چاہ رہا۔"

"مگر میرا دل تو چاہ رہا ہے نا؟"

"تو آپ کریں ناشتا۔" علیزے نے مسکرا کر کہا۔

"صرف ناشتا کرنے کو نہیں چاہ رہا' تمہارے ساتھ ناشتا کرنے کو چاہ رہا ہے۔" آذر نے اپنی بات پر زور دیا۔

"پلیز آذر بھائی' موڈ نہیں ہے۔ میں نے رجو کو بھی انکار کر دیا ہے۔"

"یعنی تمہاری نظر میں میری حیثیت رجو جتنی ہے؟ تم نے اس کو انکار کر دیا تو مجھے بھی انکار کر دیا؟" آذر نے اسے اموشنلی بلیک میل کیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" علیزے ٹھٹک گئی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں' تمہاری بات کا یہی تو مطلب ہے۔" آذر ناراضی سے کہتا صوفے پہ بیٹھ گیا اور علیزے پریشان ہو گئی۔

"میں نے ایسا کب کہا؟"

"تو تم نے ناشتا کرنے کا بھی تو نہیں کہا؟"

"اف! آپ تو مائنڈ کر گئے؟" وہ سر جھٹک کے بولی۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔"

"آئیم سوری! آپ کو برا لگا۔"

"سوری نہیں چلے گا۔"

"تو پھر؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ناشتا۔" آذر نے پھر وہی بات کی۔

"اوکے! چلتی ہوں۔" وہ بے ساختہ ہنستی ہوئی کمبل ہٹا کر اٹھ گئی پنک کلر کے بیک لیس سلیپر پہنے اور گرم مفلر لپیٹتی اس کے ساتھ بیڈ روم سے باہر نکل آئی۔

دونوں ایک ساتھ سیڑھیاں اترتے نیچے ڈائننگ ہال میں پہنچے تو وہاں باقی سب بھی موجود تھے تقریباً" سبھی نے انہیں بیک وقت دیکھا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے آہستگی سے سلام کیا۔

"تم اٹھ گئیں؟" آسیہ آفندی اسے دیکھ کر فوراً" قریب آئیں۔

"اٹھی نہیں ہوں' اٹھایا گیا ہے۔" اس نے آذر کو شکایتی نظروں سے دیکھا وہ مسکرا دیا۔

"اگر میں تمہیں اٹھا کر ساتھ نہ لاتا تو اس وقت آپ خوش کیسے ہوتیں؟" وہ آسیہ آفندی کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو علیزے کو نارمل کیفیت میں دیکھ کر واقعی خوش ہو رہی تھیں کیونکہ کل صبح سے علیزے کی حالت بہت خراب تھی وہ دہشت اور خوف کے مارے نہ کچھ کھا رہی تھی اور نہ ہی کوئی بات کر رہی تھی جبکہ آذر نے کل والی بات کا کوئی بھی ذکر کیے بغیر اس سے اتنی نارمل بات چیت کی کہ وہ خود بھی اس بات کے حصار سے نکل آئی تھی۔

"گڈ مارننگ میم۔" وہ کرسی کھینچ کے بیٹھ رہی تھی جب اچانک جودت بھی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ جودت کو دیکھ کر مسکرائی۔

"آج تو لگتا ہے ڈائننگ روم میں تمام بہاریں ایک ساتھ آگئی ہیں۔" جودت نے آذر' علیزے' کومل' حرمت اور جویریہ کی سمت دیکھتے ہوئے خوش گوار حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں آج تم جو نظر آ رہے ہو۔" حرمت نے گھور کے کہا۔

"بس اپنی تو بات ہی کچھ اور ہے' جہاں بھی گئے داستان چھوڑ آئے۔" انہوں نے فخریہ کالر کھڑے کیے۔

"کیسی داستان؟ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے؟" حرمت نے شرارت سے کہا اور جودت سٹپٹا گیا اس نے گھور کے حرمت کی سمت دیکھا۔

"آرام سے ناشتا کرو' آذر بھائی ڈسٹرب ہو رہے ہوں گے۔" اس نے جان بوجھ کے آذر کا حوالہ دیا اور پھر نظر کومل پہ جا ٹھہری وہ خاموشی سے سر جھکائے ناشتا کر رہی تھی۔

"آج کومل آپا بڑی چپ چپ ہیں؟" لہجہ اور انداز معنی خیز تھے۔ کومل چونک کر سیدھی ہوئی۔

"میں یونیورسٹی سے لیٹ ہو رہی ہوں' اس لیے جلدی ناشتا کر رہی ہوں۔"

"اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اطمینان سے ناشتا کریں' آذر بھائی ڈراپ کریں گے آپ کو۔" جودت نے لاپروائی سے کہا کومل اور حرمت دونوں ٹھٹک گئیں آذر کافی سنجیدگی اور مگن سے انداز میں ناشتا کر رہا تھا۔

"بھائی آپ کومل آپا کو ڈراپ کریں گے نا؟ وہ لیٹ ہو رہی ہیں؟" کومل کے انکار سے پہلے ہی جودت نے آذر سے بھی پوچھ لیا۔ وہ چونک کر متوجہ ہوا پہلے جودت کو اور پھر اک نظر کومل کو دیکھا وہ پریشان سی دیکھ رہی تھی۔

"ہوں' کر دوں گا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"دیکھا؟ ہو گیا نا مسئلہ حل؟ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی تھیں۔" جودت نے آنکھ دبائی۔ تھوڑی دیر بعد آذر کھڑا ہو گیا۔

"چلیں۔" اس نے کومل سے کہا اور پلٹ کر علیزے کو دیکھا۔

"اوکے ڈیئر تم آپی کے ساتھ باتیں کرو ہم لوگ لنچ پہ دوبارہ ملیں گے۔" آذر نے اسے ہلکے پھلکے انداز سے کہا اور ڈائننگ ہال سے نکل گیا کومل ہونق سی جودت اور آذر کی پشت کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"چلیں۔ محترمہ مسٹر آذر آفندی گاڑی اسٹارٹ کر چکے ہوں گے۔" جودت نے ہاتھ ہلا کر کومل کو پھر متوجہ کیا۔

"جودت پٹ جاؤ گے مجھ سے۔" کومل اپنا بیگ اور کتابیں اٹھاتی جودت کو گھورتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور اس کے جانے کے بعد جودت کی توپوں کا رخ علیزے کی سمت ہو گیا آسیہ آفندی مسکرا رہی تھیں!

وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے ہارن دینے ہی والا تھا کہ حویلی کے مرکزی دروازے سے کومل باہر نکلتی دکھائی دی وہ دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پہ جمائے اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا کیونکہ حویلی کے مین ڈور اور ڈرائیو وے کے درمیان اچھا خاصا فاصلہ تھا دائیں طرف کا پورا لان گھوم کے آنا پڑتا تھا اور ڈرائیو وے تک آتے آتے بھی چند منٹ لگ ہی جاتے تھے اس نے ذرا سا جھک کر دوسری سائیڈ کا دروازہ کھول دیا کومل آ کر کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی چوکیدار نے بڑا سا گیٹ وا کر دیا تھا وہ گاڑی بیک کرتے ہوئے گیٹ سے نکلا اور پھر گاڑی روڈ پہ ڈال دی۔ جیسے ہی گاڑی روڈ پہ آئی اس کی اسپیڈ میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ چند سیکنڈ گزرے تو آذر کو گاڑی کے اندر کی خاموشی عجیب سی لگنے لگی اور اس خاموشی کا احساس ہوتے ہی اس نے بات شروع کی۔

"کون سے ایئر میں ہو؟"

"فائنل ایئر میں۔" کومل نے بامشکل تمام جواب دینے کی ہمت مجتمع کی تھی۔

"فائنل ایئر؟ لیکن تمہیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیے تو کچھ ہی عرصہ ہوا ہے؟"

"تین سال کا عرصہ کچھ ہی عرصہ نہیں ہوتا۔" کومل نے زور دے کر کہا۔

"تین سال؟ واقعی وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا؟ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں چند روز پہلے ہی تمہارا

http://paksociety.blogspot.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ایڈمیشن کروا کے آیا ہوں۔" کومل کا ایڈمیشن آذر نے ہی کروایا تھا اسی لیے وہ وقت یاد کر کے وقت کے جلدی گزر جانے پہ حیرانی ہو رہی تھی۔

"ہم نے تین سال پڑھتے ہوئے اور ایگزامز دیتے ہوئے گزارے ہیں اس لیے ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وقت کیسے گزرا۔" کومل نے کھڑکی سے باہر دیکھ کر کہا اندر دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس کی۔

"کون سا سمسٹر چل رہا ہے؟"

"ساتواں یعنی فائنل ایئر کا فرسٹ سمسٹر۔"

"ہوں! تو گویا ابھی ایک سال کا وقت ہے اسٹڈی سے فارغ ہونے میں؟"

"ہاں! تقریباً۔" کومل نے سر ہلایا۔

"اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟"

"ابھی سوچا نہیں' ممی سے ڈسکس کروں گی۔"

"وہ کون سا انکار کریں گی؟" آذر ثمو بیگم کو سوچتے ہوئے بے ساختہ مسکرا دیا تھا وہ رشتے میں تو ان سب کی چچی تھیں لیکن انہوں نے کبھی بھی چچی ہونے کا احساس نہیں دلایا تھا ہمیشہ فریش اور فرینڈلی موڈ میں نظر آتی تھیں کافی ہنس مکھ اور سافٹ نیچر کی تھیں اور دوسری بات یہ کہ وہ آذر کی چچی ہی نہیں خالہ بھی تھیں ثروت بیگم اور ثمو بیگم بہنیں تھیں اس لیے آذر اور جودت وغیرہ کا کومل سے "مسیر" کا رشتہ بھی نکلتا تھا۔

"آپ علیزے کے لیے بہت پریشان ہیں نا؟"

"ظاہر ہے یہ معاملہ ہی پریشانی والا ہے۔"

"کچھ مسئلہ حل ہوا؟" کومل نے اتنے عرصے میں پہلی بار سر اٹھا کر ڈرائیو کرتے آذر کو دیکھا۔

"ایک دن میں کیا مسئلہ حل ہو سکتا ہے؟" کومل سمجھ دار تھی گھر میں لڑکیوں سے سب سے بڑی تھی اسی لیے اس کے استفسار پہ آذر کو جواب نہ دینا غیر مناسب لگ رہا تھا۔

"علیزے نے کچھ بتایا نہیں؟"

"نہیں میں نے پوچھا ہی نہیں' ابھی وہ تھوڑی سنبھل جائے پھر بات کروں گا' صبح ہی صبح یہ بات چھیڑ دیتا تو وہ مزید ڈسٹرب ہو جاتی۔" آذر کو اس کے آرام اور سکون کا بھی کتنا خیال تھا؟ کومل نے رشک سے دیکھا۔

"آپ ڈسٹرب نہیں ہیں کیا؟"

"میری ڈسٹربنس کچھ اور نوعیت کی ہے اور علیزے کی کچھ اور۔"

"لیکن ڈسٹربنس تو ہے نا؟"

"ہوں! کہہ سکتی ہو۔" آذر بہت نارمل بات کر رہا تھا کومل کی گھبراہٹ کم ہو چکی تھی اور اسی لیے تو وہ بات بھی کر رہی تھی اور ابھی وہ کچھ اور کہنے کا ارادہ بھی رکھتی تھی کہ آذر کا سیل بجا۔ اسرار آفندی کی کال تھی۔

"جی ڈیڈی؟"

"تم ہسپتال پہنچو۔" وہ مختصراً بولے ان کے پیچھے شور سا تھا۔

"کیوں خیریت؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"میں خیرو بابا کی خیریت معلوم کرنے اسپتال آیا تھا اور میرے پیچھے میڈیا والے بھی پہنچ گئے۔" وہ کچھ پریشان لگ رہے تھے۔

"اف! آپ کو کس نے کہا تھا کہ ہسپتال جائیں؟ میں نے رات کو کہا بھی تھا کہ آپ لوگوں کو ہسپتال وغیرہ کے چکر لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم لڑکے ہی کافی ہیں اس کام کے لیے' ایک خیرو بابا ہی ہیں نا؟ ہم سنبھال لیں گے ان کو۔"

"ارے یار بھائی صاحب نے آنے کو کہا تھا۔" اسرار آفندی جھنجلائے۔

"ڈیڈ بھی میرا خیال ہے کہ کچھ کرنے سے پہلے سوچتے نہیں ہیں؟" آذر خفا ہو رہا تھا۔

"وہ خیرو بابا کے لیے پریشان تھے۔"

"پریشان تو ہم سب ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے کہ اسپتال میں ڈیرہ ڈال کے بیٹھ جائیں؟ صرف ایک ملازم زخمی ہوا ہے پورا گھر زخمی نہیں ہوا جس پہ آپ لوگ اتنے بدحواس ہو رہے ہیں' اینی وے میں آ رہا ہوں آپ ویٹ کریں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا اور گاڑی کی اسپیڈ مزید بڑھا دی اس نے لب سختی سے بھینچ رکھے تھے کومل اسے دیکھتے ہوئے اس وقت چونکی جب اس نے یونیورسٹی کے سامنے بریک لگائے تھے۔

"تھینک یو۔" وہ گاڑی سے اترنے کے بعد تھینک یو کہہ رہی تھی کہ آذر گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھا لے گیا تھا اس کے پاس ٹائم کم تھا ورنہ وہ ایسی بداخلاقی کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ انتہائی رش ڈرائیونگ کر رہا تھا حالانکہ صبح کے وقت ایسی ڈرائیونگ خطرے سے خالی نہیں تھی لیکن اس کا ہسپتال پہنچنا ضروری تھا اسے جلدی پہنچنا تھا۔

* * *

وہ آج بہت عرصے بعد دن کے وقت سویا تھا' رات کو نیند ہی پوری نہیں ہوتی تھی اور دن میں کام پیچھا نہیں چھوڑتے تھے لہٰذا ایک بھرپور نیند اور فریش موڈ خواب و خیال ہو کے رہ گئے تھے۔

آج اس نے کورٹ نہیں جانا تھا اس لیے تقریباً" فارغ ہی تھا۔ صبح اٹھا ایک دو ضروری کام نمٹایا اور گھر آگیا اپنے کمرے میں فارغ ٹہلتے ہوئے بور ہونے لگا تو نیند کو ترجیح دی اور پھر وہ لیٹا ہی تھا کہ نیند اس پہ مہربان ہو گئی۔ وہ دن کے بارہ بجے سویا تھا اور شام کے پانچ بجے آنکھ کھلی تھی پانچ گھنٹے کی نیند کچھ کم نہیں تھی سو خود بخود فریش اور دماغ ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ شاور لے کر نیچے آیا تو دن کے سائے ڈھل چکے تھے مغرب کی طرف ڈوبتے سورج کی بے دم سی شعاعیں مشرق کو الوداع کہہ رہی تھیں اسے لان میں دیکھ کر اس کا بل ڈوگ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور بے چینی سے دائیں بائیں ٹہلتا اپنی تھوڑی دیر کی رہائی کی فریاد کرنے لگا۔ ولی آذر نے آگے بڑھ کے اسے تھپکا بل ڈوگ لوہے کے موٹے سے کھونٹے سے بندھا ہوا تھا اور جس کھونٹے سے بندھا ہوا تھا وہ کھونٹا گھر کی دیوار میں نصب تھا جسے سیمنٹ اور بجری سے مضبوط کیا گیا تھا تاکہ بل ڈوگ چاہے جتنی بھی زور آزمائی کر لیتا اس کھونٹے کو نہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول
شائع ہو گئے ہیں
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو راحت جبیں قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں لبنیٰ جدون قیمت: 250 روپے
منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اکھاڑ سکتا۔

اس کی بے چینی محسوس کرکے دل آور نے اسے کھول ہی دیا تھا اور بل ڈوگ خوشی کا اظہار کرتا اپنے صحت مند جسم سمیت انتہائی طویل جست لگاتا لان کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں پہنچ گیا تھا۔ دل آور لان کی ایک سائیڈ میں لگے واش بیسن پہ گیا اچھی طرح ہاتھ وغیرہ دھونے کے بعد آکر کرسی پہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد گل آگئی۔

"صاحب کچھ لیں گے آپ؟ دن میں بھی کھانا نہیں کھایا؟"

"چائے لے آؤ۔" وہ بل ڈوگ کی طرف متوجہ تھا۔

"گل....!" اس نے آواز دی۔

"جی صاحب؟"

"گلاب خان کو اندر بلاؤ' میں نے تم لوگوں سے بات کرنی ہے۔" اس نے بل ڈوگ سے دھیان ہٹا کر گل سے کہا۔

"جی ابھی بلاتی ہوں۔" وہ سعادت مندی سے کہتی گیٹ کی طرف چلی گئی اور پانچ منٹ بعد وہ دونوں ایک ساتھ اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

"جی صاحب آپ نے بلایا؟" گلاب خان مودب کھڑا تھا۔

"گل نبیل کی فیملی پاکستان پہنچ رہی ہے' ان کی ملازمہ اور ملازم سب نئے ہیں اور میں کچھ خاص مطمئن نہیں ہوں' اتنے عرصے بعد وہ لوگ پاکستان آئیں اور انہیں ٹھیک سے کھانا بھی نہ ملے یہ بات میرے لیے شرمندگی کا باعث ہے' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ محض دو دن کے لیے گل کو ان کی طرف بھیج دیتا ہوں اگر تمہیں برا نہ لگے تو؟" دل آور اپنے ملازم سے بھی اس طرح بات کرتا تھا کہ اس کی عزت نفس کو ٹھیس نہیں پہنچتی تھی بلکہ ملازم کا وقار بڑھ جاتا تھا وہ چاہتا تو ایک مالک ہونے کے ناتے اپنے ملازموں کو نبیل کے گھر جانے کا حکم بھی دے سکتا تھا مگر اس نے حکم کی بجائے ان کی رضامندی کو ترجیح دی۔

"صاحب! یہ کیسی بات کررہے ہیں آپ؟ مجھے برا کیوں لگے گا؟" گلاب خان کا اپنے صاحب پہ مان بڑھ گیا تھا۔

"برا لگ بھی سکتا ہے' گل تمہاری بیوی' تمہاری عزت ہے اور اپنی عزت کے بارے میں تم سے بہتر فیصلہ کون کرسکتا ہے بھلا؟"

"نہیں نہیں صاحب ہماری عزت کے بارے میں آپ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا گل دو دن نہیں چار دن بھی جاکر رہ سکتی ہے' آپ جب چاہیں چھوڑ آئیں۔" گلاب خان نے بے اختیار سوچا۔

"نہیں بس دو دن ہی کافی ہیں پھر وہ اپنی ملازمہ کو ٹرینڈ کرلیں گے۔"

"لیکن صاحب آپ کیا کریں گے؟ کھانا وغیرہ کون بنائے گا؟" گلاب خان کو اس کی فکر ہوئی۔

"تم ہو نا۔" دل آور نے گلاب خان کو مسکرا کر دیکھا۔

"میں؟" اسے تعجب ہوا تھا۔

"ہاں! تم کھانا تو بنا ہی لیتے ہو نا؟"

"لیکن صاحب جب سے یہ شہر آئی ہے تب سے اپنے ہاتھ کا ذائقہ اچھا نہیں رہا۔" گلاب خان گل کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا گل شرم سے چہرا جھکا گئی اور دل آور ان دونوں کی حرکت پہ یکدم قہقہہ لگا کے ہنسا تھا جبکہ وہ دونوں خجل ہو کر رہ گئے تھے۔

"تمہارے ہاتھ کا ذائقہ اب بھی وہی ہے' بس یہ کہو کہ تمہیں بیوی کے ہاتھ سے کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ لیکن مجبوری ہے یار دو دن تمہیں میرے ساتھ ہوٹل کا کھانا ہی کھانا پڑے گا۔" دل آور نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں صاحب' کھالیں گے۔" گلاب خان سر خم کرتے ہوئے بولا۔

"تھینک یو' گل صبح جب میں کہوں..... تم جاکر گل کو چھوڑ آنا۔"

"جی صاحب جیسے آپ کی مرضی۔"

"اوکے جاؤ تم اور گل تم چائے لے آؤ۔" اس نے اشارہ کیا وہ دونوں ہی چلے گئے۔ چائے پینے کے بعد سگریٹ سلگالیا۔

"چائے کے فوراً بعد سگریٹ؟ ایک ساتھ دو نشے کیسے افورڈ کرلیتے ہیں؟" اس نے سگریٹ کا کش لیا ہی تھا کہ وہ پوچھ بیٹھی۔

"چائے طلب ہے اور سگریٹ عادت۔ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی نشہ نہیں کہلا سکتی نشہ اس چیز کا ہوتا ہے جو ہر چیز سے بے گانہ کردے اور یہ دونوں تو اتنے بے ضرر ہیں کہ ہر دوسرا بندہ ان سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے۔" دل آور نے اپنی رائے دی۔

"لیکن میری نظر میں تو یہ نشے کا درجہ ہی رکھتی ہیں۔" وہ زور دے کر بولی۔

"تو پھر ایک نشہ تو آپ بھی کرتی ہیں۔" وہ جتنے سکون سے بولا تھا وہ یکدم سٹپٹا گئی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"چائے تو آپ بھی پیتی ہیں۔" وہ دھیان سے بولا اور اس کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔

"میں تو ایک اور نشہ بھی کرتی ہوں۔" اب کی بار وہ دھیان سے بولی تھی۔

"کون سا؟" سوال بے ساختہ سا تھا۔

"محبت کا۔" اس کے جواب پہ وہ جیسے بہرہ ہو گیا تھا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اس کی بے نیازی اور لاتعلقی پہ اس کا چہرہ بجھ کے رہ گیا اور وہ زری کے چہرے کی بجھی روشنیوں سے نظر چراتا وہاں سے اٹھ گیا تھا اور چونکا تو اس وقت جب بل ڈوگ نے دیوار پہ بیٹھے کبوتر کو دیکھ کر غرانا شروع کیا وہ کبوتر کو نگلنا چاہتا تھا دل آور سر جھٹک کر ماضی سے حال میں پہنچا۔

"تو کیا میں زری کو یاد کررہا تھا؟" وہ حیرت سے سوچتا سگریٹ مسل کر بل ڈوگ کے قریب گیا اور دیوار کے قریب لاکے دوبارہ کھونٹے سے باندھ دیا اسے لان میں بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اسی لیے اندر آگیا سامنے ہی ٹیبل پہ مومنہ بی بی کی کیس فائل پڑی تھی وہ فائل اٹھا کر اپنے اسٹڈی روم میں آبیٹھا اور اطمینان سے کیس اسٹڈی کرنے لگا اب اسے دیر تک مصروفیت کا موقع مل گیا تھا۔

گل رات کو کھانے کا پوچھنے آئی تو بھی اس نے انکار کردیا جب وہ بزی ہوتا تھا تو کھانے پینے پہ بھی دھیان نہیں دیتا تھا اور کیس اسٹڈی کرتے ہوئے تو سوائے سگریٹ اور چائے کے کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی تھی اس کا ایش ٹرے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھر جاتا تھا اور ہر پندرہ بیس منٹ بعد چائے بھی ختم ہوتی رہتی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

* *

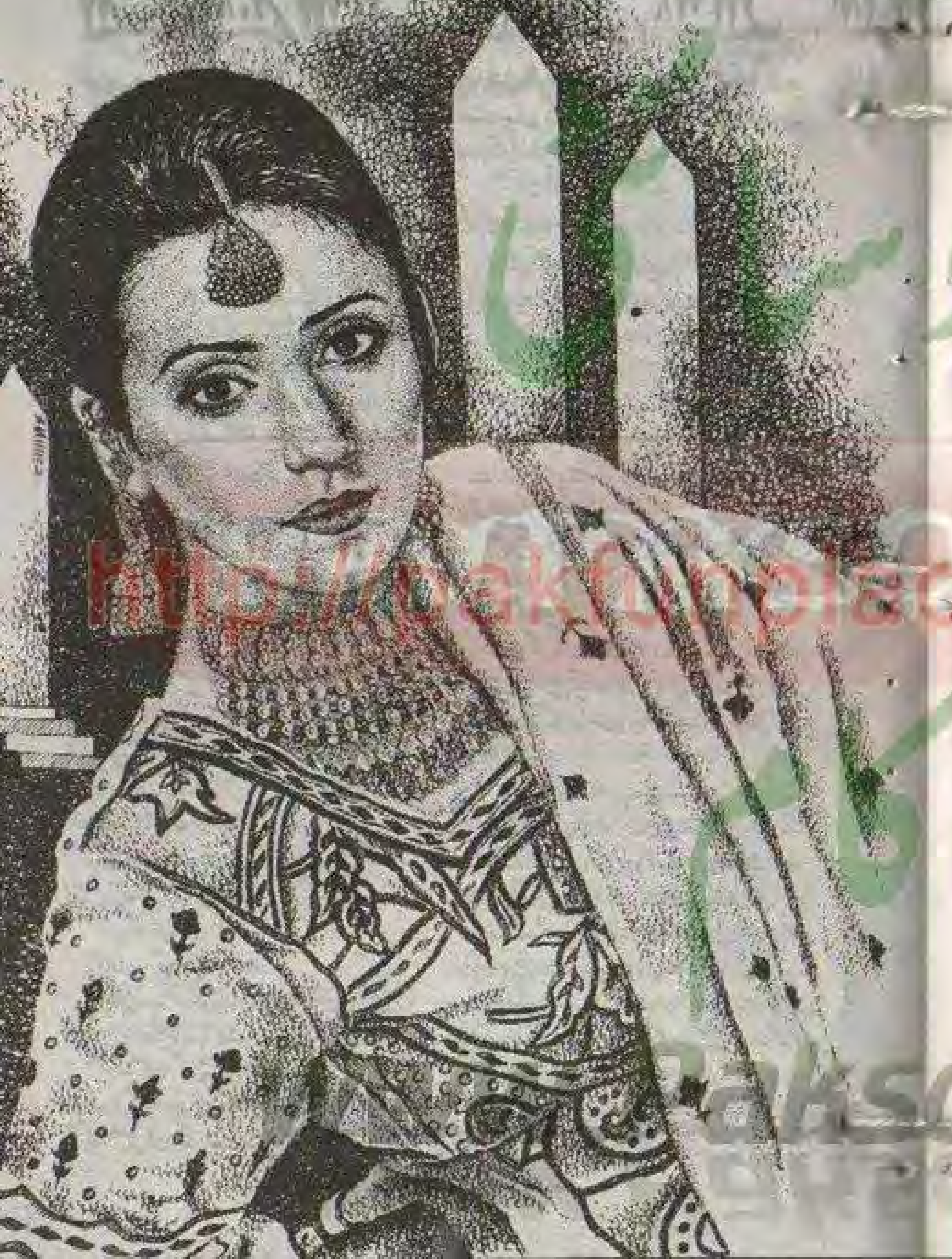

سعدیہ راجپوت

عشق آتش

تیسری قسط ۳

"کیا؟" ایک دم اس کے منہ سے نکلا تھا۔ حیرت کے شدید جھٹکے سے چائے کپ سے چھلک کر اس کے کپڑوں پر گر گئی تھی۔ اس نے فوراً کپ سائیڈ میں رکھا اور کپڑے جھاڑنے لگی۔ وجدان نے کچھ ٹشو پیپر نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"ان سے صاف کر لو۔" تانیہ نے ٹشو پیپر پکڑ تو لیے مگر کپڑے صاف کرنے کا اسے ہوش ہی نہیں رہا۔

"یہ کیا ہو گیا۔ وہ کیوں مر گئی میں تو اس سے ملنے کی خواہش میں یہاں تک آئی تھی۔ ایسا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔" وہ سکتے کے عالم میں تھی جیسے کسی بے حد عزیز ہستی کی موت کی خبر ملی ہو۔ تانیہ کو خود بھی یہ محسوس کر کے حیرت ہوئی کہ اسے اس خبر پر صدمہ ہوا تھا۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دبا رکھا تھا ورنہ شاید وہ رو ہی پڑتی۔ اسے خود بھی نہیں پتہ تھا کہ ملیحہ اس کے اتنے قریب آ چکی تھی۔ اس کا دھواں دھواں سا چہرہ دیکھ کر وجدان فکر مند سے ہو گئے تھے۔

"کنٹرول یور سیلف بیٹا۔" انہوں نے کہا۔ اور اٹھ کر اس کے پاس آ گئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے ریلیکس کرنے لگے۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا تم اتنی حساس ہو۔" وہ نرمی سے اس کا سر تھپک رہے تھے۔ تانیہ نے بھی خود کو ریلیکس کرنے کے لیے گہرے گہرے سانس لیے پھر وجدان کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"بیٹھ جائیے انکل میں اب ٹھیک ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔" بیٹھنے کے بجائے وجدان نے ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر اسے دیا۔ تانیہ نے گلاس تو تھام لیا مگر ہونٹوں تک لے جانے کی زحمت نہیں کی۔ وجدان واپس اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے۔ تانیہ نے پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور کہا۔

"آئی ایم سوری انکل میں نے آپ کو پریشان کر دیا۔"

"پریشان تو کیا ہے تم نے پر اس میں سوری کہنے والی کیا بات ہے۔"

"بات تو ہے۔ انجانے میں ہی سہی پر میں نے آپ کو آپ کا دکھ یاد دلا دیا۔"

"دکھ اور زندگی کا ساتھ بہت گہرا ہے تانیہ جتنا بھی بچ کر چلو یہ سامنے آ ہی جاتے ہیں۔ بھلا انہیں کوئی بھول کیسے سکتا ہے۔" تانیہ نے دیکھا وہ ہاتھ پھیلا کر جانے اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں کیا ڈھونڈنے لگے تھے۔

"انکل۔" اس نے وجدان کو پکارا۔ وجدان نے اس کی طرف دیکھا۔

"ملیحہ آنٹی کی ڈیتھ کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔"

"ستائیس سال۔" اپنے ہاتھ کو سمیٹ کر مٹھی بناتے اپنے ماتھے سے لگا کر بولتے ہوئے وہ ایک پل کو بے چین ہوئے تھے۔

"ستائیس سال گزر گئے۔" تانیہ نے دل میں کہا

پھر ان سے بولی۔

"شایان تو اس وقت بہت چھوٹا ہوگا۔"

"ہوں۔" وہ اپنے آپ سے چونکے پھر اس کے لفظوں پر دھیان دے کر کہا۔

"شایان کی پیدائش اور ملیحہ کی وفات ایک ہی دن ہوئی تھی۔" تانیہ کو یک بیک اپنے سامنے بیٹھے شخص پر ترس آنے لگا تھا۔

"انکل اب میں چلتی ہوں۔" وہ گلاس رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ آئی تو انکشافات سننے کے لیے ہی تھی پر جو انکشاف سنا تھا اس نے تانیہ کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وجدان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اسے باہر تک چھوڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ دونوں باہر نکلے ہی تھے کہ ایک گاڑی پورچ میں آکر رکی اور شایان ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اترتا حیرت سے بولا۔

"تانیہ تم کب آئیں۔"

"کل پھر ہوگی ملاقات اب چلوں گی۔ اللہ حافظ۔" وہ کہیں روک نہ لے اس خیال سے جلدی سے بول کر وہ تیزی سے چلتی گیٹ سے باہر آگئی اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے وہ کسی طرف دیکھے بنا سیدھی نکل گئی۔ شایان گاڑی کا دروازہ کھولے ابھی تک گیٹ کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وجدان بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے پاس آکر انہوں نے شایان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔

"کیا بات ہے برخوردار۔" شایان نے چونک کر انہیں دیکھا اور یوں ہی ہنس دیا۔ پھر پوچھنے لگا۔

"آپ کو تانیہ کیسی لگی؟"

"ہوں۔" وہ سوچنے لگے۔

"اچھی ہے مگر کچھ جذباتی سی ہے لیکن کیا فرق پڑتا ہے کون سا میرا بیٹا جذباتیت میں کسی سے پیچھے ہے۔"

"ہو۔" ان کے ہنسنے پر جز بز ہوتے اس نے کار کا دروازہ بند کیا پھر وجدان کے شانوں پر بازو پھیلائے اندر آگیا۔ انہیں ان کے بیڈ روم میں چھوڑ کر وہ چینج کرنے کے لیے اپنے روم میں جانے لگا تو وجدان نے اسے روکا۔

"میرے پاس آکر بیٹھو۔" وہ بیڈ کے نزدیک ہی کارپٹ پر بیٹھ گیا اور سر ان کی گود میں رکھ دیا۔ کچھ دیر تک وجدان کچھ بولے بنا ہی اس کے بال سہلاتے رہے پھر اسے مخاطب کر کے کہا۔

"شایان مجھے واقعی لگتا ہے تمہیں اب شادی کر لینی چاہیے۔"

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" اس نے وجدان کی گود سے سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کوئی لڑکی بھی پسند کی ہے یا یہ کام مجھے کرنا ہوگا۔"

"لڑکی تو پسند کی ہے، ابو۔"

"تو وہ لڑکی کون ہے۔" بھول کر وجدان اس کے منہ سے تانیہ کا نام سننے کا انتظار کرنے لگے۔ شایان ان کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔

"ابو میں فائزہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" شایان نے کہا اور خاموشی سے کمرے سے باہر آگیا۔ وجدان اسے جاتا ہوا دیکھنے لگے۔

* * *

سب گھر والے لان میں تھے۔ تانیہ نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی اور خود بھی اسی طرف آگئی۔ جہاں نور الہدیٰ کے سوا سب موجود تھے۔ وہ بیٹھ چکی تو مریم نے پوچھا۔

"چائے منگواؤں تمہارے لیے۔"

"رہنے دیں ماما موڈ نہیں ہے۔" اس نے تھکے تھکے سے انداز میں منع کر دیا اور بابا جان کو دیکھنے لگی۔

"کیا کروں کیا دادا جان کو بتادوں کہ جس بیٹی کو سزا دینے کے لیے برسوں سے اس کا نام ان کی زبان پر نہیں آیا وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکی ہے۔ جسے محبت کرنے کے جرم میں گھر سے نکالا تھا وہ ان کے دل سے تو نہ نکل پائی پر دنیا چھوڑ گئی لیکن کیا واقعی یہ نہیں جانتے کہ ان کی بیٹی مر چکی ہے۔" اس نے سوچا۔

"ہاں یہ نہیں جانتے ہوں گے۔ اگر جانتے تو کب کی سزا ختم ہو چکی ہوتی۔ قصر فاروقی میں اس کے نام کی فاتحہ پڑھی جاتی۔ اور۔ ملیحہ کی ڈائری کو سینے سے لگانے کے بجائے۔ دادا جان ملیحہ کی زندہ نشانی شایان کو سینے سے لگا لیتے۔ پر کیسی لگتا ہے کہ بیٹی کی ڈائری کو سینے سے لگا کر اس کی تصویر کو گھنٹوں دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اسے یاد تو کر سکتے ہیں پر اس کی خبر نہیں لے سکتے۔ ستائیس سال میں ایک بار پلٹ کر نہیں دیکھا کہ وہ زندہ ہے کہ مر چکی اور پاپا۔" اس کے دل میں ٹیس اٹھی۔

"پاپا سے کیسے کہوں کہ جس کی محبت کا بوجھ قرض کی طرح اٹھا رکھا ہے وہ تو اپنا فرض بھی نہیں نبھا سکی۔ وجدان کی خاطر سب کچھ چھوڑنے والی آخر اسے بھی چھوڑ گئی اور اپنے بیٹے کو بھی۔" اس کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی وہ چینج کرنے کا کہہ کر اٹھی اور اپنے کمرے میں آگئی۔

* * *

فائزہ ابھی آفس سے آئی تھی اور آتے ہی بیڈ پر ڈھیر ہو گئی سستی سے لیٹی وہ سوچ رہی تھی کہ اٹھ کر چینج کر لے پر کسل مندی ایسی تھی کہ اٹھنا مشکل لگ رہا تھا ابھی ہارن کی آواز سنائی دی۔ فائزہ اس ہارن کو پہچانتی تھی۔ وہ چھلانگ لگا کر بستر سے اٹھی اور کھڑکی سے نیچے پورچ میں جھانک کر دیکھا پھر زور سے چلائی۔

"وجدان انکل۔" گاڑی سے اترتے وجدان نے آواز کی سمت دیکھا تو فائزہ نے ہاتھ ہلایا اور پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں بولی۔

"میں نیچے آرہی ہوں۔" پھر چپل پہنے بغیر ہی بھاگتی باہر آگئی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی۔" وجدان اس کی تیز رفتاری پر بولے وہ ان کے شانے سے لگ گئی۔

"ہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد آپ پہلی بار گھر آئے ہیں۔ میں نے سوچا سب سے پہلے میں آپ کو ویلکم کروں لیکن آپ خود کیوں ڈرائیو کر کے آئے ہیں شایان کدھر ہے۔ اسے احساس نہیں ہے کہ ابھی آپ کو ڈرائیونگ نہیں کرنی چاہیے۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بول رہی تھی۔

وجدان اس کے اس انداز پر مسکرا کر کہنے لگے۔

"شایان کی کوئی غلطی نہیں وہ صبح سکھر جا چکا ہے۔"

"کیا۔" وہ صدمے سے چلائی۔

"وہ بتائے بغیر چلا گیا آنے دیں ایسی خبر لوں گی کہ یاد رکھے گا سچ میں بہت ماروں گی اور آپ بیچ میں نہیں بولیں گے۔"

"بالکل نہیں بولوں گا۔" وہ اسے دلچسپی سے دیکھ کر کہہ رہے تھے۔

"اندر چلیں۔"

"اوہو۔" اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

"میں تو بھول ہی گئی آیئے انکل اندر آجایئے۔" وہ فائزہ کے ساتھ اندر آئے اور سیدھے اس کی نانی کے روم میں چلے آئے۔

وجدان کو دیکھ کر بستر پر لیٹی بزرگ خاتون اٹھنے لگیں تو وجدان نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیتے ہوئے تکیہ اونچا کر کے آرام سے بٹھا دیا۔

"خالہ آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ اپنا خیال بھی ذرا نہیں رکھتیں۔" وجدان خفا ہو رہے تھے وہ پلکیں جھپکتیں کمزور سی آواز میں بولیں۔

"تمہارا کیا پوچھتے ہو بیٹا ہماری تو اب عمر ہو چلی ہے پر تم کیا اپنے دل کو روگ لگا بیٹھے۔"

"روگ تو پرانا ہے۔ خالہ رنگ اب دکھا رہا ہے۔ اور عمر تو میری بھی ڈھل چکی ہے اب اور کتنا جیوں گا۔ ستائیس سال گزار لیے اب اور جیا بھی نہیں جاتا۔" وجدان کی آنکھوں میں نمی جھلکی تھی جسے پلکیں جھپک کر وجدان نے ہمیشہ کی طرح اپنے اندر اتار لیا۔

"دل جلانے کی باتیں نہ کرو وجدان۔" وہ دہل گئیں۔

"آج تک ملیحہ کا زخم تازہ ہے۔ گود کھلائی بچی کیسی بھری عمر میں قبر کی ہو گئی ہم تو ہاتھ ملتے رہ گئے۔" ان کی بوڑھی آنکھیں چھلک پڑیں تو وجدان نے ان کے گرد بازو لپیٹ کر اپنے ساتھ سمیٹ لیا۔

فائزہ کے پاپا وجدان کے آنے کا سن کر کمرے میں

آ رہے تھے آگے کا منظر دیکھ کر دروازے میں ہی رک گئے۔ کونے میں چپ چاپ کھڑی فائزہ نے انہیں دیکھا تو آہستہ بتایا۔

"خالہ اماں ملیحہ آنٹی کو یاد کر کے رو رہی ہیں۔" انہوں نے ہونٹ بھینچ لیے اور وجدان کی طرف دیکھا جنہوں نے اسی پل نظریں اٹھائی تھیں۔ ان آنکھوں میں قیامت کے آثار تھے۔ وجدان دھیرے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ فائزہ چلتی ہوئی بیڈ پر آ بیٹھی اور انہیں چپ کراتے ہوئے گھونٹ گھونٹ پانی ان کے حلق میں اتارنے لگی۔ اس کے پاپا اس کے برابر بیڈ پر بیٹھے اور نرمی سے اس کی نانی کو مخاطب کر کے بولے۔

"وجدان کا خیال تو کر لیا کریں۔ تائی جان مہینہ بھر پہلے ہی تو اسے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ پھر ذرا سوچیں اگر ہمارا آج بھی یہ حال ہے تو اس کا کیا ہوگا ملیحہ کا سب سے نازک رشتہ تو اسی سے تھا۔"

"اسی لیے تو وجدان کو دیکھ کر وہ اور بھی یاد آجاتی ہے۔ اتنی معصوم بچی کیسے کیسے عذابوں سے گزاری گئی۔"

اب وہ ان سے کیا کہتے۔ ان کا ہاتھ تھپک کر وہ فائزہ سے بولے۔

"انہیں دوا دے کر سلا دو۔" اور خود اٹھ کر باہر آگئے۔ وجدان انہیں دالان میں ہی مل گئے تھے ستون سے کمر لگا کر کھڑے وہ خالی آنکھوں سے سامنے بچھے تخت کو دیکھ رہے تھے۔ اپنے شانے پر کسی کا ہاتھ محسوس کر کے وہ چونکے اور مڑ کر دیکھتے ہی ان کے منہ سے نکلا "تو آفاق" پھر قصداً" مسکرا کر بولے۔

"خالہ ٹھیک ہیں۔"

"تم ٹھیک ہو۔" آفاق ان کا چہرہ دیکھ کر بولے تو انہوں نے نظریں چرا کر آہستہ سے کہا۔

"اب تو عادت سی ہو گئی ہے۔" پھر سر جھٹک کر خود کو نارمل کرتے کہا۔

"آفاق یار تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو۔" وہ بولے۔

"یہاں نہیں کمرے میں چلتے ہیں اور تم سمیرا بھابھی کو وہیں لے آؤ۔"

"ایسی کیا بات ہے؟"

"بتاؤں گا پہلے کمرے میں تو چلو۔" وجدان نے کہا تو آفاق انہیں اپنے روم میں لے آئے اور آتے ہوئے سمیرا کو بھی کمرے میں آنے کا کہہ دیا۔ سمیرا کمرے میں آئیں تو دونوں صوفوں پر بیٹھے تھے۔ ان پر نظر ڈال کر وہ بھی وہیں آکر آفاق کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"ہاں اب بولو۔" آفاق وجدان سے بولے۔

وجدان نے ایک نظر ان کے چہروں کو دیکھا اور پھر کہنے لگے۔

"بات یوں تو بہت سیدھی سی ہے۔ شایان جوان ہو چکا ہے اور مجھے لگتا ہے اب اسے شادی کر لینی چاہیے ویسے عام طور پر ماؤں کو بیٹوں کے سر پر سہرا سجانے کا شوق ہوتا ہے پر شایان کی ماں تو ہے نہیں اس لیے یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہوگا۔"

"شکر ہے وجدان تمہیں خیال تو آیا۔" سمیرا ہنس کر بولیں۔

"آپ بتاؤ کوئی لڑکی دیکھی ہے یا میں کچھ مدد کروں۔"

"ایک لڑکی نظر میں تو ہے۔"

"کون ہے۔" سمیرا کے پوچھنے پر وہ کچھ توقف کے بعد جھجکتے ہوئے بولے "فائزہ" دونوں میاں بیوی نے فوراً ایک دوسرے کی طرف دیکھا مگر فوری طور پر کچھ بول نہیں پائے۔

"تم یہ مت سمجھنا آفاق کہ میں تم سے فائزہ کا رشتہ مانگ رہا ہوں میں بس تم سے مشورہ مانگ رہا ہوں کہ اتنی بڑی بات مجھے اپنی زبان پر لانی بھی چاہیے یا نہیں۔ وہ تو شایان نے ہی فائزہ کا نام لے دیا ورنہ میں تو فائزہ کو اپنی بہو بنانے کے بارے میں کبھی سوچتا بھی نہیں۔"

آفاق حیرت کے ابتدائی جھٹکے سے سنبھل چکے تھے انہیں دیکھ کر بولے۔

"کیوں وجدان میری بیٹی میں کوئی کمی ہے۔"

وجدان کے ساتھ سمیرا نے بھی چونک کر انہیں دیکھا۔ وجدان نے کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا آفاق فائزہ ہر لحاظ سے بہترین ہے مگر شایان کو فائزہ کے حوالے سے قبول کرنا شاید تمہارے لیے مشکل ہو۔"

"شایان تمہارا اور ملیحہ کا بیٹا ہے اس حوالے کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہیں بچتی مگر فائزہ سے پوچھنا ہوگا اگر اسے کوئی اعتراض نہیں ہوا تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" وجدان نے ممنونیت سے انہیں دیکھ کر کہا۔

"تم نے مجھے میرے بیٹے کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیا ہے بلکہ میری زندگی میں وہ کون سا مقام ہے جہاں تم نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ یاد نہیں آتا آفاق میں نے وہ کون سی نیکی کی تھی جو اللہ نے مجھے تم جیسا دوست دیا ہے۔"

"میں نے بھی تم پر کوئی احسان نہیں کیا بس دوستی نبھائی ہے اور اب ایک لفظ اور مت کہنا۔" آفاق نے انہیں ڈپٹ کر کہا تو وہ ہلکا سا مسکرا دیے۔

فائزہ کو جب اس پرپوزل کے بارے میں پتا چلا اور ساتھ ہی سمیرا نے یہ بھی بتایا کہ شایان نے خود اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے تو وہ چپ سی ہو گئی ان کے پوچھنے پر بھی بس اتنا کہا۔

"میں سوچ کر بتاؤں گی۔" شایان کے لیے فائزہ کی خاموشی حیران کن تھی جب سے وجدان نے فون پر اسے بتایا تھا کہ وہ آفاق انکل اور آنٹی سے رشتے کی بات کر چکے ہیں اسے فائزہ کی طرف سے کسی دھماکے کا انتظار تھا۔ مگر وہاں بدستور خاموشی تھی۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے اس نے سمیرا سے بھی فون پر بات کی تھی پر انہوں نے پرپوزل کے بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی اور براہ راست فائزہ سے بات کرنے کی اسے ہمت ہی نہیں ہوئی اسے پتا تھا وہ اس پر چڑھائی کر دے گی۔

* * *

ڈی آئی جی آفس میں اسے میٹنگ کے لیے کال کیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کی میٹنگ کے بعد وہ اپنے آفس میں آیا اور سیٹ پر بیٹھ کر اپنا موبائل آن کیا جو اس نے میٹنگ کے دوران بند کر رکھا تھا۔ فائزہ کی طرف سے چودہ مس کال الرٹ تھے۔ وہ اپنی سیٹ پر ریلیکس ہو کر بیٹھا تھا چونک کر سیدھا ہوتے دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکاتے ہوئے وہ سوچنے لگا کہ آخر فائزہ نے اتنی بار اسے کال کرنے کی کوشش کیوں کی ہوگی۔ پھر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو موبائل پر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا پہلی ہی بیل پر اس کی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔ شایان کے "ہیلو" بولنے سے پہلے ہی فائزہ کی تیز مگر رندھی ہوئی آواز فون پر سنائی دی۔

"شایان تم فوراً کراچی آجاؤ۔"

"کیوں کیا ہوا؟" وہ پریشان ہو کر بولا۔

"بس تم گھر آجاؤ شایان جتنی جلدی ہو سکے آجاؤ۔" اس کے مستقل رونے پر شایان کو اچانک ہی وجدان کا خیال آیا اسی خیال سے خوفزدہ ہو کر وہ تیزی سے بولا۔

"فائزہ ابو ٹھیک ہیں۔"

"ہاں۔ سب ٹھیک ہیں۔" وہ خود پر قابو پا کر بولی۔

"انکل۔ خیریت سے ہیں مگر ثانیہ۔" اتنا بول کر وہ رونے لگی۔

"ثانیہ کو کیا ہوا ہے۔" وہ حیرت سے بولا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آسیہ سلیم قریشی کے 3 دلکش ناول

قیمت	کتاب کا نام
500/- روپے	وہ شیشے کی دیوانی تھی
450/- روپے	[illegible]
400/- روپے	[illegible]

[illegible] 45/- روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

http://paksociety.blogspot.com

"شایان! تانیہ نے خودکشی کرلی۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔" اس کی آواز پھٹ پڑی۔

"اس کی حالت بہت خراب ہے شایان! اس نے اپنی دونوں کلائیاں کاٹ لی ہیں' ڈاکٹر کہہ رہے ہیں اس کی حالت بہت سیریس ہے وہ مرجائے گی شایان! تانیہ مرجائے گی' بس تم فوراً آجاؤ۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ لائن کٹ گئی شایان کے حواس گم ہوچکے تھے۔

"اس نے اپنی کلائیاں کاٹ لیں۔" شایان کے کانوں میں فائزہ کی آواز ابھری اور اسے لگا کوئی تیز دھار چیز اس کی شہ رگ پر پھر گئی ہو۔

"اس کی حالت بہت خراب ہے۔" شایان کی خود کی حالت ایسی ہورہی تھی جیسے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔

"وہ مرجائے گی' تانیہ مرجائے گی۔"

"نہیں۔" شایان کے اندر کہیں کوئی بلاسٹ ہوا تھا۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور آندھی طوفان کی رفتار سے باہر دوڑا۔ پولیس اسٹیشن میں موجود لوگوں نے حیرت سے اے ایس پی شایان مصطفیٰ کو دیوانوں کی طرح جاتے ہوئے دیکھا۔ کچھ نے اسے آوازیں بھی دیں مگر اس کی تیزی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جیپ میں بیٹھ کر اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ایکسیلیٹر کو پوری طرح دباتے ہوئے جھٹکے سے جیپ آگے بڑھادی۔

"سر جی' سر جی۔" کی آوازیں لگاتار اس کے پیچھے آرہی تھیں' سامنے سے آتا کانسٹیبل عین وقت پر چھلانگ لگا کر سائیڈ میں ہوگیا تھا' ورنہ شایان کی جیپ اسے روندتے ہوئے گزر جاتی۔

شایان سے بات کرتے کرتے فائزہ نے بیچ میں خود ہی لائن ڈس کنیکٹ کردی اور اب وہ حساب لگا رہی تھی۔

"سکھر سے کراچی تک کی ڈرائیو ڈھائی سے تین گھنٹے کی ہے۔ مگر شایان زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں کراچی پہنچ جائے گا۔ آدھا گھنٹہ مزید لگے گا گھر آنے میں' یعنی میرے پاس دو گھنٹے ایکسٹرا ہیں اس کے بعد کام شروع ہوجائے گا۔" پھر وہ آرام سے بیڈ پر اوندھی لیٹ کر میگزین پڑھنے لگی جو وہ شایان کا فون آنے سے پہلے پڑھ رہی تھی۔

جب دو گھنٹے گزر چکے تو وہ بیڈ سے اٹھی اور نیچے کچن میں آگئی جہاں سمیرا رات کے کھانے کے لیے ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھی۔

"ممی۔" اس نے بیچ میں انہیں مخاطب کیا' انداز ایسا تھا جیسے سخت فکرمند ہو۔

"کیا ہوا؟" سمیرا اس کی آواز پر مڑیں' پھر اس کی شکل دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

"ممی ابھی وجدان انکل کا فون آیا ہے' ان کی طبیعت بہت خراب ہورہی ہے' کہہ رہے تھے سینے میں درد ہے۔ آپ پلیز جلدی جاکر معلوم کریں کہیں ان کی حالت زیادہ خراب تو نہیں۔"

"اچانک کیا ہوگیا اسے ابھی کل تو آفاق اسے اپنے ساتھ چیک اپ کے لیے لے کر گئے تھے' ڈاکٹر نے کہا تھا سب ٹھیک ہے۔" وہ واقعی فکرمند ہوگئی تھیں۔

"ہارٹ پیشنٹ کا کیا پتا' کبھی بھی طبیعت خراب ہوسکتی ہے۔ ممی پلیز آپ جایئے نا انکل کے پاس مجھے بہت فکر ہورہی ہے۔"

"ہاں جاتی ہوں' جواد سے کہو گاڑی نکالے۔" وہ تیز تیز بولتی کچن سے باہر آکر اپنے کمرے میں چلی گئیں' فائزہ فوراً اپنے بھائی کے پاس آکر بولی۔

"اٹھ جائیں جواد بھائی' ممی کہہ رہی ہیں گاڑی نکالیں' انہیں وجدان انکل کے گھر جانا ہے' ان کی طبیعت خراب ہے۔" جواد جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

"تمہیں کس نے بتایا۔"

"انکل کا فون آیا تھا' مگر آپ دیر مت کریں جلدی سے گاڑی نکالیں۔" جواد سر ہلاتا فوراً اٹھ کر اپنی چپلیں تلاش کرنے لگا اور کپڑے بدلے بنا ہی ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر' ٹی شرٹ میں گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ فائزہ سمیرا کے کمرے میں آگئی۔ وہ چادر اوڑھ کر تیار کھڑی تھیں۔

"جواد اٹھ گیا۔" فائزہ کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"بھائی گاڑی میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" اتنا سن کر ہی وہ باہر نکلیں' پیچھے سے آتی فائزہ معصومیت سے بولی۔

"ممی میں بھی چلوں۔"

"نہیں۔" اس کی توقع کے مطابق انہوں نے منع کردیا۔

"تم اکیلی ہوجاؤ گی اور تمہاری چچی بھی میکے گئی ہوئی ہیں' ورنہ وہ سنبھالتیں۔ انہیں کھانا کھلا کر ٹائم سے دوا دے دینا اور تم نے اپنے پاپا کو فون کیا ہے۔" چلتے چلتے رک کر انہوں نے پوچھا تو فائزہ گڑبڑا گئی۔

"پاپا کو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضرورت سے کیا مطلب ہے۔" وہ خفا ہوئیں اور کوریڈور میں رکھا ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر آفاق کو فون ملا دیا۔

"آفاق آپ فوراً وجدان کی طرف آجائیں' اس کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔ نہیں اس کا فون آیا تھا فائزہ سے بات ہوئی' ہاں میں بھی وہیں جارہی ہوں' اچھا ٹھیک ہے۔" فائزہ اپنا سر پکڑ کر کھڑی تھی۔ سمیرا نے آفاق سے بات کرکے فون رکھا تو اس نے فوراً انہیں پکڑ کر باہر دھکیلا کہ کہیں وہ کسی اور کو بھی فون نہ کرنے لگیں۔ انہیں بھیج کر فائزہ نے تانیہ کا نمبر ملایا اور اس کے فون اٹھانے کا انتظار کرنے لگی۔

"فائزہ کیسی ہو۔" اس کا نمبر فلیش ہوتا دیکھ کر تانیہ نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں' اچھا سنو تم فوراً گھر آجاؤ۔"

"کیوں خیریت۔"

"ایک سرپرائز ہے۔"

"میں اس وقت پورچ میں ہی کھڑی ہوں' بس فریش ہوکر آجاتی ہوں۔"

"فریش یہاں آکر ہوجانا' دیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بس فوراً چلی آؤ۔"

"اچھا بابا آرہی ہوں۔" تانیہ نے کہا۔ وہ پورچ میں گاڑی روک کر دروازہ کھولے اس سے بات کررہی تھی۔ فون بند کرکے وہ واپس گاڑی میں بیٹھی اور ریورس کرکے گیٹ سے باہر لے گئی۔

مریم لان میں ہی تھیں' اسے پورچ میں کھڑے فون پر بات کرتے دیکھ کر وہ اس طرف آئیں مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ گاڑی میں بیٹھ کر گیٹ سے باہر جاچکی تھی۔ اس وقت وہ فائزہ کے گھر پہنچی رات کے نو بج رہے تھے۔ فائزہ گاڑی کی آواز پر باہر آگئی پھر تانیہ کو ساتھ لیے وہ اندر سٹنگ روم میں آبیٹھی۔

"ہاں کہو کیا سرپرائز ہے۔" تانیہ کاؤچ پر بیٹھنے کے بعد بولی۔

"شایان نے مجھے پرپوز کیا ہے۔" فائزہ نے بازو لپیٹ کر اسے دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ تانیہ کچھ دیر تک بول نہیں پائی۔

"مبارک ہو۔" جب کہا تو اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

"شٹ اپ۔" فائزہ ایک دم ہی پھٹ پڑی۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم دونوں نے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تم اس سے محبت کرتی ہو' مگر شادی کسی اور سے کرو گے۔"

"شایان نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی۔" وہ آزردہ سی ہوگئی۔

"ریلی۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ تانیہ کو برا لگا۔

"ہاں۔ شایان نے کبھی نہیں کہا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔"

"تم سے نہیں کہا ہوگا' مگر میرے سامنے اس نے سینکڑوں بار اعتراف کیا ہے کہ وہ تمہیں چاہتا ہے۔" وہ تپ کر بولی۔ تانیہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی' اب وہ ٹہل ٹہل کر اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے زور زور سے بول رہی تھی۔

"اچھی بھلی لو اسٹوری ہے' مگر نہیں' ٹریجڈی کا ہونا بہت ضروری ہے' نہ بنے کوئی اور ظالم سماج یہ کام خود بھی تو کیا جاسکتا ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں سے لنگڑی لولی قسم کی مجبوریاں برآمد کرکے سوگ منایا جارہا ہے۔"

"تم اتنا الجھ کیوں رہی ہو' اگر تمہیں کچھ شک ہے تو انکار کردو۔"

"وہ تو میں کر ہی دوں گی' تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر تم اقرار کیوں نہیں کرتیں۔"

"جب شایان نے ہی کبھی کچھ نہیں کہا تو میں کیوں کہتی۔" اسے بھی غصہ آگیا۔

"فنتاسٹک۔" وہ اور بھی بھڑک گئی۔

"محبت کرنے سے پہلے کیا اس کی اجازت لی تھی جو اب تمہیں اس کی طرف سے گارنٹی چاہیے۔ کمال ہوگیا اکیسویں صدی کی بولڈ لیڈی محبت کے معاملے میں اٹھارویں صدی کی دوشیزہ ثابت ہو رہی ہیں۔" جیپ رکنے کی آواز سن کر وہ چپ ہوئی پھر بولی۔

"آگئے مجنوں صاحب "لیلیٰ لیلیٰ" پکارتے آج تو آمنا سامنا ہو کر رہے گا جتنی بار دل چاہے۔ I Love You کہلوا لینا۔"

"شایان آیا ہے۔" تانیہ ٹھٹک گئی۔ فائزہ کے جواب سے پہلے ہی فل یونیفارم میں ملبوس وحشت زدہ چہرہ لیے شایان کھلے دروازے سے اندر چلا آیا۔

فائزہ سٹنگ روم کے طور پر استعمال ہونے والے ہال کے بیچوں بیچ کھڑی تھی جبکہ تانیہ ایک سائیڈ میں ہو کر صوفے پر بیٹھی تھی اسی لیے شایان کی اس پر نظر نہ پڑی وہ سیدھا فائزہ کے پاس چلا آیا۔

"تانیہ کیسی ہے' کون سے اسپتال میں لے کر گئے ہیں۔" فائزہ چڑی ہوئی تو پہلے ہی تھی' بھڑک کر بولی۔

"مر گئی تانیہ۔" پھر شایان کے فق ہوتے چہرے کو دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ اس نے ایک انتہائی بات کہہ دی تھی تو فوراً ہی کہا۔

"ارے کچھ نہیں ہوا تانیہ کو۔ وہ دیکھو ٹھیک ٹھاک بیٹھی ہے۔" شایان نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا جس طرف فائزہ نے اشارہ کیا تھا اور پھر تیزی سے تانیہ کی طرف آیا اس کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ گیا اور بے تابی سے اس کی دونوں کلائیاں اپنے ہاتھوں میں تھام کر ٹٹولتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم ٹھیک تو ہو۔" پھر اس کی کلائیاں چھوڑ کر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کے بولا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے۔"

تانیہ نے کب شایان کے ایسے انداز دیکھے تھے' وہ تو اتنی بری طرح سے بوکھلا گئی کہ کچھ بولنے کا خیال تک نہیں آیا' یوں بھی وہ سارے ڈرامے سے لاعلم ہی تھی بس ایک ٹک شایان کو دیکھتی رہی' فائزہ نے کہا۔

"تانیہ نے کوئی خودکشی نہیں کی۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔" ذرا سا سر موڑ کر شایان نے فائزہ کو دیکھا۔

"جھوٹ بولا تھا' لیکن کیوں۔" اس کے اعصاب اس قدر ٹوٹے ہوئے تھے کہ اسے غصہ بھی نہیں آیا۔

"تمہیں یہاں بلانے کے لیے۔"

"صرف اس لیے تم نے مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔" اب اس کے لہجے میں ہلکی ہلکی آنچ آنے لگی تھی۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے تمہارے جھوٹ نے میری کیا حالت کی ہوگی۔ تانیہ کو کچھ ہو گیا تو۔ اس سے آگے کا سوچ کر دل چاہ رہا تھا کہ جیپ سامنے سے آتے کسی ٹرک سے ٹکرا دوں۔ ہر سیکنڈ کے ساتھ لگ رہا تھا روح جسم کا ساتھ چھوڑتی جا رہی ہے۔ تانیہ نے خودکشی کرلی ہے۔ اتنی بڑی بات تم نے ایسے ہی بول دی۔ مذاق ہے تمہارے لیے۔" آخر میں اس کی آواز دھاڑ کی مانند گونج گئی۔ تانیہ بھی ایک پل کو سہم سی گئی تھی مگر فائزہ پر کوئی اثر نہیں ہوا' وہ تیز ہو کر بولی۔

"چلو میرے لیے مذاق ہی سہی مگر تمہیں کیا۔ تانیہ میری دوست ہے۔ تمہاری کیا لگتی ہے' کیوں جان نکل رہی تھی تمہاری۔ کیوں دیوانوں کی طرح دوڑے چلے آئے' تانیہ جیے یا مرے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق پڑتا ہے۔" وہ طیش میں آکر بولا۔

"اچھا۔" فائزہ اس کا مذاق اڑانے کے انداز میں ہنسی۔

"اب یہ بھی بتا دو کہ فرق کیوں پڑتا ہے۔" تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ فائزہ کے مقابل کھڑا وہ اسے گھورنے لگا تو فائزہ کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

"میں جانتی ہوں' تم بھی [illegible]" نظریں چرا [illegible] اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"میں اکثر سوچتی ہوں پر سمجھ نہیں پاتی کہ کیا بزدل لوگ ہی محبت کرتے ہیں یا محبت کرنے والا ہر شخص بزدل بن جاتا ہے۔" اب وہ جان بوجھ کر اسے اکسا رہی تھی۔ وار کارگر تھا۔ شایان بولا تو اس کے لہجے میں آگ سی تپش تھی۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔"

"اچھا تو ہمت والے ہو۔" وہ بدستور اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ بچے کی طرح شایان کو پچکارتے ہوئے بولی۔

"تو پھر بول کر دکھاؤ کہ "تمہیں تانیہ سے محبت ہے۔" چلو شاباش بولو اب بولو بھی۔" وہ دونوں اس پر جھگڑ رہے تھے اور تانیہ بس منہ اٹھائے تماشائیوں کی طرح ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ فائزہ کے الفاظ پر اس کی نگاہیں شایان کی طرف اٹھ گئیں۔ شایان ایڑی پر گھومتا فائزہ کے سامنے آگیا پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھڑکے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں تانیہ سے محبت کرتا ہوں' اتنی محبت کہ اس کی خاطر سو بار جان سے گزر جاؤں گا۔" آنکھیں میچ کر سانس باہر چھوڑی تانیہ نے آج جانا تھا کبھی کبھی لفظ بھی زندگی بن جاتے ہیں۔ مگر اگلے لمحے لفظوں نے ہی اس کی روح کھینچ لی۔

"مگر میں تانیہ سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں کیونکہ یہ نورالہدیٰ فاروقی کی بیٹی ہے۔" تانیہ نے اپنے پاپا کے حوالے پر حیران ہو کر فائزہ کو دیکھا۔

"نہیں۔" شایان نے تردید کرتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ یہ اظہر فاروقی کی پوتی ہے۔" فائزہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"اگر یہ بات اتنی ہی اہم تھی تو محبت کرنے سے پہلے اس کا شجرہ نسب معلوم کرلیا ہوتا۔" پھر وہ تانیہ کی طرف مڑی۔

"تانیہ' یہ وجہ تھی تم سے گریز کرنے کی۔ بلکہ تم کہاں جانتی ہوں گی میں بتاتی ہوں تم [illegible] فاروقی کو [illegible] کی ماں [illegible] کی اور وجدان انکل کی لو میرج تھی اور اظہر فاروقی اس شادی کے خلاف تھے جب وہ کسی طرح نہیں مانے تو آنٹی نے گھر چھوڑ دیا اور بس کہانی ختم۔"

"نہیں فائزہ کہانی تو اس موڑ سے شروع ہوئی تھی۔" شایان نے دکھی لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"میری ماں کی زندگی کے اذیت بھرے لمحوں کی کہانی۔ وہ اپنے بابا جان سے بہت محبت کرتی تھیں اور انہیں لگتا تھا وہ بھی ان سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں اور ایک دن وہ اپنی بیٹی کی خوشی کی خاطر اس رشتے کو قبول کرلیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ ان کی انا نے امی کو توڑ کر رکھ دیا مگر نانا جان نہیں جھکے اور امی یہ صدمہ نہیں سہہ پائیں۔ جانتی ہو تانیہ صرف بیس برس کی عمر میں میری ماں مرگئی' صرف بیس برس کی عمر میں۔" تانیہ کے لیے یہ خبر نئی نہیں تھی۔ لیکن شایان کے لہجے کا کرب محسوس کیے بنا نہ رہ سکی اور سر جھکا لیا۔

"کون ذمہ دار ہے۔ میں نے اپنی ماں کو کھو دیا اس کا قصور وار ہے یہ اور اب وہ۔" اس نے اپنے ہونٹ کاٹے۔

"مجھے وہ کبھی زندہ نہیں لگے' پانے اور کھونے میں اہم وہ نہیں ہوتا جو پا لیا ہو' جو کھو دیا ہو اس کا درد زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ میں تمہیں درد نہیں دے سکتا تانیہ۔ امی نے ایک رشتے کو پا کر ایک رشتے کو کھو دیا تھا پر اس ایک رشتے کو کھو دینے کا ملال زندگی بھر نہیں گیا اور تم ایک شایان مصطفیٰ کو پانے کے لیے کتنے رشتوں کو کھو گی اور کھو کر کیا پا لو گی۔" تانیہ کی آنکھ سے آنسو گرنے لگے اور شایان کو اپنا جواب مل گیا۔ فائزہ کو تانیہ کے آنسو دیکھ کر دکھ ہوا تھا۔

"تم غلطی پر ہو شایان۔ تانیہ کو کچھ کھونا نہیں پڑے گا۔ سبھی کہتے ہیں نورالہدیٰ فاروقی بہت مہربان شخص ہیں' گھنی چھاؤں کی طرح۔ ان کے دل میں ہر کسی کا درد سما جاتا ہے' وہ اتنے کیئرنگ ہیں کہ کسی طرح کسی کے لیے بھی آؤٹ آف وے جا سکتے ہیں۔ وہ

بھی اپنی بیٹی کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔"

"لیکن اظہر فاروقی ان کی کمزوری ہیں اور ان کی سوفٹ نیچر ہی انہیں کبھی نانا جان سے بغاوت کرنے نہیں دے گی' اور نانا جان مجھے کبھی قبول نہیں کریں گے۔"

"تمہیں ریجیکٹ کرکے آخر وہ کسے ریجیکٹ کریں گے' اپنی ہی بیٹی کو۔" فائزہ نے دلیل دی۔

"وہ اپنی بیٹی کو ریجیکٹ کرچکے ہیں۔" شایان نے اس کی دلیل رد کردی۔ فائزہ کچھ بول نہ پائی۔

تانیہ بے حس نگاہوں سے کارپٹ کو گھورتی ان دونوں کی باتیں سنتی جارہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ آج صرف سننے کے لیے ہی یہاں آئی تھی۔ اس نے کہیں بھی کچھ بولنے کی کوشش نہیں کی' مگر شایان کی اگلی ہی بات نے اسے بولنے پر مجبور کردیا۔ شایان نے کہا تھا۔

"نانا جان صرف انا پرست اور سخت مزاج ہی نہیں ہیں وہ ضدی اور گھمنڈی بھی ہیں۔ امی نے ابو سے شادی کرکے ان کا گھمنڈ توڑا تھا اور نانا جان کبھی اس بات کو نہیں بھولیں گے۔ مجھے قبول کرنا ان کے لیے ہار ماننے جیسا ہے۔ انہوں نے وجدان مصطفیٰ سے ہار نہیں مانی' مجھ سے کیسے ہار مان لیں گے۔ بیٹی کی موت ان کی ضد نہ توڑ سکی' تانیہ ان کی ضد کے آگے کیسے ٹھہر پائے گی۔"

"ان کی ضد ٹوٹ چکی ہے شایان۔ میں نے انہیں آنٹی کو یاد کرکے روتے ہوئے دیکھا ہے میں مانتی ہوں دادا جان اپنی ضد پر اڑ گئے تھے' پر آنٹی نے بھی تو ضد نہیں چھوڑی' پھر کون کس سے شکایت کرے۔ نانا وہ غصے میں تھے اور غصے میں انہوں نے آنٹی کو اپنی زندگی اور گھر سے بے دخل بھی کردیا تو کیا باپ کو اپنی اولاد سے ناراض ہونے کا بھی حق نہیں اور آخر کتنے عرصے تک ناراض رہتے' وہ ایک دن تو مان ہی جاتے۔ چلو نانا آنٹی کو زندگی نے مہلت نہیں دی' پر انکل کو تو انہیں منانے آنا چاہیے تھا۔ آنٹی آخر ان کی اکلوتی بیٹی تھیں اور یہ سن کر وہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں' دادا جان کا غصہ اپنے آپ ہی ختم ہو جاتا اور وہ انکل کو اور تمہیں اپنے خاندان کا فرد مان لیتے۔" وہ خود کو بابا جان کی طرف داری کرنے سے روک نہیں پائی تو ان کی حمایت میں بول پڑی۔ شایان چپ کرکے اس کی بات سنتا رہا' پھر جب وہ چپ ہوئی تو کہا۔

"اپنی غلط فہمی دور کرلو' نانا جان امی کے جنازے میں شامل تھے۔"

"کیا؟" تانیہ سچ مچ حیران ہوگئی۔

"نہ ہی کبھی یہ سوچنا کہ وہ اپنی ضد چھوڑ چکے ہیں۔ ان کے آنسو کس احساس میں بہہ جاتے ہیں' میں نہیں جانتا' لیکن اگر واقعی ایسا ہوا ہوتا تو وہ ابو کو نہ بھی سہی کم از کم مجھے قبول کرلیتے' مگر ستائیس سال میں وہ ایک بار بھی مجھ سے نہیں ملے۔ ایسے میں تم کیا کہو گی۔"

"آئی ایم شاکڈ۔" وہ جھٹکے سے بڑبڑائی۔ شایان ایک بار پھر اس کے پاس آ بیٹھا۔ کارپٹ پر بیٹھ کر اس نے تانیہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"تانیہ میں نے تمہیں خود سے بڑھ کر چاہا ہے' پھر بھی مجھ میں حوصلہ ہے کہ تمہیں کھو دوں' لیکن تم کھو جاؤ گی تو میں جی نہیں پاؤں گا۔"

"شایان۔" تانیہ نے اس کا نام لے کر کچھ کہنا چاہا پر گلا رندھ گیا تو وہ چپ ہو کر ہونٹ کاٹنے لگی۔ اسے تکلیف میں دیکھ کر شایان نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

"آئی ایم سوری۔" تانیہ کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں میں بہنے لگے تھے۔ شایان نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کے اس کے آنسو پونچھے تو وہ شایان کے ہاتھ تھام کر اور بھی شدت سے رو پڑی اور روتے روتے اس نے اپنا سر شایان کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہ اس کے شانے سے لگی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور شایان لب بھینچے ساکت تھا۔

"وہ شخص جسے آپ کبھی تکلیف نہ دینا چاہیں' پھر آپ کے ہاتھوں تکلیف اٹھا کر آپ کے ہی شانے پر سر رکھ کر روئے تو آپ کیا کریں گے۔" فائزہ بھی افسردہ

سی کھڑی تھی کہ ہال کے دروازے پر سایوں کو محسوس کرکے اس نے دروازے کی جانب دیکھا۔ وجدان کے ساتھ آفاق' سمیرا اور صمد حیران کھڑے شایان سے لگ کر روتی تانیہ کو دیکھ رہے تھے۔

"پاپا۔" فائزہ کی آواز پر شایان نے یوں ہی بیٹھے ہوئے گردن موڑ کر دیکھا۔ تانیہ نے بھی اس کے شانے سے سر اٹھا کر دیکھا' پھر دوپٹے سے آنسو پونچھتی باہر نکل گئی۔ شایان بھی تانیہ کے جاتے ہی اٹھ کر چلا گیا۔

"یہ سب کیا تھا۔" شایان کے چلے جانے کے بعد سمیرا نے فائزہ سے پوچھا جو پہلے تو ان کو دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ مگر اب اسے ان کی آمد غنیمت لگ رہی تھی۔ خود پر قابو پا کر وہ بولی۔

"آپ لوگ آرام سے بیٹھ جائیں' میں سب بتاتی ہوں۔"

* * *

تانیہ کا یوں گیٹ سے لوٹ جانا مریم کو الجھنے میں ڈال رہا تھا۔ وہ اندر آکر بابا جان کے کمرے میں چلی آئیں۔

"عجیب سی بات ہے بابا جان ابھی تانیہ آئی تھی گاڑی سے نکلی بھی' پھر کچھ سیکنڈ فون پر بات کرکے وہ واپس گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔"

"کوئی ضروری کام نکل آیا ہوگا۔" بابا جان نے کتاب بند کرکے چشمے میں سے انہیں دیکھا۔

"بتا کر جانے میں کیا حرج تھا' اب میں بیٹھی پریشان ہوتی رہوں گی۔" وہ بولیں تو بابا جان مسکرا دیے۔

"تو بیٹا مت پریشان ہونا۔" انہوں نے سنا ہی نہیں۔

"میں کرتی ہوں اسے فون کرلیتی ہوں۔" وہ بول کر اٹھیں اور کمرے میں رکھے ٹیلی فون سیٹ سے ہی نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ کچھ دیر ریسیور کان سے لگا کر انہوں نے واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"فون بند ہے۔"

"آجائے گی تھوڑی دیر میں' پریشان کیوں ہو رہی ہو۔" وہ رسان سے بولے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ناچار وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ مگر جب تانیہ کو گئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تو وہ اپنی پریشانی چھپا نہیں پائیں۔ اس بیچ وہ تانیہ کا موبائل بھی ٹرائی کرتی رہیں' پر کنیکٹ نہیں ہو سکا تو انہوں نے نور الہدیٰ کو فون کردیا۔

"بے کار میں پریشان ہو رہی ہو' آجائے گی' بچی نہیں ہے' پھر جہاں بھی گئی ہے' خود اپنی مرضی سے گئی ہے۔"

"پر اس کا موبائل کیوں بند ہے۔"

"اچھا دیکھو میں گھر آرہا ہوں' تب تم آرام سے بیٹھ جاؤ' پریشان مت ہونا۔" پھر وہ کچھ دیر میں ہی گھر آگئے تھے۔

ابھی تک کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ نور الہدیٰ چینج کرکے آئے اور کھانا لگوا دیا۔ کھانا کھا کر انہوں نے بچوں کو سونے کے لیے بھیجا کہ انہیں صبح کالج جانا تھا۔ بابا جان کو انہوں نے کمرے میں جانے کو کہا تو وہ خود ہی گئے اور اب یہ تینوں لاؤنج میں تانیہ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے تک بابا جان بھی ٹھیک ٹھاک پریشان ہو گئے تھے۔ پریشان تو اب نور الہدیٰ بھی تھے' مگر چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دے رہے تھے۔ لیکن ان کا اضطراب بھی اب محسوس ہو رہا تھا' وہ بار بار تانیہ کا نمبر ٹرائی کر رہے تھے۔ بارہ بجے کے قریب اس کی کار پورچ میں آکر رکی تو مریم ایک دم ہی باہر جانے کو کھڑی ہو گئیں۔ خود نور الہدیٰ کی بھی جان میں جان آئی تھی' مگر وہ متانت سے بولے۔

"نارمل بی ہیو کرنا' دیر سویر ہو جاتی ہے' اس میں کوئی بڑی بات نہیں۔" مریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تانیہ لاؤنج میں آئی تو اس کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ کر نور الہدیٰ اور بابا جان بھی پریشان ہوتے' اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے چہرے دیکھ کر تانیہ کی نظر گھڑی پر گئی اور وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"آئی ایم سوری' مجھے دیر ہوگئی۔"

"وہ تو کوئی بات نہیں' مگر موبائل تو آن رکھنا چاہیے تھا۔" باباجان نرمی سے اس کی غلطی کی نشان دہی کررہے تھے۔

"موبائل آف تو نہیں ہے۔" بولتے ہوئے اس نے اپنا موبائل چیک کیا اور بولی۔

"اوہو' بیٹری لو ہے۔"

"تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" مریم اپنی فکر مندی چھپا نہیں پائیں۔ نانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سوچاہیں آگے اس کا گال چیک کرلیں۔

"جاؤ جاکر سوجاؤ' تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" نانیہ روئی تو نہیں' مگر ماں کو پاس دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ وہ آہستہ سے ان کے گلے لگی۔ مریم نے گھبرا کر نورالہدیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی الجھے ہوئے لگ رہے تھے۔

"نانیہ۔ کیا ہوا بیٹا' پریشان ہو' ماما کو بتاؤ بچے۔" وہ پیار سے اس کی پیٹھ تھپک کر اسے ریلیکس کررہی تھیں۔ پر وہ چپ ہی رہی تو وہ پریشانی سے کہنے لگیں۔

"نانیہ بیٹا کچھ تو بولو' ماما بھی پریشان ہورہے ہیں اور دادا جان بھی فکر مند ہیں' ان کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔" نانیہ نے اپنے پاپا کی طرف دیکھا' پھر دادا کی طرف' واقعی سب پریشان ہوگئے تھے۔ وہ مریم سے الگ ہوکر ان سے بولی۔

"میں ٹھیک ہوں' ماما آپ سب ٹینس نہ ہوں۔"

"کیسے نہ ہوں' جب تم ٹینس ہو۔"

"ماما۔" نانیہ ان کی بات کاٹ کر بولی۔

"منصر اچھا لڑکا ہے' آپ اسے ہاں کہہ دیں۔"

"تم خوش ہو۔" وہ اس کی ٹھوڑی چھو کر بولیں تو نانیہ قصداً" ذرا سا مسکرا کر کہنے لگی۔

"آف کورس ماما' اپنی مرضی سے شادی پر راضی ہوئی ہوں' کسی نے زبردستی تو نہیں کی' پھر خوش کیوں نہیں ہوں گی' اچھا میں سونے جارہی ہوں' اب صبح بات ہوگی۔" اپنی بات کہہ کر وہ اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

لاؤنج میں کھڑے تینوں شخص اپنی اپنی سوچ کی گرفت میں تھے۔ نورالہدیٰ نے اپنا قدم اٹھایا تو بابا جان ان کا ارادہ بھانپ کر بولے۔

"اس وقت نانیہ کو اکیلا چھوڑ دو' نورالہدیٰ فی الحال وہ کچھ نہیں بتائے گی۔" نورالہدیٰ ان کی طرف دیکھ کر زہر خند لہجے میں بولے۔

"میں اپنی بیٹی کو اس کے دکھوں کے ساتھ اکیلا نہیں چھوڑ سکتا' جیسے آپ نے اپنی بیٹی کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔" ملیحہ کے ذکر پر مریم کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ مگر مصلحتاً" وہ کچھ بولے بغیر پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نورالہدیٰ نے ایک نظر جاتی ہوئی مریم کو دیکھا' پھر خود بھی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ لاؤنج میں تنہا رہ گئے بابا جان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"ملیحہ کی موت کے لیے نورالہدیٰ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔" ان کے گال بھیگتے جارہے تھے۔

نورالہدیٰ نے نانیہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر دیکھا' نائٹ بلب کی روشنی میں وہ دوسری طرف کروٹ لیے بیڈ پر لیٹی تھی۔ آہستہ سے دروازہ بند کرتے' بیڈ پر بیٹھ کر وہ کچھ بھی بولے بنا اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگے۔ نانیہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے بے حس لیٹی رہی' پھر اس سے رہا نہیں گیا تو ایک دم سے پاپا کہتی پلٹ کر ان سے لپٹ گئی۔

"پاپا کی جان۔" اس کے گرد بازو پھیلاتے نورالہدیٰ نے نانیہ کو اپنے پرشفقت حصار میں لے لیا۔

"اس کا نام شایان ہے' میں اس سے پہلی بار فائزہ کے گھر پر ملی تھی' پھر وہ کچھ دن بعد یونیورسٹی آیا تھا۔" ان کے سینے پر سر رکھے آنسوؤں کے بیچ وہ اٹک اٹک کر بتانے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے اسے تھپکتے نورالہدیٰ ہر سیکنڈ کے ساتھ ایک انچ اور خوف کی دلدل میں دھنستے جارہے تھے۔

وجدان اور ملیحہ کا ذکر کیے بغیر نانیہ نے اپنے تین سالوں کا ہر پل کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اپنی سوچوں سے ابھر کر نورالہدیٰ نے اپنے سینے پر سر رکھ کر سوئی نانیہ کو دیکھا' نہ جانے وہ کب سوگئی تھی۔ نورالہدیٰ کو یاد آیا وہ بچپن میں بھی اکثر کہانی سنتے ہوئے ان کے سینے پر سر رکھ کر سوجایا کرتی تھی' مگر آج وہ کہانی سنا کر سوئی تھی۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان دیکھتے ہوئے انہوں نے کہانی کے آخری جملوں کو یاد کیا۔

"وہ کہتا ہے' مجھ سے شادی نہیں کرسکتا۔ اس کے پیرنٹس کا کوئی پرابلم ہے' پر آپ فکر مت کریں پاپا میں اسے بھول جاؤں گی۔"

"بھول جانا آسان نہیں ہوتا۔" اس کے چہرے سے بال سمیٹ کر ماتھا چومتے ہوئے نورالہدیٰ نے سوچا تھا۔

* * *

فائزہ کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ختم ہوچکا تھا۔ پھر اب بولنے کو بچا بھی کیا تھا۔ سب کچھ تو کہہ چکی تھی۔ ایک نگاہ سب کے چہروں پر ڈال کر وہ کسی کے کچھ کہے بنا ہی وہاں سے چلی گئی۔

"کس نے سوچا تھا راکھ میں آگ لگ جائے گی۔" خاموشی کو توڑتے ہوئے سمیر نے وجدان سے پوچھا۔

"اب تم کیا کرو گے۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے بیٹھے وجدان فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔

"میں ہادی بھائی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تم پاگل تو نہیں ہوگئے۔" آفاق برس پڑے۔

"اس ملاقات کا کیا نتیجہ نکلے گا' جانتے ہو۔ شایان کی بات بالکل ٹھیک ہے' گڑھے مردے نہ ہی اکھاڑے جائیں تو بہتر ہے۔ اس معاملے کو یہیں ختم کردو' اگر معاملے کو ہوا دو گے تو بڑے طوفان کھڑے ہونے کا خطرہ ہے۔"

"اب اگر طوفان میری زندگی سے نہیں نکلتے تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔"

"کم از کم خود سے طوفانوں کو دعوت مت دو' پھر تمہیں نورالہدیٰ سے بات کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے' جب شایان اور نانیہ خود ہی اپنی محبت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔" سمیر نے الجھ کر کہا۔

"ایسے فیصلے اذیت کے سوا کچھ نہیں دیتے اور میں شایان کو تکلیف سے گزرتا نہیں دیکھ سکتا۔ آخری سانس بھی اذیت سے لینے کی گارنٹی دے کر قسمت نے شایان کو مجھے سونپا تھا' وہ میرے جینے کی آخری وجہ ہے۔" آفاق نے ترحم سے انہیں دیکھا۔

"اور جس دن تم نے قصر فاروقی میں قدم رکھا پھوپھا جان تم سے تمہارے جینے کی آخری وجہ بھی چھین لیں گے۔"

"تو کیا کروں' اپنے بیٹے کی زندگی گروی رکھ کر اپنی سانسیں ادھار مانگ لوں' مجھے یہ سودا منظور نہیں۔" وہ دوٹوک انداز میں بولے' پھر کہا۔

"ملیحہ کہا کرتی تھیں' محبت بوجھ نہیں ہوتی' پھر بھی جھکا دیتی ہے۔" "میں جاننا چاہتا ہوں ان کی بات میں کتنا سچ ہے۔"

* * *

شایان اپنے گھر کے پورچ میں پولیس جیپ روک کر اترا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں آگیا۔ شرٹ کے نیچے جسم کا وہ حصہ جہاں اس نے نانیہ کے آنسوؤں کی نمی محسوس کی تھی' اب بھٹی کی طرح سلگ رہا تھا۔ شرٹ پینٹ سے باہر کھینچ کر اس نے گریبان کے بٹن کھول دیے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے شانے کو مسلنے لگا' مگر سانس کی آمدورفت بدستور مشکل ہی رہی۔ اندرونی کشمکش جنون کا روپ دھار چکی تھی' اس لیے اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر ایک دھاڑ کے ساتھ سامنے دیوار پر دے مارا' اب وہ پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے دیوار پر مکے برسا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ زخمی ہوچکے تھے اور ان سے خون بہنے لگا تھا' پھر بھی وہ رکا نہیں۔

اس کے توانا بازوؤں کی طاقت سے دیوار کا پینٹ تک اکھڑ چکا تھا' مگر دیوانگی تھی کہ کم ہونے کے بجائے بڑھتی جارہی تھی' اب اس نے کمرے میں رکھی چیزوں

کو اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ساری دنیا کو تہس نہس کر دے' کرسیوں کو اس نے اپنی ٹھوکر سے الٹ کر رکھ دیا۔ بیڈ پر سے تکیے اور چادر ہوا میں اچھال دیے' سائیڈ ٹیبل سے لیمپ اٹھا کر دیوار پر مارنے کا ارادہ تھا کہ اس کے تار میں الجھ کر ساتھ رکھا فریم ٹیبل پر الٹ گیا۔

"امی۔" لیمپ چھوڑ کر اس نے ملیحہ کی تصویر والا فریم دونوں ہاتھوں میں کسی قیمتی مگر نازک شے کی طرح احتیاط سے پکڑ لیا اور اپنی آستین سے فریم کے شیشے کو صاف کر کے چومنے کے بعد سینے سے لگا کر کمرے کے وسط میں آکر فرش پر بیٹھ گیا۔ دیوانگی آنسوؤں میں ڈھل گئی تھی۔ تصویر پر ہاتھ پھیرتا ہوا وہ سرگوشیوں میں کہہ رہا تھا۔

"کتنے آرام سے مجھے چھوڑ کر آپ چلی گئیں۔ اپنے وجود کے حصے سے کوئی ایسے بے نیاز ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر پل میں' میں نے آپ کی کمی محسوس کی ہے۔ کہتے ہیں اولاد تکلیف میں ہو تو ماں قبر میں بھی بے چین ہو جاتی ہے۔ آج میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی تکلیف سے گزر رہا ہوں۔ کیا آپ بے چین ہیں' کیسی ماں ہیں' کبھی مجھے گود میں نہیں لیا' کبھی مجھے لوری نہیں سنائی' میں ٹھوکر کھا کر گرتا تو کبھی آپ کے ہاتھ مجھے تھامنے کو نہیں بڑھے' ترس گیا ہوں آپ کے احساس کو' کیا آج بھی مجھے آپ کی آغوش نہیں ملے گی' امی میں آپ کا بیٹا ہوں' آپ کیسے میری تکلیف پر چپ رہ سکتی ہیں' آج تو آجائیں' کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ اپنی ماں کے گلے لگ سکوں۔" ملیحہ کی تصویر کو سینے میں بھینچ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

" I am missing you ammi اب تک اپنی زندگی آپ کے بغیر ہی جیتا آیا ہوں' پر آج آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا' ایک بار تو آکر مجھے سینے سے لگالیں' امی پلیز' ماں قیامت کے دن اپنی اولاد کو دودھ کی بہتی دھاریں بخشیں گی' میں کیا روز حشر بھی خالی دامن لے کر آپ کے پاس آؤں گا' مجھے تو میرے پاس بھی ہو امی' امی پلیز' امی اللہ کے لیے۔" وہ ستائیس سال کا بھرپور جوان ماں کو پکارتا چھوٹے بچے کی طرح مچل مچل کر اونچی آواز میں رو رہا تھا۔

تبھی اس کے دل میں دبی شدید خواہش نے واہمے کا روپ دھار لیا۔ کھلی کھڑکی سے آتی ہوا نے اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو سمیٹا تھا مگر شایان کو اس ہوا پر نرم انگلیوں کے لمس کا گمان ہوا تھا' پھر اسے محسوس ہوا تھا کہ انہیں انگلیوں نے اس کے چہرے پر نمی کو سمیٹا۔ اس نے سختی سے بھینچیں اپنی آنکھوں کو دھیرے سے کھول دیا۔ آنکھوں کی دھندلاہٹ نے ایک پیکر تراشا تھا۔

"امی۔" اس کی آواز میں اتنا سکون تھا جیسے میلے میں بچھڑے بچے کو اچانک ہی ماں نظر آجائے۔ ملیحہ نے جھک کر اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ دیے' ستائیس سال میں پہلی بار اس نے ماں کا لمس محسوس کیا تھا' اسے لگا اس کے جلتے تپتے وجود پر کسی نے پانی کے چھینٹے ڈال دیے ہوں۔ اس نے بے خود ہو کر ملیحہ کی آغوش میں سر رکھ دیا۔ اس کے جنون کو قرار آنے لگا اور ایک سکون سا اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اور وہ دھیرے دھیرے آنکھیں موند لیا۔

گھر پہنچتے ہی وجدان سیدھے شایان کے کمرے میں آئے تھے۔ کمرے میں پھیلی ابتری پر نظر ڈال کر شایان کے پاس آ بیٹھے جو کارپٹ پر بے ترتیبی سے لیٹا بے سدھ سو رہا تھا اور ملیحہ کی تصویر اس کے دائیں گال کے نیچے دبی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی پشت پر جمے خون کو دیکھ کر وجدان کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

"ماں پر گیا ہے۔" اس کی دیوانگی بھری جذباتیت پر وجدان ہمیشہ یہی جملہ دہراتے تھے۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آئے اور الماری سے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر کچن میں آگئے' اسٹیل کے برتن میں تھوڑا سا پانی گرم کیا' پھر اسے ہولڈر سے پکڑ کر واپس شایان کے پاس آگئے اور نیم گرم پانی میں ڈیٹول ملا کر روئی بھگو بھگو کر اس کے ہاتھوں پر سے زخم صاف کرنے کے بعد فرسٹ ایڈ باکس سے مرہم نکال کر لگایا' پھر دونوں ہاتھوں پر باری باری پٹی لپیٹ دی۔ اس کام سے فارغ

ہو کر وہ اٹھے اور تکیہ تلاش کر کے شایان کے سرہانے دو زانو ہو کر بیٹھے اور آہستہ سے اس کا سر اپنی گود میں لے کر ملیحہ کی تصویر اس کے گال کے نیچے سے نکالی اور تکیہ رکھ کر اس کا سر تکیہ پر ڈال دیا۔ پھر وہیں بیٹھے شایان کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگے۔ آج وجدان کو بھی ملیحہ بہت شدت سے یاد آرہی تھی۔

* * *

اگلے دن تانیہ دن چڑھے سوتی رہی کیونکہ چھٹی کا دن تھا اس لیے کسی نے جگایا بھی نہیں۔ بارہ بجے اٹھی تو ناشتے میں صرف چائے کا کپ ہی لیا اور بعد میں سب کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا' کسی بھی طرح کے سوال جواب سے بچنے کے لیے وہ سارا وقت عمیر اور عذیر کے ساتھ رہی اور کھانے کے بعد خود ہی کرکٹ کھیلنے کا پروگرام بنالیا۔ عذیر بیٹنگ کر رہا تھا۔ نور الہدیٰ بالنگ کرا رہے تھے۔ تانیہ اور عمیر فیلڈرز تھے اور بابا جان امپائر' مریم اسٹیڈیم میں بیٹھے شائقین کی طرح نعرے لگا رہی تھیں۔

"شاباش۔ چھکا لگا اس بال پر' جب تک نور الہدیٰ خود بے ہوش ہو کر گر پڑے وکٹ نہیں چھوڑنا۔" باؤلنگ کے لیے بھاگتے نور الہدیٰ رکے اور ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"او بیوی اللہ کا خوف کرو' شوہر کا بہت حق ہوتا ہے۔" وہ ترکی بہ ترکی بولیں۔

"میں صرف بیوی ہی نہیں ماں بھی ہوں اور ماں کے لیے اولاد سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا یہاں تک کہ بچوں کا باپ بھی نہیں۔ کم آن عذیر' آج ذرا اپنے باپ کے چھکے تو چھڑاؤ۔"

"اداس مت ہوں پاپا۔" نور الہدیٰ کی اتری شکل دیکھ کر تانیہ ان سے بولی۔

"بیوی نہ سہی بیٹی آپ کے ساتھ ہے۔"

"تھینک یو سویٹ ہارٹ۔" وہ مظلومیت سے بولے۔

"Mention not بس آپ جلدی سے عذیر کو آؤٹ کر دیں' پھر میں بیٹنگ کروں گی۔" عمیر گھور کر بولا۔

"دیکھا پاپا' یہ لالچی خاتون آخر آپ کا ساتھ کیوں دے رہی ہیں۔"

"ادھر آؤ تمہیں بتاتی ہوں۔" وہ ناک پر عینک سیٹ کر کے عمیر پر چیخی۔

"جس کو مار کٹائی کرنی ہے شوق سے کرلے پر یاد رکھنا کسی کو ایکسٹرا ٹائم نہیں ملے گا۔"

"او کے او کے۔" بابا جان کی وارننگ پر سب اپنی پوزیشن پر واپس چلے گئے۔ نور الہدیٰ فاسٹ بالر تھے' لمبے رن اپ کے بعد انہوں نے بال پھینکی' جسے عذیر نے لان سے باہر بھیج دیا۔

"اینڈ دیٹس اے سکس۔" امپائر نے کمنٹری کی اور مریم تالیاں بجانے لگیں۔ بال کے پیچھے بھاگتی تانیہ نے سفید شلوار قمیص میں وجدان کو واچ مین کے ساتھ گیٹ پر دیکھا تو ٹھٹک کر رک گئی' پھر فوراً اس نے پلٹ کر نور الہدیٰ اور بابا جان کی طرف دیکھا' وہ لوگ بھی وجدان کو دیکھ چکے تھے۔ نور الہدیٰ نے واچ مین کو آواز لگا کر کہا۔

"آنے دو۔" وجدان اجازت ملتے ہی اس طرف آگئے۔ تانیہ کو انہوں نے قصداً" نظر انداز کر دیا تھا۔ نور الہدیٰ بھی کچھ قدم آگے بڑھ آئے۔

"السلام علیکم۔" وجدان نے اپنائیت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا' جسے تھامتے ہوئے نور الہدیٰ کے چہرے پر ویسی ہی اجنبیت تھی جیسی بابا جان کے چہرے پر تھی۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیسے ہیں ہادی بھائی؟"

"یہ ہادی کون ہے۔" عذیر نے آنکھیں نچا کر عمیر سے پوچھا' اس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کر دیا' مگر نور الہدیٰ چونک گئے تھے۔ انہوں نے غور سے وجدان کے چہرے کو دیکھا اور پوچھا۔

"آپ ہیں کون؟" انہوں نے دھیرے سے کہا۔

"میرا نام وجدان مصطفیٰ ہے۔" نور الہدیٰ اور بابا

جان ٹھٹک گئے۔ جسے محسوس کر کے بھی وہ بولے۔

"شاید آپ کو یاد نہ ہو پر میں آپ سے ایک بار پہلے مل چکا ہوں اور آج ہماری دوسری ملاقات ہے۔" نور الہدیٰ نے غور سے انہیں دیکھا۔

"اگر تم وجدان مصطفیٰ ہو تو یہ ہماری دوسری نہیں بلکہ تیسری ملاقات ہے اور یہ ماننا میرے لیے مشکل ہے کہ تم اس دوسری ملاقات کو کبھی بھول پاؤ گے۔" نور الہدیٰ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"بہت سی یادیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان بھلا نہیں پاتا مگر انہیں بھول جانے کی خواہش تو کر سکتا ہے۔" انہوں نے زیر لب کہا' پھر نور الہدیٰ سے بولے۔

"میں جانتا ہوں ہادی بھائی مجھ سے ملنا آپ کے لیے اور بابا جان کے لیے کچھ ایسا خوشگوار بھی نہیں بلکہ شاید بابا جان تو میری صورت بھی نہ دیکھنا چاہتے ہوں لیکن آپ دونوں سے ملاقات بہت ضروری ہو گئی تھی۔" نور الہدیٰ انہیں دیکھتے رہے' پھر توقف کے بعد کہا۔

"تو اندر چل کر بات کرتے ہیں۔" وہ مسکرائے' پھر بابا جان کی طرف مڑے' جو انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ ملاقات آپ کے بغیر ادھوری ہے بابا جان۔" وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

"آج تو اسے موقع دیں بابا جان کہ یہ اپنی بات کہہ سکے۔" انہیں خاموش دیکھ کر نور الہدیٰ نے یاسیت بھرے انداز میں اصرار کیا تھا۔ بابا جان کی آنکھیں جھلملا گئیں۔ وجدان کے چہرے سے نظر ہٹاتے ہوئے وہ آگے بڑھے۔ پھر وہ تینوں ساتھ ساتھ چلتے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔

"ماما آپ انہیں جانتی ہیں۔" تانیہ نے مریم کو کریدا۔

"نہیں۔"

"لیکن آپ نے سنا ماما وہ پاپا کو ہادی بھائی کہہ رہے تھے۔" عذیر نے پوائنٹ آؤٹ کیا تو مریم بھی حیرت کا اظہار کرتے بولیں۔

"میں نے کسی کو نور الہدیٰ کے لیے یہ نام استعمال کرتے نہیں سنا۔ شاید پرانے ملنے والے ہوں گے۔" انہوں نے قیاس لگایا۔

"ابھی دے میں بہادر کو چائے کا کہہ دوں۔" تانیہ نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا اور چلتی ہوئی کچن میں آگئی۔

"بہادر ایک زبردست سی چائے اور کچھ اسنیکس اندر ڈرائنگ روم میں لے جاؤ' ایک خاص مہمان آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے جی۔" کہہ کر بہادر چائے کے انتظامات کرنے لگا۔ کچن کے دروازے تک آکر تانیہ کو ایک خیال آیا تو وہ واپس پلٹی اور کچن ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھتی بہادر سے بولی۔

"پوچھو گے نہیں کون آیا ہے۔"

"کون آیا ہے تانیہ بی بی۔" تانیہ کی فرمائش پر اس نے پوچھا۔ وہ اس کے رد عمل کو سوچ کر شرارت سے بولی۔

"ملیحہ فاروقی کے شوہر آئے ہیں۔"

"کیا؟" بہادر نے بڑا سا منہ کھول کر اسے دیکھا۔

"سچ کہہ رہی ہوں اور تمہاری ملیحہ بی بی کا ایک بیٹا بھی ہے۔" وہ بہادر کی حیرت سے حظ اٹھا کر بولی تو بہادر کا کھلا منہ کچھ اور کھل گیا۔

"ملیحہ بی بی کا بیٹا۔"

"ہوں۔" تانیہ نے سر ہلا کر اس کی شکل دیکھی جو منہ پر دونوں ہاتھ رکھے تانیہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"آپ بی بی صاب کے بارے میں ہی بات کر رہی ہیں نا کرنل صاب کی بیٹی کے بارے میں۔"

"ہاں میں تمہاری بی بی صاب کے بارے میں ہی بات کر رہی ہوں۔ ملیحہ فاروقی کے بارے میں کیا بھول گئے انہیں۔" وہ ایکدم ہی افسردہ ہو گیا۔

"وہ ایسی نہیں تھیں کہ کوئی انہیں بھول جائے یہاں تو کسی نے انہیں یاد ہی نہیں رکھا۔" پھر اس نے تانیہ کی طرف دیکھ کر الجھتے سے کہا۔

"لیکن آپ نے یہ ابھی کیا بات کی۔ بی بی صاب کا تو کوئی بیٹا نہیں ہے اور ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔" وہ ہنسی۔

"نہیں بہادر ملیحہ فاروقی کی شادی ہوئی تھی اور ان کا ایک بیٹا بھی ہے جو کہ ایس پی ہے' جانتے ہو' ایس پی پولیس کا بڑا افسر ہوتا ہے۔"

"ہوا ہو گا تانیہ بی بی مگر وہ پولیس والا بی بی صاب کا بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ اڑیل پن سے بولا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔"

"کیونکہ بی بی صاب مر گئی تھیں۔" تانیہ کتنی ہی دیر ہنستی رہی پھر کہا۔

"ٹھیک ہے' وہ مر گئی تھیں' مگر مرنے سے پہلے لوگ شادی بھی کرتے ہیں اور ان کے بچے بھی ہوتے ہیں۔"

"مگر تانیہ بی بی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔" وہ اب بھی اڑا ہوا تھا۔ تانیہ چھوٹے بچے کی طرح اسے سمجھانے لگی۔

"دیکھو جب وہ یہاں سے گئی تھیں تو ان کی شادی نہیں ہوئی تھی مگر یہاں سے جانے کے بعد انہوں نے وجدان مصطفیٰ سے شادی کر لی تھی' پھر ان کا بیٹا پیدا ہوا اور وہ مر گئیں۔" وہ الجھ کر بولا۔

"مگر بی بی صاب کہیں نہیں گئی تھیں۔ اسی گھر میں ان کی موت ہوئی تھی اور اسی گھر سے ان کا جنازہ اٹھا تھا۔"

"کیا؟" سن کے تانیہ حیران رہ گئی۔

"جی تانیہ بی بی' بی بی صاب کنواری مر گئی تھیں' ان کی شادی تو کبھی ہوئی ہی نہیں۔" تانیہ کے سر میں دھماکے ہونے لگے تھے۔ وہ آہستہ سے ٹیبل سے اتر گئی اور بہادر کہتا جا رہا تھا۔

"پتا نہیں تانیہ بی بی آپ کو کس نے کیا بتایا ہے' لیکن ہمیں اس بارے میں بات کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ وہ تو آپ نے مرنے والی کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی تھی تو ہم بھی بول پڑے پر آپ آگے ہم سے کچھ نہ پوچھئے گا۔ اور آگے رکھا بھی کیا ہے' وہ بے چاری مر گئیں اور ساری باتیں ختم ہو گئیں۔ بڑی نیک لڑکی تھیں' اللہ جنت نصیب کرے۔"

"باتیں ختم نہیں ہوئیں۔" اس نے دل میں کہا۔

"باتیں تو شروع ہوئی ہیں' جب ملیحہ نے دادا جان کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کی تو اسے گم نام کیوں کر دیا گیا۔ اس کی موت کن حالات میں ہوئی اور کیوں اسے پر اسرار بنایا جا رہا ہے اور سب سے اہم یہ بات کیوں مشہور کی گئی کہ وہ وجدان مصطفیٰ کی بیوی تھی اور ان کی اصل بیوی اور شایان کی ماں کون ہے اور اس کی شخصیت کو کیوں چھپایا گیا اور کیوں شایان کو بھی یہ یقین دلایا گیا کہ وہ ملیحہ کا بیٹا ہے۔" سوال ہر طرف بکھرے ہیں پر جواب کہیں نہیں ہے۔ وہ لاؤنج میں آئی اور ڈرائنگ روم کے گلاس ڈور سے اندر دیکھنے لگی' جہاں سے پردہ ہٹا ہوا تھا۔ دادا جان صوفے پر بیٹھے بار بار پہلو بدل رہے تھے اور نور الہدیٰ' وجدان کے ساتھ بیٹھے ان کے کندھے پر بازو پھیلائے دھیرے دھیرے بولتے وجدان کی بات بڑے دھیان سے سن رہے تھے۔ وہ پہلے ہی جانتی تھی کہ نور الہدیٰ اور بابا جان کبھی ملیحہ کے بارے میں زبان نہیں کھولیں گے' اب اس نے وجدان کا نام بھی اس فہرست میں شامل کر لیا تھا۔

"نہ جانے اب یہ تینوں اندر بیٹھے کون سا اسکرین پلے لکھ رہے ہیں۔ وہ تین لوگ جنہیں ملیحہ نے سب سے زیادہ چاہا تھا اس کے بارے میں سچ بتانے کو تیار نہیں۔ پتا نہیں اس کی ذات پر جھوٹ کے پردے کیوں ڈالے گئے۔ کوئی ہے تو اسے بیٹی ماننے کو تیار نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ وہ اس کے بچے کی ماں تھی۔ کیا گورکھ دھندہ ہے۔" وہ چلتی ہوئی صوفے پر آ بیٹھی۔

"کہانی کے چار بنیادی کرداروں میں سے ایک موت کی آغوش میں چلا گیا اور باقی تین جو بھی بولیں گے وہ سچ نہیں ہوگا مگر شاید کہانی کا کوئی ثانوی کردار سچ بولنے پر آمادہ ہو جائے' جیسے' جیسے سیمرا' آف کورس۔" اس نے اپنے خیال کی تائید کی۔

"سمیرا کو ضرور پتا ہوگا کہ ملیحہ کی موت کیوں اور کیسے ہوئی؟ اگر یہ پتا چل جائے تو شاید باقی کی الجھنیں بھی سلجھ جائیں۔ لیکن سمیرا کو میں کہاں ڈھونڈوں گی میں نے تو کبھی ملیحہ کے ننھیال میں سے کسی شخص کو قصر فاروقی میں آتا جاتا نہیں دیکھا۔ تو پھر سمیرا سے میں کیسے ملوں گی۔" وہ سوچنے لگی۔

"میری ممی شایان کی مدر کی کزن ہیں۔" تانیہ کو اچانک فائزہ کی بات یاد آئی اور اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

"او مائی گاڈ۔ فائزہ اور شایان کی مائیں آپس میں کزنز تھیں۔ شایان کی ماں کی حیثیت سے تو سب ملیحہ کو ہی جانتے ہیں اور فائزہ کی ماں ہیں سمیرا آنٹی اور فائزہ آفاق یعنی سمیرا آفاق۔ اٹس ریئلی امیزنگ۔" وہ ہنسنے لگی۔

"میں تین سال سے اس گھر میں جا رہی ہوں' جس کے رہنے والوں کا رشتہ قصر فاروقی سے برسوں پہلے ختم ہوچکا ہے۔ اور جواد کی انگیجمنٹ والے دن آفاق انکل پاپا کے نام پر چونکے بھی تو تھے' شک کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں اور اب آگے کی کہانی سمیرا آنٹی سنائیں گی۔" وہ فوراً ہی اپنے کمرے سے گاڑی کی چابی اٹھا کر پورچ میں آگئی۔ اور کچھ ہی دیر میں وہ فائزہ کے گھر پر تھی۔

فائزہ نے اسے دیکھا تو حیران رہ گئی۔

"تم؟"

"ہاں میں۔ لیکن تم اس قدر حیران کیوں ہو۔"

"تمہیں پتا ہے رات تمہارے جانے کے بعد کیا ہوا۔" فائزہ ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

"میں شروع سے ہی چاہتی تھی کہ تمہاری اور شایان کی شادی ہوجائے پر شایان کو تمہارے پاپا کا نام سن کر ہی اوٹ پٹانگ قسم کے خوف ستانے لگے تھے اور کل میں نے شایان کو جھوٹ بول کر اسی لیے بلوایا تھا کہ تم دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرو گے تو شاید اس کے دماغ سے خوف نکل جائے پر تم بھی اس کی بات مان گئیں تو آخری حل یہی بچا تھا کہ میں وجدان انکل کو سب بتا دوں اور میں نے انہیں سب بتا دیا۔"

"اچھا تو اس لیے وہ پاپا اور دادا جان سے ملنے گھر آ پہنچے' میں بھی حیران تھی کہ اتنے سالوں میں تو وہ کبھی دادا جان سے ملنے نہیں آئے تو آج کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"کیا؟ وجدان انکل تمہارے گھر آئے تھے۔" فائزہ پوچھنے لگی۔

"آئے تھے نہیں اس وقت بھی وہ قصر فاروقی میں موجود ہیں۔"

"بہت بد اخلاق ہو۔ اتنے برسوں بعد وہ تم لوگوں سے ملنے آئے اور تم انہیں چھوڑ کر یہاں چلی آئیں۔" فائزہ نے اسے سرزنش کی۔

"ان کی پاپا اور دادا جان کے ساتھ خفیہ میٹنگ چل رہی ہے' اس لیے میری اس بد اخلاقی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اچھا سنو میں آج خاص طور پر آنٹی سے ملنے آئی ہوں۔ انہیں کمرے میں بلا لو۔" وہ اپنے مطلب کی بات پر آگئی۔

"خیریت۔" فائزہ نے پوچھا۔

"ہاں بس تم انہیں بلا لو۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ کہہ کر اٹھی اور روم سے چلی گئی۔

"فائزہ بتا رہی تھی تم خاص طور پر مجھ سے ملنے آئی ہو۔" بیڈ پر بیٹھنے کے بعد وہ محتاط انداز میں بولیں۔

"جی آنٹی۔ آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"کہو۔"

"ایک منٹ۔" ان کی اجازت پا کر اس نے فائزہ کی طرف رخ کیا۔

"فائزہ ہمیں کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ سکتی ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ حیران تو ہوئی مگر فوراً ہی جانے کو کھڑی بھی ہوگئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے' بس اتنا خیال رکھنا جب تک میں کمرے کا دروازہ کھول نہ دوں کوئی ہمیں ڈسٹرب نہ کرے۔"

"جیسا تم کہو۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی اور جاتے جاتے دروازہ بھی بند کر گئی۔

"جی تو شروع کریں۔" اس نے سمیرا کی طرف دیکھ کر کہا۔ تانیہ نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مضطرب سی تھیں۔

"مجھے جانتی ہیں۔" انہیں خاموش دیکھ کر تانیہ نے سوال کیا۔ سمیرا اس کے لہجے سے سمجھ گئیں کہ اس سوال کا مطلب کیا تھا اور کہا۔

"تم نور الہدیٰ کی بیٹی ہو۔"

"اور آپ افتخار حسن کی بیٹی ہو۔" تانیہ نے ان کے چپ ہوتے ہی کہا۔

"میرا مطلب ہے ملیحہ کے ماموں افتخار حسن کی بیٹی۔"

"تمہیں فائزہ نے بتایا ہوگا۔" انہوں نے فوراً قیاس لگایا۔

"نہیں مجھے ملیحہ نے بتایا ہے۔" سمیرا نے اس طرح اسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو مگر بحث نہیں کی۔

"میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں مگر اب لگ رہا ہے مجھے اپنے رویے پر ایک بار پھر غور کرلینا چاہیے۔" وہ دانستہ بدلحاظ۔ ہوئی۔

"اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے۔" وہ ناگواری سے گویا ہوئیں۔

"آپ کو شرم نہیں آتی۔" تانیہ ایک دم سے بھڑک اٹھی۔

"جو لڑکی آپ کو اپنی بہن کی طرح سمجھتی تھی آپ اس پر بہتان لگاتی ہیں کہ وہ اپنے گھر سے بھاگ گئی تھیں۔"

"میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ملیحہ گھر سے بھاگی تھی۔" وہ بل کھا کر بولیں۔

"تو پھر ملیحہ اور وجدان کی شادی کیونکر ہوئی؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ملیحہ کا اپنے بابا جان کے ساتھ اس ایشو پر جھگڑا ہو گیا تھا' پھر بات بڑھ گئی اور ان حالات میں اسے گھر چھوڑ کر یہاں آنا پڑا۔ بعد میں ابو اور چاچو نے دونوں میں صلح کی کوشش بھی کی مگر پھوپھا جان نے کہہ دیا کہ ملیحہ ان کے لیے مر چکی ہے' اس کے بعد سب کو یہ ہی مناسب لگا کہ ملیحہ کی شادی وجدان سے کردی جائے۔ وہ وجدان کے ساتھ بھاگی نہیں تھی' اسے باقاعدہ رخصت کیا گیا تھا۔" وہ غصے سے چبا چبا کر بولیں۔ تانیہ نے سکون سے ان کی بات ختم ہونے کا انتظار کیا پھر کہا۔

"ان کا انتقال کس طرح ہوا؟" وہ ایک پل کو رکیں اور کہا۔

"شایان کی پیدائش پر ملیحہ کی وفات ہو گئی تھی۔"

"مگر کس طرح۔" وہ پوچھ رہی تھی' سمیرا زچ ہو گئیں۔

"بچے پیدا کرتے وقت اکثر عورتیں مر جاتی ہیں۔ اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔"

"حیران ہونے کی بات تو ہے نا۔" ان کی بات پر غور کرتے ہوئے وہ اٹھی اور ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دونوں بازو لپیٹ کر کہا۔

"اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے۔" سمیرا الجھتے ہوئے بولیں تو تانیہ اپنے الفاظ پر زور دے کر بولی۔

"اگر ایک ایسی عورت بچہ پیدا کرتے ہوئے مر جائے جس کے ہاں کبھی بچہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو سن کر حیرت تو ہوگی۔" اس بار سمیرا کچھ بول نہیں پائیں۔

"ملیحہ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔" اس نے بڑے سکون سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک ایسی لڑکی جو مر چکی ہے اس کے بارے میں اتنا بڑا جھوٹ کہ وہ کسی کی بیوی اور کسی کے بچے کی ماں تھی' بولتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آئی۔" وہ چپ ہوئی پھر طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔

"لیکن آپ کیا کسی مرے ہوئے کا لحاظ کریں گی۔ جب آپ نے زندہ لوگوں کا لحاظ نہیں کیا' شایان کے ساتھ کیا کیا آپ لوگوں نے' جسے وہ ماں سمجھتا ہے وہ اس کی ماں نہیں ہے' اگر پتا چل جائے اسے تو اس کی

کیا حالت ہو۔ اور وہ بدنصیب ماں جس نے اسے پیدا کیا ہے اس پر کتنا ظلم کیا ہے آپ سب نے اور آج میری زندگی آپ لوگوں کی وجہ سے ہی برباد ہو رہی ہے' یہ سوچ کر وہ ملیحہ فاروقی کا بیٹا ہے' شایان مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا اور میں جان کر بھی اسے بتا نہیں سکتی' کیونکہ میں جانتی ہوں وہ کبھی نہیں سمجھ پائے گا کہ جس باپ سے وہ اتنی محبت کرتا ہے اسی نے اس کی ماں کی شناخت کے حوالے سے اسے دھوکہ دیا۔" وہ رکی اور شاکی نگاہوں سے سمیرا کو دیکھنے لگی' جن کی آنکھوں سے اب آنسو گرنے لگے تھے۔

"دادا جان' پاپا' وجدان اور آپ' ملیحہ نے ہر ایک سے محبت کی اور اس کے مرنے کے بعد آپ سب نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ پاپا اور دادا جان یوں اس کے ذکر سے لاتعلق ہو گئے جیسے وہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اور وجدان جو ملیحہ کے لیے یقین کا چھو تھا اس کے چہرے کو دھوکہ بنا کر اپنے بیٹے کے سامنے پیش کرتے رہے اور آپ نے وجدان کو ایسا کرنے دیا۔ کس قدر بدنصیب تھی وہ' اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ساتھ یہ سب ہو جائے گا۔" سمیرا کے آنسو اور بھی شدت سے بہنے لگے مگر نانیہ اس پر ترس کھائے بغیر بولتی رہی۔

"بھوت کا یہ محل کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی' بتائیں' میری اور شایان کی زندگیوں کو برباد کرنے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے۔ جواب دیں۔ یا دینے کے لیے آپ کے پاس کوئی جواب بھی نہیں ہے۔" استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے اس کی آواز مزید تیز ہو گئی۔

"آج تو آنسو بہا رہی ہیں' مگر جب ملیحہ کی موت کا تماشا بنا رہی تھیں اس وقت آپ کے آنسو کہاں تھے۔"

"میں نے ملیحہ کی موت کو تماشا نہیں بنایا۔" وہ چلا اٹھیں۔

"ہاں وہ بدنصیب تھی' مگر کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب ہو جائے گا۔" [illegible] پوچھے بغیر ہولے سے بولنے لگیں۔

"مجھے آج بھی یقین نہیں آتا کہ ملیحہ مر چکی ہے۔ کس نے سوچا تھا وہ اس طرح مر جائے گی۔ جیتے جی کبھی نہیں ستایا اور مر کر سب کے لیے عمر بھر کا عذاب بن گئی۔" انہوں نے نانیہ کی طرف دیکھا۔

"یہ کوئی پریوں کی داستان نہیں' جسے سننے کے شوق میں تم یہاں چلی آئیں۔"

"جانتی ہوں یہ پریوں کی داستان نہیں ہے' مگر پری کی داستان تو ہے' جو جادو نگری میں کھو گئی۔" ان کے پاس بیٹھتے ہوئے نانیہ نے اس بار رسان سے کہا تھا۔ سمیرا بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگیں۔ اور دھیرے دھیرے ماضی کے پردے ہٹانے لگیں۔

آفاق چونک تو تبھی گیا تھا جب اس نے شام کے پس منظر میں ملیحہ اور وجدان کو ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے دیکھا تھا۔ مگر اس نے خود کو کسی بھی طرح قیاس آرائی سے محفوظ رکھا۔ وہ ملیحہ اور وجدان دونوں کو ہی اچھی طرح جانتا تھا۔ ملیحہ سلجھی ہوئی سمجھ دار لڑکی تھی اور وجدان بھی سلجھے مزاج کا شخص تھا جو اپنے کام سے کام رکھنا پسند کرتا تھا۔ آفاق نے اسے کبھی لڑکیوں میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں سے ہی کسی نادانی کی امید رکھنا فضول تھا۔ بعد کے دنوں میں آفاق نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے بے نیازی برتتے ہی دیکھا' مگر اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ پوری جان سے ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہیں' پھر وہ نظروں کی بے اختیاریاں بھی آفاق سے چھپی نہ رہ سکیں' لیکن وہ مستقل انہیں اپنا وہم سمجھ کر جھٹکتا رہا' مگر جس دن نور الہدیٰ' ملیحہ کو لینے آئے تھے' آفاق نے گیٹ سے اندر آتے ہوئے دونوں کو ساتھ کھڑے دیکھا تھا۔

آفاق اسے باہر گاڑی تک چھوڑ کر واپس آیا تو بھی وجدان وہیں کھڑا تھا۔

"کہاں کھو گئے۔" وجدان نے اپنے خیال سے ابھر کر آفاق کو دیکھا۔

"میں نہیں کھویا' دل کھو گیا ہے۔"

"سچ کہہ رہے ہو۔" آفاق سنجیدہ ہوا' وجدان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں مذاق کر رہا ہوں۔ اور اب اندر چلو' یہاں تو بہت دھوپ ہے۔" وجدان بات بدل گیا تھا' لیکن آفاق کو یقین ہو گیا کہ ان دو سلجھے ہوئے لوگوں کے درمیان کوئی الجھا ہوا سا تعلق ضرور ہے۔ وہ وجدان سے اس بارے میں کھل کر بات کرنا چاہتا تھا' مگر اس روز موقع نہیں مل سکا اور اگلے دن آفاق اور سمیرا ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات چلے گئے' پھر دس دن بعد ان کی واپسی ہوئی۔ دوسرے ہی دن وہ وجدان سے ملنے اس کے پاپا کے آفس گیا تھا۔ مگر وہ وہاں ملا ہی نہیں تو واپس آ گیا۔

"آج آفس آئے تھے۔" رات کو ڈائننگ ٹیبل پر کھانے کے دوران منیر حسن نے آفاق سے پوچھا۔

"وجدان سے ملنے گیا تھا۔"

"اور جناب وہاں تھے نہیں۔" اس کی بات کاٹ کر منیر حسن نے اس کی بات پوری کی۔ آفاق خاموشی سے کھانا کھانے لگا' کیا کہتا وہ وجدان کے لیے بے حد پریشان تھا۔

اگلے دن آفس سے واپسی پر اس کے گھر چلا گیا' مگر وہ گھر پر نہیں تھا۔ آفاق اس کے نام میسج چھوڑ آیا' لیکن وجدان ہنوز لاپتہ ہی رہا۔

آج 17 دسمبر تھا اور آفاق جانتا تھا کہ آج ملیحہ کی ایگزیبیشن ہے' وہ کچھ دن پہلے ہی پاس لے آیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ملیحہ کو سرپرائز دے گا۔

آفس سے فارغ ہو کر سیدھے آرٹس کونسل جانے کے بجائے آفاق ڈیلی نیوز پیپر کے آفس آ گیا۔

"آرٹس کونسل میں زبردست ایگزیبیشن لگی ہے' چلو گے۔" وہ اپنے رپورٹر دوست ساجد کی ڈیسک پر آ کر بولا۔

"چلو گے۔" وہ اچنبھے سے بول کر ہنسا۔

"میں تو لیٹ ہو گیا ہوں یار' میرا اسسٹنٹ رپورٹر اس وقت آرٹس کونسل میں بیٹھا مجھے دعائیں دے رہا ہو گا' شام کے اخبار میں نمائش کی کور رپورٹ چھاپنی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا وائنڈ اپ ہونے تک پہنچ جائے میں بھی سیدھا وہیں آؤں گا' لیکن ایڈیٹر صاحب نے بلوا لیا' اب وہ میری جان چھوڑیں تو میں جاؤں۔"

"کتنی دیر لگے گی۔"

"بس یہ رپورٹ فائنل کر دوں' پھر چلتے ہیں۔" اس نے کہا اور رپورٹ میں گم ہو گیا۔

آفاق ایک کرسی پر بیٹھ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ ساجد نے جلدی ہی اپنا کام ختم کر لیا تھا۔ وہ رپورٹ ایڈیٹر کے ٹیبل پر رکھ کر واپس آیا تو آفاق اسے دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔

"ویسے وجدان بھی اگر ہوتا تو مزا آ جاتا۔"

"ہاں یار ہماری تکڑم پوری ہو جاتی۔" ساجد بھی بولا۔

"چل پھر اسے بھی اٹھا لیتے ہیں۔"

"مگر اٹھانا کہاں سے ہے' یہ بھی تو بتاؤ۔" آفاق کے جواب میں وہ بولا۔

"لائبریری سے۔" آفاق حیران ہوا۔

"لائبریری سے۔"

"آؤ مجھے' راستے میں بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور آفاق کو ساتھ لے کر چل پڑا۔

"یہ لائبریری کا کیا چکر ہے۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے آفاق نے ساجد سے پوچھا۔

"چکر لائبریری کا نہیں لڑکی کا ہے۔"

"وجدان اور لڑکی کا چکر' امپوسبل۔" آفاق حیران ہوا۔

"وہ تو لڑکیوں کو بھاؤ تک نہیں دیتا۔"

"اور لڑکیاں ہمیں بھاؤ نہیں دیتیں' پر دیکھ لو تمہاری شادی بھی ہو گئی اور میری منگنی بھی' بھائی یہ جو دنیا ہے نا اتفاقات کا مجموعہ ہے' یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ سورج مغرب سے نکل سکتا ہے' دیا آندھی میں جل سکتا ہے' پانی میں آگ لگ سکتی ہے اور... وجدان کو محبت ہو سکتی ہے۔"

"تو مجھے آج بتا رہا ہے۔" اس کی ساری بکواس کے جواب میں آفاق بگڑ کر بولا۔

"تو مجھے بھی کچھ دنوں پہلے ہی پتا چلا ہے' وہ بھی

اتفاقاً۔" اس نے رک کر صفائی میں کہا تو آفاق بولا۔

"تم لڑکی تو دکھا دیتا، فلم بھی دکھاؤ۔"

"یار کوئی اتنی بھی چوڑی بات نہیں ہے۔ وہ تین مہینے پہلے میں اور وجدان لائبریری گئے تھے وہاں وہ بار بار ایک لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ لڑکی تھوڑی سی خوب صورت تو تھی، پر سچ بات ہے مجھے تو ایسی خاص نہیں لگی کہ وجدان جیسا بندہ اس کی ایک جھلک دیکھ کر ہی متاثر ہو جائے، پھر وہ لڑکی اٹھ کر چلی گئی۔ ہم لوگ بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر اٹھ گئے اور بات آئی گئی ہو گئی، بلکہ اس کے بعد سے جو اسے لائبریری جانے کی بیماری ہو گئی ہے تو مجھے شک بھی نہیں ہوا کہ یہ اس لڑکی کے چکر میں لائبریری جاتا ہو گا" وہ تو پرسوں میں وہاں گیا تو اسے وہاں دیکھا، پھر خود ہی میرے پوچھنے پر بتانے لگا کہ صبح سے شام تک لائبریری میں ہوتا ہوں۔ لائبریری بند ہونے کے بعد سڑکیں ناپتا ہوں، پھر جب نیند آنے لگتی ہے تو گھر چلا جاتا ہوں، بس اسی بات پر مجھے شک ہوا، اس سے پوچھا تو بتانے لگا۔ لیکن تمہیں ابھی نہیں کی۔" وہ آخری جملے پر سوچتا ہوا بولا۔

"ہوں۔" آفاق گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

اس کی نگاہوں میں بار بار اس شام کا منظر گھوم رہا تھا جس میں تخت پر بیٹھی ملیحہ کھوئے سے انداز میں اپنے سامنے بیٹھے وجدان کو دیکھ رہی تھی، جس کے انداز میں بھرپور وارفتگی تھی۔ آفاق کی پیشانی پر لکیریں سی ابھر آئیں۔ وجدان لائبریری کی پتھریلی سیڑھیوں پر بیٹھا کتاب کے ورق الٹ رہا تھا، جب آفاق اور ساجد اس کے سر پر آ پہنچے۔

"دماغ کو علم کے سمندر میں یوں ہی غوطے پہ غوطہ لگاتے رہے تو کسی دن ڈوب جاؤ گے۔" آفاق نے ہاتھ مار کر کتاب بند کر دی۔

"اٹھو ہم تجھے لینے آئے ہیں۔"

"مگر میں نہیں جا سکتا۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"کیوں؟" تو وجدان گہرے کچھ پلوں کے بعد بولا۔

"میں کسی کا انتظار کر رہا ہوں۔" اس کی بات سن کر ساجد بولا۔

"جس کے انتظار میں تو تین مہینے سے ڈھول پیٹ رہا ہے، وہ آج بھی نہیں آئے گی۔"

"میں نے کبھی بھی ان کے آنے کی شرط اپنے انتظار کے سامنے نہیں رکھی۔"

"تو تم مانتے ہو کہ تم اس لڑکی کے انتظار میں یہاں آتے ہو۔" ساجد اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"نہ ماننے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"وجدان مجھے تم سے اس پاگل پن کی امید نہیں تھی۔" آفاق چڑ سا گیا۔

"جس لڑکی کی تم نے صرف شکل ہی دیکھی ہے اس کے لیے تم خود کو اس طرح برباد کر رہے ہو، کیا یہ دیوانگی نہیں ہے۔"

"ہے تو۔" وہ مسکرایا۔

"اور دیوانے کو صرف اپنی دیوانگی سے مطلب ہوتا ہے۔"

"ایک دن کے نہ آنے سے تیری دیوانگی میں کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا، نہ وہ آکر تیری غیر حاضری نوٹ کرنے والی ہے، اب اٹھ جا۔" ساجد نے کہا، پھر اس کے نہیں نہیں کرنے کے باوجود وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے گاڑی میں لے آئے۔ وہ آیا تو بے دلی سے تھا، مگر نمائش میں ملیحہ کو دیکھ کر وہ اس اتفاق پر حیران رہ گیا۔ آفاق نہ جانے کدھر تھا اور اس کے ساتھ کھڑا ساجد کسی سے انٹرویو لے رہا تھا۔ وجدان اپنے آپ ہی اس کی طرف چل پڑا، اس کے ہاتھ میں ساجد کا کیمرہ تھا، بنا سوچے ہی غیر ارادی طور پر اس نے ملیحہ کی کئی تصویریں کھینچ لیں۔ اپنے چہرے پر فلیش کی روشنی محسوس کر کے ملیحہ اس طرف متوجہ ہوئی تو وجدان کو دیکھ کر وہ بھی حیران رہ گئی۔

وہ دونوں ہر طرف سے بے گانہ آپس میں باتیں کر رہے تھے، جبھی آفاق اس طرف چلا آیا۔ رنگ تو اس نے ملیحہ کے چہرے پر بھی دیکھے تھے، مگر وجدان کی آنکھوں کی چمک نے اسے واقعی الجھا دیا تھا، ملیحہ پلٹ چکی تھی۔ آفاق چلتا ہوا وجدان کے پاس آگیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

"وہ میری بہن ہے۔" وجدان نے اس کی طرف دیکھا، وہ جاتی ہوئی ملیحہ کو دیکھ رہا تھا۔

"اور میں تمہاری بہن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اپنے مخصوص واضح انداز میں بے دھڑک بولا تھا۔ آفاق اسے دیکھتا رہا، پھر اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا کر بولا۔

"باہر چل کر بات کرتے ہیں۔"

"میں نے ملیحہ کو پہلی بار لائبریری میں دیکھا تھا۔" وہ گھاس پر آفاق کے مقابل دونوں ہاتھ پیچھے ٹکائے دور آسمان کی وسعت میں کھویا کہہ رہا تھا۔

"میں وہاں ساجد کا انتظار کر رہا تھا کہ ملیحہ کو آتے دیکھا۔ پہلی غیر ارادی نظر کے بعد میں نے ان پر سے نگاہ ہٹالی تھی، پر نظر ہٹانے کے بعد میرا دل چاہا ایک بار اور ان کی طرف دیکھوں۔ اپنی یہ خواہش خود مجھے بھی عجیب لگی تھی۔ میں ان پر سے توجہ ہٹانے کے لیے کتاب پڑھنے لگا اور تھوڑی دیر میں ہی ساجد بھی آگیا تھا، مگر میں ملیحہ سے اپنی توجہ ہٹا نہیں پایا۔ وہ ایسی جگہ بیٹھی تھیں کہ ہر بار صفحہ الٹتے وقت میری نظریں ان کے چہرے پر ٹھہر جاتیں۔ اتنے فاصلے اور اونچائی پر ہونے کے باوجود مجھے ان کا ہر نقش بہت صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں ان کی پلکوں کا اٹھ کر گرنا محسوس کر رہا تھا، ان کی گردن کی ہر حرکت کے ساتھ ان کے گلے میں پڑی باریک چین پر پڑتے بل بہت واضح نظر آ رہے تھے۔ ان کے بال بار بار ان کے چہرے پر آجاتے اور وہ انہیں اپنے چہرے سے ہٹانے کے لیے ہاتھ سے سمیٹ کر پیچھے کرتیں تو ایسے میں ان کی کلائی میں پڑی چند چوڑیاں کھنک جاتیں، میں اس کھنک کو سن رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ بالکل میرے سامنے بیٹھی ہیں۔" وہ رکا اور پھر مسکرا کر گویا ہوا۔

"پھر ایسا لگا کہ وہ ڈسٹرب ہو رہی ہیں۔ وہ ایک دم سے کتاب پر سے نگاہ ہٹا کر ارد گرد دیکھتیں اور پھر دوبارہ سر جھکا کر کتاب پڑھنے لگتیں، مگر کچھ دیر بعد وہ پھر سے اپنے آس پاس دیکھنے لگتیں۔ شاید انہوں نے میری نظروں کو محسوس کر لیا تھا۔" وہ مسکرایا، پھر مسکراہٹ روک کر بولا۔

"کچھ دیر بعد وہ اٹھیں اور چلی گئیں۔ ایسا لگا کوئی خواب ختم ہو گیا ہو، مگر خواب کا اثر باقی تھا۔ اگلے دن مجھے لائبریری میں کوئی کام نہیں تھا، مگر پھر بھی لائبریری آگیا۔ مجھے خود بھی اپنی اس حرکت کی وجہ سمجھ نہیں آئی، لیکن ملیحہ کو دیکھ کر کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ پھر وہ چلی گئیں تو میں بھی اٹھ گیا، مگر اس روز ان کے جانے سے خواب ٹوٹا نہیں تھا، مستقل ہو گیا تھا۔ تیسرے دن پھر میں وہیں بالکونی میں آکر بیٹھ گیا، مگر وہ نہیں آئیں تو میں پریشان ہو گیا، اگر وہ نہ آئیں تو۔ وہ دو دن سے آ رہی تھیں، لیکن ضروری تو نہیں تھا کہ آج بھی آتیں، اس خیال کے باوجود میں وہاں سے ہلا نہیں۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد وہ آ ہی گئیں، مگر میری نظروں نے انہیں کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا تھا۔ ذرا دیر بعد ہی وہ اٹھ کر جانے لگیں۔ انتظار کے ان چند گھنٹوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ اب میں ان کے بغیر جی نہیں سکتا۔ میں بھی ان کے پیچھے باہر گیا اور سیڑھیوں پر انہیں آواز دے کر روک لیا۔ انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور میں نے ان کی آنکھوں میں۔" بولتے بولتے ہی یک دم وجدان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"نہیں دیکھنا چاہیے تھا، اگر کچھ بچا بھی تھا تو ان آنکھوں میں ڈوب گیا، میں نے ان سے کہا۔ آپ مجھ سے شادی کریں گی۔" اتنا کہہ کر وہ زور سے ہنس پڑا اور ہنسی کے بیچ کہنے لگا۔

"بہت غصہ آگیا تھا انہیں۔ اتنا غصہ کہ مجھے ڈانٹ بھی نہیں سکیں، پر میں نے ان سے کہہ دیا کہ اپنے سوال کے جواب کے لیے میں قیامت تک ان کا انتظار کروں گا۔ تیسرے دن وہ آئیں تو، مگر میرے انتظار کے لیے نہیں، کتاب واپس کرنے، لیکن اتنا بھی غنیمت تھا کہ وہ مجھ سے بات کرنے پر راضی ہو گئیں۔ مجھے نہیں پتا محبت کا اظہار کیسے کرتے ہیں، مجھے صرف اتنا سمجھ میں آیا کہ اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دوں، مجھے

واقعی محبت کا اظہار کرنا نہیں آیا' اس دن کے بعد ملیحہ پھر وہاں نہیں آئیں۔" وہ اب گردن گرائے گھاس کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

"دو مہینے ہر روز صبح سے شام تک میں ان سیڑھیوں پر بیٹھا دعا کرتا کہ جواب دینے نہ سہی مگر وہ اپنا چہرہ دکھانے ہی آجائیں۔ وہ تو نہیں آئیں مگر میں ان کی جھلک دیکھنے ان کے پاس پہنچ جاؤں گا ایسا تو سوچا ہی نہیں تھا۔ اس شام تمہارے گھر میں ملیحہ کو دیکھ کر مجھے یقین ہی نہیں آیا تھا' پتا ہے ان کا انتظار کرتے کرتے اکثر میں خود سے الجھ پڑتا۔ میں ان کی خاطر خستہ جا رہا ہوں اور انہیں احساس ہی نہیں ہے' مگر اس روز محسوس ہوا' وہ اتنی بھی بے نیاز نہیں۔" بولتے بولتے اس نے نظر اٹھا کر آفاق کو دیکھا۔

"لیکن یہ احساس میرے لیے کافی نہیں ہے آفاق۔ میں زندگی کا ہر پل ان کے ساتھ بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے وہ حق چاہیے کہ انہیں اپنا کہہ سکوں۔" وہ چپ ہوا اور یوں ہی ہاتھ آگے کرکے جھاڑنے لگا' آفاق نے اسے دیکھا اور پوچھا۔

"ملیحہ نے بھی اس بارے میں تم سے بات کی ہے؟"

"ایک بار ان کی آنکھوں میں اپنا عکس تو دیکھا تھا' لیکن ان کی زبان سے اب تک وہ الفاظ نہیں نکلے جو میں سننا چاہتا ہوں۔" وہ رکا' پھر سنجیدگی سے بتانے لگا۔

"کل انہوں نے مجھے لائبریری بلایا ہے۔"

"تم ملیحہ کے ساتھ سیریس ہو نا۔" وجدان نے نظر اٹھا کر آفاق کو دیکھا۔

"تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔"

"بات اعتبار کی نہیں ہے وجدان۔" آفاق اس پر سے نظر ہٹاتا آہستہ سے بولا۔

"ملیحہ بہت سادہ سی لڑکی ہے۔ مصلحتوں اور سمجھوتوں کو نہیں جانتی۔ جانتی ہے تو صرف اتنا کہ پیار کرنا ہے تو کرنا ہے' وہ بھی پوری ایمان داری کے ساتھ' کہیں کوئی احساس چھپا کر نہیں رکھتی۔ پاگل ہے اتنا بھی نہیں سمجھتی کہ کبھی محبت کے زخم بھی گہرے ہوتے ہیں۔ مگر حساس بھی ہے۔ خراش لگ جائے تو تڑپ اٹھتی ہے' کہیں زخم لگ گیا تو جھیلنا مشکل ہے' خیال رکھنا وجدان اسے کبھی چوٹ نہ لگے۔"

"آئی پرامس' خود پر جھیل لوں گا' لیکن ملیحہ کو تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا۔" اس نے پورے دل سے وعدہ کیا۔ آفاق یقین کرنے والی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھا' اسے بھی ساتھ اٹھنے کو کہا۔

"چلو اندر چلتے ہیں' میں ابھی ملیحہ سے بھی نہیں ملا۔"

"تم جاؤ میں تو اب گھر جاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ملیحہ کی موجودگی میں میں خود کو روک نہیں پاتا اور تمہارے ہوتے یہ سب مناسب نہیں لگتا۔" اس کے سنجیدگی سے بولنے پر آفاق مصنوعی خفگی سے وجدان کو گھورا۔

"ابھی جو اتنا بکواس کر رہے تھے تب خیال نہیں آیا کہ کچھ سنسر کرلے اور اب اندر جاتے ہوئے شرم آرہی ہے۔" اور وجدان نے فوراً" ہی اس کی غلط فہمی دور کردی۔

"میں ملیحہ کے خیال سے کہہ رہا ہوں اس سچویشن میں کوئی بھی بس بھائی کی موجودگی سے سٹپٹا جائے گی۔ اللہ حافظ۔" وہ جانے لگا تو آفاق نے کہا۔

"بھائی ساجد کا کیمرہ تو دے دے' اسے کہاں لے جا رہا ہے۔"

"ارے یار بھول گیا۔" اپنے سر پر ہاتھ مار کر گلے سے کیمرہ نکال کے اس نے آفاق کو پکڑایا اور ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا۔

* * *

وہ ایک خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیا ہوا لاؤنج تھا' جس میں رات کے کھانے کے بعد سب لوگ بیٹھے چائے کے ساتھ گپ شپ کر رہے تھے۔ ڈبل صوفے پر مصطفیٰ عظیم اپنے بڑے بیٹے مزمل کے ساتھ بیٹھے تھے' کچھ فاصلے پر سنگل صوفے پر عائشہ بیگم بیٹھی تھیں۔ سامنے مزمل مصطفیٰ کی بیوی انیقہ تھی اور وجدان ان کی باتوں سے الگ تھلگ کارپٹ پر اپنے ایک سال کے بھتیجے کو گود میں لیے اس کے ساتھ بظاہر کھیل رہا تھا۔ مگر اندر ہی اندر وہ الفاظ ڈھونڈ رہا تھا' بات کیسے شروع کرے' پھر اس نے اچانک ہی دھماکہ کردیا۔ کسی کو خاص طور پر مخاطب کیے بغیر اس نے اچانک کہا تھا۔

"میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" وہاں بیٹھے ہر شخص کو یہ سن کر یقیناً" خوشی ہی ہوئی تھی مگر اس کا جملہ اس قدر غیر متوقع تھا کہ کوئی ردعمل سمجھ ہی نہیں آیا۔ مصطفیٰ عظیم حیرت سے سنبھل کر بولے۔

"ہمارے لیے تو یہ خوشی کی خبر ہے' مگر تم نے جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کے بعد یقیناً" لڑکی اور اس کے گھر والوں کے لیے یہ سال کی سب سے بری خبر ہوگی۔"

"ابو آئی ایم سیریس۔" ان کے مذاق پر وہ سنجیدگی سے بولا۔

" even i am serious son "

انہوں نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

"میں نے کبھی بھی اپنے بیٹوں سے لاپروائی اور غیر ذمہ داری کی امید نہیں کی تھی اور تم سے۔"

"its even beyond my thougths

"تو مجھے وجدان سے ایسی حرکتوں کی امید نہیں تھی' مگر اب اسے لیکچر مت دیں' مجھے اس کی لاپروائی کی وجہ سمجھ آگئی ہے۔" عائشہ مصطفیٰ نے اپنے شوہر کو بیٹے کی کلاس لیتے دیکھ کر ٹوکا' پھر معنی خیزی سے بولیں۔

"غلطی وجدان کی نہیں ہے مصطفیٰ صاحب' بلکہ میری اور آپ کی ہے۔ بیٹا جوان ہو گیا ہے اور اسے خود بولنا پڑا کہ شادی کرنا چاہتا ہے' جبکہ یہ بات ہمارے سوچنے کی تھی۔"

"بالکل امی یہ بات سمجھ میں بھی آگئی ہے۔ وجدان بے شک ذمہ دار لڑکا ہے' کوئی ہو تو جس کے لیے ذمہ داری اٹھائی جائے۔ کیوں مزمل آپ کا کیا خیال ہے۔" انیقہ نے شوخی سے بولتے ہوئے اپنے شوہر سے رائے مانگی۔

"شریف آدمی بھی بیوی سے اختلاف نہیں کرسکتا اور یہاں تو اختلاف کی گنجائش بھی نہیں۔"

"تو پھر طے ہو گیا' اگلے ہفتے میں ہی ہم سب جاکر انیقہ کے ماں باپ سے شملا کا ہاتھ مانگ لیں گے۔"

"ایک منٹ امی۔" چپ بیٹھا وجدان' شملا کے نام پر ایک دم بولا۔

"میں شملا سے شادی نہیں کرسکتا۔" سب سے زیادہ انیقہ کو یہ بات ناگوار گزری تھی۔ اس کے تاثرات دیکھ کر وجدان نے کہا۔

"سوری بھابھی' شملا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"جب اچھی ہے تو انکار کی وجہ۔" مصطفیٰ عظیم نے کسی قدر ناگواری سے پوچھا۔

"میں ملیحہ فاروقی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ایک سیکنڈ کی تاخیر کے بغیر وجدان نے جواب دیا۔ ہر کوئی چپ رہ گیا تھا۔ انیقہ کو لگا کہ اس لمبی خاموشی کی وجہ اس کی یہاں موجودگی ہے۔ اس خیال سے وہ اٹھی اور وجدان کے پاس آکر بچے کو اس سے لے کر وہاں سے چلی گئی۔

"آج کی بات نہیں ہے وجدان۔ مزمل کی شادی کے کچھ ہی مہینوں بعد انیقہ کے اخلاق کو دیکھ کر میں نے سوچا تھا' وقت آنے پر شملا کو بہو بنا کر لاؤں گی۔"

"مگر میں آپ کی سوچ میں کبھی شامل نہیں رہا۔ اور میں تو حیران ہوں آپ نے نا صرف سوچ لیا' بلکہ بھابھی سے بھی بات کرلی اور مجھے آج پتا چل رہا ہے۔" وجدان کو واقعی حیرت ہوئی تھی۔

"تمہیں بھی تو آج پتا چل رہا ہے۔" وہ خفگی سے بولیں' پھر خیال آنے پر بولیں۔

"اور تمہیں کہاں مل گئی وہ۔ کیا نام ہے' خیر جو بھی ہو۔" انہوں نے ملیحہ کا نام یاد کرنا چاہا' پھر کسی کے یاد دلانے سے پہلے ہی ارادہ بدل دیا۔

"ان کا نام ملیحہ فاروقی ہے۔" وجدان کو ان کا انداز اچھا نہیں لگا تھا' اسی لیے ملیحہ کا نام بتا کر کہا۔

http://pakurdupalace.blogspot.com

"اور میں ان سے لائبریری میں ملا تھا۔"

"اور یہ سب کب سے چل رہا ہے۔" مصطفیٰ عظیم نے بیٹے کو دیکھ کر پوچھا۔

"تین مہینے ہونے والے ہیں۔" عائشہ بیگم کو ایک دم سے دھیان آیا۔

"اچھا تو اتنے مہینے سے تم جو سارے کام دھندے چھوڑ کر نہ جانے کہاں پھرتے رہتے ہو تو اس کی وجہ یہ لڑکی ہے۔"

"جی۔" اس کا لہجہ اب بھی متوازن تھا۔

"بہرحال تمہاری شادی شملا سے ہی ہوگی۔" انہوں نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"مگر میں ملیحہ سے شادی کا فیصلہ کرچکا ہوں۔" عائشہ بیگم نے سنا تو بھڑک گئیں۔

"ہاں اب یہ ہی سننا باقی رہ گیا تھا۔ ٹھیک ہے خود ہی سارے فیصلے کرو' ہمیں تمہارے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق ہی کیا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے امی۔" وہ ان کی ناراضی پر پریشان سا ہوگیا' پھر ان کے برابر بیٹھ کر اپنا بازو ان کے گرد لپیٹتے ہوئے سمجھانے کے سے انداز میں بولا۔

"آپ ان سے ملیں گی تو وہ آپ کو بہت اچھی لگیں گی۔"

"میں شملا سے کئی بار مل چکی ہوں اور وہ مجھے پسند ہے۔"

"اب آپ ضد کر رہی ہیں۔" وجدان نے تھک کر کہا۔

"تو تم کیا کر رہے ہو۔" وہ بولیں۔

"محبت۔" اس نے ایک لفظ کہہ کر بات پوری کردی اور اٹھ کر چلا گیا۔

"سنا آپ نے مصطفیٰ عظیم آپ کا بیٹا کیا کہہ کر گیا ہے۔" اپنے شوہر کو چپ دیکھ کر وہ بولیں۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے' ان کی طرف چونک کر دیکھا اور توقف کے بعد کہا۔

"مجھے لگتا ہے عائشہ' تمہیں بیٹے کی بات مان لینی چاہیے۔"

"ایسے کیسے مان لوں۔" وہ بدکیں۔

"کیا حرج ہے؟" وہ ان کے بدکنے پر بولے۔

"اس گھر میں شملا بہو بن کر آئے یا ملیحہ' ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا' لیکن وجدان کو فرق پڑے گا۔ آخر زندگی تو اسے گزارنی ہے۔"

"اور لطیفہ کیا اسے بھی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی چھوٹی بہن دیورانی بن کر اس گھر میں آنے والی تھی۔ اب کوئی اور آئے گی تو کیا اسے برا نہیں لگے گا۔ میرے کہنے پر وہ اپنے ماں باپ سے بھی بات کرچکی ہے۔" اب تک چپ مزمل ان کی بات پر پریشان ہو کر بولا۔

"امی آپ کو بات اس حد تک بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ چلیں لطیفہ تو میری بیوی ہے' لیکن اس کی فیملی کے سامنے مجھے کس قدر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"کسی چیز کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں نے کہہ دیا شملا ہی اس گھر میں آئے گی۔"

"تم نے تو کہہ دیا' لیکن جو ابھی وجدان کہہ کر گیا ہے اس کا کیا۔ بہو کیا سوچے گی' اس کی پروا ہے' بیٹے کا خیال نہیں۔" وہ واضح ملامت کر رہے تھے۔ عائشہ اس الزام پر اچھل پڑیں۔

"خیال کیوں نہیں ہے' ماں ہوں اس کی۔ بہت سوچ سمجھ کر شملا کا انتخاب کیا تھا کہ وجدان کے مزاج میں سنجیدگی ہے اور شملا بھی کم گو اور دھیمے مزاج کی لڑکی ہے' پڑھی لکھی اور خوب صورت بھی ہے۔ آپ تو خود جانتے ہیں' بتائیں ذرا ہے کوئی کمی اس میں۔"

"کمی بے شک کوئی نہیں' پر اس کا کیا حل کہ وجدان کو ملیحہ پسند ہے۔"

"بس مصطفیٰ صاحب آپ مجھ سے اس بارے میں کوئی بات نہ کریں۔ سمجھانا ہے تو بیٹے کو سمجھائیں کہ ماں کی بات مان لے۔ دشمن نہیں ہوں اس کی۔" وہ ناراضی سے کہہ کر اٹھیں اور چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد مصطفیٰ عظیم مزمل کو مخاطب کرکے بولے۔

"کیا لگتا ہے مزمل' وجدان واقعی اس لڑکی میں انٹرسٹڈ ہے۔"

"میرے خیال سے تو ہے' ورنہ اس کے بارے میں بات کیوں کرتا اور مجھ سے زیادہ تو وہ آپ سے قریب ہے' آپ بتائیں وہ اس لڑکی میں کس حد تک انوالو ہوگا۔"

"وجدان جیسے شخص کے لیے حد کا لفظ استعمال کرنا ہی بے کار ہے۔" اپنی رائے دے کر مزمل مصطفیٰ نے ان کی رائے مانگی تو وہ الجھے سے انداز میں بولے تھے۔

"پھر امی کو کیسے منائیں گے۔" مزمل نے فکرمندی سے کہا تو مصطفیٰ صاحب کہنے لگے۔

"مان جائے گی' ویسے اس کا ردعمل فطری ہے اور دھچکا تو مجھے بھی لگا تھا' لیکن پھر میں نے محسوس کیا وجدان' ملیحہ میں ڈیپلی انوالو ہے تو خود کو سمجھا لیا کہ زندگی تو اس کی ہے' اگر ملیحہ کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے تو ہمیں اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔" پھر مزمل کی طرف دیکھ کر بولے۔

"میری بیوی کو چھوڑو' یہ بتاؤ اپنی بیوی کو کیسے ہینڈل کرو گے۔"

"مجھے نہیں لگتا لطیفہ اس بارے میں مجھ سے کوئی بحث کرے گی۔ اس نے خود سنا ہے کہ وجدان کسی اور لڑکی میں انٹرسٹڈ ہے' بلکہ میرا خیال ہے اب وہ خود بھی وجدان کی شادی شملا کے ساتھ نہیں ہونے دے گی۔"

"ہوں۔" مصطفیٰ عظیم اس کی بات پر سر ہلانے لگے' پھر مزمل اپنے کمرے میں اٹھ کر چلا گیا اور مصطفیٰ عظیم' وجدان کے کمرے میں آگئے۔ تکیہ اونچا کرکے بیڈ پر نیم دراز یک ٹک سامنے دیوار کو دیکھتا ہوا وہ اتنی گہری سوچ میں تھا کہ ان کے آنے کو محسوس بھی نہیں کیا' مصطفیٰ عظیم اسے دیکھ کر مسکرائے اور چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

"غم منایا جارہا ہے۔" وجدان نے ذرا سا چونک کر انہیں دیکھا اور سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر گہری نظروں سے وجدان کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"بہت پیار کرتے ہو۔" وجدان سر کو جھکا کر یوں ہی مسکرانے لگا تو وہ اس کے کندھوں پر بازو پھیلا کر بے تکلفی سے بولے۔

"کم ان سن! ہم دونوں ہمیشہ سے اچھے دوست ہیں۔" انہوں نے اس کی تائید مانگی تو اثبات میں سر ہلا کر وہ دھیرے سے بولا۔

"بہت سے بھی زیادہ۔" اسے پھر چپ ہوتا دیکھ کر وہ کہنے لگے۔

"میری ہونے والی بہو کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔" وجدان سمجھ رہا تھا کہ وہ اس طرح کی باتیں کرکے اس کا موڈ بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں' اس لیے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"کیا بتاؤں۔" وہ سوچتے ہوئے بولے۔

"جو بھی تم جانتے ہو۔ اچھا چلو یہ بتاؤ دیکھنے میں کیسی ہے۔" وہ ذرا سا مسکرا کر بولا۔

"اچھی ہیں۔"

"بس۔" مصطفیٰ عظیم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ ہی سوال اگر میں تمہاری عمر کے کسی دوسرے لڑکے سے کرتا تو وہ کہتا۔ ستارہ سی آنکھیں ہیں' پنکھڑیوں جیسے ہونٹ ہیں' گھٹاؤں جیسی زلفیں ہیں' ایسا حسن میں نے اور کہیں نہیں دیکھا ہوگا' وغیرہ وغیرہ۔ اور تم۔ بس اچھی ہیں۔" وجدان ان کے اسٹائل پر ہنسنے لگا' وہ چپ ہوئے تو ان کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"ستارہ سی آنکھیں۔" اس نے کہا اور ملیحہ کی آنکھوں کو یاد کرنے لگا۔

"پتا نہیں ان کی آنکھیں ستارہ سی ہیں یا نہیں' پر جس طرف اٹھ جاتی ہیں وہاں روشنی ہوجاتی ہے۔ ہونٹوں پر بھی کبھی دھیان نہیں دیا' لیکن ان کی مسکراہٹ سچ میں بہت پیاری ہے اور زلفیں شاید گھٹاؤں جیسی ہی ہوں۔ کبھی نوٹ نہیں کیا۔ ہاں مگر جب ان کے بال ہوا سے لہراتے ہیں تو لگتا ہے گھٹا برس رہی ہے۔ میں کبھی کبھی حیران ہوجاتا ہوں کوئی اتنا حسین کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کا حسن آس پاس کی

ہر چیز کو حسین بنا دے۔" پھر وہ اچانک ہی بولتے ہوئے چپ ہو گیا۔ مصطفیٰ عظیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"امی بہت ناراض ہیں نا۔"

"یہ مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں پہلے ناراض ہو جاتی ہیں، پھر مان بھی جاتی ہیں۔ تمہاری ماں بھی مان جائے گی فکر مت کرو۔" اس کے بال بکھیرتے ہوئے انہوں نے ایسے کہا جیسے وجدان چھوٹا بچہ ہو۔ پھر گلے لگا کر اس کی پیٹھ تھپکی۔

"آرام سے سو جاؤ۔ میں عائشہ کو سمجھاؤں گا۔ تم ٹینشن مت لینا۔" خود سے الگ کر کے انہوں نے وجدان کا ماتھا چوما، پھر جب تک وہ کمبل لے کر لیٹ نہیں گیا وہ وہیں کھڑے رہے۔ اس کے بعد لائٹ آف کر کے چلے گئے، مگر وجدان کوشش کے باوجود آنکھیں بند نہیں کر سکا، حالانکہ مصطفیٰ عظیم سے بات کر کے وہ ہلکا سا ہو گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ ہر قیمت پر عائشہ مصطفیٰ کو راضی کر لیں گے۔ انہیں وجدان سے ایسی ہی محبت تھی، مگر کوئی چیز پھر بھی اسے بے چین کر رہی تھی۔

* * *

شاید وہ نمکین پانی جو ملیحہ کی آنکھوں سے بہہ کر گالوں سے پھسلتا گود میں رکھے اس کے ہاتھوں کی پشت پر بے آواز گر رہا تھا۔ وجدان اٹھ بیٹھا اور اندھیرے میں اپنے سامنے ہاتھ پھیلا کر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی پشت کو چھوا۔ اسے لگ رہا تھا کہ کسی نے گرم سیال اس کے ہاتھوں پر انڈیل دیا ہو، مگر بابا جان کا تو جسم ہی ایندھن بن گیا تھا۔ وہ بھلا کب ملیحہ کو اس گستاخی کی اجازت دے سکتے تھے۔ اس کے سامنے تو پھر بھی ضبط کرتے رہے تھے، مگر اب غیظ و غضب ان کے ہر انداز سے جھلک رہا تھا۔ تیز تیز راکنگ چیئر کو آگے پیچھے جھلاتے وہ مستقل اپنے ابال کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پر اس کوشش کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا تھا، پھر وہ اٹھ کر بیڈ تک آئے اور اپنے سب سے قریبی دوست ملک ناصر کو فون کرنے لگے۔

"ہیلو۔" کی آواز سنتے ہی بابا جان نے کہا۔

"ملک میں آ رہا ہوں۔" اور ان کی کوئی بات سننے سے پہلے فون رکھ دیا۔

"ملیحہ کے بارے میں آج تک جو بھی جانا جو بھی سمجھا جو بھی سوچا سب غلط۔ ایک ہی پل میں میری بیٹی میرے لیے اجنبی ہو گئی۔ میں سمجھتا تھا ملیحہ میری مزاج آشنا ہے۔ وہ کبھی میری رضا کو فراموش نہیں کرے گی۔ میری راہ پر چلنا تو کیا اس کے پیر میرے نقش قدم سے ہٹ کر کہیں نہیں پڑ سکتے۔ مجھ سے اختلاف وہ کبھی کر ہی نہیں سکتی اور اس نے ہمیشہ ایسا ہی کیا۔ اس نے خود کو میرے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ میں جو چاہتا اس کے لیے فیصلے کرتا اور ملیحہ بھی ان فیصلوں کو مانتی، بنا چوں چرا کیے۔ میرے ہر لفظ کو اس نے حکم کا درجہ دیا۔ 'نہیں' کا لفظ میں نے اس کی زبان سے کبھی سنا ہی نہیں۔ بچے ضد کرتے ہیں، مگر اس نے تو کبھی فرمائش بھی نہیں کی۔ میں نے جو بھی دیا اس نے قبول کر لیا۔ کبھی پسند ناپسند کا رنگ نہیں لایا اور مجھے یقین ہو گیا میری بیٹی میری پسند کے سانچے میں ڈھلی ہے۔" ملک ناصر کے سامنے ان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اپنی بھڑاس نکالتے ہوئے وہ ذرا دیر کو تھمے پھر دکھ سے بولے۔

"مگر آج پتا چلا میرا یقین جھوٹا تھا۔ میری اجازت کے بغیر اس نے اپنے لیے ایک ایسی راہ کو پسند کیا جو مجھے پسند نہیں۔ آج اس نے اختلاف کی جرأت کی ہے اور ایک فیصلہ بھی جسے وہ چاہتی ہے میں مان لوں، جھک جاؤں اس کے سامنے۔" وہ آتشی لہجے میں پھٹ پڑے، پھر اچانک ہی ان کا لہجہ سست ہو گیا۔

"مجھے لگتا تھا ملیحہ سے زیادہ سعادت مند اور فرماں بردار بیٹی دنیا میں دوسری نہیں ہو گی اور مجھ جیسا خوش قسمت باپ بھی اور نہیں ہو گا، مگر مجھ سے زیادہ بد قسمت باپ اور کون ہو گا جو بیس سال بعد جانے کہ بیس سال تک جو وہ اپنی بیٹی کو سمجھتا آیا تھا وہ نہیں ہے۔ کیا تم اس باپ کی تکلیف کو سمجھ سکتے ہو جو اپنی ہی بیٹی کو نہ سمجھ پایا ہو۔ میری بیٹی سعادت مند نہیں ہے اور کون جانے فرماں بردار بھی ہو گی یا نہیں۔" وہ چپ ہوئے تو ملک ناصر سمجھانے کے انداز میں بولے۔

"میں اب بھی یہی کہوں گا اظہر کہ تم بہت خوش قسمت ہو جو تمہیں ملیحہ جیسی بیٹی ملی، جسے دیکھ کر ہمیشہ میرے دل میں یہ حسرت جاگتی ہے کہ کاش وہ میرے گھر پیدا ہوئی ہوتی۔ وہ غلط نہیں ہو سکتی، مگر غلطی کر سکتی ہے۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو سمجھا بجھا کر صحیح راستے پر لے آؤ۔ لیکن ایک چیز مجھے بھی کھٹک رہی ہے۔" انہوں نے بابا جان کو دیکھا اور کہا۔

"نور الہدیٰ کو محبت کرنے کی اجازت دیتے ہو تو ملیحہ کو یہ اجازت کیوں نہیں ہے۔"

"کیونکہ میں ملیحہ کے لیے نور الہدیٰ کا انتخاب کر چکا ہوں۔ اسے محبت کرنے کی اجازت ہے۔ مگر صرف نور الہدیٰ سے محبت کرنے کی اور کسی سے نہیں۔ نور الہدیٰ کی کیا بات کرتے ہو اس نے اس سے محبت کی جسے میں نے اس کے لیے پسند کیا۔ اس کی محبت میرے فیصلے پر تصدیق کی مہر ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کبھی بھی اس کی محبت کی پروا نہ کرتا۔ ماں باپ کی تابعداری اولاد پر فرض ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اولاد ہونے کا فرض صرف نور الہدیٰ نے نبھایا ہے۔" ان کا انداز ملیحہ سے لاتعلقی والا تھا۔ ملک ناصر نے تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"بیٹی سے اس قدر بھی بدگمان نہ ہو جاؤ مظہر کہ ظلم ہو جائے۔ یہی سوچ کر کہ ملیحہ نے پہلی بار تم سے کچھ مانگا ہے، ایک بار وجدان سے مل لو، پھر سوچ کر فیصلہ کر لینا۔"

"فیصلہ تو بہت پہلے ہو چکا ہے ملک۔" وہ مستحکم آواز میں بولے۔

"ملیحہ کی شادی نور الہدیٰ سے ہی ہو گی۔ میں نے اب تک سوچا نہیں تھا کہ کب۔ مگر اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اسی ہفتے کو ملیحہ اور نور الہدیٰ کا نکاح پڑھا دیا جائے گا۔ اور وہ لڑکا" دعا کرنا ملک، وہ لڑکا کبھی میرے سامنے نہ آئے، ورنہ میں اسے جان سے مار دوں گا۔ اصل قصوروار تو وہی ہے، جو میری معصوم بچی کی سادگی کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اسے ورغلا کر اپنی راہ میں لانا چاہتا ہے، ورنہ ملیحہ نے کبھی نوکروں تک سے ایک کے بعد دوسری بات نہیں کی اور آج وہ مجھ سے بحث کر رہی تھی۔ ملیحہ نا سمجھ ہے، لوگوں کو پرکھ نہیں سکتی اور وہ ملیحہ کی اس کمزوری کو اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتا ہے، مگر میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ خوب جانتا ہوں ان راہ چلتے لڑکوں کو اور ان کی سوکالڈ محبتوں کو۔ لڑکیاں ان کے لیے کھلونا ہوتی ہیں، لیکن اظہر فاروقی کی بیٹی کھلونا نہیں ہے، جن ہاتھوں نے اس سے کھیلنے کی جرأت کی وہ جسم سے الگ ہو جائیں گے۔"

ملک ناصر نے سانس بھر کر بابا جان کے تپتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

(باقی آئندہ)

رضیہ جمیل کے شاہکار افسانے
"دریا برس گئی اس پار"
شائع ہو گیا ہے خوبصورت گیٹ اپ
بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
قیمت -/200 روپے
اس کے علاوہ "2" مکمل ناولوں کے نئے
ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں۔
"درد کے فاصلے"
قیمت -/400 روپے
"آج گگن پر چاند نہیں"
قیمت -/200 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی

http://paksociety.blogspot.com

علینہ حمید

مکتب عمر کا دستور نرالا

طه کا اسکول آٹھ بجے کھلتا ہے وہ سات بجے اسکول بیگ کندھے سے لٹکائے آدھا توس منہ میں دبائے گھر سے نکل جاتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ گھر سے زیادہ سکون اسکول میں ہے بشرطیکہ اسکول گیٹ پر تالا ہو۔ طه کی کلاس ٹیچر کا خیال بھی اس سے ملتا جلتا ہے وہ بھی یہی سمجھتی ہے کہ گھر سے زیادہ سکون کلاس روم میں ہے بشرطیکہ طه چھٹی پر ہو۔ بقول اس کے طه کی وجہ سے اس کی کلاس جاتی رہتی ہے بلکہ طه کی چٹکی کی بدولت کسی نہ کسی اسٹوڈنٹ کا راگ "ریں ریں" کمرے میں رواں رہتا ہے۔ طه کی کہنی کی زد میں آنے والی پسلی کی ضرب سے ساتھ بیٹھا کلاس فیلو منفی ضرب کے سوالات با آسانی حل کرلیتا ہے۔ یہ الگ بات اس کو چپ کرانے کے لیے کلاس ٹیچر کو روزانہ چھوٹم تقسیم کرنا پڑتی ہے اور ایک کاری ضرب طه کو۔ میری رائے طه اور اس کی کلاس ٹیچر کے خیال سے بالکل برعکس ہے۔ میرا خیال ہے گھر میں سکون ہونے کا صاف مطلب ہے طه ابھی اسکول سے نہیں لوٹا۔

عبداللہ کا اسکول ٹائم بھی آٹھ بجے ہی ہے۔ وہ ٹھیک آٹھ بجے ناشتے کی میز پر بیٹھا دونوں ہاتھوں سے نوالے اپنے منہ میں ٹھونس رہا ہوتا ہے۔ اس کی نظریں میز پر موجود ہر شے کو ٹٹولتی ہیں اور ہاتھ بھی۔ پچھلے دنوں اسے ایک عجیب مرض لاحق ہوگیا تھا ناشتے میں تیسرا پراٹھا کھاتے ہوئے اسے کڑواہٹ محسوس ہونے لگتی کہتا "ماما پراٹھا کڑوا ہے۔" سچی بات ہے مجھے تو بہت تشویش ہوئی میں نے سعد کو بتایا تو اس نے سکون سے جواب دیا "تم اسے دوسرے کے بعد چوتھا پراٹھا دے دیا کرو۔" بہت سہل اور سستا علاج تھا میں نے یوں ہی کیا تیسرا پراٹھا سعد کھانے لگا اور عبداللہ دوسرے کے بعد چوتھا پراٹھا لیا اور یہ آٹھ بجے والا ناشتہ ہے۔ عبداللہ کے ناشتے کی شروعات صبح چھ بجے ہو جاتی ہے۔ میں بستر میں ہوتی ہوں وہ آنکھیں ملتا ہوا میرے پاس آجاتا ہے۔

"ماما بھوک لگی ہے۔"

"رات دو پلیٹیں بریانی دو نان کھائے تھے حلیم کے ساتھ۔" میں اسے گھورتی ہوں۔

"دو کہاں ایک نان کھایا تھا آدھا تھیں نا۔" وہ زبردستی مجھے اٹھا لیتا ہے۔

"فی الحال انڈا چائے چاہیے بس۔" وہ کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ میں چائے کے ایک کپ کے ساتھ دو ابلے ہوئے انڈے لاتی ہوں۔ وہ دو انڈوں، دو باقرخانیوں کے ساتھ تین چار کیک رس لے کر گزارا کرلیتا ہے۔ سات بجے پھر اس کی رونی صورت کچن کے دروازے پر نمودار ہو جاتی ہے۔

"ماما! اب میں کیا کھاؤں؟" وہ مسکین صورت بنائے کھڑا ہوتا ہے۔

"مجھے کھالو۔" زچ آکر میں کہتی ہوں۔

"یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ۔" سعد تولیہ کندھے پر لٹکائے واش روم کی طرف جاتے ہوئے دانستہ گنگناتا ہے۔ میں اسے گھورتی ہوں مگر وہ یوں ظاہر کرتا ہے جیسے میری طرف متوجہ نہ ہو "ہم ماں بیٹے کا مکالمہ اس نے نہ سنا ہو۔

"مجھے لگتا ہے تمہارے پیٹ میں کیڑے ہیں۔" میں عبداللہ سے کہتی ہوں۔

"ہاں ماما مجھے بھی لگتا ہے۔" عبداللہ دیدے پھیلا لیتا ہے' یہ اس کا مخصوص انداز ہے۔

"کیسے؟ تمہیں کیسے لگتا ہے؟" میں پوچھتی ہوں۔

"طه بتا رہا تھا کل جب میں سویا ہوا تھا تو میرے منہ میں سے ایک کیڑا باہر نکل رہا تھا۔" عبداللہ تفصیل سے بتاتا ہے اور میرا جی چاہتا ہے ایک ہی بار اس کے پیٹ کے سارے کیڑے نکال دوں اور طه کے دماغ میں کلبلانے والا وہ کیڑا بھی جس کی وجہ سے ہر وقت کوئی نہ کوئی جانور چڑھا رہتا ہے۔

"ماما وہ سفید پاؤڈر کھاؤں؟"

"کون سا سفید پاؤڈر؟"

"وہ جو آپ ہر روز کچن میں چھڑکتی ہیں۔" وہ الماری میں پڑے کیڑے مار پاؤڈر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"عبداللہ چپ ہوجاؤ' خدا کے لیے۔" میں اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیتی ہوں۔

"ماما اب میں کیا کھاؤں؟" مسکین صورت وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔

"اب میں کیا کھاؤں۔؟" کی یہ گردان صبح آنکھ کھلتے ہی شروع ہوجاتی ہے اور میری آنکھیں بند ہوجانے تک جاری رہتی ہے۔ میرے سو جانے کے بعد بھی دبے پاؤں کسی فریج تک جانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ سعد کہتا ہے۔

"تمہارا وہم ہے بلی ہوگی۔" مگر میں جانتی ہوں بلی فریج کا دروازہ کھول نہیں سکتی' کھول بھی لے تو ائیر ٹائٹ ڈبے کا ڈھکن اس سے کھل نہیں سکتا' کھل بھی جائے تو وہ صرف بوٹیاں نکال کر نہیں کھاتی' کھا بھی لے تو بلی اتنی سیانی ہرگز نہیں ہوسکتی کہ ساری ہڈیاں عبداللہ کے بستر کے نیچے پھینک جائے جو میں روزانہ اس بے وقوف کے اسکول جانے کے بعد وہاں سے نکالتی ہوں۔

سات بجے ڈیڑھ گلاس کے ساتھ عبداللہ کے ناشتے کی دوسری قسط مکمل ہوتی ہے اور آٹھ بجے دوسرے کے بعد چوتھا پراٹھا ادھ کھایا چھوڑ کر وہ اسکول بیگ لیے گھر سے نکلتا ہے۔ ادھ کھایا اس لیے کہ میں اس کے ہاتھ سے آدھا پراٹھا چھین کر اسے بازو سے پکڑ کر دروازے تک چھوڑنے جاتی ہوں میری نظریں وال کلاک کی آٹھ بجاتی سوئیوں پر جمی ہوتی ہیں اور دروازے سے ایک قدم باہر ایک قدم اندر عبداللہ کی نظریں مڑ مڑ کر ناشتے کی میز پر پڑے پراٹھے ہی پر۔ ٹھیک آٹھ بجے وہ گھر سے نکلتا ہے' شاید اس کا خیال ہو اسکول میں بھی گھر جیسا ہی سکون ہے۔ اس کی کلاس ٹیچر کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ کہتی ہے۔

"عبداللہ میرا فیورٹ اسٹوڈنٹ ہے۔"

اس جملے کی وضاحت ایک روز طہ نے کی تھی جس نے بتایا تھا۔

"عبداللہ کی مس صرف عبداللہ سے جوئیں نکلواتی ہیں۔" "مجھے بھی ایک دن اس کی ٹیچر نے بتایا تھا۔

"عبداللہ مجھے بہت پسند ہے' کلاس میں اتنا بولتا ہے کہ میں کسی روز چھٹی بھی کرلوں تو بچوں کو میری کمی محسوس نہیں ہوتی۔" اس نے مزید کہا تھا۔

"کئی بار تو عبداللہ کی آواز سے میری آنکھ کھل جاتی ہے اور میں پھر سے کلاس میں بچوں کو ڈانٹنا شروع کردیتی ہوں۔" یہ تو خیر مجھے مبالغہ ہی لگا ورنہ مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ عبداللہ کی وجہ سے آنکھ لگتی ہی نہیں' کھلنے کا سوال کہاں سے پیدا ہوگیا۔

سعد کی جاب بہت اچھی ہے۔ نو بجے آفس ٹائم ہے' ساڑھے نو بجے وہ دانت برش کرتے کرتے گھر سے نکل جاتا ہے' دروازے میں روزانہ میں اس سے ٹوتھ برش پکڑتی ہوں۔ گیارہ بجے سبزی گوشت پکڑانے وہ پندرہ بیس منٹ کے لیے واپس آتا ہے۔ ایک بجے لنچ ٹائم شروع ہوجاتا ہے' سوا ایک بجے سعد لنچ کرنے گھر آتا ہے اور ڈیڑھ بجے نماز ظہر ادا کرکے دفتر لوٹ جاتا ہے۔ لنچ بریک ایک سے دو بجے تک ہے۔ ساڑھے تین بجے وہ بے چارہ تھکا ماندہ گھر پہنچتا ہے' چار بجے آفس کلوزنگ ٹائم ہے۔ سعد کا کہنا ہے پندرہ منٹ آفس سے گھر آنے میں بھی تو لگتے ہیں اور پندرہ منٹ رستے میں کسی نہ کسی دوست کے ساتھ علیک سلیک' حالات حاضرہ پر تبادلہ خیال۔ دس منٹ فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے راہداری میں کھڑے ہو کر ایک سگریٹ کیونکہ گھر میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے اور سعد اس قانون کی پاسداری بہت خوش اسلوبی اور سختی سے کرتا ہے۔ سگریٹ راہداری میں پی لیتا ہے یا چھت پر جاکر' کبھی کبھار ٹوائلٹ میں' کسی روز ڈرائنگ روم کے صوفے کے پیچھے چھپ کر دو چار کش لگالیے۔ ہفتے میں ایک آدھ بار ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے ہاتھ پیچھے کیے' کبھی رات گئے ٹی وی روم میں سگریٹ پھونک لیا۔ کسی روز بچوں سے چھپ کر کچن میں شوق پورا کرلیا' بس ایک دن اسے بہت مہنگا پڑا تھا جب وہ سردیوں کی ایک شام ڈیپ فریزر میں بیٹھ کر سکون سے سگریٹ کا طویل کش لے رہا تھا اور طہ نے بے خیالی میں کئی ماہ سے بند ڈیپ فریزر کا سوئچ آن کردیا تھا۔

سعد دوسروں کی طرح یہ فضول دلیل نہیں دیتا کہ وہ صبح آدھے گھنٹے دیر سے دفتر جاتا ہے اسی لیے چھٹی کے وقت آدھا گھنٹہ پہلے نکل آتا ہے۔ میں نے شروع میں ایک آدھ بار پوچھا تھا۔

"دیر سے جاتے ہو' افسر پوچھتا نہیں؟"

"پوچھتا ہے۔" اس نے سکون سے جواب دیا تھا۔

"پھر؟" میں حیران ہوئی۔

"پھر کیا' میں بتادیتا ہوں۔" سعد نے اطمینان بھرا جواب دیا۔

"کیا بتادیتے ہو؟"

"یہی کہ سر آپ سے آدھا گھنٹہ پہلے آیا ہوں۔" سعد نے جواباً وضاحت کی اور تب مجھ پر کھلا کہ سعد کا باس بھی ایک گھنٹہ دیر سے دفتر آتا ہے اور یہ وہی باس ہے جس کے ساتھ کبھی کبھار سعد فلم دیکھنے جاتا ہے اور سینما کی ٹکٹ اپنی جیب سے۔

ایک بار تو سعد نے میرے پوچھنے پر یہ جواب بھی دیا تھا۔

"اقبال ہمیشہ دیر سے آتا ہے۔" پہلے تو میں بہت حیران ہوئی کہ علامہ اقبال بھی دیر سے دفتر جاتے تھے؟ پھر ایک دن احسن بھائی سے بات ہوئی تو خوب ہنسے' کہنے لگے۔

"یہ واقعہ دفتر نہیں اسکول کا ہے اور علامہ اقبال نے اپنے پاس نہیں استاد کو یہ جواب دیا تھا۔" وہ تو بہت دنوں بعد بات کھلی جب سامنے والی اپنے بیٹے کو ٹیوشن کے لیے میرے گھر چھوڑنے آئی تو انکشاف کیا۔

"علامہ اقبال نہیں' سعد بھائی نے شکیلہ کے میاں اقبال کا کہا ہوگا' وہ بھی دیر سے دفتر جاتے ہیں۔" وہ طلال کو سعد کے پاس پڑھائی کے لیے لائی تھی۔

"سعد بھائی سے کہیں تیاری کرادیں' دس دنوں بعد طلال کا اسکول ٹیسٹ ہے۔" وہ طہ اور عبداللہ کی اسکول میں اچھی کارکردگی سے متاثر نظر آرہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ بچوں کی کامیابی میں سعد کا ہاتھ ہے۔ میں نے اس کی خوش فہمی بلکہ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔

"میتھ میں کمزور ہے' انگریزی میں بھی مشکل سے دس نمبر لیے تھے پچھلے ٹیسٹ میں۔" وہ بار بار کہہ رہی تھی' میں اسے کیا بتاتی کہ سعد کا حساب کیسا ہے' جب بھی بازار بھیجو سودا سلف لینے واپسی پر ہماری تکرار ضرور ہوتی ہے' دس کی جگہ پندرہ اور پندرہ کی بجائے بیس روپے کا فرق ڈال کر آتا ہے۔

"سعد بھائی کی انگریزی بہت اچھی ہے۔" اس نے کہا اور میں نے بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی۔ سعد کی انگریزی تو اتنی اچھی ہے کہ ایک بار مری کی سیر سے واپسی پر وہ بار بار احسن بھائی کو بتا رہا تھا۔

"وہیل چیئر خطرناک تو ہے مگر ہے مزے کی چیز۔" احسن بھائی نے اسے سمجھایا کہ وہ مری میں جس پر کئی بار جھول کر آیا ہے اسے چیئر لفٹ کہتے ہیں اور وہیل چیئر وہ ہوتی ہے جس پر ایکسیڈنٹ کے بعد دو ماہ تم بیٹھے رہے تھے۔

"سعد بھائی تھوڑا سا وقت دے دیں تو طلال کی انگلش کی تیاری ہوجائے گی۔" اس نے منت سے کہا اور میں نے فوری ہامی بھری ورنہ اس کی مزاحیہ گفتگو سن کر میرے منہ سے ہنسی کا فوارہ بس چھوٹنے ہی والا تھا جس کے چھینٹے یقیناً" اس کے چہرے پر پڑتے۔ اسے کیا پتا' گزشتہ رات ہی عبداللہ نے سعد سے کہا تھا۔ "پاپا! میرے ساتھ تو آپ اردو میں ہی بات کیا کریں۔" وجہ کچھ خاص نہیں تھی بس سعد نے ٹی وی روم میں داخل ہوتے ہوئے بہت پیار بھرے لہجے میں طہ کو مخاطب کیا تھا جو صوفے پر اوندھا لیٹا دونوں ہاتھوں پر چہرہ جمائے سعد کا پسندیدہ ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

"آج پانچویں انسٹال منٹ ہے؟" اور طہ نے لیٹے لیٹے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹائے' سعد کو دیکھے بغیر سنجیدگی سے پوچھا۔

"اسکوٹر کی چوتھی انسٹال منٹ جمع کرادی آپ نے؟"

"ہاں! آج ہی کرائی ہے' کیوں؟" سعد نے حیرانی

سے پوچھا۔

"ڈرامے کا آج پانچواں ایپی سوڈ ہے۔" طہ نے اسی سکون سے جواب دیا۔ بعد میں سعد نے مجھے چپکے سے کہا۔

"ہم انگلش میڈیم اسکولوں میں بچوں کو ڈپازٹ کرانے کا یہی رزلٹ نکلتا ہے کہ یہ مذاق اڑاتے ہیں ہمارا۔"

"ہاں جو والدین خود انگریزی اسکولوں میں ڈپازٹ نہیں ہوسکے تھے انہیں چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو انگلش میڈیم میں ایڈمیشن نہ کرائیں۔" میں نے بھی طہ جیسی سنجیدگی سے کہا تھا۔ دس دنوں بعد طلال کا اسکول ٹیسٹ تھا اور اس کی ماں اسے تیاری کے لیے سعد کے حوالے کرنے کی حماقت کرچکی تھی۔

"عزت بے عزتی کا مسئلہ ہے، خوب اچھی طرح پڑھاؤں گا۔" سعد نے کہا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں زیادہ دماغ کھپانے کی۔ بس بیس پچیس منٹ کافی ہیں۔" میں نے کہا تھا۔

"حد کرتی ہو تم بھی بچے کے مستقبل کا معاملہ ہے اور میری ساکھ بھی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔" سعد چڑ گیا۔

"آپ کی ساکھ بھی داؤ پر لگ گئی؟"

"طہ عبداللہ کی طرح کلاس میں فرسٹ سیکنڈ نہ آیا تو اس کے والدین کیا سوچیں گے؟"

"کیا سوچیں گے؟"

"یہی ناکہ میں نے توجہ سے نہیں پڑھایا اچھے نمبر نہ لے سکا تو سو باتیں کریں گے۔" سعد تو بہت سیریس تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے طہ عبداللہ تمہاری وجہ سے پوزیشن لیتے ہیں؟"

"نہیں تو اور کیا تم پڑھاتی ہو انہیں؟" سعد تو لڑنے پر آمادہ تھا۔

"میں تو نہیں پڑھاتی مگر آپ کا پڑھایا ہوا ابھی دیکھتی ہوں۔"

"کیوں؟ کیا خرابی ہے میرے پڑھانے میں ہمیشہ اول، دوئم تو آتے ہیں۔" سعد کا پارہ چڑھنے لگا۔

"اچھا طلال کو بھی گھول کر پلا دینا۔ دس دنوں میں کیا پڑھ لے گا وہ۔" میں نے بحث ختم کی مجھے پتا تھا بات بڑھتی چلی جائے گی ورنہ کیا میں نہیں جانتی کہ جب تک سعد طہ اور عبداللہ کے پاس بیٹھے ہوں ان دونوں کی جمائیاں ختم نہیں ہوتیں اور جب تک دونوں کی کتابیں کھلی رہیں سعد کے خراٹے بند نہیں ہوتے۔ پہلی شام طلال پڑھنے آیا تو سعد اس شام کسی دوست کی دوسری شادی کا ولیمہ کھانے گیا ہوا تھا۔

"طہ! طلال بھائی کو ذرا سبق سمجھاؤ، بابا کے آنے تک۔" میں نے طہ سے کہا۔ طہ تو جیسے ایک پل میں پروفیسر ہوگیا۔

"آؤ ادھر بیٹھ کے پڑھاتا ہوں۔" طلال کو ساتھ لے کر وہ ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ میں کچن میں مصروف ہوگئی۔ کچھ دیر بعد میں کھڑکی سے جھانک کر دیکھا دونوں صوفے پر بیٹھے تھے، طہ کی گود میں طلال کی کاپی کھلی ہوئی تھی اور طلال بڑی دلچسپی سے سر جھکائے دیکھ رہا تھا۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ آدھ گھنٹے بعد عبداللہ نے کچن میں آکر چہکتی ہوئی آواز میں مجھے خوش خبری سنائی۔

"ماما! طہ نے طلال کو جہاز بنانا سکھا دیا ہے۔"

"جہاز بنانا؟" میں بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں گئی۔ کمرے میں ہر طرف کاغذ کے جہاز۔۔۔ چھت والے پنکھے کے پروں پر، کئی روشن دان میں، بہت سارے فرش پر کریش پڑے تھے۔ طہ ایک جہاز کو ہاتھ میں پکڑے اڑانے کے لیے تیار تھا اور کیا نٹ طلال کے چہرے پر خوشی دیدنی تھی۔ طلال کی کاپی کی خالی جلد میرا منہ چڑا رہی تھی۔

اس شام سعد کے لوٹنے سے پہلے طلال کاپی کے کاغذوں کا جہاز بنانا سیکھ کر جاچکا تھا۔ اگلی شام پھر سعد کو اسی دوست کی دوسری بیوی کے پہلے شوہر کی عیادت کے لیے ہسپتال جانا پڑا، وہ بھی کسی زمانے میں سعد کا بہترین دوست رہ چکا تھا۔ طلال کتابوں والا بیگ لیے آیا تو میں نے طہ کو سختی سے منع کردیا۔

"خبردار! ڈرائنگ روم میں نہیں جانا۔"

"نہیں جاؤں گا۔" خلاف معمول اس نے بات

ہر لڑکی کا ارمان...
گورا نکھرا روپ!
English
UBTAN TURMERIC CREAM
English
UBTAN TURMERIC CREAM
کیونکہ... خوبصورتی حق ہے آپکا

ماں بی! وہ اس وقت ٹی وی پر اپنے پسندیدہ کارٹون دیکھ رہا تھا۔

"عبداللہ! میری جان!" میں نے انتہائی مٹھاس بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"جی ماما؟" عبداللہ جواب دے کر کچن کی طرف چل دیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"پانی لینے۔" اس کے قدم رکے نہیں' کچن کی طرف اٹھتے رہے۔ وہ پانی لے آیا۔

"پانی کیوں؟"

"پانی لینے ہو جاتا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ میں ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ وہ بھی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ پینے کا پانی نیچے کارپوریشن کے نل سے بھر کے لانا پڑتا ہے اور میرے لہجے میں مٹھاس شاید تب ہی آتی ہے جب عبداللہ سے پانی بھروانا ہو۔

"طلال کو تھوڑی دیر پڑھا دو' پاپا کے آنے تک۔" میں نے اس کے ہاتھ سے پانی پکڑا۔

"مطلب دس بجے تک؟" اس کے دیدے پھیل گئے۔

"ارے نہیں' آج پاپا جلدی آجائیں گے آٹھ بجے تک۔" میں نے کہا' اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔

"اچھا پڑھا رہا ہوں۔" عبداللہ نے کمال مہربانی کی جیسے اس کا وقت بہت قیمتی ہو اور وہ مجھ پر احسان کرنے جا رہا ہو۔

"سنو!" میں نے ان کے چلتے قدم روک لیے عبداللہ اور طلال دونوں نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جہاز نہیں بنانے!" میں نے تنبیہہ کی' دونوں مسکرائے اور ڈرائنگ روم چلے گئے۔ طہ بدستور کارٹون دیکھ رہا تھا۔ میں اپنے کپڑوں کی الماری کی صفائی میں جت گئی۔ کچھ دیر بعد یونہی خیال آیا کہ ان دونوں کو ایک نظر دیکھ لوں۔ میں نے کھڑکی سے جھانکا تو دونوں صوفے پر بیٹھے تھے' عبداللہ کچھ بول رہا تھا اور طلال بھرپور توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔ میں نے سوچا کورس کی کوئی نظم عبداللہ اسے سنا رہا ہوگا' پلٹنے لگی تو عبداللہ کی تیز آواز نے میرے قدم روک لیے۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنا اکلوتا رٹا رٹایا لطیفہ کہانی کی طرح طلال کو سنا رہا تھا جو شادی' سالگرہ کی ہر تقریب میں اس سے فرمائش کرکے سنا جاتا ہے بلکہ بقول سعد اب تو چہلم اور قل کے موقع پر بھی۔

"ایک دیہاتی کی بکری گم ہو گئی' دن بھر وہ اسے تلاش کرتا رہا۔ آخر شام کو مل گئی' دیہاتی سخت غصے میں تھا بکری کو لا کر صحن میں کتے کے ساتھ باندھ دیا اور خود سو گیا۔ آدھی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی' وہ پھر غصے میں بھرا ہوا اٹھا اور بکری کو ذبح کرکے اس کا گوشت پکایا اور مزے سے کھایا اور سو گیا۔ صبح اٹھا تو صحن میں بکری کو بندھے پایا' کتا غائب تھا۔" لطیفہ سنا کر جیسی سنجیدگی عبداللہ کے چہرے پر تھی ویسی ہی لطیفہ سن کر طلال کے چہرے پر بھی طاری رہی۔ میرے بھی ہونٹ بھینچے رہے مگر طلال کی بات سن کر میری ہنسی چھوٹ گئی۔

"آگے کیا ہوا؟" عبداللہ کو چپ دیکھ کر کچھ دیر بعد طلال نے پوچھا۔ میں یہ دیکھے بغیر کہ آگے عبداللہ کے ہاتھوں طلال کے ساتھ کیا ہوا چپ چاپ اپنے کمرے میں آگئی۔ عبداللہ نے طلال کو پڑھانا خاک تھا یہی کافی تھا کہ وہ سعد کی واپسی تک اسے مصروف رکھتا مگر سعد اس رات بھی دس بجے لوٹا۔ اس کے لوٹنے سے پہلے جو کچھ ہوا وہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ نے میری ہدایت پر بھرپور عمل کیا تھا' اس نے جہاز نہیں بنائے مگر طلال کی نئی کاپی کے سارے کاغذوں کی کشتیاں بنا کر کمرے میں پھیلا رکھی تھیں۔ طلال واقعی ساری کشتیاں جلا کر میرے گھر پڑھنے آیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے تیسری شام سعد کو کہیں جانا نہیں پڑا' مجھے عبداللہ اور طہ کو ڈرائنگ روم میں جانے سے منع نہیں کرنا پڑا' انگلی اٹھا کر سعد کو تنبیہہ نہیں کی۔

"جہاز اور کشتیاں نہیں بنانے۔"

سعد طلال کو ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ طہ اور عبداللہ کیرم کھیلنے میں مصروف ہو گئے' میں کچن میں جا کر ہنڈیا کا مسالا بنانے لگی۔ بیس منٹ بعد میں ڈرائنگ روم میں گئی تو ماتھا پیٹ کر رہ گئی' طلال صوفے پر بیٹھا مٹروں کے دانے نکال رہا تھا جو میں نے سعد کو نکالنے کے لیے دیے تھے اور سعد اس کی کاپی کا رول بنا کے دائیں آنکھ پر جمائے یوں دیکھ رہا تھا جیسے دوربین سے دیکھتے ہیں۔

اگلی شام میں نے کھڑکی سے جھانکا تو صوفے کی پشت سے سر ٹکائے سویا ہوا سعد خوفناک خراٹے لے رہا تھا اور گود میں کھلی کتاب رکھے طلال سہمی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر اگلی شام... کتابیں کونے میں پڑی تھیں۔ سعد اور طلال صوفے پر آمنے سامنے بیٹھے صوفے پر کہنیاں جمائے پنجے میں پنجہ ڈالے زور آزمائی کر رہے تھے۔ یہ سعد کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔

اگلی شام' پھر اگلی شام' اس سے اگلی شام' دس شاموں میں طلال نے اتنا پڑھ لیا جتنا دس مہینوں میں نہیں پڑھا ہوگا۔ اس کی ماں بہت خوش تھیں' رزلٹ آنے سے ایک دن پہلے وہ آئیں۔

"سعد کو مٹھائی کون سی پسند ہے؟" انہوں نے پوچھا

"مفت والی۔ کیوں؟" میں نے کہا' شکر ہے اس وقت سعد گھر نہیں تھا۔

"کل طلال کا رزلٹ آرہا ہے' کون سی مٹھائی لاؤں؟" انہوں نے پوچھا۔

"اچھی کوالٹی کی۔" طہ نے دور سے لقمہ دیا۔ میں نے جواباً اسے گھورا۔

"مٹھائی کی کیا ضرورت ہے' اللہ کرے طلال کا رزلٹ اچھا آجائے یہی خوشی کی بات ہے ہمارے لیے۔" میں نے کہا۔

"آئے گا ضرور آئے گا' سعد بھائی نے اتنا وقت دیا ہے' خوب محنت سے طلال کو پڑھایا ہے۔ رزلٹ اچھا آئے گا اور مٹھائی بھی اچھی۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔ بعد میں میں نے سعد کو بتایا تو بگڑنے لگا۔

"آپ نے بتایا کیوں نہیں رس گلے پسند ہیں مجھے اور گلاب جامن۔"

"برا لگتا ہے' وہ کیا سوچیں گی مٹھائی کے لالچ میں اسے پڑھاتے رہے؟"

"اس میں برا لگنے کی کیا بات ہے' اب اگر وہ برفی کا ڈبا لے آئیں تو؟" سعد کو بہت غصہ آرہا تھا۔

"تو دکان سے واپس کرکے رس گلے لے آئیں گے۔" میں نے سمجھایا مگر سعد خراب موڈ کے ساتھ ہی اس روز دفتر گیا۔

"بندہ کہہ دیتا ہے رس گلے پسند ہیں۔ کہہ دینے میں کیا حرج تھا کہ گلاب جامن شوق سے کھاتا ہوں' اب اگر جلیبیاں لے آئیں یا لڈو کا ڈبا بھیج دیا تو کون کھائے گا؟" وہ بڑبڑاتا ہوا گھر سے نکلا۔

اس دوپہر طلال کی ماں بجھے چہرے کے ساتھ آئیں تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا نہیں بلکہ طلال کا رزلٹ کارڈ تھا۔ دس دنوں کی ٹیوشن پڑھ کر طلال نے حساب میں بارہ نمبر لیے تھے اور انگریزی میں چار۔ پچھلی بار اس کے حساب میں اٹھائیس نمبر تھے اور انگریزی میں دس۔ یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ میں نے فون کرکے سعد کو دفتر میں ہی اس کی استادی کے نتیجے میں آنے والے طلال کے نتیجے کی خبر سنا دی تھی۔ یہ بتانا بھی فضول ہے کہ اس رات بارہ بجے تک سعد گھر نہیں لوٹا' سڑکیں ناپتا رہا اور جب ساری کالونی نیند کی آغوش میں چلی گئی تو رات کے اندھیرے میں دبے پاؤں وہ یوں اپنے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھا کہ سامنے والوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ یہ بتانا تو نری حماقت ہوگی کہ معمول میں ساڑھے نو بجے جانے والا اگلے روز پو پھٹنے سے پہلے ہی دفتر چلا گیا۔ میں نے اس کے دو سوٹ استری کرکے لٹکائے ہوئے تھے ایک نیلا دوسرا پیلا۔ دن چڑھے میں نے دیکھا تو نیلی قمیص کے ساتھ پیلی شلوار لٹکی ہوئی تھی۔ پیلی قمیص اور نیلی شلوار غائب تھی۔ عبداللہ کا لطیفہ مجھے یاد آیا جو وہ مزے لے لے کر سناتا ہے۔

"صبح دیکھا تو صحن میں بکری کو بندھا پایا اور کتا غائب تھا۔"

نازیہ جمال

ایک جوڑا

"آخر میں پوچھتی ہوں تمہیں سدھرنے کے لیے کتنا وقت درکار ہے۔ کب تک یونہی میری جان جلاتی رہو گی۔"

وہ اعصام الحق اور روہنا کے مابین کھیلے جانے والے چیلنج مقابلے میں کچھ ایسی کھوئی کہ بھول ہی گیا کہ ماں کچھ دیر پہلے کوئی کام ذمہ لگا گئی ہے۔ مزے سے یونہی کرسی میں پڑے دیکھ کر رفعت کو غصہ آگیا۔

"اس ہوش ربا گرانی کے دور میں جب کہ پہلے ہی خون مشکل سے بن رہا ہے اسے جلا کر ذرا اپنا نقصان ہی کر رہی ہیں۔ پتا بھی ہے اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ ابو بے چارے کا مزید خرچا ہی بڑھے گا۔" ٹی وی سے نظر اٹھا کر اس نے شرارت سے ماں کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں مت کی بات سمجھانا بس پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے۔ بھلا اس باندروں جیسی اچھل کود والے کھیل میں دلچسپی لینے کی کیا ضرورت ہے۔ بس ایک ہی گیند کو دو بے وقوف پیٹے چلے جا رہے ہیں۔ الو کا کھیل ہے گھنٹہ گزرنے کے بعد بھی گیند کسی کے ہاتھ نہیں لگ پاتی۔" مٹر خود چھیلتے ہوئے رفعت بے زاری سے بولیں تو جہاں سمیرا کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ چمکی تھی، وہیں وہ بھی تڑپ کے سیدھی ہو بیٹھی۔

"ارے امی! اعصام الحق کے بارے میں کچھ ایسا ویسا بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ان قمار باز، وطن کی عزت و ناموس کی بہت ہلکی قیمت لگنے والے کرکٹرز میں سے نہیں ہیں، جن کو آپ بجا طور پر اکثر و بیشتر صلواتیں سناتی رہتی ہیں۔" اعصام الحق نے امریکہ میں کھیلے جانے والے ڈبل میچ مقابلوں میں جس طرح شاندار پرفارمنس دی تھی اور بالخصوص اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کا واضح الفاظ میں دفاع کیا تھا، اس نے ہر محب وطن پاکستانی کی طرح اس کا دل بھی جیت لیا تھا۔ جبھی تو وہ اعصام الحق کا کوئی میچ مس نہیں کرتی تھی۔ اور اب امی نیم خواندہ اور گھریلو مسائل سے نبرد آزما ماں کے منہ سے اپنے فیورٹ پلیئر کے لیے ایسے الفاظ سن کر حیرت تو نہیں، البتہ افسوس ضرور ہوا تھا۔

"ابھی آپ کو نہیں لگتا کہ اعصام الحق کی شکل پھپھو نصرت کے اکلوتے فرزند رضوان سے کتنی ملتی ہے، جو ایک ماہ بعد آپ کے دوسرے داماد کے منصب پر فائز ہونے والے ہیں، وہی ڈارک براؤن آنکھیں، اونچی ناک، درمیانہ قد، کبھی تو اپنی ناعمہ سدھ بدھ کھو کر ٹینس میچ دیکھتی ہے۔" اپنے اور بیٹے اسد کے کپڑے ترتیب و سلیقے سے بیگ میں رکھتے ہوئے سمیرا نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی نہیں، اب ہر کسی کو اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے کیا؟ قسمت اور رہنمائی کے ہاتھوں محسن بھائی شادی سے پہلے ہی فارغ البال کیا ہوئے تھے کہ آپ نے خود پر فرض کر لیا تھا کہ رانا نوید الحسن کا کوئی میچ نہیں چھوڑنا اور شاعری سے شغف نہ رکھتے ہوئے بھی بغیر پڑھے امجد اسلام امجد کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ضرور ملائے ہوتے تھے۔"

آرام سے حساب برابر کرتے ہوئے اس نے مٹر کے چند دانے منہ میں ڈال لیے۔

"شرم تو نہیں آتی بہنوئی کا مذاق اڑاتے ہوئے۔ بس ماتھے پہ بال ذرا سے چھدرے ہیں ورنہ تو لاکھوں میں ایک ہے میرا داماد۔" رفعت نے ڈانٹا تو سمیرا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"ارے امی! اسے مت ڈانٹیے، یہ سچ کہہ رہی ہے منگنی کے بعد ان کی چندیا کو لے کر میری دوستوں نے کافی مذاق بنایا تھا تو خود کو احساس کمتری سے بچانے کی خاطر میں ان کا اپنی زندگی میں کامیاب شخصیات سے موازنہ کر کے خود کو تسلی دیا کرتی تھی۔ اچھا چھوڑیے ان سب باتوں کو، یہ بتائیں تیاری کہاں تک پہنچی ہے۔ میری دفعہ جو چیزیں رہ گئی تھیں کوشش کریں کہ وہ شامل ہوں۔" سمیرا نے ناعمہ کے جہیز کی بابت استفسار کیا۔

"شکر ہے میرے رب کا، اپنی بساط سے بڑھ کر جوڑ لیا ہے۔ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ اپنا پیٹ کاٹ

کرائی کا سامان تیار کر رہے ہوتے ہیں کہ جنگلی گھاس کی طرح بڑھتی بیٹی ماں کے برابر آکھڑی ہوتی ہے۔" یاسیت زدہ لہجے میں کہتے ہوئے رفعت ٹوکری اٹھا کر باہر کو چل دیں۔

"آپی! آپ آج رات ٹھہر نہیں سکتیں، ابھی تو آپ سے ڈھیر ساری باتیں کرنی باقی ہیں۔ آپ کو اپنی شاپنگ بھی تو دکھانی ہے۔" اداسی بھری نظر سمیرا کے بیگ پہ ڈالتے ہوئے وہ کارپٹ پہ بیٹھے اسد کو گدگدانے لگی۔

"بالکل نہیں، مجھے آج لازمی جانا ہے، ممانی سے صرف ایک دن کی اجازت لے کر آئی ہوں اور تمہیں تو پتا ہے بینا بھی ادھر آئی ہوئی ہے، ایسے میں گھر کا کافی کام بڑھ گیا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بینا صاحبہ تو ہر دوسرے دن میکے آ دھمکتی ہے جبکہ آپ صرف عید کے عید ہی ماں باپ کو شکل دکھا سکیں، خوب اصول پسندی ہے، اگر ممانی جی کا مجھ سے پالا پڑتا تو میں ہوش ٹھکانے لگا دیتی ان ماں بیٹی کے تو۔" حسب عادت اسے خوب طرارا آگیا۔

"ارے نہیں، تمہیں کوئی ضرورت نہیں کسی سے الجھنے کی۔" سمیرا نے گھبرا کر جلدی سے اسے ٹوکا مبادا کہیں پہلی ہی نہ پڑے وہ دو ہاتھ کرنے کے لیے، وہ ایسی ہی تو تھی بدلحاظ اور تندی طبع میں اپنا ثانی نہ رکھنے والی۔

"تب! آپ کافی بدل گئی ہیں شادی کے بعد۔" وہ شاک کی سی کیفیت میں بولی۔

"سچ کہتی ہو بہنا! چنچل ہوتی تھی اب پھکن کی شکل اختیار کر لی ہے۔" سمیرا نے مصنوعی سرد آہ بھری۔

"جی نہیں، میں فضول کی بات نہیں کر رہی۔ کہاں گئے وہ آپ کے آدرش، بلند حوصلگی اور ولولوں سے گندھے زندگی کے اصول جن پر تاحیات عمل پیرا ہونے کے بلند بانگ دعوے کیا کرتی تھیں۔"

"کیا وقت یاد دلا دیا ظالم! ایک ہلکا سا تیر میرے سینے میں مار کر ہائے ہائے بس یوں سمجھو کہ لڑکی کی زندگی میں دو جنم ہوتے ہیں۔ ایک ماں باپ کے گھر، دوسرا میاں جی کے گھر اور بچہ جس ماحول میں آنکھ کھولتا ہے لامحالہ اسی ماحول کے رنگ ڈھنگ اسے اپنانے پڑتے ہیں۔ بس تم اپنے ننھے دماغ کو مت تھکاؤ۔ وقت ہر چیز کی صراحت خود کرے گا۔ میں ذرا محسن سے پوچھوں کہ دفتر سے واپسی پر ہمیں کب تک لینے آئیں گے۔" موبائل ہاتھوں میں لے کر سمیرا نمبر پش کرنے لگی۔

"توبہ کتنی بے صبری ہو رہی ہیں گھر جانے کو اور نام خراب کرتی ہیں ساس نندوں کا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اسد کے منہ سے بہتے دودھ کو صاف کرنے لگی۔

"میں نے آپ کو ایک ڈوڈ فیڈر دیا تھا۔ اس سے اسد کو فیڈ کیوں نہیں کرواتیں۔ اس سیدھے فیڈر سے تو سارا دودھ ضائع ہو گیا ہے۔ ڈوڈ فیڈر اپنے جھکاؤ کی وجہ سے خاصا مفید ہے۔"

"ہاں وہ فیڈر تو بینا نے اپنی بچی کے لیے لے لیا تھا۔" نمبر بزی تھا سمیرا نے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔

"آپ نے دیا کیوں ہے۔ میں نے کتنے چاؤ سے اپنے بھانجے کے لیے عیدی تیار کی تھی۔ گرم سوٹ اور شوز کیا وہ بھی نند صاحبہ کو دے دیے ہیں؟" وہ طنز سے پوچھنے لگی۔ اسے حقیقتاً بہت غصہ آرہا تھا۔

"ارے نہیں بینا نے صرف وہ فیڈر ہی مانگا تھا اور اگر میں انکار کر دیتی تو علم ہونے پر محسن کا دل کتنا برا ہوتا۔ کیا سوچتے وہ میرے بارے میں کہ میں کوئی مادہ پرست اور خود غرض لڑکی ہوں جس کے نزدیک رشتے ناتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔" وہ اس کے خفا خفا چہرے کو دیکھتے ہوئے ناصحانہ انداز میں بولی۔

"دیکھو ناعمہ! چیزیں زندگی میں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں، تمہاری محبت، خلوص تو شک سے بالاتر ہیں لیکن جان! سسرالی زندگی میں وسیع القلبی، تحمل اور بردباری جیسے اوصاف کو کام میں لاکر اپنی خانگی دشواریاں بھگا کر ہی ہم گھر والوں کا دل جیت سکتے ہیں۔"

ورنہ یہ سمیرا اور میکے کی مضبوط ایک تو کوئی سیکھ بوٹی نہیں دیتے دیکھنا دو ماہ بعد کچھ اسی قسم کے پند و نصائح کی پٹاری تم عافیہ کے سامنے کھولے بیٹھی ہو گی۔" بات کے اختتام پہ سمیرا دھیرے سے مسکرائی۔

"جی نہیں، آپ کی طرح اپنے جذبات و احساسات کو گروی رکھ کر خالص سسرالی غلامانہ ذہنیت کی بنیاد پر جنم لینے والی "جی ورنا لازم" کی سو کالڈ علمبردار کم از کم میں تو نہیں بن سکتی۔" وہ ترخ کر بولی۔

"تمہیں کوئی بات سمجھانا اونٹ کو رکشا میں بٹھانے کے مترادف ہے۔" تاسف سے سر ہلاتے ہوئے سمیرا پھر سے نمبر ملانے لگی۔

* * *

"عافیہ! بیٹے ذرا دیکھنا تو تمہاری امی سے چائے کا ایک کپ مانگا تھا، مجھے لگتا ہے کینیا کے باغات سے تازہ پتی توڑنے چلی گئی ہیں۔"

صدیق صاحب نے شگفتگی سے عافیہ سے دریافت کیا جو چارپائی پہ بکھرے اخبارات کو ترتیب دے رہی تھی۔

"تو ذرا صبر نہیں ہو سکتا آپ سے، تھوڑے سے برتن پڑے تھے سوچا انہیں بھی چائے بناتے ہوئے دھولوں۔" خفگی سے کہتے ہوئے رفعت نے کپ شوہر کی طرف بڑھایا۔

"آہا! جس چاہ میں چاہ نہیں اس چاہ (چائے) کو چاہ (کنواں) میں ڈال دو۔" چائے کے حوالے سے صدیق علی نے اپنا مخصوص نعرہ بلند کرتے ہوئے کپ لبوں سے لگا لیا۔

"ہوں! ویسے آپ کو اس چائے میں چاہ کی موجودگی پر شک نہیں ہونا چاہیے۔ آخر کو امی اپنے ہاتھوں سے بنا لائی ہیں۔" ماں باپ کی باہمی محبت اور ذہنی ہم آہنگی کو خاندان بھر میں جس طرح قابل رشک نظروں سے دیکھا جاتا تھا اس سے عافیہ طمانیت بھرا فخر محسوس کیا کرتی تھی۔ ابھی تو بلا تکلف باپ کو چھیڑتے ہوئے ایک مسکراتی نظر ان کے چہرے پہ ڈالی جنہوں نے حسب عادت ایک سخت گھوری سے فوراً نواز دیا تھا۔

"بالکل بیٹا جی! اس چاہ بھری چائے کی امید میں تو ہم ہر شام سارے کام دھندے چھوڑ کر بھرے دوڑے چلے آتے ہیں۔ ورنہ تو کئی چائے قریبی ہوٹل کا چھوٹا دن میں دو بار دے جاتا ہے۔ مگر اس میں وہ مزا کہاں جو آپ کی امی کی طویل صبر آزما اور ترسا ترسا کر ملنے والی برائے نام میٹھی چائے میں موجود ہے۔ کتنا ظلم سا ظلم ہے، دوسروں کو تولوں کے حساب سے چینی فروخت کرتے ہیں اور اپنے لیے آنکھ میں سرمے جتنی ہے۔" صدیق علی مصنوعی رقت آمیز لہجے میں بولے تو رفعت اچھا خاصا چڑ گئی تھیں۔

"توبہ ہے آپ سے تو، معلوم بھی ہے شوگر لیول کتنا بڑھ گیا ہے اور جس رفتار سے آپ میٹھا زہر کھا رہے ہیں تو خاکم بدہن وہ دن دور نہیں جب مجھے بیوگی کی چادر اوڑھنی پڑے گی۔" رفعت کا انداز ڈرانے کا سا تھا۔

"اللہ نہ کرے کہ مجھے کچھ ہو۔" صدیق علی نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا تو عافیہ جو ماں باپ کی نوک جھونک دلچسپی سے سن رہی تھی ایک دم سے ہنس پڑی، اسے یوں فرصت سے چارپائی پہ ٹکے دیکھ کر رفعت کو کچھ یاد آگیا۔

"عافیہ! تم تیار نہیں ہوئیں جلدی کرو دن ڈھلنے کو ہے۔ عین کھانے کے وقت پہنچنا کتنا معیوب لگے گا۔" وہ لوگ آج رفعت کی بھانجی ثمینہ کے بیٹے کی سالگرہ کی تقریب میں مدعو تھے۔

"امی! میرا سوٹ ہی سل کر نہیں آیا۔ درزن کو آج کی ڈیٹ کا کہا تھا لیکن اس کے ہاں تو تنگی ہوتی ہے۔ اب میرے پاس آج کے دن کے لیے کوئی خاص سوٹ نہیں ہے۔ پرانے سب آؤٹ آف فیشن کے سلے ہوئے ہیں۔" عافیہ نے اپنا مسئلہ بتایا۔

"یہ کیا منطق ہوئی بھلا، یہ موئے فیشن تو موسموں سے پہلے بدل جاتے ہیں۔ فیشن کے مطابق کپڑے سلوانے کا تو یہ حال ہے کہ الماریاں منہ تک بھری پڑی ہیں لیکن موقع پر ایک جوڑا دستیاب نہیں ہوتا پہنے کا، خیال ہو الگ۔" رفعت غصے سے بڑبڑاتے ہوئے

کپ بورڈ میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"خیر تم ناعمہ سے آج ایک جوڑا لے لو۔ اس کے پاس تو موسم کے حساب سے اضافی کپڑے ہمیشہ رہتے ہیں۔" رفعت نے اپنی طرف سے آسان حل پیش کیا۔

"وہی تو امی! ناعمہ کے پاس سوٹ ہے بھی لیکن مجھے دکھانے سے صاف انکاری ہے۔" عافیہ بے بسی سے انگلیاں مسلتے ہوئے بولی۔

"اف! اس لڑکی کی نہ جانے کون سی کل سیدھی ہوگی۔ چلو تم میں خبر لیتی ہوں۔" ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے رفعت نے قدم اندر بڑھائے تو عافیہ بھی ان کے ہمراہ ہولی۔

"ناعمہ! بہن کو وہ جوڑا دو جو وہ مانگ رہی ہے، صرف آج ایک دن کی تو بات ہے بھلے سے تم بعد میں سارا خود برتتی رہنا۔"

"سوری امی! میں نے وہ سوٹ فن فیر کے لیے بنوایا ہے اگر پہلے سے میں پہن لیتی تو پھر بلا جھجک اسے دے دیتی لیکن پرابلم یہ ہے کہ فن فیر پر ہم سب فرینڈز نے نئے ڈریس بنوانے کا فیصلہ کیا ہے اب اگر عافیہ آج کے فنکشن میں پہن گئی ہے تو میرا ڈریس آؤٹ ہو جائے گا۔" پلکوں کو مسکارے سے بوجھل بناتے ہوئے وہ قطعیت سے بولی تو رفعت کو غصہ آگیا۔

"شرم تو تمہیں آتی نہیں اتنی خود غرضی دکھاتے ہوئے۔ بہن پرانا جوڑا پہن کر چلی جائے جبکہ تمہارے پاس ایک اضافی جوڑا رکھا ہوا بھی ہے۔"

"امی! خوامخواہ بحث کر رہی ہیں آپ تو جب کہ پتا ہے میں اپنی چیزیں کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتی تو بلاوجہ وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے چیزیں سمیٹنے لگی۔

"اچھا کوئی بات نہیں میرے پاس بلیک جارجٹ کا سوٹ ہے جسے میں نے بہت کم پہنا ہے۔"

عافیہ دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے الماری میں سے اپنا مطلوبہ ڈریس نکالنے لگی اور ایسے میں رفعت کا جی چاہا کہ ناعمہ کو اس ڈھٹائی پہ کھینچ کے ایک تھپڑ رسید کریں پھر اس کے صرف ایک ماہ کے مہمان ہونے کا سوچ کر صبر کے گھونٹ بھر گئیں۔

* * *

گیسوئے دراز کو اور بھی دراز کر۔

"بیگم صاحبہ! اقبال کے اس فرمان پر کب تک عمل کرنے کا ارادہ ہے۔ دھیان رہے وقت پر میزبانوں کے ہاں بھی پہنچنا ہے۔"

شادی کے بعد کے ابتدائی دن حسب روایت دعوتیں نمٹاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ آج بھی وہ لوگ رضوان کی خالہ کے ہاں مدعو تھے۔

"جناب! میرے بال تقریباً سلجھ چکے ہیں۔ اچھا یہ بتایئے آج کی دعوت کے لیے یہ بلیو سوٹ کیسا رہے گا۔"

ناعمہ نے مشک بو نم بالوں کو برش کرنے کے بعد یونہی پیچھے چھوڑ دیا اور الماری سے ایک سوٹ نکال کر رضوان کی رائے دریافت کرنے لگی۔

"بہت خوب" تو گویا آپ کا اقبال کے دوسرے مصرعے پر بھی عمل کرنے کا پورا ارادہ ہو رہا ہے۔" قلب و نظر شکار کر، ہوش و خرد شکار کر۔" شوخی سے کہتے ہوئے رضوان نے قدم اس کی طرف بڑھائے تو وہ اس کی نگاہوں کی گرمئی شوق کی تاب نہ لاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

"جی نہیں زیادہ بہکنے کی ضرورت نہیں، ابھی جلدی کا شور کون مچا رہا تھا، دیر ہونے کی صورت میں سارا ملبہ مجھ ــــــ" ابھی ناعمہ کی بات ادھوری ہی تھی کہ سویرا دروازہ ناک کر کے اندر چلی آئی۔

رضوان ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے خود پہ پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔

"بھابھی! اوہ میں کہنے آئی تھی کہ خالہ کی دعوت کے لیے مجھے کوئی خاص سوٹ نہیں مل رہا۔ ویسے تو ڈھیر سارے ڈریسز بنوائے ہیں اور وہ تقریباً آپ کی شادی پہ پہن چکی ہوں اب دوبارہ پہنتے ہوئے کچھ آکورڈ سا لگ رہا ہے۔ کیا میں آپ سے ایک سوٹ مستعار لے سکتی ہوں، بلکہ یہی ٹھیک رہے گا نا؟"

سویرا اس کا وہ سوٹ خود سے لگائے کھڑی تھی جو اس نے کچھ دیر قبل خود پہننے کی غرض سے بیڈ پہ رکھا تھا۔ ویسے تو اس کے جہیز کے سارے کپڑے بہت نفیس اور اعلا تھے لیکن یہ سوٹ اسے اپنی زیادہ قیمت اور دیدہ زیب ڈیزائن کی بدولت سب سے زیادہ پسند تھا ملٹی کلر نگینوں سے مزین یہ نیلا جوڑا اس نے دکاندار سے کافی بحث و تکرار کے بعد لیا تھا اور سلواتے وقت درزن کو بلا مبالغہ ہزار ہا ہدایتیں دی تھیں۔

"بھابھی! پھر میں یہ سوٹ لے جاؤں؟" سویرا منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ارے یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے، کپڑوں پر بھی کوئی اپنوں میں تیری میری ہوتی ہے، خبردار جو آئندہ یوں غیریت برتی تو، میری جو چیز پسند آئے بلا جھجک بغیر پوچھے لے جایا کرو۔" وہ پیار سے سویرا کو ڈپٹتے ہوئے بولی۔

"بلکہ ایسا کرو ساتھ میں یہ میچنگ شوز بھی لیتی جاؤ۔" انتہائی پھرتی سے شوریک سے جوتے نکال کر سویرا کی طرف بڑھائے تو وہ شکر گزاری سے مغلوب اس کے گال پہ بوسہ دے کر باہر نکل گئی۔

"واہ بھئی! نند بھابھی میں تو خوب نبھ رہی ہے ورنہ تو اپنے شادی شدہ دوستوں کا حال دیکھ کر سخت پریشان تھا کہ یونیورسل جنگ اب ہمارے گھر میں بھی شروع ہوا چاہتی ہے۔ لیکن شکر ہے اب تک تو بچت ہے۔" رضوان توصیفی انداز میں بولا تو وہ فخر سے گردن اکڑا کر بولی۔

"یادش بخیر! سویرا میری سوئٹ سی کزن ہے۔ اور دوسرا خود غرضی اور تنگ دلی کا میری ڈکشنری میں کوئی لفظ نہیں۔" پھر قدرے سنجیدگی سے کہنے لگی۔

"رضوان! ایک جوڑے کی وقعت ہی کیا ہے اس مان کے آگے جس مان سے سویرا مجھ سے سوٹ مانگنے آئی تھی۔ یہ کپڑے، جوتے بھلا کب تک ساتھ نبھاتے ہیں ایک دوسرے کے دلوں میں محبت اور خلوص کا جذبہ ہونا چاہیے۔ بے مروتی اور خود غرضی تو اپنائیت کے لیے سم قاتل کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان سے جہاں تک ہو سکے گریز ہی رہنا ہے۔ گھر والوں کی خواہشات کا احترام کرنے سے رشتوں کو پائیداری اور دوام ہونے کا حسن ملتا ہے۔ اور میرے خیال میں زندگی کا کل اثاثہ یہی ہوتا ہے بس۔"

گمبھیر لہجے میں بولتی ہوئی وہ رضوان کو اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی۔ قدردانی سے سراہتے ہوئے وہ برش سے بال سنوارنے لگا جبکہ وہ اطمینان بھرے انداز میں جیولری بکس کھولنے لگی۔

* *

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت ــــ 250/- روپے
اک نکتہ ایمان
سعدیہ احمد چوہدری
قیمت ــــ 250/- روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

اک نیا سفر

فوزیہ یاسمین

السلام علیکم قارئین

پہلی بار شادی کا احوال لکھ رہی ہوں وہ بھی اپنی' حالانکہ پچھلے سال جب میری بہن کی شادی ہوئی تھی میں نے تب سے سوچ رکھا تھا کہ اس کی شادی کا احوال ضرور لکھوں گی' کیونکہ اس کی شادی بڑے ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی مگر بقول شاعر

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے

تو اسی بھاگتے دوڑتے دن رات میں ڈیڑھ سال گزر گیا' میری اپنی شادی ہوگئی' مگر بہن کی شادی کا احوال لکھنے کی فرصت نہیں ملی۔

اور اس سے پہلے کہ میری شادی بھی اتنی ہی پرانی ہوجائے میں رات کے بارہ بجے یہ روداد لکھنے بیٹھ گئی ہوں' وہ بھی اس لیے کہ روداد لکھنے کے علاوہ وہ میرے شوہر نے بھی مجھے لکھنے پہ بہت اکسایا ہے۔

میرے خاندان میں کیونکہ نوجوان کزنز کی تعداد بہت زیادہ ہے تو اسی وجہ سے شادیاں بھی بہت یادگار اور پُررونق ہوتی ہیں۔

مہندی لڑکے والوں کو بلا کر کرنے کا ہمارے خاندان میں زیادہ رواج نہیں ہے' لیکن سب لڑکیاں شادی سے کئی ہفتے پہلے سے ہی جمع ہو کر ڈھولکی اور ڈانڈیاں کی یکطرفہ محفلیں بڑی خوش اسلوبی سے سجا لیتی ہیں۔ یکطرفہ اس لیے کہ لڑکے والے تو موجود نہیں ہوتے' چنانچہ کوئی مقابلہ بھی نہیں ہوتا۔

لیکن میری بہن صائمہ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے تمام کزنز (یعنی نوجوان نسل) اور خاندان کی بڑی خواتین (یعنی بہوئیں اور بھابھیاں وغیرہ) کے دو گروپ بنا کر ان کے بیچ گانوں کا مقابلہ کرا دیا۔

جی ہاں حیران ہونے کی ضرورت نہیں میرے خاندان کی بہوئیں اور بھابھیاں اتنی زندہ دل ہیں کہ لڑکیوں کو بھی مات دے سکتی ہیں۔ انہوں نے بڑا اچھا مقابلہ کیا۔

خیر خواتین کے ایسے فنکشنز کی تفصیل پر تو صفحات کے صفحات خرچ ہوجائیں گے' قصہ مختصر بہت ساری خوشگوار یادوں کے ساتھ تیرہ نومبر کا دن آ پہنچا۔

میری شادی ارینج میرج کے تحت ہو رہی تھی' میں اپنے شوہر کے نام اور جاب کے علاوہ کچھ بھی ان کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔

میرا نکاح نو نومبر کو ہو چکا تھا۔ کیونکہ کراچی میں بارہ بجے کے قریب شادی لان کی لائٹس آف ہوجاتی ہیں اور اگر بارہ بجے کے اندر تک فنکشن ختم نہ ہو تو پولیس دولہا کو گرفتار کرکے لے جاتی ہے' چنانچہ نکاح عموماً" پہلے ہی پڑھا دیا جاتا ہے' تاکہ سارے کام وقت پر ہوجائیں۔

میری شادی اور ولیمہ کا جوڑا اور اس کے ساتھ کے زیورات سب میری سسرال سے آیا تھا۔ میری ساس نے تو مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کے ساتھ چل کر اپنی پسند سے لے لوں' مگر مجھے سرپرائز زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ (میری کہانیاں پڑھ کر اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا) لہٰذا میں نے سب ان کی مرضی پر چھوڑ دیا اور اللہ کا شکر ہے کہ میری ساس اور جیٹھانی نے ہر چیز بہت اچھی خریدی۔

میں نے شادی والے دن بلڈ ریڈ اور ڈارک گرین کامبینیشن کلر کا لہنگا پہنا تھا اور میرے خاندان کی ساری ہی لڑکیوں نے طے کیا تھا کہ وہ سب لہنگا یا غرارہ پہنیں گی' میری بڑی بہن صائمہ نے اپنے ولیمہ کا جوڑا پہنا تھا اور نادیہ نے گرین کلر کا شرارہ زیب تن کیا تھا۔ وہ دونوں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ اور اب اپنی تعریف کیا لکھوں۔ وہ آپ جو چاہیں خود ہی سمجھ لیں۔ (یہ بات تو سب جانتے ہیں فوزیہ بہت خوب صورت لگ رہی ہوں گی' اللہ نے ڈھیروں حسن سے جو نوازا ہے۔)

میں پارلر سے تیار ہو کر تقریباً" ساڑھے نو بجے لان پہنچی تھی' اچھی خاصی خنکی کے باعث موسم بہت خوشگوار تھا۔

دس بجے کے قریب بلیک کرولا کو نفاست سے سجائے بارات آگئی۔ میرے ساس' سسر' جیٹھ' جیٹھانی اور ان کی پیاری سی بیٹی فاطمہ کا دیگر رشتے داروں سمیت میرے گھر والوں نے ہار پھول اور گجروں سے استقبال کیا ان کے آنے کے کچھ دیر بعد کھانا کھول دیا گیا اور رخصتی سے کوئی پندرہ منٹ پہلے میرے بھائی اور بہنوئی نے میرے شوہر کو مردانے سے لا کر میرے پاس اسٹیج پر بٹھا دیا۔

انہوں نے براؤن کلر کی شیروانی سوٹ پہنا تھا وہ بھی صرف اپنے اور میرے گھر والوں کی فرمائش پر ورنہ وہ جینز پہن کر آنا چاہ رہے تھے۔ (ابھی سے اندازہ لگا لیں کہ وہ کتنے لاابالی سے ہیں) لیکن وہ جینز میں بھی اچھے ہی لگتے یہ ان کی شخصیت کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا۔

اسٹیج پر سلامی اور مبارک باد کی وصولی کے دوران ہی لائٹس آف ہوگئیں تو سب نے رخصتی کی جلدی مچا دی اس وقت میری امی نے قریب آکر مجھ سے پوچھا تھا۔

"پریشان تو نہیں ہو نا۔"

میرے اس وقت کیا احساسات تھے وہ تو مجھے نہیں پتا۔ لیکن یہ ضرور معلوم تھا کہ امی کے لیے یہ وقت بہت سخت ہے لہٰذا میں نے بڑی بہادری سے کہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں امی آپ پریشان نہ ہوں۔"

اس وقت مجھے اپنے پاپا اور بڑے بھائی کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ (اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین)

بہت ساری دعاؤں کے زیر سایہ میں رخصت ہو کر اپنے گھر آگئی۔ میرے کمرے میں چاروں طرف پھول ہی پھول بکھرے تھے میری ساس نے میری بہنوں کو بھی بلا لیا تھا انہیں بھی میرا کمرہ بہت پسند آیا۔ مگر وہ دونوں زیادہ دیر رکی نہیں کیونکہ امی کا فون فوراً" ہی آگیا شادی لان میں کسی نے امی کا پرس چرا لیا تھا ساری سلامی کے علاوہ اس میں گھر کی چابیاں بھی تھیں۔

صائمہ اور نادیہ فوراً" گھبرا کر گھر چلی گئیں ادھر شادی لان میں رخصتی کے بعد جو سب لڑکی والے اطمینان سے بیٹھ کر کھانا وغیرہ کھاتے ہیں وہ اطمینان بھک سے اڑ گیا تھا۔

میرے بھائی اور ماموں وغیرہ سب فوراً" گھر بھاگے تھے اور تالا توڑ کر گھر میں داخل ہوئے تھے محلے والے بھی اٹھ کر گھروں سے نکل آئے تھے اس رات گھر میں اور سارے خاندان میں امی کا وہ پرس ہی ڈسکس ہوتا رہا نقصان تو کافی ہوا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ بھائی کا موبائل گھر پہ تھا اور سب کے موبائل نادیہ کے پرس میں تھے اس لیے جو چیز بچ گئی اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جو چیز چلی گئی اسے صدقہ سمجھنا چاہیے اور پھر بہت ساری اچھی یادوں کے ساتھ اس پرس کے کھونے کی وجہ سے مچی افراتفری نے بھی اس شادی کو مزید یادگار بنا دیا ہے۔

ستمبر دو ہزار سات میں میرا ایک ناول شائع ہوا تھا "زاویہ نظر" جس میں ہیرو کا نام اویس تھا تب لکھتے وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن اسی نام کے شخص کے ساتھ میری شادی ہوگی اللہ کا شکر ہے کہ اویس بہت اچھے ہیں اور میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔

اب اجازت دیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(اللہ فوزیہ اویس کو ہمیشہ اپنی رحمت کے سائے میں رکھے آمین)

* *

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

ریحانہ مجید بخاری

تنزیلہ الرحمٰن ۔۔۔ ضلع جہلم

بول کہ لب آزاد ہیں کا سلسلہ شروع کرکے آپ نے ہمیں خوش کر دیا ہے اس میں ہم کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں مجھے جگہ ضرور دیں گی ہمارے اردگرد بہت سی برائیاں ہیں۔

آج دنیا میں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہر طرف چغل خوری غیبت شراب جھوٹ۔ ہم سب چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ جھگڑ رہے ہیں جس سے گھریلو سکون تباہ ہو کے رہ گیا ہے بلکہ جنریشن موبائل کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے لڑکیاں لڑکے ہر وقت میسجز کرتے رہتے ہیں ہر لڑکا فلرٹ کرتا نظر آتا ہے۔ بھولی بھالی بے چاری لڑکیوں کو پیار بھری باتوں سے ورغلاتے ہیں اور جب لڑکی ان سے پیار کرنے لگتی ہے تو کہتے ہیں کہ میں تو صرف تمہارا دوست ہوں کیا انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ ان کی اپنی بھی بہنیں ہیں کل کو کوئی ان کے ساتھ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ اکثر لڑکیاں لڑکے تو اپنے والدین کی عزت کا بھی خیال نہیں رکھتے اور ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔ کیا انہیں اپنے اعمال کا خیال نہیں آتا کیوں دن بہ دن اپنے گناہوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔

ہم سب کو چاہیے کہ اپنے اندر خشیت الٰہی پیدا کریں جتنا زیادہ ہم اپنے رب سے ڈریں گے اتنے ہی ہمارے گناہ معاف ہوں گے اگر ہم ان پریشانیوں تکلیفوں سے بچنا چاہتے ہیں تو اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے کیونکہ ہمارا رب بہت رحیم ہے وہ رحم کرنے والا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے عرض کی کہ اے میرے پروردگار تو مجھے ایسی چیز عطا کر جس کے ذریعے میں تجھے یاد کروں اور برائیوں سے دور رہوں" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے موسیٰ تو لا الہ الا اللہ پڑھا کر" تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ "اے میرے پروردگار! یہ تو تیری امت کا ہر بندہ کہتا ہے مجھے تو کوئی ایسی چیز عطا کر جو خاص میرے لیے ہو" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے موسیٰ اگر ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی آبادی سوائے میرے ایک پلڑے میں رکھ دی جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ رکھ دیا جائے تو لا الہ الا اللہ کا پلڑہ بھاری ہوگا۔" سبحان اللہ۔

اس لیے ہم سب کو بے حیائی اور برائیوں سے دور رہنا چاہیے جتنا زیادہ ہم گناہوں سے پرہیز کریں گے اتنا ہی ہم اپنے اللہ سے قریب ہوں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

طوبیٰ اکرم ۔۔۔ شیخوپورہ

یہ وہ سلسلہ ہے جس سے انسان کے اندر کی سوچ کو باہر کا راستہ ملا ہے۔ وہ حقیقت ہے جس کا لبادہ ہر اس انسان نے پہن لیا ہے جو پہننا چاہتا تھا مگر حالات اور قسمت ساتھ نہیں دیتی تھی۔ زندگی کی وہ خوب صورتی ہے جس کو ہر ذوق والا انسان محسوس کر سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے آج اس موضوع پر لکھنا چاہوں گی جو آج کی حقیقت ہے مگر پس پردہ ہے۔ ہم ترقی کے نام پر ماڈرن ازم کو لے کر آگے ہیں اور اس ماڈرن ازم میں ہماری رو فیشن ڈیزائنر، بوتیک، اسٹائلش کپڑوں، فلم، ڈرامہ اور جیولری کی حد تک رہتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کپڑے جتنے مختصر ہوں گے ہم اتنے ماڈرن نظر آئیں گے۔

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

دنیا اور آخرت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ اکرامؓ کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔

"تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے (دل کے) اندھے پن کو دور کردے اور اس کی (عبرت کی) آنکھیں کھول دے (جو یہ چاہتا ہو وہ غور سے سن لے کہ) جو شخص دنیا میں جتنی رغبت کرتا ہے اور جیسی لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے، اسی کے بقدر حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے اور جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے۔ اپنی آرزوؤں کو مختصر کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اسے بغیر سیکھے علم عطا فرماتا ہے اور بغیر کسی کے بتائے راستہ دکھاتا ہے۔"

کرن عدنان ۔۔۔ کراچی

نصیحت

حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو نصیحت فرمائی کہ!

"بیٹا! پرانے کھنڈرات میں جایا کرو بوسیدہ عمارتوں کو دیکھا کرو، شکستہ گنبدوں کو دیکھا کرو، ٹوٹے ہوئے میناروں کو دیکھا کرو اور پھر ان سے پوچھا کرو۔ "کہاں چلے گئے یہاں کے رہنے والے؟" کبھی تو یہاں پُر رونق محفلیں تھیں، خوشیوں کی لہریں تھیں۔ یار و احباب کی طویل مجلسیں تھیں۔ آج وہ سب کہاں چلے گئے۔ "بیٹا تجھے اس کے اندر سے خاموش آواز آئے گی کہ وہ دھوکے کے گھر سے نکل کر ہمیشہ کے گھر کی طرف چلے گئے، تنہائیوں کے گھر، وحشت و دہشت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چلے گئے۔"

ریحانہ ۔۔۔ کراچی

اللہ کے غلام

حضرت عثمان غنیؓ کے غلام سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے پیچھے سوار تھا کہ بیت المال کے مویشی خانے کے قریب پہنچے۔ اس دن بڑی شدید گرمی تھی اور بہت گرم ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہم نے اچانک ایک شخص کو دیکھا جو تہبند باندھے ہوئے اور ایک چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ وہ اپنا سر اس چادر میں چھپائے ہوئے تھا اور اونٹ کو ہانکتا لا رہا تھا۔ اس نے اونٹ کو مویشی خانے میں داخل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"یہ کون ہے؟" ہم چل کر جب مویشی خانے کے قریب آئے تو یہ عمر بن خطابؓ تھے۔

"یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا؟" حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"مجھ سے زیادہ اللہ کا غلام کون ہوگا؟"

ثمرہ نسیم ۔۔۔ گوجرانوالہ

وقت

وقت ایک ایسا بھنور ہے جو ہم جیسے انسانوں کو نگلنے کے لیے گردش میں رہتا ہے۔ ہمارے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ اس کی کشش سے نکلنے کے لیے ہاتھ، پاؤں مارتے رہیں اور زندہ رہنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے رہیں۔ لیکن اس کے باوجود وقت کی کچھ ساعتیں، کچھ لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ گزرے ہوئے دنوں کی ذات کی عمارت کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اپنی شکستہ ذات کی شبیہہ نظر آتی

ہے اور اپنا عکس دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی زندہ رہنا ضروری ہے۔

امبر آصف۔ کراچی

حکایت

اگر بھینس کا پورا جسم سینگوں میں تبدیل ہو جائے، تب بھی شیر بھینس کو ہلاک کر دے گا۔ کسی بندے کا اپنی طاقت اور قوت کے بھروسے پر قضا کی گرفت سے بے خوف ہو جانا نادانی ہے۔ آندھی کو دیکھو وہ جب چلتی ہے تو بڑے بڑے تناور درخت زمین سے اکھڑ جاتے ہیں۔ لیکن گھاس عاجز اور بے بس ہوتی ہے۔ آندھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ گھاس کی عاجزی پر آندھی کو رحم آجاتا ہے۔ اے دل! تو بھی قضا کے روبرو زور آور اور مغرور ہونے کی کوشش نہ کر قضا سے جو ٹکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قضا ان کو بلند و بالا درختوں کی طرح نیست و نابود کر دیتی ہے۔ اگر تو نے گھاس کی مانند عاجزی اختیار کی تو ہو سکتا ہے قضا تجھ پر رحم کرے اور تو تباہ ہونے سے بچ جائے۔

(مولانا روم)

آمنہ امتیاز۔ کراچی

نئے سال کی دعا

خدا کرے کہ نیا سال تیرے دامن میں
وہ سارے پھول کھلا دے
کہ جن کی خوشبو نے
ترے خیال میں شمعیں جلائے رکھی تھیں۔

(پروین شاکر)

ارم۔ کراچی

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم اخراجات ہوں۔

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

☆ اعمال کی مثال برتن کی طرح ہے جو برتن نیچے سے اچھا ہوگا وہ اوپر سے بھی اچھا ہوگا جو برتن نیچے سے بھی خراب ہوگا وہ اوپر سے بھی خراب ہوگا۔

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

☆ جنت کے اندر رونا عجیب اور دنیا کے اندر ہنسنا عجیب تر ہے۔

(حضرت عثمان)

☆ جو شخص لوگوں کو عمل صالح کی ہدایت کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے، اس کی مثال اس اندھے شخص کی مانند ہے جس کے ہاتھ میں چراغ ہو اس سے وہ دوسروں کو روشنی دے اور خود نہ دیکھ سکے۔

(افلاطون)

☆ دو میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرو، کسی چیز کے لیے کوشش ہی نہ کرو یا ہر امکان کی کوشش کیے جاؤ۔

(اوِڈ)

☆ جس چیز کا علم نہیں اسے مت کہو، جس چیز کی ضرورت نہیں اس کی جستجو نہ کرو، جو راستہ معلوم نہیں اس راستے پر سفر مت کرو۔

(سقراط)

سدرہ وزیر، ناصرہ بتول خوشاب (چکل)

البرٹ آئن اسٹائن
(1879-1955ء) کے بقول

☆ اگر حقائق کسی تھیوری پر پورے نہیں اترتے تو حقائق کو بدل ڈالو۔

☆ روز اول سے عظیم انسانوں کے نظریات کو اوسط درجے کے ذہنوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

☆ بے وقوفی: ایک کام کو بار بار اسی طریقے سے کرنا اور ہر بار مختلف نتائج کی توقع رکھنا۔

☆ انٹلکچوئل وہ ہے جو مسائل کو درست طریقے سے حل کرے۔ جینئس وہ ہے جو انہیں پیدا ہی نہ ہونے دے۔

☆ جس شخص نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی اس نے کبھی کچھ نیا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی ہوگی۔

☆ میں نہیں کہہ سکتا کہ تیسری جنگ عظیم میں کون سے ہتھیار استعمال ہوں گے، مگر یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جنگ عظیم چہارم پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑی جائے گی۔

☆ عقل مندی اور بے وقوفی میں فرق یہ ہے کہ عقل مندی کی ایک حد ہوتی ہے۔

☆ مرد عورتوں سے اس لیے شادی کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی جیسے شادی کے وقت ہیں اور عورتیں مردوں سے اس لیے شادی کرتی ہیں کہ شادی کے بعد وہ بدل جائیں گے۔ افسوس کہ دونوں کو بعد میں مایوسی ہوتی ہے۔

☆ صرف دو چیزیں لامحدود ہیں۔ کائنات اور حماقت۔ کائنات کے بارے میں مجھے ابھی تک سو فیصد یقین نہیں ہے۔

شائستہ اعوان۔ کراچی

انا کی موت

اشفاق احمد۔

راہ پر رکھے چراغ نے کہا۔

"میں بھٹکے ہوئے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہوں، میں سب سے بڑا ہوں۔"

محل میں رکھے چراغ نے کہا۔

"لوگ میری روشنی کے ارد گرد بیٹھ کر اچھی اور نیک باتیں کرتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو نیک راستے پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ میں نہ رہوں تو یہ نیک کام انجام نہ پائے گا لہٰذا میں بڑا ہوں۔"

مندر میں رکھے چراغ نے کہا۔

"میں تو مندر میں رہتا ہوں اور بھگوان کو روشنی میں، میں نے ہی رکھا ہے۔ ورنہ وہ تو کب کا اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ اس لیے میں تم سے بڑا ہوں۔"

اتنے میں ایک ہلکا سا ہوا کا جھونکا آیا اور تینوں چراغوں کو بجھا کر چلا گیا۔

الماس علی۔ لاہور

اداس جنوری

جنوری کی سرد شام میں
ہم آج بھی جاتے ہیں
ان پیڑوں سے
اپنی اور تمہاری بابت
وہ باتیں پوچھنے
جو تم میرے سنگ چلتے کہتے تھے
ان لمحوں میں پروہ خواب سارے
عذاب بن کر رہے ہیں
بے لباس دل میرا
اور بے جان وجود
جنوری کی سرد شام میں
ہم آج بھی جاتے ہیں
لگا کر گلے ان لمحوں کو
آج بھی رستے تکتے ہیں
ان راستوں پہ نہ آؤ گے کبھی
معلوم ہے ہم کو بھی
مگر اس دل سے مات ہم
ہر بار ہی کھاتے ہیں
جنوری کی سرد شام میں
ہم آج بھی جاتے ہیں

عنبرہ نسیم۔ گوجرانوالہ

جلدی نہیں ہے

گاؤں کی سیر کے دوران ایک شہری نے دیکھا کہ ایک دیہاتی نے بڑا سا برتن دیوار پر رکھا ہوا تھا، جس میں مرغیوں کا دانہ تھا۔ وہ ایک مرغی کو ہاتھوں میں اٹھا کر برتن تک لاتا، وہ کچھ دیر دانہ چگتی، اس کے بعد دیہاتی اسے زمین پر چھوڑ کر دوسری مرغی کو اٹھا کر برتن تک لاتا، وہ بھی دانہ چگ لیتی تو دیہاتی اسی طرح ایک اور مرغی کو پیٹ بھرنے کا موقع دیتا، یہ منظر دیکھ کر ایک شہری سے رہا نہ گیا وہ بولا۔

"اگر آپ یہ برتن نیچے رکھ دیں تو سب مرغیاں ایک ساتھ دانہ چگ لیں گی اس طرح کتنا وقت بچے گا۔"

"وقت کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔" دیہاتی نے بے پروائی سے کہا۔

http://paktuniplace.blogspot.com

"مرغیوں کو کون سا کہیں جانے کی جلدی ہے۔"
ثریا شاہ۔۔۔ کہروڑ پکا

کاش

ہر اک شام نئے خواب اس پر کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آجائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آجائے

مان جسٹہ۔۔۔ عبدالحکیم

بے قرار موسم

بے قرار موسم میں
یاد کے جھروکوں سے
پھر تمہی سے ملنے کی
دل میں کتنی خواہش ہے
آج کل دسمبر کی
پھر اداس شامیں ہیں
جنوری کے آنے میں وقت
تھوڑا باقی ہے
ان ہی اجاڑ آنکھوں میں
زرد زرد راتیں ہیں
سرد سرد موسم میں
ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں

ارم آفتاب۔۔۔ کراچی

بکھرے موتی

☆ ہر دل تخت کی مانند ہوتا ہے اس کے حکمران بدلتے رہتے ہیں۔

☆ نفرت اور ضد آکاس بیل کی طرح انسان کے وجود کو بنجر کر دیتے ہیں۔

☆ عشق جن کی رگوں میں سرایت کر جاتا ہے وہ ظاہری زندگی گزارنے کے قابل کہاں رہتے ہیں۔

☆ ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق دوسروں سے پیش آتا ہے۔

☆ سچی محبت کا جذبہ دل میں وحی کی طرح اترتا ہے اور پھر رگ رگ میں پھیل جاتا ہے۔

☆ محبت اور عداوت کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

☆ یہ محبت بھی کتنی اداس کر دینے والی چیز ہے۔ مہربان ہوتی ہے تو ساری دنیا دامن میں ڈال دیتی ہے اور چھن جائے تو زندگی کی تمام بہاریں، تمام رنگ، تمام خوشبوئیں، تمام خواب اپنے ساتھ سمیٹ کر لے جاتی ہے۔

☆ محبت پانا ہر کسی کے لیے ممکن نہیں، البتہ محبت پھیلانا ہر کسی کے لیے ممکن ہے۔

☆ کچھ چیزیں، باتیں اور لمحے محسوس کیے جاتے ہیں۔ ان کا احساس انتہائی بھرپور اور خوش کن ہوتا ہے۔ ان کا اظہار ہم الفاظ میں نہیں کر سکتے۔

نوشین اقبال نوشی۔۔۔ گاؤں بدر مرجان

لفظ باتیں کریں

☆ ہم پرانے لوگوں کو یاد کرتے ہیں اور نئے لوگوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم ماضی کو معیار بنا لیتے ہیں اور حال کی زندگی کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں سکون کیسے مل سکتا ہے۔ "وہ لوگ چلے گئے، وہ زمانہ بیت گیا" اس کی یاد حال کو بدحال کر دے گی۔

☆ سب سے بڑی خواہش ہر انسان کو خوش کرنے اور متاثر کرنے کی خواہش ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ انسان نہ متاثر ہوں گے نہ خوش۔

☆ ایک انسان نے دوسرے سے پوچھا، بھائی آپ نے زندگی میں پہلا جھوٹ کب بولا۔ دوسرے نے جواب دیا۔ جس دن میں نے یہ اعلان کیا کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔

☆ جب انسان کے دل میں روشنی نہ ہو، وہ چراغوں کے میلے میں کیا حاصل کرے گا۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

* * *

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

نوشین اقبال، کی ڈائری میں تحریر

فرحت عباس شاہ کی نظم

آگ جنگل در و دیوار سے،

آ اور میرے وجود میں اتر
آ میں تمہاری آنکھیں، تمہارے ہونٹ
تمہارے رخسار اور تمہاری پیشانی چوموں
تمہاری ٹھوڑی پہ بوسہ دوں
تمہیں کاجل لگاؤں
تمہارے بال سنواروں
اور تمہاری مانگ میں ستارے بھر دوں
اور تمہارے شانوں پہ سر رکھ کر
بچھڑے لوگوں
اور بیتے ہوئے لمحوں کو یاد کروں
اور ٹوٹ کے چاروں طرف بکھرے
آئینوں کی کرچیاں چن چن کر
تمہیں اپنی زخمی پوریں دکھاؤں
اے رات
آ اور میرے وجود میں اتر
اور میری ہتھیلیوں پہ آئینہ آئینہ
اپنا تمام روپ پھیلا دے

* * *

زیب خان، کی ڈائری میں تحریر

ایک نظم

تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب جیون رستہ دلدل ہوگا
جب چاند تنہا پاگل ہوگا
اور من میرا بے کل ہوگا
تم کہتے تھے کہ آؤ گے

جب برف گری پہاڑوں پر
جب یخ بستہ ہوائیں سرخی پھیلائیں
صبیح رخساروں پر
جب کھلے ہنسے بہاروں پر

جب بادِ صبا بکھری کہساروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب آنکھوں میں رات گزرے گی
اور خواہش زمیں پہ بکھرے گی
جب رنگ نہ ٹھہرے نظاروں پر
اور عکس نہ ابھرے دیواروں پر
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب خوشیاں ساری چُن لو گے
جب دسمبر کے دن گن لو گے
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
اب آؤ کہ برف گر گئی ہے
رخسار بھی سرخ اور چاند بھی پاگل ہے
آؤ کہ من بے کل ہے
آؤ کہ نظارے خالی ہیں
آؤ کہ نقش ادھورے ہیں
آؤ کہ عکس نہ پورے ہیں
آؤ کہ دسمبر آخر ہے
تم آجاؤ
تم کہتے تھے کہ آؤ گے

* * *

حرمت رداء کی ڈائری میں تحریر

ادا جعفری کی غزل

کوئی سنگ رہ بھی چمک اٹھا تو ستارہ سحری کہا
مری رات بھی ترے نام تھی اسے کس نے تیرہ شبی کہا

مجھے جانتا بھی کوئی نہ تھا، مرے بے نیاز ترے سوا
نہ شکست دل نہ شکست جاں کہ تری خوشی کو خوشی کہا

کوئی یاد بھی گئی تو گیا، کوئی زخم کھل بھی اٹھا تو کیا
جو صبا قریب سے ہو چلی اسے منتوں کی گھڑی کہا

بھری دوپہر میں جو پاس تھی وہ ترے خیال کی چاندنی تھی
کبھی شاخ گل سے مثال دی، کبھی اس کو سرو سہی کہا

کہیں سنگ رہ، کہیں سنگ در، کہیں بھیڑ تک بھی موسم تھا
یہ نہیں کہ دل کو خبر نہ تھی، یہ بتا کہ منہ سے بھی کہا

کنول شاہین قیصر کی ڈائری میں تحریر

خالد شریف کی یہ غزل

اسے تو کھو ہی چکے پھر خیال کیا اس کا
یہ فکر کیسی کہ اب ہوگا حال کیا اس کا

وہ ایک شخص جسے خود ہی چھوڑ بیٹھے تھے
گنوائے دیتا ہے دل کو ملال کیا اس کا

تمہاری آنکھوں میں جھلکیں ندامتیں کیسے؟
جواب بننے لگا ہے سوال کیا اس کا

تمہارے اپنے ارادوں میں کوئی جھول تھا
کہو کہ ملنا تھا ایسا محال کیا اس کا

وہ نفرتوں کے بھنور میں بھی مسکرا کے ملا
اب اس سے بڑھ کے بھلا ہو کمال کیا اس کا

اب اس طرح بھی نہ یادوں کی کرچیاں چنیے
نہ تھا فراق سے بہتر وصال کیا اس کا

یہ سوچ کر نہ ملے پھر اسے کبھی خالد
کہ جانے ہوگا ندامت سے حال کیا اس کا

راشدہ مریم کی ڈائری میں تحریر

ارشد محمود راشد کی غزل

ارادہ جو بھی کرتا ہوں، بالآخر توڑ دیتا ہوں
میں اپنے آپ کو مشکل میں تنہا چھوڑ دیتا ہوں

ہنر اب آگیا مجھ کو، وفاؤں کے پرکھنے کا
دکھاوے کی ہر اک چاہت میں واپس موڑ دیتا ہوں

نجانے ضد ہے یہ کیسی اناؤں اور محبت میں
تعلق توڑتا ہے تو میں تعلق جوڑ دیتا ہوں

میں اکثر یوں شب غم میں اذیت خود کو دیتا ہوں
پھر اپنے دل کو اپنے ہاتھوں سے توڑ دیتا ہوں

وہ لمحے تیری قربت کے مجھے جب یاد آتے ہیں
پھر اپنے صبر کا دامن بھی میں اکثر چھوڑ دیتا ہوں

الجھی ہے جب کہانی وفاؤں اور جفاؤں کی
کمالِ ضبط سے میں پھر اک نیا موڑ دیتا ہوں

سیدہ نسبت زہرا کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی غزل

یہ سال بھی اداس رہا روٹھ کر گیا
تجھ سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا

عمر رواں خزاں کی ہوا سے بھی تیز تھی
ہر لمحہ برگ زندگی صورت بکھر گیا

کب سے گھرا ہوا ہوں بگولوں کے درمیاں
صحرا بھی میرے گھر کے در و بام ہوگیا

دل میں چھپتے چھپتے وہموں کے بوجھ سے
وہ خوف تھا کہ رات میں سوتے میں ڈر گیا

وہ بات معتبر تھی وہ سر سے گزر گئی
جو حرف سرسری تھا وہ دل میں اتر گیا

ہم عکس خون دل میں لٹاتے پھرے مگر
وہ شخص آنسوؤں کی دھنک میں نکھر گیا

محسن یہ رنگ و روپ یہ رونق بجا مگر
میں زندہ کیا رہوں کہ مرا جی تو بھر گیا

فوزیہ ثمرین کی ڈائری میں تحریر

ابلا عمر کی نظم

دسمبر

ہیمنوں کی پرانی شال اوڑھے
جھیل کے پرانے کنارے پر کھڑا
سیٹی بجا کر چاند کو نیچے بلا رہا ہے
جنوری کے بدن پر
ماتمی تنہائیاں پینٹ کر رہی ہیں

اور نیچے پہاڑی گاؤں میں
نئے برس کا جشن تھا

عائشہ جاسمین نوید کی ڈائری میں تحریر

وصی شاہ کی غزل

سرد مہری کا

گلہ زباں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہاری بات پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

درخت پہ جو کبھی جھولیوں سے ڈالا تھا
اس اک نشان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

سلگ رہی ہیں ذہن میں قبولیتیں لفظوں کی
مگر زبان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

تمہارے ہنسنے پہ سورج کے ہاتھ جھکیں گے
مرے مکان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

تیری جدائی کے پل سے ہوا ہے عشق حنوط
کہ اس جہان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

وہ مجھ کو سونپ گیا فرقتیں دسمبر کی
درخت جاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

ہمارے لب تو دعائیں جلائے رکھتے ہیں
پر آسمان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے
فوزیہ یاسمین
قیمت ۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

http://paksociety.blogspot.com

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

فوزیہ ثمر بٹ ____ گجرات

یونہی ختم ہجر کا باب ہوا نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہوا نئے سال میں
کبھی یوں بھی کسی شب مجھے تو آ ملے
گئے دنوں کا حساب ہوا نئے سال میں

سدرہ وزیر، ناہیدہ بتول ____ خوشاب (دہیل)

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے سال
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

نوشین اقبال نوشی ____ گاؤں بدو مرجان

ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
ابھی پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
سب کچھ ہے تیرے شہر میں اک تیری کمی ہے

عفت جبیں ____ فیصل آباد

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم اک زندگی کا سال ہوا
کتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا

عنبرین وسیم ____ گوجرانوالہ

ہمیشہ اک سی تصویر رہ جاتی ہے آنکھوں میں
یہ پہلا ہجر ہے اور ایسا منظر کب بدلتا ہے
کسی کو سال نو کی مبارک باد کیا دی جائے
کیلنڈر کے بدلنے سے مقدر کب بدلتا ہے

عظمیٰ اکرم ____ لیاری کراچی

یہ سال بھی اداس رہا روٹھ کر گیا
تم سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا

تسنیم چوہدری ____ آکسفورڈ یو کے

ملتی ہے برسوں میں بلندی
گرنے میں پل بھر لگتا ہے

ثریا شاہ ____ کہروڑ پکا

آگہی کا عذاب باقی ہے
کھل گئی آنکھ خواب باقی ہے
وقت تتلی تھا اڑ گیا کب کا
ڈائری میں گلاب باقی ہے

ام رمان ____ عبدالحکیم

تیری یاد اور برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گی تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں اک دسمبر اکیلے

پریشی مان جٹ ____ عبدالحکیم

سردیاں، بارش، ہوا، چائے کا کپ
وہ یاد آ رہا ہو شام ہو
یاالٰہی! ایسے لمحے سے بچا
وہ کبھی مجھ سے خفا ہو شام ہو

کرن ____ شجاع آباد

موسم کرب، انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصل یار بھی جھوٹ
موت تیری طلب بھی لغزش لب
زندگی تیرا اعتبار بھی جھوٹ

جاسمہ مریم فرید ____ کراچی

کیوں اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

آمنہ عمران ____ کراچی

برسوں بعد بھی اس کی عادت نہ بدلی محسن
کاش میں دوست نہیں اس کی عادت ہوتا

اقصیٰ ناصر ____ کراچی

ہمیشہ تازہ دم اس کے محلے تک پہنچتا ہوں
تھکن اس وقت ہوتی ہے وہ جب گھر پر نہیں ہوتا

گیلانی سسٹرز ____ کہروڑ پکا

مجھے لکھ کر کہیں محفوظ کر لو تم
تمہاری یادوں سے نکلتا جا رہا ہوں

رضوانہ شکیل راؤ ____ لودھراں

پاؤں پھیلائے تو نہ دیکھی چادر ہم نے
تجھ کو چاہا تو پھر اوقات سے بڑھ کر چاہا
زیست آسان بھی ہو سکتی تھی لیکن ہم نے
تیری چاہت کو ہر اک بات سے بڑھ کر چاہا

نشا نورین ____ بوتالا جھنڈا سنگھ

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

ظل ہما ____ فیصل آباد

میرے ہمسفر کوئی اجڑ گیا، مری دوپہر ہے ابر کیوں
مجھے اوڑھنے دے اذیتیں، مری عادتیں نہ بگاڑ کر
یہ جلوس فصل بہار ہے ابھی دشت یار سجا ہے
کوئی اشک پھر سے شرر بنا، کوئی زخم پھر سے گلاب کر

ثمرہ، اقرا ____ کراچی

آرزو، ارمان، چاہت، مدعا کچھ بھی نہیں
تھا بہت کچھ پاس لیکن اب رہا کچھ بھی نہیں
کیسی کیسی قیمتی چیزوں سے اٹھا ہے حجاب
دوستی، دلجوئی، ہمدردی، وفا کچھ بھی نہیں

اقصیٰ، عذرا ناصر ____ کراچی

اس شب کتنا ٹوٹ کے برسے، چاند ہوا اور میں
تینوں ہی اک ساتھ ابھرے تھے چاند ہوا اور میں
سارے خواب عذاب ہوئے اور سب خیال زوال
کس برتے پر بیٹھے تھے، چاند ہوا اور میں

صدف عبداللہ ____ یو اے ای

وہ کسی موڑ پہ اک بار تو پوچھے راشد
کہ اے انجان مسافر تو کدھر جائے گا

سندس اعجاز بٹ ____ دنیا پور لودھراں

کچھ تمنا نہ طلب کچھ مدعا ہوتا نہیں
ختم پھر بھی گفتگو کا سلسلہ ہوتا نہیں
خود کو اتنا محسوس کرتا ہوں تیری یاد میں
تو ہی تو ہوتا ہے کوئی دوسرا ہوتا نہیں

سمیرا عبدالغنی بٹ ____ دنیا پور لودھراں

طنز کرتے ہیں جو لوگ ان کو دکھانے کے لیے
ٹوٹ کر آ مرے یار زمانے کے لیے

____ راناشاہ

اخلاص کی دولت کو ہم اہل محبت
تقسیم تو کر دیتے ہیں بیچا نہیں کرتے

مان جٹ ____ عبدالحکیم

جن شاموں میں تمہیں بھولنا چاہوں
وہی راتیں عذاب ہوتی ہیں
اپنی یادوں کے سلسلے روکو
میری نیندیں خراب ہوتی ہیں

حمنہ حبیب ____ عبدالحکیم

انکار ہی سہی خوشی اس بات کی ہوئی
چپکے سے میرے کان میں کچھ تو کہا مجھے

نازش ریحان ____ کراچی

ہم نے ہر دکھ کو محبت کی عنایت سمجھا
ہم کوئی تم تھے کہ زمانے سے شکایت کرتے

ندا، فضہ ____ فیصل آباد

جانے اس شخص کو کیسا یہ ہنر آتا ہے
رات ہوتی ہے تو پلکوں پہ اتر آتا ہے
میں اسے اپنے خیالوں سے نکالوں کیسے
وہ مری سوچ کے ہر رستے میں نظر آتا ہے

ام رومان ____ عبدالحکیم

اس کو نیندوں کے نگر میں نہ بساؤ
ورنہ شامل وہی نیندوں کے خلل میں ہوگا

رفعت عبدالرحمٰن ____ فیصل آباد

مجھے کمانا تھا تجھے اور تیری آنکھوں سے لہجے
تعلق ہو تو ایسا ہو، محبت ہو تو ایسی ہو

نواب زادی سونگی ____ مورو (سندھ)

کچھ طبیعت ہی ملی تھی ایسی
چین سے جینے کی صورت نہ ہوئی

ماہ نور علی ____ اورنگی ٹاؤن

آسیب کی مانند مری ذات میں عابد
بیٹھا ہے کوئی چھپ کے نکلتا ہی نہیں ہے

صادقہ	مونا شاہ
ٹرانسپیرنسی	مومنہ رضا
میک اپ	روزہ جوتی پالو

مسکراتی کرنیں

ریحانہ علی محمد

مجبوری

"کیا تم نے اس سے شادی کرنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے؟"

"ہاں، بھئی مجبوری ہے۔"

"کیسے؟"

"وہ اتنی موٹی ہو گئی ہے کہ کوشش کے باوجود اس کی انگلی سے وہ قیمتی انگوٹھی نہیں نکلی جو میں نے اسے منگنی کے موقع پر پہنائی تھی۔"

حرا۔ لاہور

خدشہ

خلا نورد سے سوال کیا گیا۔

"جس وقت آپ چاند تک جانے والے مصنوعی سیارے میں سوار ہوئے تو آپ کے دل میں کیا خیال تھا۔"

خلا نورد مسکرایا اور بولا۔ "مجھے تو یہ فکر ستا رہی تھی کہ اس سیارے کو خلا میں لے جانے والے راکٹ میں جو اشیاء استعمال کی گئی ہیں، وہ سب سے کم رقم کا ٹینڈر داخل کرنے والے ٹھیکے داروں نے مہیا کی تھیں۔"

ندا غزل۔۔۔ گجرات

تحقیق

ایک پستہ قد تاجر انکم ٹیکس کے دفتر میں بڑی دیر سے گھوم رہا تھا۔ ایک ایک کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا۔ ایک جگہ کسی نے پوچھا۔

"جناب آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

تاجر نے بے نیازی سے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"میں تو صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ آخر میں کن لوگوں کے لیے دن بھر کام کرتا ہوں۔"

بشریٰ الطاف۔۔۔ لاہور

مشورہ

ایک شرابی کی گاڑی پنکچر ہو گئی۔ اس نے ٹائر بدلنے کے لیے اسکرو نکال کر ایک جگہ رکھے تھے اتفاق سے سب کے سب نالے میں گر گئے، سامنے ہی پاگل خانہ تھا، شرابی پاگل خانے میں گھس گیا اور ایک پاگل سے اسکرو مانگنے لگا۔ پاگل نے اس سے کہا۔

"آپ ایسا کیجیے باقی تین ٹائروں سے ایک ایک اسکرو نکال لیجیے اور چوتھے میں لگا دیجیے۔"

یہ سن کر شرابی کو بڑی حیرت ہوئی اور اس نے پوچھا۔

"ارے واہ تم پاگل ہو، پھر اتنی اچھی ترکیب تمہیں کیسے سوجھی؟" اس پر پاگل نے جواب دیا۔

"میں پاگل ہوں شرابی نہیں ہوں۔"

سعدیہ۔۔۔ لاہور

اس طرح بھی ہوتا ہے

مہمان نے میزبان سے التجا کی۔

"جناب آج مجھے صبح چار بجے ضرور جگا دیجیے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر گاڑی چھوٹ جائے۔" اس پر میزبان نے فوراً کہا۔

"جی میں ضرور جگاؤں گا اگر میں نے آج صبح آپ کو جگا کر گاڑی میں سوار نہیں کروایا تو میری بیوی آپ کے ساتھ مجھے بھی گھر سے نکال دے گی۔"

مہک سہیل۔۔۔ لاہور

یکسوئی

پاگل خانے میں ایک پاگل دیوار سے کان لگائے بہت دیر سے کھڑا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سن رہا ہے، یہ سب کچھ ڈاکٹر بیٹھا دیکھ رہا تھا جب بہت دیر تک وہ اسی حالت میں کھڑا رہا تو ڈاکٹر نے اس سے پوچھنے کی کوشش کی، پاگل نے "شش" کر کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا، ڈاکٹر نے سوچا دیکھیں تو سہی آخر کیا بات ہے، ہو سکتا ہے اس میں سے کوئی آواز وغیرہ آ رہی ہو، یہ سوچ کر وہ بھی دیوار سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا اور۔۔۔ پانچ منٹ بعد وہ ہٹا اور پاگل سے کہنے لگا۔

"تم کیا سن رہے ہو؟ مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔" پاگل نے کہا۔

"ارے پاگل میں ایک گھنٹے سے یہاں کان لگائے کھڑا ہوں، جب مجھے کچھ سنائی نہیں دیا تو بھلا پانچ منٹ میں تجھے کیا سنائی دے گا۔"

صدف عبداللہ۔۔۔ یو اے ای

تعارف

ایک صاحب اپنے۔۔۔ کتے کو لیے تفریح کے لیے نکلے ان صاحب کے ایک دوست نے کہا۔

"اس گدھے کے ساتھ کہاں جا رہے ہو؟" ان صاحب نے جواب دیا۔

"یہ گدھا نظر آ رہا ہے آپ کو؟" دوست نے فوراً کہا۔

"جی میں آپ سے نہیں کتے سے مخاطب ہوں۔"

انیسہ۔ گجرات

التجا

ایک معروف ڈاکٹر پہلے سے وقت مقرر کیے بغیر کسی مریض کو نہیں دیکھتا تھا۔ ایک نوجوان نے چار بار کلینک فون کیا، لیکن ہر بار ڈاکٹر نے یہی جواب دیا پہلے میری سیکریٹری سے مل کر وقت مقرر کیجیے۔

پانچویں بار جب اسے یہی جواب ملا تو اس نے التجا بھرے لہجے میں کہا۔ "اب تو ڈاکٹر صاحب مجھے آپ ہی سے ملنا ہے۔ آپ کی سیکریٹری کے ساتھ وقت طے کر کے تو میں چار شامیں گزار چکا ہوں۔"

کرن عدنان۔ کراچی

گھر کو آگ لگ گئی

ایک آدمی دوسرے کو بتا رہا تھا۔

"میرے کارخانے میں آگ لگ گئی میں تباہ و برباد ہو گیا، میرا کارخانہ جل کر راکھ ہو گیا۔" دوسرے نے پوچھا۔

"تمہارے کارخانے میں کیا بنتا تھا؟" جواب ملا۔

"آگ بجھانے کا سامان۔"

انجم۔ پشاور

خوف

ایک آدمی پر بیوی کو گولی مارنے کے جرم میں مقدمہ چلا۔

جج نے پوچھا۔ "تم نے اپنی بیوی کو گولی کیوں ماری؟" شوہر نے کہا۔

"جی میں نشانہ کہیں اور لگا رہا تھا بیوی خود میرے سامنے آ گئی۔" جج نے کہا۔

"چلو مانا کہ وہ خود تمہارے پستول کے سامنے آ گئی لیکن تم نے دوسری گولی کیوں چلائی؟"

جواب ملا۔ "اس لیے کہ وہ پہلی گولی سے مری نہیں تھی۔"

امبر آصف۔ کراچی

شانِ بے نیازی

ایک شخص فٹ پاتھ پر لیٹے ہوئے فقیروں کے قریب سے گزرا تو دیکھا ایک فقیر کا منہ بند ہے، لیکن ایک روپیہ، پچیس پیسے کی آواز برابر آ رہی ہے، اس نے قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فقیر نے یہ آواز ٹیپ میں بھر رکھی تھی۔

حیرت پر قابو پاتے ہوئے جب وہ اور آگے بڑھا تو ایک فقیر نے اپنے قریب بورڈ لگا رکھا تھا جس پر لکھا تھا۔

"یہاں روٹی، بسکٹ اور چیک بھی لے جاتے ہیں۔"

رباب آفاق۔ کراچی

مجبوری

ایک صاحب سردی کی رات میں گاڑی چلا رہے تھے۔ دھند کی وجہ سے سامنے کچھ نظر نہیں آرہا تھا، اچانک ان کو گاڑی کے سامنے ایک لال بتی نظر آئی، انہوں نے اسی کے پیچھے گاڑی دوڑانی شروع کی۔ تھوڑی دیر بعد اگلی گاڑی رک گئی، انہوں نے خوب ہارن بجانا شروع کیا، جب سامنے والی گاڑی نہیں چلی تو وہ اپنی گاڑی سے نیچے اترے اور اگلی گاڑی والے سے کہنے لگے۔ "گاڑی روک کیوں رکھی ہے چلاتے کیوں نہیں؟" جواب ملا۔ "بھیا میں نے تو گاڑی اپنے گیرج میں پارک کر دی ہے۔"

مشورہ مفت

کرایہ دار نے مالک مکان سے کہا۔ "آپ کے کمرے کی چھت ٹپکتی ہے، اسی لیے مرغیاں بھیگ رہی ہیں۔" مالک مکان نے کہا۔

"پھر آپ موسم کا خیال کرتے ہوئے کچھ دنوں کے لیے مرغیوں کی بجائے بطخیں کیوں نہیں پال لیتے؟"

اسما کوئٹہ

مایوسی

ایک خاتون ٹیلی فون پر اپنی سہیلی سے باتیں کر رہی تھیں۔

"میں نے گھر پر بعض دوستوں کو بلایا تھا، بڑی تفریح رہی، تمہیں فون کیا تو پتا چلا کہ تم نہ جانے کہاں گئی ہو۔ میرے میاں شکار کو گئے ہوئے تھے شیر کے شکار کو۔"

"اچھا۔" سہیلی نے کہا۔

"تمہارے میاں شیر کا شکار کھیلنے گئے تھے؟ کیسا رہا شکار؟"

"بس ٹھیک ہی رہا۔" خاتون نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"وہ زندہ واپس آگئے۔"

عمرانہ۔ ملتان

خواہش

کسی ملک کے وزیر خزانہ بے تکلف احباب کے حلقے میں چہک رہے تھے۔

"بچپن کا زمانہ بھی کیا زمانہ ہوتا ہے۔ ان دنوں میری تمنا تھی کہ بڑا ہو کر ڈاکو بنوں گا۔"

"مبارک ہو۔" کسی ستم ظریف نے کہا۔

"مراد پوری ہوئی۔"

ایمان۔ کراچی

ہزاروں خواہش ایسی

ایک عورت کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر ان کی سہیلی نے پوچھا۔ "ان تمام برسوں میں کیا آپ کو بھی شوہر سے طلاق لینے کا خیال آیا؟" اس عورت نے جواب دیا۔ "نہیں صرف قتل کرنے کا۔"

ریحانہ۔ کراچی

سچ

عدالت میں وکیل نے گواہ سے کہا۔ "تم بہت ہوشیار اور چالاک معلوم ہوتے ہو۔" گواہ نے کہا۔ "میں بھی آپ کی تعریف میں یہی بات کہہ سکتا تھا، لیکن کیا کروں میں نے ____ قسم کھا رکھی ہے کہ جو کچھ بھی کہوں گا سچ کہوں گا۔"

مہوش۔ لاہور

انتقام

ایک خاتون کو اس بات پر بہت غصہ آرہا تھا کہ بس میں اس کا خاوند جان بوجھ کر ایک خوب صورت لڑکی کے قریب کھڑا ہے۔ اچانک وہ لڑکی مڑی اور اس شخص کو ایک تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہنے لگی۔ "لڑکیوں کے چٹکیاں لینے کا مزا۔"

جب دونوں شوہر اور بیوی بس سے اترے تو شوہر نے کہا۔ "میں نے اس لڑکی کے چٹکی نہیں لی تھی۔" بیوی نے کہا۔ "میں جانتی ہوں چٹکی دراصل میں نے لی تھی۔"

شافعہ اعوان۔ کراچی

میک اپ

معروف ہوٹل میں چیمبر آف کامرس کی پارٹی تھی۔ حمدان بزنس مین نے پوچھا۔

"خواتین کی عمر مردوں سے زیادہ کیسے ہو جاتی ہے؟" ایک رنگ بنانے والے ادارے کے سربراہ مسٹر کاشف بولے۔

"خواتین کے چہرے کا رنگ انہیں لمبی عمر عطا کرتا ہے، ہمارا خیال ہے کہ جن عمارتوں کے رنگ و روغن کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، ان عمارتوں کی عمر بھی لمبی ہوتی ہے۔"

بنت گیلانی۔ کھوڑپکا

غلطی

"کیا پریکٹس کے دوران آپ نے بھی کوئی ناقابل فراموش غلطی کی ہے؟"

ایک مشہور و معروف سرجن حیدر شاہ کے دوست حسن نے بے تکلفانہ انداز میں سوال کیا۔

"جی ہاں، صرف ایک دفعہ میرے دوست۔" حیدر شاہ نے بتایا۔

"کیا وہ بہت خطرناک غلطی تھی؟" حسن نے پوچھا۔

"جی ہاں، بے حد خطرناک۔" حیدر شاہ نے بتایا۔

"وہ کیسے؟" حسن نے مزید پوچھا۔

"ایک شخص میرے پاس آپریشن کے لیے آیا۔ میں نے آپریشن کر دیا اور ایک ہزار روپیہ فیس وصول کی۔" ڈاکٹر حیدر شاہ نے بات ختم کر دی۔

"یہ کیا غلطی ہوئی یار حیدر؟" حسن نے مزید استفسار کیا۔

"نہیں حسن یار! مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپے تھے۔" ڈاکٹر حیدر شاہ نے مزید وضاحت کی۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کھوڑپکا

پہل

ایک صاحب نے پڑوسی سے شکایت کی۔

جب میں ہارمونیم بجاتا ہوں، آپ کا کتا بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔" پڑوسی نے جواب دیا۔

"اس میں بے چارے کتے کا کیا قصور، پہل تو آپ ہی کرتے ہیں۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

جلترنگ

"شادی سے مجھے انکار نہیں، لیکن میں ایسا شوہر چاہتی ہوں جو متحمل، عقل مند ہو اور خوب صورت ہو۔"

"کیا آپ ایک ساتھ تین آدمیوں سے شادی کی خواہش مند ہیں۔"

رابعہ یاسین۔ کراچی

رازداں اپنا

ایک صاحب نے شام کی چائے پیتے ہوئے تنہائی میں اپنے لڑکے کو بلا کر کہا۔ "آج تمہاری ٹیچر کی طرف سے مجھے ایک خط ملا ہے۔" یہ سن کر لڑکا تیزی سے بولا۔ "ٹھیک ہے پاپا اسے رکھ لیں۔ میں امی کو نہیں بتاؤں گا۔"

رخسانہ اقبال۔ کراچی

* *

دسترخوان

خالدہ جیلانی

میکرونی کباب

ضروری اشیاء :

قیمہ	آدھا کلو
چنے کی دال	ایک کپ
آلو (ابلے ہوئے)	دو عدد
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کوکسن میکرونی	دو کپ (ابال لیں)
مٹر (ابلے ہوئے)	ایک کپ
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
دہی	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر (بڑا)	ایک عدد
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	آٹھ عدد
لہسن	چھ جوئے
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	آدھی گٹھی
ثابت مرچ	چھ عدد
ثابت دھنیا	دو چائے کے چمچے
پیاز (کتری ہوئی)	دو عدد
انڈے	دو عدد
گھی	حسب ضرورت

ترکیب :

قیمہ کو چنے کی دال، گرم مسالا، نمک، مرچ، ٹماٹر، لہسن، پیاز، زیرہ، ثابت مرچ، ثابت دھنیا ڈال کر ابال لیں۔ اس میں میکرونی، آلو، مٹر ڈال کر پیس لیں۔ اس کے بعد اس میں دہی، ہرا دھنیا اور ہری مرچ ملا دیں اور دونوں انڈے بھی شامل کر دیں اور پھر اچھی طرح مکس کر کے ٹکیاں بنا لیں۔ تیل گرم کریں اور کبابوں کو فرائی کریں۔ پودینے کی چٹنی، کیچپ یا آلو بخارے کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

نوٹ : بریڈ کرمبز بھی استعمال کرنا چاہیں تو انڈے پھینٹ کر اس میں بریڈ کرمبز شامل کر لیں اور پھر کبابوں کو اس میں ڈپ کر کے فرائی کر لیں۔

میکرونی چکن کپ

ضروری اشیاء :

میکرونی	ایک کپ
(نمک ڈال کر ابال لیں)	
چکن (ابلی ہوئی)	ایک کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
(چھوٹے کیوبز کاٹ لیں)	
ٹماٹر	ایک عدد
(چھوٹے کیوبز کاٹ لیں)	
ہری پیاز	ایک عدد
(چھوٹے کیوبز کاٹ لیں)	
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
کریم	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

میکرونی، چکن، شملہ مرچ، ٹماٹر، ہری مرچ، نمک، کالی مرچ اور کریم کو اچھی طرح مکس کریں ایک کپ میں ڈالیں۔ اچھی طرح دبائیں اور ایک پلیٹ میں اسے الٹا کر دیں۔ آہستہ سے کپ کو اوپر اٹھائیں فریش سلاد کے ساتھ سجا کر کے سرو کریں۔

چٹ پٹے نوڈلز

ضروری اشیاء :

نوڈلز	ایک پیکٹ

اچار	ایک چائے کا چمچہ
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
چکن (بون لیس)	دو کپ
(ابلی ہوئی اور ریشہ کی ہوئی)	
گاجر (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
مٹر (ابلے ہوئے)	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	چھ عدد
چلی سوس	چھ کھانے کے چمچے
سویا سوس	دو کھانے کے چمچے
گھی	حسب ضرورت

ترکیب :

ایک نوڈلز کو ابالیں۔ ایک کڑاہی لیں اس میں گھی کڑکڑائیں اس میں گاجر، شملہ مرچ ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں اچار، سرخ مرچ، نمک، ہری مرچ، چلی سوس، سویا سوس ڈال دیں اور ساتھ ہی ڈیڑھ کپ پانی ڈال کر اتنا پکائیں کہ گاجر اور شملہ مرچ ذرا نرم پڑ جائیں۔ اب اس میں مٹر اور چکن ڈال کر تین سے چار منٹ تک پکائیں اور پھر اس میں ایک نوڈلز شامل کر دیں اور مزید تھوڑی دیر تک پکائیں۔ ڈش میں نکال کر کیچپ اور چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

چیز میکرونی

ضروری اشیاء :

میکرونی	ڈیڑھ کپ
چیز	ایک کپ

چیڈر چیز سوس کے لیے :

دودھ	ایک لیٹر
مکھن	ایک کپ
میدہ	45 گرام
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

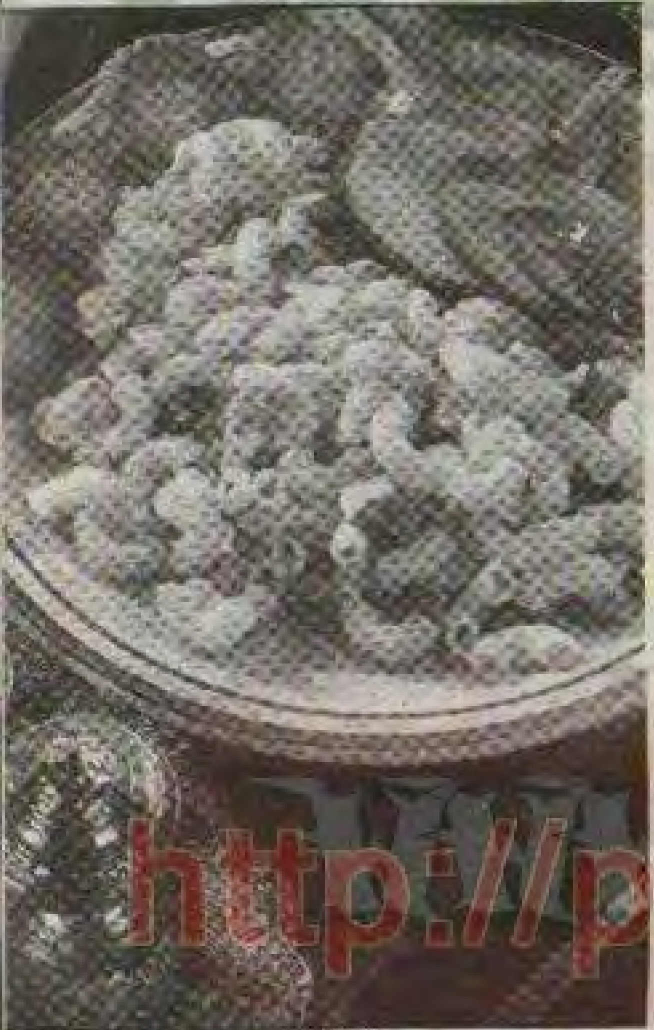

چیڈر چیز	170 گرام
ڈیجون مسٹرڈ	دو چائے کے چمچے

ترکیب :

نمک ملے ابلتے ہوئے پانی میں میکرونی ڈال کر پک جانے تک ابال لیں اس کے بعد پانی نتھار کر میکرونی کو الگ کر لیں۔

سوس پین میں دودھ گرم کریں۔

دوسرے سوس پین میں مکھن گرم کریں اور اس میں میدہ ڈال کر دو منٹ تک فرائی کریں۔

میدہ کے براؤن ہو جانے کے بعد اس میں گرم دودھ ڈالیں اور مسلسل چمچ چلاتے ہوئے آمیزے کے گاڑھے ہو جانے تک پکائیں۔

نمک اور سفید مرچ پاؤڈر ڈالیں اور دو منٹ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
http://pakistanplace.blogspot.com

پکائیں۔

چیڈر چیز کی آدھی مقدار ڈال کر اس میں پگھلنے جانے تک پکائیں۔ اس کے بعد اس میں ڈیجون مسٹرڈ ڈال کر مکس کریں۔

تیار کی ہوئی چیز سوس کو بوائل کیے ہوئے میکرونی میں ڈال کر مکس کریں۔

ایک فرائنگ پین کو مکھن سے کوٹ کر کے اس میں تیار کیے ہوئے آمیزے کو پھیلائیں اور اس کے اوپر چیز ڈال کر دونوں اطراف سے گولڈن براؤن ہو جانے تک فرائی کریں۔ (چاہیں تو اس کے سلائسز کاٹ کر ہاٹ گرل پہ تھوڑی دیر پکا بھی سکتے ہیں۔)

چیز میکرونی تیار ہے کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

چکن روسٹ پاستا

ضروری اشیاء :

چکن (سولہ پیسز میں کٹوالیں)	آدھا کلو
دہی	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
کریم	دو کھانے کے چمچے
پنیر	دو کھانے کے چمچے
کو کسن پاستا	دو کپ (ابال لیں)
تیل	دو سے تین کھانے کے چمچے

چکن میں دہی، نمک، کالی مرچ، لال مرچ، ہری مرچ، کریم اور پنیر ڈال کر ایک گھنٹہ کے لیے میرینیٹ کریں۔ اس کے بعد اسے ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب اس کا پانی خشک ہو جائے تو بھون لیں۔ ساتھ میں ابلے ہوئے پاستا ڈال کر مکس کریں اور گرما گرم سرو کریں۔

نوٹ : چکن بون لیس بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

پاستا شملہ مرچ اور پیاز کے ساتھ

سرخ شملہ مرچ	ایک عدد
پیلی شملہ مرچ	ایک عدد
زیتون کا تیل	چھ کھانے کے چمچے
لہسن (چوپ کیا ہوا)	دو جوے
سرخ پیاز (بڑی)	ایک عدد (پتلے سلائس کاٹ لیں)
پاستا	دو کپ
پارسلے (چوپ کیے ہوئے)	تین کھانے کے چمچے
نمک، کالی مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
پنیر (کش کیا ہوا)	حسب ضرورت

شملہ مرچ کو گرم گرل پر رکھ کر سینک لیں۔ جب چاروں طرف سے سیاہ ہو جائیں اور چھلکا اترنے لگے تو اسے گرل سے اتار کر پیپر بیگ میں ڈال دیں اور پانچ منٹ تک رہنے دیں۔

شملہ مرچ کا چھلکا اتار کر چار ٹکڑے کرلیں۔ بیج اور ڈنڈی نکال دیں۔ پھر لمبے اور پتلے سلائس کاٹ لیں۔

ایک بڑے فرائنگ پین میں زیتون کا تیل گرم کریں اس میں پیاز ڈال کر درمیانی آنچ پر پانچ سے آٹھ منٹ تک پکائیں۔ جب پیاز نرم ہو جائے تو لہسن ڈال کر دو منٹ تک ہلاتے رہیں۔ اسے ایک طرف رکھ دیں۔

ایک بڑے برتن میں پانی گرم کریں جب اس میں ایک ابال آجائے تو پاستا اور نمک ڈال دیں اور پکنے دیں جب تک کہ پاستا نرم نہ ہو جائے۔ اسے چھلنی میں ڈال کر نتھار لیں اور خشک کرلیں۔

فرائنگ پین دوبارہ چولہے پر رکھیں اور پیاز میں شملہ مرچ مکس کریں۔ آہستہ آہستہ چمچہ چلاتے رہیں۔

تین کھانے کے چمچے پاستا کا ابلا ہوا پانی، نمک، کالی مرچ اور پارسلے ملا دیں اور ہلاتے رہیں۔

پاستا بھی سبزیوں میں شامل کر دیں اور درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ تک پکائیں۔ جب سوس کے ساتھ اچھی طرح مکس ہو جائے تو اتار لیں۔

پاستا سرو کرتے وقت پنیر کے ساتھ پیش کریں۔

حسن و صحت

ادارہ

مہاسوں کا عذاب

ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ نوعمری کا زمانہ، جسے ہم انگریزی زبان میں "ٹین ایج" کہتے ہیں، ہماری زندگی کا سب سے زیادہ طوفانی اور متلاطم زمانہ ہوتا ہے۔ فی الحقیقت ماہرین نفسیات کے مطابق ٹین ایج کے دور کو "طوفان اور اضطراب" کا دور کہا جاتا ہے۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جب انسان کو جسمانی اور ذہنی ہر دو اعتبار سے بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

ٹین ایج کا زمانہ انسانی زندگی کا وہ زمانہ ہوتا ہے جب انسان زبردست تبدیلیوں سے گزر رہا ہوتا ہے۔ یہ تبدیلیاں پسندیدہ بھی ہوتی ہیں اور ناپسندیدہ بھی۔ ٹین ایج کے نوعمروں کا ایک بہت بڑا مسئلہ مہاسوں کا ہے۔

صحیح طور سے کسی کو بھی یہ بات معلوم نہیں ہے کہ مہاسے کیوں نکلتے ہیں اور ان کے وجود میں آنے کے اصل اسباب کیا ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں تحقیق کرنے والے اس امر سے یقینی طور پر واقف ہیں کہ مہاسے نوعمری کے زمانے میں نکلتے ہیں اور یہ موروثی بھی ہوتے ہیں۔

اگر آپ کے والدین میں سے کسی ایک کے بھی مہاسے نکلتے تھے تو اس بات کے پورے امکانات موجود ہیں کہ آپ کے بھی مہاسے نکل آئیں گے اور اگر ان دونوں ہی کے مہاسے نکلتے تھے تو پھر اس بات کے امکانات اور بھی زیادہ وسیع ہو جاتے ہیں کہ آپ کے بھی مہاسے نکلیں۔

اگر آپ کے چہرے پر مہاسے ہیں تو ذرا اپنے اردگرد نظر دوڑائیے۔ آپ کو جلد ہی احساس ہو جائے گا کہ اس معاملے میں آپ تنہا نہیں ہیں۔ بارہ سے پچیس سال تک کی عمر کے تقریباً پچاسی فیصدی افراد مہاسوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جلد میں تین اقسام کے

چہروں پر نکلنے والے مہاسے معمولی قسم کے ہوتے ہیں جنہیں بغیر سوجن والے مہاسے کہا جاتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور ان کے منہ سفید یا سیاہ ہوتے ہیں اور یہ اکثر نکلتے رہتے ہیں۔

لیکن بعض لوگ زیادہ شدید قسم کے مہاسوں کا شکار ہو جاتے ہیں جنہیں سوجن والے مہاسے کہا جاتا ہے۔ یہ مسلسل نکلتے رہتے ہیں اور چہرے پر پھیلتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات تو چہرے کا بڑا حصہ ان سے ڈھک جاتا ہے۔ بعض اوقات تو یہ دانے چہرے کے علاوہ گردن، پشت، سینہ اور جبڑوں پر نکل آتے ہیں۔ زیادہ شدت اختیار کر جائیں تو ان میں پیپ بھی پڑ جاتی ہے اور یہ اکثر اپنے پیچھے یا تو چھوٹے چھوٹے سوراخ چھوڑ جاتے ہیں یا نشانات۔ یہ برابر نکلتے رہتے ہیں اور سخت پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ مہاسے اس وقت نکلنا شروع ہوتے ہیں جب وہ غدود (گلینڈز) جو (سیبم) نامی ایک روغنی مادہ پیدا کرتے ہیں، ضرورت سے زیادہ فعال ہو جاتے ہیں اور "اوور ٹائم" کرنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً ہارمونز کی تبدیلی ہوتی ہے جو کہ اس وقت اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ سیبم کا ایک کام یہ بھی ہوتا

ہے کہ وہ ان خلیوں کو جنہیں غدود نے خارج کیا ہے جلد کی سطح تک لے جائے، لیکن چونکہ وافر سیبم گلینڈز کے راستے کو روک دیتا ہے اس لیے خلیے اور سیبم دونوں سخت ہو جاتے ہیں اور ایک (پلگ) کی تشکیل کرتے ہیں جس کو (میڈو) کہتے ہیں۔

اگر پلگ جلد کی سطح کے نیچے رہتا ہے تو اس کا رنگ ہلکا ہوتا ہے اور اس کا منہ سفید ہوتا ہے۔ اس کو وائٹ ہیڈ کہتے ہیں۔ لیکن اگر پلگ بڑا ہو جاتا ہے اور باہر کی جانب زیادہ نکل آتا ہے تو اس کا منہ سیاہ نظر آتا ہے اس کو بلیک ہیڈ کہتے ہیں۔ یہ کوئی دھول مٹی جیسی شے نہیں ہوتی اور دھونے سے صاف نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جلد کا رنگ سیاہ ہونے لگتا ہے اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے تو پھر جلد پر دانے نمودار ہونے لگتے ہیں۔

کیا کرنا چاہیے

تحقیق کے مطابق بیشتر لوگوں کے مہاسوں میں اس وقت بہتری کی صورت پیدا ہوئی جب ان لوگوں نے دھوپ میں وقت گزارا۔ لیکن تمام ڈاکٹر اس رائے سے متفق نہیں ہیں کہ سورج کی روشنی مہاسوں کو ختم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ بعض ڈاکٹروں کا یہ خیال ہے کہ محض دھوپ میں ذرا دیر کے لیے آرام کرنے سے مہاسوں کی شدت میں کچھ کمی واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ کوئی مستقل علاج نہیں ہے۔

بہرصورت یہ تصور بالکل ہی غلط ہے۔ چکنی جلد کو دھوپ میں خشک کرنے سے مہاسے غائب ہو جاتے ہیں، کیونکہ دھوپ اور گرمی سے تو تیل کے بننے میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

بالکل ہلکے اور معمولی قسم کے مہاسوں سے تو چہرے کو دن میں دو تین بار دھونے سے ہی نجات حاصل کی جا سکتی ہے اور ساتھ ہی کھانے پینے کی ان اشیا سے بھی پرہیز کیا جائے جن کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ ان کے استعمال سے آپ کے جسم میں مہاسوں کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہو تو آپ مہاسوں کی کوئی ایسی دوا استعمال کر سکتی ہیں جسے براہ راست جلد پر لگایا جاتا ہے۔ ایسی دوائیں بازار میں کسی پابندی کے بغیر مل جاتی ہیں۔ ان میں شامل تمام اجزا ہوتے ہیں جنہیں ہلکے قسم کے مہاسوں کے علاج کے لیے سودمند قرار دیا گیا ہے۔

یہ تمام دوائیں "چھلائی" کا کام کرتی ہیں، جس کے باعث جلد میں خارش کی سی کیفیت اور خشکی پیدا ہوتی ہے جس کے باعث جسم میں موجود پلگ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور مردہ خلیے جھڑ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ دوائیں بیکٹیریا کی تشکیل کو بھی روک سکتی ہیں، جس سے چربی والے تیزابوں کے بننے میں کمی واقع ہوتی ہے، جو مہاسوں میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔

مہاسوں کو کھینچ کر یا نوچ کر نکالنے کی کوشش کبھی نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ سے جلد زخمی ہو سکتی ہے ان ٹشوز کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگر آپ کے چہرے پر ایسے مہاسے موجود ہیں جو گھریلو علاج سے ٹھیک نہیں ہوتے تو بہتر ہے کہ آپ جلدی امراض کے کسی ماہر سے رجوع کریں۔

بعض اوقات جلدی امراض کے ماہرین کالے دانوں کو نکالنے کے لیے کومیڈو نامی آلات کا استعمال کرتے ہیں۔ بڑے بڑے دانوں کو بعض اوقات آپریشن کے ذریعے بھی نکالا جاتا ہے۔

اگرچہ بہت ہی کم، تاہم کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر یہ سارے اقدامات نہ کیے گئے ہوں یا ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا ہو تو مہاسوں کے داغ مستقل طور پر باقی رہ جاتے ہیں اور جلد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جلد میں پڑ جانے والے گڑھوں یا پیدا ہو جانے والے نشانات کو ختم کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری استعمال کی جاتی ہے۔

مہاسوں اور ٹین ایجرز کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لیکن اب ایسے طریقے موجود ہیں جن کی مدد سے ان پر قابو پایا جا سکتا ہے اور جلد کو خراب ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔

* * *

مدیرہ

خاص مرے نام

مسکان قریشی۔۔۔ بلال کالونی ملتان

"کرن" سے منسلک تمام لوگوں کو السلام علیکم۔ سب سے پہلے آپ سب کو "نیا سال مبارک ہو"۔

شعاع، خواتین اور کرن سے ساتھ کی لڑی نہ جانے کب سے شروع ہوئی شاید یہ اس وقت کی بات ہے جب اس کی قیمت پندرہ روپے تھی۔ دن "مہینے" میں، "مہینے" سال میں اور سال صدیوں میں بدل رہے ہیں۔ لیکن ماشاء اللہ ہمارا ساتھ آج بھی قائم و دائم ہے۔ اور اس بات کا سارا کریڈٹ ادارے کو جاتا ہے، جو ہماری بہترین رائٹرز اور باذوق قاری سامنے لانے کا سبب بنا۔

اس سال بھی بہت سے رائٹرز نے خوب لکھا۔ لیکن اگر جنوری کے شمارے سے شروع کریں تو سب سے پہلا نام نوریہ یاسمین کا آتا ہے۔ "تم تو صندل کی سچائی ہے" ایک ایسا ناول جو ہمیشہ یاد رہنے والا ہے۔ کردار نگاری، منظر نگاری، کہانی کا پلاٹ ہر چیز لاجواب اور بہترین تھی۔ اس کے علاوہ سائرہ عارف، ام مریم، سعدیہ عزیز آفریدی، شہناز صدیقی، صائمہ احمد؟

صائمہ احمد کو میں ذاتی طور پر بھی خط لکھوں گی، لیکن "الف اللہ" اور "اشکوں آنکھیں" نے زندگی کا ایک ایسا اور دل دکھایا جس نے مجھے اندر تک ہلا کر رکھ دیا، ویل ڈن۔

نایاب جیلانی "پرکھ"، "صبح کا سورج" صباح کی شہری کرن میں اس سال آپ نے مضبوطی سے قدم جمائے ہیں۔ میری طرف سے ڈھیروں مبارک باد۔

اس کے علاوہ میرے دل میں بسنے والی "آمنہ ریاض" جنہیں میں چاہ کر بھی کبھی فراموش نہیں کر سکی۔ "محبت بے اماں ٹھہری"، "راکھ" اور "تم آخری جزیرہ ہو" یہ وہ تحریریں ہیں، جو ناقابل فراموش ہیں۔ میں نے آپ کی تمام تحریریں پڑھ رکھی ہیں۔

شگفتہ بھٹی "گوشہ عافیت" کے ذریعے روحانی علاج کرتی ہیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔ آمین اور جن رائٹرز نے کرن کی رونق میں اضافہ کیا ان میں مہوش افتخار، رابعہ رزاق، سمیرا گل، نیلم شہزادی، گل ہما، مقدس مشعل، رخسانہ نگار، لبنیٰ جدون، سلویٰ علی بٹ، سدرۃ المنتہیٰ، نبیلہ عزیز، نادیہ امین، سباحت عاصم، شاہدہ ملک، نجمہ شفیق، نسرین نگہت، صدف زینب، حنیفہ محمد بیگ، انیلا کرن، عظمیٰ شبیر، بشریٰ احمد، فائزہ ناز، سعدیہ غزل، سنبل، کومل صبا، رضیہ مہدی، غزالہ عزیز، شاہین ملک، شیریں ملک، انیقہ انا، نظارت نصر، سعدیہ عزیز سعدی، نازیہ جمال، نیر قسیم خان، نفیسہ سعید، لبنیٰ طاہر، آصفہ عنبرین قاضی، شگفتہ راجہ، نبیلہ ابر راجہ، نازیہ کنول نازی، عظمیٰ ہارون، راشدہ نیازی، نادیہ جہانگیر (صرف ایک تحریر)، راحیلہ شاہ انشاء، شمسیلا سراج، شفق افتخار یہ رائٹرز شامل ہیں۔ تنزیلہ مقصود کیا ہماری تنزیلہ ریاض ہیں؟

کافی دنوں بعد میں نے ایک ایسا ناول پڑھا جس کی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے وہ ہے سعدیہ راجپوت کا "عشق آتش"۔ اس کا یہ اقتباس مجھے بہت پسند آیا اور کہانی کی تفہیم بھی واضح ہو گئی۔

"وہ محبت ہے وجدان، جس کی روشنی سے امید کے رنگ پھوٹتے ہیں۔ عشق محبت کی انتہا ہے، جس کی جستجو ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ وہ آگ ہے جو ہر جسم میں سلگائی نہیں جاتی۔ عشق حاصل نہیں لاحاصل کا جنون ہے، خواہش ناتمام ہے، عشق کا جنم ہی جدائی کی کوکھ سے ہوتا ہے اور بھلا جدائی راحت دے سکتی ہے۔ جدائی تو درد دیتی ہے اور جب یہ درد لہو بن کر جسم میں بہتا ہے تو پھر کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ عشق وہ آگ ہے جو جلائے تو راکھ نہیں کرتا فنا کر دیتا ہے۔" "آئی ایم سو امپریسڈ"

کرن کے تمام سلسلے مجھے پسند ہیں۔ خاص طور پر "دو کا پہاڑہ"، "مسکراتی کرنیں"، "کرن کرن خوشبو" اور "انٹرویو" جبکہ "یادوں کے دریچے"، "مجھے یہ شعر پسند ہے"، [illegible] "کرن کا دستر خوان" اور "حسن و صحت" اپنی جگہ کرن کی خوب صورتی کا

لازمی جزو ہیں۔ "نام میرے نام" میں اپنے نام کا شدت سے انتظار رہے گا۔ اللہ رب العزت کرن کو دن دگنی اور رات چوگنی کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

ج۔ پیاری سکان! آپ کے تفصیلی تبصرے سے اندازہ ہوا کہ آپ کتنے ذوق و شوق اور باریک بینی سے کرن کا مطالعہ کرتی ہیں' ہمیں بہت خوشی ہے اس بات کی۔ اللہ تعالیٰ ہماری قارئین کی محبت ہمارے لیے اسی طرح قائم رکھے۔ (آمین) آپ کی تعریف تمام مصنفین تک ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔ تنزیلہ مقصود' تنزیلہ ریاض نہیں ہیں۔ تنزیلہ مقصود ہماری نئی مصنفہ ہیں۔

سونیا رانی۔ قاضیاں محلہ بالا

سب سے پہلے آپ سب کے نام یہ دعا کہ اللہ پاک اس سال کو سب کے لیے مبارک ثابت کرے اور آپ سب کی ہر آرزو خوشی تتلی بن کر آپ کے آنگن اترے۔ (آمین)

اس بار کرن کا انتظار بہت کرنا پڑا۔ خیر کل کرن ہاتھ آیا' اب تبصرہ بھی کرنا ہے' دسمبر کا ٹائٹل اچھا لگا ویسے دسمبر کا سوچ کر دماغ میں ایک اور طرح کی تصویر آتی ہے' مگر یہ ٹائٹل ٹھیک تھا۔ انٹرویو میں نبیل اور سلمٰی کو دیکھ کر اچھا لگا۔ باقی ابھی پڑھے ہی نہیں۔ سروے کے جواب سب مزے کے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری طرح اپنی نانی کا آنگن اور وہاں کی خوب صورت یادیں سب ہی لڑکیوں کے ساتھ ہیں۔

مکمل ناول میں "عشق آتش" پڑھا۔ ملیحہ کا انتقال ہوچکا ہے دکھ ہوا۔ مگر خیر مجھے یہ یقین نہیں آرہا کہ ملیحہ کے بابا اچانک پتھر بن گئے یا پھر وہ اندر سے پتھری تھے۔ پھر ملیحہ وجدان تک کیسے اور کس راستے آئی گیا نور الہدیٰ نے بھی اس کی مدد کی اور اپنے ہاتھوں سے اس کو وجدان کا ہم سفر بنایا اور پھر بابا سے اسی لیے ناراض ہوا کہ انہوں نے ملیحہ کی مرضی کے بغیر فیصلہ کیا تھا؟ خیر بہت اعلیٰ سعدیہ جی' انتظار ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔

ناول "دردل" بھی جلدی جلدی پڑھ لیا۔ اور بے چارا منصور حسین جانے کتنے چکر لگا چکا ہے' نبیلہ جی نے اب پکڑ لیا ہے ہم کو بولٹ "گوشہ عافیت" شموں تو زندہ ہے' مگر صفی کو گولی ماری گئی' وہ بھی وجیہہ نے' یقین نہیں آیا۔

تو کیا صفی نے اسی دن نکاح کیا تھا اور پھر لوٹ بھی آئی' اب جانے عصمہ کے ساتھ کیا ہو؟ کیا پتا ہے' صفی بھی زندہ ہو' خیر اگر اسے مار دیا گیا ہے تو بہت برا ہوا ہے۔ نبی کا "پیار آتی ہے" بھی ٹھیک تھا۔ بس مجھے کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے' جب کہیں ایسا اتفاق پڑھتی ہوں کہ زوباریہ سدرہ کو جنتی بنادیا اور سدرہ نہال کی محبت نکلی' مجھے ایسے اتفاقات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے جانے کیوں؟

افسانے بھی سارے پڑھ لیے' سب ہی اچھے تھے۔ خاص کر "تم سے محبت ہے۔" مجھے سوہن کی حرکتیں پڑھ کر بڑی ہنسی آئی۔ "روشنی ہے رستہ" بھی اچھا تھا۔ اور نازیہ کا افسانہ بھی اچھا لگا۔ جی چاہا کہ میں اس شاہ زیب کا سر پھاڑ دوں۔ معلوم نہیں لڑکیاں اتنی جلدی بے وقوف کیسے بن جاتی ہیں۔

مستقل سلسلے اس بار سب بہت اعلیٰ تھے۔ دسمبر کے کرن کی خوب صورتی تھے۔ "کرن کرن خوشبو" میں ارم کا انتخاب بہت اچھا لگا۔ "یادوں کے دریچے" میں ریحانہ اور گڑیا بہت اعلیٰ انتخاب کے ساتھ موجود تھیں' اشعار سارے اچھے تھے۔

میں کرن میں سچ سچ کچھ نیا چاہتی ہوں' اور وہ یہ کہ کرن میں ہر ماہ ایک ایسا انٹرویو ہو' جس میں کسی ایسے شخص کی باتیں' یادیں قید ہوں' جو اب اس دنیا میں نہ ہو۔ مثلاً ادیب' ادا کار وغیرہ۔ یوں کہ "آپ آزادیں میرے" کرن کا بڑا خوب صورت سلسلہ ہے' سب کو بہت پسند ہے' میں بھی دو بار شامل ہوچکی ہوں۔ اسی سلسلے سے ملتا جلتا کوئی نیا سلسلہ شروع کریں اور ایک آخری بات' آپ بھی ہر خط کا جواب دیا کریں' بیچارہ انسان اتنا وقت نکال کر خط لکھے اور اس جواب میں کچھ بھی نہ ہو' سب سے بڑی یہ کمی ہے کرن میں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک خواہش بھی پوری ہوجاتی ہے تو دل خوش ہوجائے گا۔ اچھا اب اجازت دیں۔

ج۔ پیاری سونیا! آپ کا خط شامل اشاعت ہے۔ نئے سلسلوں کے لیے آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے۔ اگر ہماری اور قارئین نے بھی اس سلسلے میں دلچسپی لی تو ہم ان شاءاللہ جلد شروع کریں گے۔ آپ نے کوئی سوال نہیں کیا' مگر ہم پھر بھی آپ کے خط کا جواب دے رہے ہیں۔ اب تو آپ خوش ہیں نا۔

صفورہ اکرام۔ گوجرانوالہ

ڈائجسٹ سے وابستہ تمام افراد کی خیریت کے لیے

ڈھیروں دعائیں' کرن میں پہلی دفعہ خط لکھ رہی ہوں' حالانکہ ارادہ تو بہت بار بنا' مگر یہ سستی۔

پچھلے کچھ عرصے سے کرن میں کچھ خاص تحاریر بھی شائع نہ ہوئیں کہ جو قلم اٹھانے پر مجبور کرتیں۔ بہرحال زیادہ تر نئی رائٹرز نے لکھا اور اچھا لکھا۔ لیکن آمنہ ریاض نے "بیاد ہوں" کی صورت میں جو انمول تحفہ دیا اس کے صدقے تمام سب کچھ بھلانے کو تیار ہیں۔ ایک ایسا خوب صورت اور ہر لحاظ سے مکمل ناول کہ جسے مدتوں ہمارے ذہن و دل میں بستا ہے۔ کہیں کوئی جھول نہیں' کوئی کمی نہیں اور تمام کردار اپنی جگہ لاجواب' اپنے اپنے اندر مکمل' خوب صورت ڈائیلاگ' پیاری فضا' بس ایک چھوٹی سی کمی کہ رحاب کا کچھ اتا پتا مل جاتا' بہرحال کوئی بات نہیں۔ آمنہ جی بہت شکریہ اس خوب صورت اور سبق آموز ناول کے لیے' آئندہ بھی اسی طرح لکھتی رہیے۔

اس ماہ کا کرن ابھی پورا نہیں پڑھا۔ لیکن شفق افتخار نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا۔ ایک نئی رائٹر کی اتنی اچھی تحریر پڑھ کر سراہنا اچھا لگا۔ زبردست شفق۔ کمال کا ناول۔ جیسے مکمل تھا۔ تمہاری تحریر نے گرفت میں لی۔ شفق کی تحریر کی تعریف پر مجبور ہوگئی۔ شکریہ کہ اتنی جلدی اور اتنے اچھے انداز میں اظہار محبت بھی کردیا دلیری سے۔ شفق نے ماضی کا بیان بھی کیا۔ واقعات کی کڑی کو کڑی سے جوڑتے رکھا۔ بہرحال مجھے یہ تحریر پڑھ کر بہت اچھا لگا اور مزا آیا۔ پلیز شفق جی غائب نہ ہوجائیے گا اور اس سے بھی اچھی تحریریں لکھتی رہیے گا' اور ہاں کہانی کا آخری پیراگراف بہت بہت اچھا تھا۔ ویلڈن شفق افتخار صاحبہ۔

سمانت عاصم کا افسانہ ہمیشہ کی طرح اچھا تھا۔ تنزیلہ مقصود کا افسانہ بھی پسند آیا۔ "گوشہ عافیت" بہت اچھی جارہی ہے۔ واقعات تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اب دیکھیں "لاذی سائیں" کیا کمال دکھاتے ہیں۔ فوزیہ یاسمین کو زندگی کا نیا سفر شروع کرنے پر ڈھیروں دعائیں۔ "دست کوزہ گر" آج کل میری موسٹ فیورٹ اسٹوری بنی ہوئی ہے۔ پلیز صفحات کچھ بڑھائیں اس کے۔ خرم اور کومل ہمیشہ یاد رہ جانے والے کردار بن جائیں گے ان شاءاللہ۔

پلیز پلیز "دو کا پیمانہ" میں فن کاروں سے ہماری ملاقات کروانا بند کردیں۔ اس سلسلے میں رائٹرز کو لائیں۔ کتنا اچھا لگے گا ان کے بارے میں جاننا' سوالات کی نوعیت تھوڑی سی تبدیل تو کرنا پڑے گی' مگر میرے خیال میں یہ مصنفین سے اپنی طرز کا انوکھا اور پہلا انٹرویو ہوگا۔ پلیز اس بارے میں سوچیے' باقی مستقل سلسلے ٹھیک جارہے ہیں' پرانی رائٹرز سے بھی کرن میں لکھوائیے اب اجازت دیجیے۔

ام ریان۔ عبدالحکیم

کرن اس بار سولہ کو ملا۔ سرورق بس اچھا لگا۔ حمد و نعت پڑھنے کے بعد سعدیہ راجپوت کا "عشق آتش" پڑھا' بہت زبردست ناول ہے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ "گوشہ عافیت" بھی بہت اچھا جارہا ہے۔ بس شگفتہ جی پلیز صفی کو بھی بچا لیجیے گا۔ نبیلہ عزیز کا "دردل" بھی بہت اچھا ہے۔ ان شاءاللہ نبیلہ جی آپ کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرے گا۔ فوزیہ یاسمین کے "دست کوزہ گر" کو نہ پاکر بے حد افسوس ہوا۔ فوزیہ جی ہمارا تو ایک ماہ ہی دن گن گن کر گزرتا ہے' پلیز چھٹی نہ کیا کریں۔

اس کے بعد شفق افتخار کا مکمل ناول "محبت سنگ ریزے" پڑھا جو کہ بے حد پسند آیا۔ شفق جی آپ نے بہت اچھی کوشش کی' آپ جلدی ہمارے لیے اس سے بھی اچھا لکھیں۔ مستقل سلسلوں میں اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ باقی کے کرن پر تبصرہ ادھار رہے گا۔ ابھی میں سارا پڑھ ہی نہیں سکی۔ سال نو کا کرن نہایت شاندار ہونا چاہیے۔ "یادوں کے دریچے" میں امبر گل اور گڑیا شاہ کا انتخاب پسند آیا۔ کرن اسٹاف اور تمام قارئین کو سال نو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس آنے والے سال کو ہمارے لیے اور ہمارے پیارے پاکستان کے لیے بہترین بنادے اور ہمارے پیارے ملک کو اچھے حکمران سے نواز دے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ ہم سب کی پریشانیاں دور فرمائے۔ (آمین)

نواب زادی سونگی۔ تحصیل مورو سندھ

گرد آلود سرد موسم' اڑتے سوکھے پتے اور دل کے اندر جلتے کسی کی یاد کے موسم کے ساتھ آخر نیا سال آہی گیا ہے۔ ہمارا دل نا شاد ہی سہی پر اللہ کرے یہ سال دوسروں کے لیے امن محبت اور کامیابی کی نوید لائے' آمین۔

پاکستان کے ہر فرد' پیارے کرن کے اسٹاف و قاری بہنوں کو نیا سال بہت مبارک ہو۔

دسمبر کا کرن جلدی ہی مل گیا۔ ٹائٹل بس ٹھیک سی لگی۔ پھر لانگ جمپ لگا کر کرن کے سروے میں گئے جہاں پر سب کے خیالات اور جوابات اچھے لگے ہمیں بھی جگہ دینے کا شکریہ۔ انٹرویو میں اپنے موسٹ فیورٹ "نبیل" سے مل کر بہت اچھا لگا۔ ان کا "دھواں" سیریل ابھی تک ہمیں یاد ہے اور اپنے پورے گروپ کی لڑکیوں کا رونا بھی ابھی تک یاد ہے۔

مکمل ناول "عشق آتش" کے لفظوں، کہانی اور کرداروں نے ہمیں اپنے سحر میں جکڑ لیا ہے۔ عشق کی ایسی شدت جو زندگی کو یا تو ہمیشہ کے لیے بے ثمر کر دے یا پھر دل کے سمندر میں ناممکن روشنیاں کر دے اور رائٹر نے قلم کا حق ادا کیا ہوا ہے، کہیں بھی جھول محسوس نہیں ہوا۔ امید ہے ناول نئے سال کا یادگار گفٹ ثابت ہوگا۔ ہماری تعریفیں اور دعائیں رائٹر کے ساتھ ہیں۔

"محبت سنگ رہنے دو" بھی ایک اچھی کاوش تھی۔ اب کرن میں تقریباً "نئی رائٹرز" کی تحریریں شامل ہوتی ہیں اس لیے وہ لطف نہیں آتا جو بھی نبیلہ ابر راجہ، مرحومہ شازیہ چوہدری، یاسمین نشاط، نبیلہ جیدون، بشریٰ سعید یا آمنہ ریاض کو پڑھنے میں آتا تھا۔ پلیز آپ ہر ماہ پرانے سال کے کرن میں شائع ہونے والی شاہکار اسٹوریز میں سے ہی کوئی ایک ناول یا ناولٹ کرن میں دیا کریں تاکہ ہم اپنی پرانی رائٹرز کو پھر سے دوبارہ پڑھ سکیں۔ پلیز اس بارے میں ضرور سوچیے گا کیونکہ بہت پرانے والے کرن تو ہمارے پاس اب محفوظ نہیں رہے۔

شگفتہ بھٹی نے یہ قسط بہت اچھی لکھی بس اب اینڈ کا شدت سے انتظار ہے۔ افسانوں میں سب سے بیسٹ نازیہ جمال کا افسانہ تھا "اتنا دکھ بھرا افسانہ کہ پڑھ کر دل بھر آیا۔ لڑکیوں کے دل کانچ کی طرح نازک ہوتے ہیں۔ ذرا سی ٹھیس لگنے سے وہاں ہمیشہ کے لیے خراشیں پڑ جاتی ہیں۔

"سیماہت عاصم" کا ناولٹ بھی لاجواب تھا۔ ایک اچھا پیغام تھا زندگی کا "کاش ہم سب کی سوچ زویا کی طرح ہو جائے تو جانے کتنی سدرہ جیسی لڑکیوں کو دکھ اور محرومیوں سے ہم ہمیشہ کے لیے بچالیں۔

"در دل" گو کہ ابھی تعارفی مراحل سے گزر رہا ہے مگر پھر بھی پڑھنا اچھا لگتا ہے کیونکہ یہ ہماری فیورٹ رائٹر کا ناول ہے تو اچھے کی امید تو ہم کو کچھ گہری ہو گئی تھی۔

مستقل سلسلے بھی اچھے تھے اور سب قاری بہنوں کا لکھا ہوا مواد بھی اچھا تھا۔ اللہ کرن کے سارے اسٹاف کو کامیابی اور اچھی صحت عطا کرے جو ہر ماہ اتنا معیاری رسالہ فراہم کرتے ہیں۔

ثمینہ اکرم۔ بہار کالونی عیاری

آپ کی خیرو عافیت کے لیے اللہ کے حضور دعا گو ہوں۔ نئے سال کی مبارک باد کے ساتھ دعا ہے کہ آنے والا نیا سال آپ کے اور ہم سب کے لیے خوشیوں کا پیامبر بن کر آئے۔ (آمین) دسمبر کا کرن ڈائجسٹ ملا۔

ٹائٹل بس سو سو تھا مگر رسالہ زبردست تھا۔ اس دفعہ کا کرن مجھے اس لیے بھی بہت عزیز ترین لگا کیونکہ اس میں میرا نام شائع ہوا ہے۔ سب سے پہلے سروے "دن مہینے سال" کے جوابات پڑھے۔ اپنا خط دیکھ کر مجھے جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ (ریحانہ امجد صاحبہ! آپ کا شکریہ جو مجھ ناچیز کی تحریر انہیں قابل اشاعت لگی۔) اٹھائیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا مجھے یہ ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے مگر میں یہ سمجھتی تھی کہ لکھنے کی صلاحیت مجھ میں نہیں اسی لیے کبھی خط نہیں لکھا۔ مگر دوسری قاری بہنوں کو دیکھ کر مجھے بھی شوق پیدا ہوا اور یہ تو وہ رسالہ ہے جس کے مستقل قاری بھی رائٹرز بن جاتے ہیں۔ یہ قاری میں لکھنے کا شعور بے دار کرتا ہے۔ جیسے نادیہ جہانگیر، نازیہ کنول، انیقہ انا اور عائشہ فیاض وغیرہ۔ اس رسالے کے مطالعے سے چھپی ہوئی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ یہ رسالہ اپنے قاری میں لکھنے کی صلاحیت کو ابھارتا اور نکھارتا ہے۔ یعنی اس کو پڑھنے والا ہر طرح سے فائدے میں ہی رہتا ہے۔

اب آتے ہیں تبصرے کی جانب تو اس دفعہ کا مکمل ناول سب پر بازی لے گیا۔ سعدیہ راجپوت کا ناول "عشق آتش" مدتوں یاد رکھے جانے والی تحریر ہے۔ بہت شوق اور دلچسپی سے رات دو بجے تک پڑھا مگر آخر میں "باقی آئندہ" منہ چڑا رہا تھا، بڑا غصہ آیا۔ "گوشہ عافیت" کی قسط بھی اس مرتبہ بہت جاندار رہی۔ اس میں وجیہہ کا کردار مجھے بہت پسند ہے۔ (مگر شخصیت کے ساتھ نام کچھ میل نہیں کھاتا۔) آخر تک اس میں دلچسپی اور سسپنس برقرار رہا۔ شگفتہ بھٹی کی سب تحریریں میں شوق سے پڑھتی ہوں۔

فوزیہ یاسمین جی کی شادی کی خبر پڑھی۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ انہیں ازدواجی زندگی کی خوشیوں سے ہمکنار کرے۔ (آمین) فوزیہ جی ایسا نہ ہو کہ اب آپ بھی نئی زندگی میں مگن ہو کر اپنی قاری بہنوں کو بھول جائیں۔ اور ہم آپ کی تحاریر پڑھنے سے محروم ہو جائیں۔ باقی کہانیوں پر تبصرہ محفوظ ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ آخر میں تمام قارئین سے التماس ہے کہ وہ میرے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ مجھے جلد صحت یاب کرے۔ (آمین) اللہ نگہبان۔

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

سولہ دسمبر کو کرن ملا۔ سرورق اچھا تھا۔ رخ روشن پہ زلفیں بکھرے، ماڈل کافی بھلی لگی۔ دسمبر کے الوداعی دن ہیں۔ دسمبر اس بار بھی رو تھا رو تھا رہا۔ یہ دسمبر اتنا اداس کیوں کرتا ہے۔

انٹرویوز ہمیشہ کی طرح حسب حال تھے۔ جو ہمارے ملک کے سیاست دانوں کا حال ہے ویسا ہی ان کا بھی۔ آپ اداکار "محب علی" کا انٹرویو کریں۔

"دن مہینے سال" میں سب نے اچھا لکھا۔ کاش میں بھی شرکت کرتی۔ سعدیہ راجپوت کا "عشق آتش" اچھا جارہا ہے۔ ایک بات کی سمجھ نہیں آئی جب بیٹھنے کہا تھا کہ وہ اپنے بابا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرے گی تو پھر منگنی والے دن ایسا کیا ہوا۔ کیا وہ فون وجدان مصطفیٰ کا تھا۔ اس رات ایسا کیا ہوا تھا کہ بیجو، وجدان مصطفیٰ بن گئی اور قیصر فاروقی والوں کے لیے ایک بھولی داستان، میرے خیال میں تیسری قسط میں اس اسٹوری کا اینڈ کر دیں۔ ورنہ کہانی طوالت کا شکار ہو جائے گی۔

"محبت سنگ رہنے دو" شفق صاحبہ معذرت کے ساتھ سارا ناول ہی بور تھا۔ ہشام کی سمجھ نہیں آئی۔ عائشہ سے اسے محبت بھی تھی۔ پھر کیوں اس نے عائشہ کو مصطفیٰ کے حوالے کیا۔ کیا مشکل تھی کہ وہ اپنی محبت عائشہ پہ عیاں نہ کرسکا۔ جبکہ عائشہ کے لیے اس وقت ہشام یا مصطفیٰ دونوں برابر ہی تھے۔

افسانہ "تم سے محبت ہے" ہیروئن کا ازلی شکوہ ہیرو توجہ نہیں دیتا۔ حالانکہ بے چارہ پورے کا پورا اسی کا ہوتا ہے۔ مگر کبھی اعتبار کہاں۔ ام سومین کی نت کھٹ بدحواسیاں پسند آئیں۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو اتنے پیارے پیارے رشتوں کا مان ہوتا ہے۔ اور پھر ان رشتوں کو نبھانا بھی جانتے ہیں۔ بہرحال ام سومین نے اپنے ہیرو کے دل میں جگہ بنا ہی لی۔

"بھید پیاسی شاموں کے" سب سے اچھا افسانہ تھا۔ شاہ زیب کی خود غرضی پسند نہیں آئی۔ شاہ زیب نے اپنی ماں کی پسند کو یعنی اپنی ماں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ماہ طلعت کا مذاق اڑایا۔ وقت، حالات، یا حالت بدلنے سے تقدیر نہیں بدلا کرتی۔ ایسا ہوتا تو ہر سیاہ بخت اپنا نصیب بدل لیتا۔ ناولٹ "بہار آئی ہے" نبیلہ طاہر کا اچھا تھا۔ سدرہ کے گھر والوں کی خود غرضیاں حیران کن تھیں۔ خونی رشتے بھی کبھی عذاب جان کیوں ہو جاتے ہیں۔ کہیں تو جہنم ہیں یہ اور کہیں جہنم کی آگ۔ سدرہ پہ غصہ تھا کہ وہ کیوں نہ اپنے حق کے لیے لڑی۔ ظالم کا ساتھ دینے والا بھی ظالم ہوتا ہے۔ جب اپنے زندگی کے اختیار دوسروں کو سونپ دیتا ہے تو پھر اسے بچا کچھا ہی ملا کرتا ہے۔ زندگی کی تلخ حقیقت یہی ہے۔

زویا نے اپنی کوشش سے اپنی خالہ پلس فرینڈ کی زندگی میں بہاریں لے ہی آئی۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتی لوگ اپنی محرومیوں کو دوسروں کی سزا کیوں بنا دیتے ہیں۔

"گوشہ عافیت" شگفتہ جی اس بار اس قسط کو کسی جان سے لکھا۔ بچپن کی پیار کی غیر حاضری کی کسر پوری ہو گئی۔ شموں تو کافی فلاسفر ہو گئی ہیں۔ شموں کا یہ ڈائیلاگ اچھا لگا تھا۔ "محبت کی محبت سے محبت کا مطلب اور اس کا لطف آپ کیا جانو؟ بندہ دیوانہ ہو جاتا ہے اور دیوانے کو اپنی موت سے کیا ڈر؟" "اب یہ کیا نیا سسپنس ڈالا ہے شگفتہ جی۔ قتل، شموں کو چاہتا ہے، شموں، وجیہہ کو، وجیہہ، ذیشان کو۔ کہانی آگے جا کر کیا رخ اختیار کرنے والی ہے۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ کیا لالہ جی نے صفی کو واقعی قتل کر دیا ہے یا وہ بچے کو شموں کی یادیں بنا دی گئی ہیں اور مراد کا کیا بنا۔

مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ اس بار تو "مسکراتی کرنیں" بھی ٹھیک تھا۔

"یادوں کے دریچے سے" میں سیدہ نسبت زہرا اور امبر گل کا انتخاب اچھا لگا۔ پتا نہیں دسمبر سوتا ہے یا پھر بھی کبھی انسان کے نصیب ہی نہیں جاگتے۔ آخر میں آپ سب کو نیا سال مبارک۔ کرن کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

تحریم بخاری۔ ضلع مظفر گڑھ

میں کرن ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ میں نے کئی مرتبہ اپنے خط بھیجے۔ لیکن ایک بھی شامل اشاعت نہیں ہوا اور میں نے ایک افسانہ بھی بھیجا تھا "سائبان" جو کہ حقیقت پر مبنی تھا۔ اور اپنے بڑے بھائی سے چیک کروایا تھا جو کہ ایک شاعر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بھیج دو۔ شائع ہو جائے گا۔ اب پتا نہیں میری تحریر کا آپ نے کیا کیا ہوگا۔ اب اگر میں خط لکھ رہی ہوں تو صرف کرن کی کہانیوں کی وجہ سے۔ میرا موسٹ فیورٹ ڈائجسٹ ہے۔ اور کرن کی تحریروں کی ہی بدولت میں قلم اٹھانے پر مجبور ہوں۔

میں آپ سے ایک بات کا جواب پوچھنا چاہتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ کہ بیشتر ساری کہانیوں میں ایسا ہوتا ہے کہ جو انسان چاہے اسے نہیں ملتا۔ اس بات کو میں پہلے بہت کم مانتی تھی۔ کیونکہ جب میں نے شعور کی منزل پر اپنے قدم رکھے تھے۔ اس وقت تک میں نے جو بھی مانگا مجھے وہ ملا۔ شاید میں جو پہلے مانگتی تھی وہ ہر انسان کو ملتا ہے' کیونکہ بچپن سے لے کر چودہ' پندرہ سال کی عمر تک انسان کی معصوم سی خواہش ہو۔ اکثر پوری ہو جاتی ہیں۔ لیکن پھر زندگی میں ایسا موڑ آیا کہ میرا دامن خوشیوں سے محروم رہ گیا۔ میں۔ اب تک میں نے جو بھی خواہش کی یا دعائیں مانگی ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک بھی پوری نہیں کی۔ میری صرف ایک ہی خواہش ہے کہ میں اپنے بہن' بھائیوں کی آنکھوں میں خوشی کی چمک دیکھ سکوں' ان پر کوئی بھی دکھ نہ آئے میں بہت پیار کرتی ہوں اپنے بہن بھائیوں سے۔ کہتے ہیں ناکہ (جب انسان پر مصیبتیں آتی ہیں تو اس انسان کی آرزو میں امیدیں سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔) لیکن ایسا لگتا ہے اللہ تعالیٰ میری یہ دعا بھی پوری نہیں کریں گے کیونکہ میں جس چیز کی بھی تمنا کروں وہ مجھ سے دور ہو جاتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ہر بار ایسا ہی ہوتا ہے میرے ساتھ؟ پلیز مجھے بتایئے کہ انسان جو چاہے اسے کیوں نہیں ملتا؟ اگر اس کے لیے بہتر نہیں تو اللہ تعالیٰ اس چیز کو انسان کے لیے بہتر بنا کر اسے عطا کرے۔ آخر میں' میں یہ کہنا چاہوں گی اپنے رشتہ داروں' اپنے پڑھنے والوں کو' خاص طور پر لڑکیوں کو کہ وہ کبھی بھی ایسی کوئی خواہش مت کیا کریں جو سراب کی طرح ہوں' جن کے پیچھے بھاگتے بھاگتے ہم اپنا سب کچھ گنوا بیٹھیں اور پھر بھی ہمارا دامن خالی رہ جائے۔ اور جب انسان اپنا سب کچھ گنوا بیٹھے تو اس وقت انسان کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ زیست کی آغوش سے نکل کر موت کی گود میں سو جائے۔ اور پھر ہم خود بخود جرعہ جرعہ زندگی کے اس زہر کو اپنے اندر انڈیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں وقت کے آنچل کو تھام کر چلنا چاہیے' کیونکہ جب کل کو وقت ہماری مٹھی میں ہوگا تو ہم اپنی تقدیریں بھی بدل سکیں گے۔

یہ سب باتیں میں شاید کسی کے سامنے نہ کہہ پاتی۔ اس لیے قلم کا سہارا لیا اور میری یہ فطرت میں شامل ہے کہ میں دل کی بات کسی نہ کسی طریقے سے باہر ضرور لے آتی ہوں۔ آپ ہم سب بہن بھائیوں کے لیے دعا ضرور کیجئے گا۔ کیونکہ ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔ میں بھی وقت کا آنچل تھام کر اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ پلیز میرے لیے دعا کیجئے گا۔ میرا جو مقصد ہے اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب کرے اور ہر مسلمان کو خوش رکھے۔ (آمین) اللہ تعالیٰ آپ کے ادارے کو ترقی دے اور آپ سب کو خوش حال اور آباد رکھے۔ (آمین)

ج۔ پیاری تحریم! آپ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اتنی ناامید کیوں ہیں؟ اس کی نعمتوں اور رحمتوں کا حساب کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ اپنے بندوں سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اگر آپ کی کوئی خواہش پوری نہیں ہوئی تو یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ آپ دعا کریں اور مایوسی کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔ دیکھیں پھر آپ کو کتنی خوشیاں ملتی ہیں۔ اپنے افسانے کے بارے میں اس نمبر 32726617 پر معلوم کر سکتی ہیں۔ امید ہے آئندہ خط لکھ کر کرن پر تفصیلی تبصرہ کریں گی۔

عمرو نسیم۔ گوجرانوالہ

دو ننھے منے چیاؤں' پیاؤں سارا دن پلو تھامے رکھتے ہیں۔ ایک کو بھوک لگی ہے تو دوسرے کو بھی۔ غرض یہ کہ ٹوئنز والا معاملہ ہو گیا ہے۔ اور بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ ان کی نٹ کھٹ شرارتیں و حرکات مجھے خوشی دینے کے ساتھ ساتھ تنگ بھی کیے رکھتی ہیں۔ کبھی کرن کے بخیے ادھیڑے جا رہے ہیں' تو کبھی کسی چیز کی شامت آ رہی ہے۔ عبداللہ تو اوزاروں کا شوقین ہے۔ جہاں کہیں پیچ کس نظر آ گیا بس پھر کھلونوں کی کم بختی آ گئی۔ ان کی حرکت دیکھ کر کئی مرتبہ بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے اور حریم ہر چیز منہ میں ڈال لیتی ہے۔ چنانچہ اس کے پیچھے سارا سارا دن پھرنا پڑتا ہوتی ہے۔ (دیکھیں تو آپ کا مستقبل ابھی کچھ کچھ ایسا ہی ہوگا۔) فیس بکی بھی خوب رہیں۔ اللہ آپ کو اس راہ پر خطر میں سے بآسانی گزارے۔ (آمین)

اب آتے ہیں کرن کی طرف۔ قارئین سے سروے کے جوابات مزا دے گئے۔ ایسفا آپ کا تجزیہ سیکھنے کا انداز بہت اچھا لگا۔ باقیوں کے جوابات بھی انٹرسٹنگ تھے۔ فوزیہ یاسمین جی کو زندگی کا نیا سفر شروع کرنے پر مبارک باد۔ انٹرویو کارنر میں سب سے لوگوں سے مل کر اچھا لگا۔ نبیل کو بھی کافی عرصے بعد دیکھا۔ ان کی بیگم بھی اچھی لگیں۔ اچھا نازیہ کنول نے کرن مستقل سے آؤٹ کر لیا کیا؟ نبیلہ عزیز کا "دردل" بہت اچھا جا رہا ہے۔ خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔ "گوشہ عافیت" میں شگفتہ جی اپنے مخصوص اسٹائل میں بکھیرنے کی چال چل رہی ہیں۔ بہرحال ٹنشن کے ساتھ اب کیا ہوگا انتظار رہے گا۔ "تم سے محبت ہے" گو کہ موضوع پرانا تھا مگر تنزیلہ نے اپنے الفاظ کے وسیع کینوس سے اسے خوش رنگ بنا دیا۔

نازیہ جمال بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ سیما اور شاہدہ کے نام تحریر کی دنیا میں جتنے پرانے ہیں اتنے ہی پائیدار اور تحریر پر مکمل گرفت انہیں حاصل ہے۔ قاری اینڈ تک مسحور رہتا ہے۔ باقی تحریریں ابھی پڑھی ہیں۔ دیگر مستقل سلسلے بھی اچھے رہے۔

"حسن و صحت" میں پلیز پیٹ کم کرنے کے بارے میں ورزشیں لکھیں۔ بھلا ہوگا۔ درشمن اور سدرہ سحر کہیں نظر نہیں آرہیں' پلیز کرن میں لکھیں۔ سعدیہ حمید سے بھی لکھوائیں۔ خط اور مراسلات ضرور شامل کیجئے گا۔

نمل۔ ٹنڈو محمد خان' سندھ

کرن کے سارے اسٹاف کے لیے میری طرف سے ڈھیر ساری دعائیں۔ اللہ تعالیٰ۔ آپ کو بہت سی کامیابیاں عطا فرمائے۔ (آمین)

کرن ڈائجسٹ تو تاریخ کو ملا۔ ناول "دردل" نے اب اپنی جانب توجہ کھینچ لی ہے اور نبیلہ اچھا لکھ رہی ہیں اور علیزے سے تو مجھے ابھی سے محبت ہو گئی ہے اور آذر کا کردار بھی بہت اچھا لگا ہے۔ مکمل ناول میں سعدیہ راجپوت بہت اچھا لکھ رہی ہیں' اب تک ناول بہت دلچسپ محسوس ہو رہا ہے اور یقیناً "اینڈ" بھی اچھا ہوگا۔ "محبت سنگ رہنے دو" کی اسٹوری بھی اچھی تھی۔ [illegible] عمر کی گہرائیوں میں [illegible] حقیقت پر مبنی تھا اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اور میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ اچھے کا انجام اچھا اور برے کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور آگے کے سارے معاملات اپنے رب پر چھوڑ دو۔

آصفہ عنبرین نے ناول میں اچھا سبق دیا کہ جو لڑکیاں اپنی اور والدین کی عزت کا خیال نہیں رکھتیں اور اجنبیوں پر اعتبار کر لیتی ہیں ان کے ساتھ برا ہی ہوتا ہے؟ اس لیے کہتے ہیں کہ انسان کی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اللہ ہمیں ایسی کہانیوں سے سبق لینے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

"گوشہ عافیت" زبردست' میرا کرن کو باقاعدہ سے پڑھنا بھی اسی ناولٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس ناولٹ کو پڑھتے ہوئے ہم اس کہانی میں کھو جاتے ہیں۔ وجیہہ کی شخصیت بھی اچھی ہے۔ شکر ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تو عزت دیتا ہے۔ یہ خوبی اس کی سراہنے کے قابل ہے۔

"لبنیٰ طاہر" کا ناولٹ بھی حقیقت کے قریب تر تھا۔ بہت سی لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہو رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب لڑکیوں کے نصیب اچھے کر دے۔ (آمین) صباحت عاصم کا افسانہ سبق آموز تھا۔ یہ کہانیاں ہی تو ہماری اصلاح کرتی ہیں اور ہمیں ماؤں کی طرح سمجھاتی ہیں کہ کیا برا ہے اور آپ کے لیے کیا اچھا ہے۔ شاہدہ ملک کا افسانہ ہماری بھی "سوچ کے روزن" کھول گیا' زبردست اور آپ کو مبارک باد اتنا اچھا افسانہ لکھنے پر۔ نازیہ جمال نے اچھا لکھا ہمارے معاشرے کی ترجیحات کب بدلیں گی اور ہم لڑکیاں کب تک اپنے نہ کیے ہوئے جرم کی سزائیں بھگتیں گی۔ میرا یہ پہلا خط ہے جو میں کرن کو لکھ رہی ہوں' یقین ہے کہ آپ اسے اپنے کرن میں ضرور جگہ دیں گی۔

مجھے کوکنگ کا شوق ہے' اس لیے میں کرن کا دستر خوان بہت پسند کرتی ہوں' اور تمام ترکیبیں بھی ضرور ٹرائی کرتی ہوں۔

"کرن کرن خوشبو" کا سلسلہ بھی مجھے بہت پسند ہے۔ کرن کتاب بھی بہت سی مفید معلومات لیے ہوئے تھی۔ اگر آپ نے اپنے کرن میں جگہ دی تو ہم پھر آپ کی محفل میں رونق بخشیں گے' اس کے ساتھ ہی آپ سے اجازت چاہیں گے اللہ حافظ۔

انیلا گل، نوشین گل۔۔۔ ایبٹ آباد

یہ سال جاتے جاتے ایک بڑے دکھ سے ہمکنار کر گیا۔ چودہ دسمبر کو ہمارے نانا ابو وفات پا گئے اور پھر پندرہ دسمبر کو ہماری ماسی کا نو عمر بھائی موٹر سائیکل کے حادثے میں جاں بحق ہو گیا۔ اللہ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ تمام قارئین بہنوں سے مغفرت کی درخواست ہے۔

کرن کا ٹائٹل بہت اچھا لگا گو کہ پڑھنے کا وقت نہیں ملا پھر بھی سرسری نظر ڈالی۔ "گوشہ عافیت" شگفتہ بھٹی کا ناول بالکل حقیقت لگا۔ ایسا ہی حادثہ ہمارے گاؤں میں بھی ہوا۔ محرم الحرام کے مقدس مہینے میں غیرت کے نام پر انتہائی سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ کیا گیا۔ ایک معصوم لڑکی کو قتل کر دیا گیا۔ "نام میرے نام" آسیہ قدر آفاق کی موجودگی اچھی لگی۔ قارئین سے سروے بہت اچھا لگا۔ اب اجازت دیں آئندہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

کرن۔۔۔ شجاع آباد

اس مرتبہ کرن چودہ تاریخ کو مل گیا۔ ٹائٹل بس ٹھیک تھا۔ "دستِ کوزہ گر" کی قسط نہ پا کر مایوسی ہوئی۔ "تم سے محبت ہے" اسٹوری زبردست تھی ہم تو پڑھ کر خوب ہنسے۔ "محبت سنگ رہتے ہیں" ناول تھا تو زبردست مگر نزہہ کا ویسٹ اینڈ میں تھوڑا اور لگا۔ "بہار آئی ہے" سدرہ پہلے ترس اور بعد میں رشک آیا۔ "چراغ جلتا رہا" واہ زبردست اگر کوئی لڑکی اس کو پڑھ کر سدھر جائے تو آسیہ کی کہانی لکھنے کی محنت وصول ہو جائے۔ "گوشہ عافیت" شگفتہ جی آپ نے تو دھماکہ کر دیا مراد اور صنوبر کی کورٹ میرج کرا کر نوشین پر ترس آ رہا ہے۔ اور وجیہہ کے ردِ عمل کا انتظار ہے وہ کیا کرتا ہے۔ "عشق آتش" مکمل پڑھنے کے بعد تبصرہ کروں گی پلیز یہ میرا ساتواں خط ہے ضرور شائع کیجئے گا۔ ورنہ میں آئندہ خط نہیں لکھوں گی اچھا اب اجازت دیں۔

ماہ نور سعد۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان

اس دفعہ کرن بہت جلدی ملا یعنی چودہ تاریخ کو ویسے تو بائیس کو ملتا ہے اور خط لکھنے کا موقع نہیں ملتا کرن ٹائٹل اچھا لگا سب سے پہلے سعدیہ راجپوت کا ناول "عشق آتش" پڑھا زبردست اور باقی آئندہ شمارے میں لکھا تھا تو سوچا اگلی قسط اس سے بھی زیادہ اچھی ہو گی اور "گوشہ عافیت" پڑھا میرا فیورٹ ناولٹ زبردست قسط اب کہانی نے اچھا موڑ لیا ہے اب لگتا ہے کہ لالی کو سچ دل نشین سے محبت ہے تمام افسانے پڑھے بڑے مزے کے سبق آموز حالات کی عکاسی کرتے ہوئے پھر مکمل ناول پڑھے شفق افتخار کا ناول بہت پسند آیا "محبت سنگ رہتے ہیں" بہت سلجھا ہوا اور باقی تمام کرن چاٹ ڈالا بہت مزے کا تعریف کے لیے الفاظ نہیں مل رہے ہیں اور اللہ تمام رائٹرز کو اچھا لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اللہ سے دعا ہے کہ آنے والا سال تمام مسلمانوں کے حق میں بہتر ثابت ہو اور کرن کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو (آمین)

نادیہ کرن۔۔۔ کوٹ چھٹہ

میں ہر ماہ باقاعدگی سے کرن پڑھتی ہوں۔ مجھے تمام سلسلے بہت پسند ہیں سب سے زیادہ نہلے پہ دہلا۔ اس کے بعد خطوط اور تمام رسالہ بہت بہت پسند ہے۔ اب آتے ہیں کرن کی طرف سب سے پہلے مکمل ناول پڑھا "چراغ جلتا رہا" مجھے بہت پسند آیا۔ عرا ابراہیم جیسے لوگ ہی آج کل لڑکیوں کو برباد کرتے رہتے ہیں مگر معصوم نوشین اور نوشین جیسی ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنی ہی لڑکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور ان کی کوئی عزت نہیں رہتی دوسرا مکمل ناول "محبت سنگ رہتے ہیں" بھی بہت پسند آیا۔ "نہلے پہ دہلا" کے سوالات و جوابات مجھے بہت اچھے لگتے ہیں کیا میں بھی سوالات بھیج سکتی ہوں۔ پلیز مجھے بھیجنے کا طریقہ بتایئے۔ اور میری فرمائش پر پاپ سنگر "عاطف اسلم" کا یا پھر "نعمان جاوید" کا انٹرویو لازمی بھیجئے گا۔

پہلی مرتبہ لکھا ہے اس لیے انشاء اللہ باقاعدگی سے لکھوں گی۔ اور آپ کو اور آپ کے تمام اسٹاف کو میری طرف سے نیا سال مبارک ہو۔ اب اجازت چاہوں گی۔

ج: نادیہ پیاری آپ اپنی کہانی ارسال کریں۔ قابل اشاعت ہونے کی صورت میں تصحیح ہم خود کر دیں گے۔

انٹرویو کے سلسلے میں آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے جلد پوری کریں گے۔

ماریہ رحمانی۔۔۔ ڈوگر چک جلال

میں کرن تقریباً ڈیڑھ سال سے پڑھ رہی ہوں کرن کے مستقل سلسلے کرن کرن خوشبو مجھے یہ شعر پسند ہے۔ یادوں کے دریچے اور نہلے پہ دہلا بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔

پہلی دفعہ لکھ رہی ہوں شاید کہ میرے خط کو تھوڑی سی جگہ مل جائے نایاب جیلانی کا مکمل ناول پڑھ کر بہت ہی پسند آیا۔

New
Care
Natural Honey
Lotion
قدرتی خوبصورتی ھر پل: